قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمٰن

جلد اول

مفتی عبد الرحمٰن ملاخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد۔ فیز ۲ ڈی ایچ اے، کراچی

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل صاحب رئیس دارالافتاء والتحقیق ابوبکر صدیق مسجد فیز ۲ ڈی ایچ اے
مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 03132775126 0333-2251145

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمٰن عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاوید میانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ ۲۔شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
429	﴿فصل فی نواقض الوضوء﴾	310

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
544	﴿کتاب الصلوۃ﴾	451
544	﴿پانچوں نمازوں کا ثبوت قرآن مجید سے﴾	452
544	﴿فصل فی اوقات الصلوۃ﴾	453
544	﴿اوقات نماز کے مسائل﴾	453
544	﴿پانچوں نمازوں اور وتر کے پڑھنے کا مستحب وقت﴾	454
547	﴿عورتوں کیلئے مستحب ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھیں﴾	455
548	﴿ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے وقت نماز آجائے تو نماز کا حکم﴾	456
549	﴿افطار کی وجہ سے مغرب کی نماز ادا کرنے میں تاخیر کا حکم﴾	457
550	﴿بغیر کسی عذر شرعی کے نماز کو اپنے وقت میں ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے﴾	458
550	﴿دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا حکم﴾	459
551	﴿صلوۃ عشاء کے وقت کا بیان﴾	460
552	﴿نماز مغرب اذان کے بعد تاخیر سے پڑھنا﴾	461
553	﴿چاشت اور اشراق کے وقت کا تعین﴾	462
554	﴿مکروہ اوقات کا بیان﴾	463
555	﴿مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت کا حکم﴾	464
556	﴿مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم﴾	465
557	﴿کسی عذر کی وجہ سے نماز عصر کو مثل اول کے فوراً بعد پڑھنا﴾	466
558	﴿عصر کے وقت تحیۃ الوضوء پڑھنے کا حکم﴾	467

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اظہار تشکر وکلمات دعائیہ﴾

حمد وثناء اس رب کریم کیلئے جس نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور اولاد آدم علیہ السلام کی زندگی کو نور وعمل صالح سے آراستہ فرمایا اور صلوۃ وسلام نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر جنہوں نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں احکام ربانی کی تعلیم دے کر رسالت کا حق ادا فرمایا اور لامحدود رحمتیں فقہائے امت پر جنہوں نے کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کر کے امت کے لئے راہ عمل کو آسان فرمایا۔

سب سے پہلے تو اپنے رب کریم کے حضور سر بسجود ہوں کہ اسی کی توفیق سے ہر امر کی ابتداء وانتہاء ہے، حقیقت یہ ہے کہ اپنے مولائے رحیم کے شکر کیلئے الفاظ نہیں پاتا جس نے محض اپنے فضل سے تیسری بار طباعت کیلئے یہ مجموعہ فتاوی مرتب کرنے کی سعادت بخشی، یہ والدین کی دعاؤں اور اساتذہ کی پرخلوص شفقتوں کا ثمرہ ہے کہ آج یہ دینی وعلمی خدمت پیش کرسکا

فتاوی عباد الرحمٰن پہلی مرتبہ رجب الخیر ۱۴۲۸ھ کو ایک جلد میں شائع ہوا، حضرت اقدس مولانا عزیز الرحمٰن صاحب زید مجدہم کی یہ تقریظ بھی پہلی جلد کی طباعت کے وقت لکھی گئی تھی۔ بحمد للہ گذشتہ ۷ سال کے دوران بھی یہ سلسلہ جاری رہا، ہر سال کے فتاوی متعلقہ ابواب میں شامل کئے جانے کا اہتمام ہے جس کی وجہ سے جلدوں کی ترتیب میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے لیکن متعلقہ ابواب مسائل زیادہ جامعیت کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسری مرتبہ ۱۴۳۲ھ کو پانچ جلدوں میں فتاوی عباد الرحمٰن کی طباعت ہوئی اور اب سات جلدوں میں تیسری مرتبہ مزید اضافوں کے ساتھ الحمد للہ شائع ہو رہا ہے، مولوئے کریم اس سلسلہ کو اپنی رضا کے مطابق جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس مجموعے کو لکھنے پڑھنے والوں کیلئے نافع بنائے، آمین۔

فتاوی کا کام جن نزاکتوں کا حامل ہے اہل علم وارباب فتاوی اس سے بخوبی واقف ہیں پھر ان فتاوی کو جمع کر کے کتابی شکل دینا، ان کی تبویب وتخریج اور ان پر نظر ثانی کرنا جتنا کٹھن اور محنت طلب امر ہے اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس خارزار سے کبھی گذرا ہو۔

زیرِ نظر کتاب مختلف مراحل سے گذر کر آپ کے ہاتھوں میں آئی ہے، حدیث "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کے پیش نظر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے ،جنہوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں کسی بھی قسم کی معاونت فرمائی۔فجزاھم اللہ خیر الجزاء

کمپوزنگ اور ترتیب کا سارا کام دارالافتاء والتحقیق میں زیر تربیت علماء وفضلاء ہی انجام دے رہے ہیں اور ہر شریک کو یہ سعادت حاصل ہے، اللہ تعالی ان سب کے علم وعمل میں برکت عطاء فرمائے اور دین کی خدمت اور دعوت کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

البتہ تیسری بار اشاعت کیلئے ترتیب دینے میں تعاون کرنے والے مندرجہ ذیل فضلاء خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں: مولوی محمد اویس کراچوی، مولوی منتظم اکبر عبدل خیلوی، اور مولوی عزیز احمد خضداری ان فضلاء نے انتہائی لگن سے اس مجموعے کی تیاری میں اضافی خدمات سرانجام دیں، اللہ تعالی ان کے علم وعمل میں برکت عنایت فرمائے۔

کمپوٹر کے حوالے سے جناب سید زاہد حسین صاحب سبزواری اور جناب عبدالرشید صاحب کی خدمات کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا، اللہ تعالی ان کو ہر طرح کی دینی ودنیاوی مسرتوں سے مالا مال فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

بندہ: عبدالرحمن ملاخیل عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والتحقیق ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲ ڈی ایچ اے کراچی

۲۵ شعبان ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۴ جون ۲۰۱۴ء

تقریظ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب زید مجدھم

استاد الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب جو دار الافتاء والتحقیق کے صادر کردہ شرعی فتاوی کا مجموعہ ہے اور ایک سال کے دوران اس مرکز میں زیر تربیت درس نظامی کے فضلاء نے تخصص فی الافتاء میں تدریب کے طور پر تحریر کئے ہیں، یہ مجموعہ اس مرکز کی طرف سے شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔

دو سال پہلے مولانا مفتی عبد الرحمٰن صاحب زید مجدھم نے طلبہ تخصص کے لئے یہ مرکز قائم کیا تھا، موصوف خود جامعہ دار العلوم کراچی کے متخصص ہے اور یہاں کے مشائخ کی زیر نگرانی فتاوی نویسی کی تربیت حاصل کر چکے ہے، جامعہ دار العلوم کراچی سے تکمیل تخصص کے بعد تقریباً پندرہ سال تک بطور مفتی مختلف مدارس میں شرعی فتاوی جاری کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔

مولانا موصوف کو خیال آیا کہ دس پندرہ طلبہ کی جماعت کو فتوی نویسی کی تربیت دی جائے اور اس غرض کے لئے تخصص فی الافتاء کا شعبہ قائم کیا جائے، چنانچہ اس لگن اور علمی ذوق کی بناء پر انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود کام شروع کر دیا اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اس کے نہایت مفید ثمرات ظاہر ہوئے، شاید یہ اس مبارک کام کا ثمرہ ہے کہ فوراً ہی ایک سال کے صادر شدہ فتاوی کی اشاعت کا بھی انتظام ہو گیا جبکہ دوسرے سال کے رجسٹرڈ فتاوی بھی کمپوزنگ کے مرحلے میں ہیں، طباعت سے جہاں یہ فتاوی محفوظ ہو گئے وہاں عمومی طور ان سے استفادہ ہو سکے گا اور ان متخصصین کی بھی بڑی حوصلہ افزائی ہو گی جن کے علمی خامہ فرسائی سے یہ مرحلہ سر ہوا، مولائے کریم اس سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور مفتی صاحب زید مجدھم کی زیر سرپرستی قائم اس ادارے کو زیادہ سے زیادہ نافعیت سے سرفراز فرمائے آمین۔

یہ بات بھی نہایت خوش آئند ہے کہ مفتی صاحب آئندہ سالوں میں بھی اس سلسلے کو اپنی نہج پر جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور اگر حالات سازگار رہے تو انشاء اللہ ہر سال فضلاء تخصص کے لکھے ہوئے فتاوی پر مشتمل ایک یا دو جلدیں شائع ہوتی رہیں گی۔

البتہ ہر دفعہ کی طباعت میں متعلقہ ابواب سے متعلق اضافی تحریر شدہ فتاوی کو شامل کرنا بھی ضروری

ہوگا تاکہ فقہی ترتیب کا تسلسل قائم رہے، اس طرح رفتہ رفتہ فتاوی ایک بڑا ذخیرہ مطبوعہ شکل میں سامنے آجائے گا جو اپنی نوعیت کا منفرد کام ہوگا۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اس سلسلے کو فقہی بصیرت اور تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔ وماذلک علی اللہ بعزیز.

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

﴿دارالافتاء والتحقیق کی علمی وفقہی کاوش﴾

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

افتاء کا کام نہایت عظیم الشان اور باعث اجر وثواب ہونے کیساتھ ساتھ انتہائی نازک بھی ہے، مسند دارمی میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار (دارمی حدیث ۱۵۷)

تم میں سے فتویٰ دینے میں زیادہ دلیر جہنم کی آگ پر بھی زیادہ دلیر ہے۔

اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: (۱۵۹/۲، کتاب العلم، طبع رحمانیہ)

من أفتى بغير علم كان اثمه على من أفتاه.

جو علم کے بغیر فتویٰ دے تو اس کا گناہ اسی پر ہے۔

دونوں احادیث سے اس کام کا نازک ہونا واضح ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ائمہ مجتہدین اور دیگر سلف صالحین کے افتاء سے متعلق اقوال اور اس میں احتیاط برتنے کے واقعات کا جب استحضار ہوتا ہے تو اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے بڑا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔

جب کہ اس کام کے دوسرے پہلو یعنی عظمت واہمیت کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے، اس کو فرض کفایہ کا درجہ دیا اور قرآن کریم میں افتاء کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے: "قل الله يفتيكم فيهن اور قل الله يفتيكم في الكلالة" لہٰذا یہ کام سنت الٰہی ہے جب کہ یہ کام خاتم النبیین ﷺ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی فرض منصبی رہا اس کام کے پرخطر اور نازک ہونے کے باوجود علماء کرام اس کام کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ اسی میں علم دین کی بقاء ہے اور دنیا وآخرت میں نجات کا بڑا ذریعہ ہے۔

الغرض افتاء کا کام انتہائی مفید ہے اور کوئی بھی مفید مشغلہ ہو تو اس میں خطرہ بھی تقریباً اسی نسبت سے ہوتا ہے بندہ کی نظر میں بھی اس کام کی بڑی اہمیت ہے، فراغت کے بعد اسکا بڑا شوق

وجذبہ رہا اور الحمدللہ اب بھی ہے۔

۱۴۱۱ھ جامعہ دارالعلوم کراچی میں (اللہ تعالیٰ ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ فرمائے) حضرت اقدس استاذ العلماء والمشائخ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نفعنا اللہ والمسلمین بعلومہ وادام علینا ظلہ درجہ تخصص فی الفقہ میں اپنی تربیت کے سایہ تلے جگہ عنایت فرمائی (جزاہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ) اور بڑی سعادت کی بات یہ کہ جو مضامین تخصص میں پڑھائے جاتے ہیں سراجی کے علاوہ باقی سب خود پڑھائے اور تینوں سال جتنے فتاویٰ لکھے آپ ہی اصلاح فرماتے اور تصویب فرماتے، دوران تربیت جہاں اس کام کی اہمیت واضح فرماتے اس میں غفلت اور لاپرواہی یا اپنے سلف اکابر اساتذہ کی نہج سے ہٹنے کو دنیا وآخرت میں بربادی، خسران کا باعث بھی بیان فرماتے، بار بار اس پر اتنا زور دیتے رہے کہ ڈر اور خوف کا پہلو شوق پر غالب ہو گیا۔

البتہ ایک صورت میں اس کام میں لگنے پر اطمینان فرماتے وہ یہ کہ طویل عرصہ تک ماہر اساتذہ کی صحبت میں رہ کر اور ان کی صحبت سے پوری طرح فائدہ اٹھا کر کیا جائے تو اس سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں ہے، اور اس ممارست کے بعد بھی ایک بات یاد رکھنے کی تاکید فرماتے تھے کہ جب بھی کوئی نادر یا مشکل مسئلہ پیش آئے عربی کتب فتاوی کی طرف مراجعت کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے، لکھنے سے پہلے اکابر علماء کے اردو فتاویٰ میں بھی وہی مسئلہ یا اس کی نظیر تلاش کریں اور اپنی سمجھ کو اکابر کی سمجھ پر پرکھیں اگر کہیں تضاد ہو تو اپنی سمجھ پر کبھی بھروسہ نہ کریں اکابر کی رائے کو ترجیح دیں یا کم از کم توقف اختیار کریں۔

اس لئے تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد تدریس پر اکتفاء کرنے کا ارادہ ہوا اور اسی میں سلامتی سمجھی، تدریس کیلئے کوشش کرتا رہا کہ ایک روز اپنے شیخ ومربی ناظم تعلیمات وشیخ الحدیث پیر طریقت ومرد کامل مولانا مفتی سبحان محمودؒ نے اشرف العلوم کورنگی نمبر ساڑھے تین میں اصلاحی درس سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: عبدالرحمٰن آج کل کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرت ربانی مسجد کورنگی نمبر ۱ میں امامت وخطابت کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

فرمایا: ادھر یعنی اشرف العلوم میں کام کرو اور پھر باقاعدہ دارالافتاء والتصنیف کا ذمہ دار

ٹھہرایا، دوران تخصص بھی تقریباً ہر مسئلہ میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتا رہا اور لکھنے کے بعد اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا، کاموں کا آپ پر ہجوم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑے حلم سے نوازا تھا ہر وقت چہرہ مبارک پر شگفتگی اور خوشی کے آثار نظر آتے نظامت کی ذمہ داریوں سمیت کافی فتاویٰ ایک گھنٹہ میں سن لیتے تھے، اصلاح فرماتے اور تصویب بھی فرماتے تھے، ایک طرف اصلاح فتاویٰ کیلئے طلباء کی لائن ہوتی تھی، دوسرے طرف دار العلوم کے مسائل یعنی نظامت سے متعلق مسائل والوں کی لائن ہوتی تھی میں نے آپ کے وقت میں برکت کا مشاہدہ کیا، اپنے شیخ کے حکم سے اشرف العلوم میں افتاء اور تصنیف کا کام شروع کیا اب زیادہ ڈر اور خوف بھی نہیں تھا، اس لئے کہ شیخ سے رہنمائی حاصل کرنے میں آسانی تھی ہر مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا آپ ہی تصویب فرماتے، کچھ عرصہ کے بعد تدریس شروع کی، جس کے لیے بندہ نے خود درخواست دی، تصنیف کا کام صاحبزادے مولانا حسان کے حوالہ فرمایا، البتہ افتاء اور تدریس دونوں خدمات حضرت کے زیر سایہ بندہ انجام دیتا رہا، الحمد للہ فنون کی اکثر کتب پڑھانے کا موقع ملا، ہدایہ (چاروں جلد) پڑھائیں، خصوصاً ہدایہ ثالث آٹھ سال تک پڑھائی اور ساتھ ساتھ مدرسہ میں آنے والے سوالات کے جوابات بھی خود لکھتا۔

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ کو حضرت اس دارفانی سے رحلت فرما گئے مجھ سمیت بہت سارے خوشہ چین انکے سایہ سے محروم ہو گئے، ایک مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی ہمارے آبائی گھر پر تشریف لائے تھے رخصت ہوتے وقت فرمایا: عبدالرحمٰن ہم جارہے ہیں آپ کام کرتے رہیں انداز سے تاکید معلوم ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو جوار رحمت میں رکھے (آمین) عجیب شفیق استاد و مربی تھے، بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے، الحمد للہ حسب ارشاد کام جاری رکھا اللہ تعالیٰ آخری دم تک جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس کو قبول فرما کر اس میں خوب برکت عطاء فرمائے آپ کے انتقال کے بعد جامعہ دار العلوم کراچی کے دیگر اساتذہ کرام سے اکثر مسائل میں رجوع کرتا ہوں اور الحمد للہ کوئی مشکل نہیں رہتی اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام کا سایہ قائم ودائم رکھے اور ان کے فیوض سے ہمیں پوری طرح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۲ء ڈی ایچ اے کراچی کی ایک مسجد میں خطابت وامامت کی خدمات انجام دینے پر اللہ تعالی نے فائز فرمایا، تدریسی خدمات جاری رکھنے میں کچھ دشواریاں پیش آرہی تھیں، بڑی فکرلاحق ہوگئی کہ خدانخواستہ تدریسی سلسلہ منقطع ہوگیا تو بڑی نعمت سے محرومی ہوگی، بڑے مجاہدوں سے حاصل کیا ہوامختصر ساعلم ضائع ہوجائے گا دعاؤں کا اہتمام کرتا رہا کہ اللہ تعالی نے دل میں خیال ڈالا کہ الحمدللہ اپنی جامع مسجد ابوبکر صدیق فیز۲ کافی وسیع اور پرسکون ہے نیچے تہہ خانہ میں اگر علماء کرام کوتمرین افتاء کرائی جائے تو اپنا مقصد بھی پورا ہوگا اور بہت سارے فضلاء تشنگان علم جو کہ دور دراز علاقوں سے کراچی آتے ہیں اور بڑے اداروں میں ان کیلئے داخلہ کی گنجائش نہیں ہوتی کم ازکم بندہ کے پاس ان کو کچھ فائدہ تو ہوگا۔

بریگیڈیر (ر) حافظ قاری مولانا فیوض الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ڈی ایچ اے میں مذہبی امور کے ڈائریکٹر تھے بندہ کی درخواست ایک شرط پر منظور فرمائی کہ علماء کرام کی رہائش مسجد میں نہ ہو، البتہ تعلیم جاری رکھیں صرف تعلیم دینا ڈی ایچ اے کے اصول کے منافی نہیں ہے بلکہ ڈی ایچ اے تو حفظ وناظرہ تعلیم بالغاں کی کلاسوں سے مساجد کو آباد رکھنا چاہتا ہے، آپ تو تمرین افتاء کرائیں گے یہ تو سب سے عمدہ کام ہے۔

ڈی ایچ اے کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد کئی دنوں تک استخارہ کیا انشراح صدر کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام سے خصوصاً فقہی مسائل میں جن اساتذہ کرام سے وقتاً فوقتاً استفادہ کرتا رہا ان سے باقاعدہ مشورہ کیا کہ اتنی بڑی ذمہ داری کے بوجھ کا بندہ خود اکیلے متحمل نہیں ہے، ہاں اللہ تعالی کی مدد اور اساتذہ کرام کا سایہ ہو تو کوئی مشکل نہیں ہے۔

الحمدللہ اساتذہ کرام نے تعاون کی یقین دہانی فرمائی پھر اپنے شیخ ومرشد حضرت اقدس جناب واصف منظور صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں درخواست پیش کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بصیرت کی بڑی دولت سے نوازا تھا۔

اس لئے درخواست میں اس بات کا بھی اظہار کردیا کہ اجازت دیں گے تو یہ کام شروع کروں گا ورنہ نہیں، شیخ رحمہ اللہ اس وقت اللہ تعالی کے راستے میں سالانہ چلہ کیلئے تشریف لے

جارہے تھے، اندرون سندھ تشکیل ہوئی تھی، جواب ملنے میں کئی دن گذر گئے مختلف قسم کے وساوس آرہے تھے کہ شاید یہ کام شروع نہ کرنے میں خیر ہے، اس لئے شیخ صاحب کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں چونکہ میری دلی خواہش اس کام کو شروع کرنے کی تھی لیکن یہ عزم کیا ہوا تھا کہ اگر شیخ صاحب اجازت نہیں دیں گے تو شروع نہیں کروں گا اور یہ شوق محض خواہش نفس اور مکر شیطان ہوگا، بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا، کئی دنوں کے بعد جواب موصول ہوا چونکہ شدت سے انتظار تھا، اس لئے بڑی خوشی ہوئی، اللہ، اللہ کرتے ہوئے خط کھول رہا تھا عجیب کیفیت تھی کہ جواب ہاں میں ہوگا یا ناں میں؟ بہرحال شیخ صاحب (اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے) نے نہ صرف اجازت دی بلکہ بہت زیادہ دعائیں بھی دیں اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بہت جلد یہ بہت بڑا علمی ادارہ ہوگا اور جواب میں تاخیر کی وجہ بھی تحریر فرمائی تھی کہ دیگر بزرگوں اور مفتیان کرام جن سے ذاتی تعلق ہے مشورہ کیا تب فیصلہ کیا اس لئے تاخیر ہوگئی۔

شوال ۱۴۲۶ھ میں چھ فضلاء کو شعبہ تخصص فی الفقہ کیلئے استعداد معلوم کرنے کے بعد منتخب کیا، تمام ساتھیوں نے سال بھر خوب یکسوئی سے محنت کی اور شعبان ۱۴۲۷ھ میں تعلیم مکمل کر لی (جن کی کارکردگی مستقل کتابی صورت میں ''فتاوی عباد الرحمٰن'' جلد اول کے نام سے طبع ہوئی ہے) اور اب تک الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے ہر سال دس سے پندرہ علماء فتوی کی تربیت حاصل کر لیتے ہیں اور ضمناً کافی تعداد میں تحقیق طلب مسائل کے جوابات بھی فتوی کی صورت میں تیار ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً ساڑھے چار ہزار کم وبیش مسائل کو اب تک کتابی صورت میں ترتیب دے سکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ذمہ داری کی انجام دہی میں ہر طرح کی اغلاط واخطاء سے حفاظت فرمائے اور اس مختصر اور ناقص خدمت کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع بنائے اور جن کی محنت ورہنمائی سے مال یا وقت خرچ کرنے سے ان فتاوی کو کتابی صورت ملی، یہ محنت ان کیلئے اور ان کے علاوہ میرے والدین اساتذہ کرام کیلئے بھی صدقہ جاریہ ہو اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہو۔

اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر کوئی غلطی سامنے آئے تو بندہ کو متنبہ فرمادیں میں بہت احسان مند ہونگا، اساتذہ کرام سے مشاورت کے بعد غلطی واضح ہوگئی تو انشاء اللہ اس کی اصلاح

میں تامل نہیں ہوگا۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على نبيه محمد ﷺ واله واصحابه اجمعين

بندہ: عبدالرحمٰن ملاخیل عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والتحقیق ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲ ڈی ایچ اے کراچی

۲۵ شعبان ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۴ جون ۲۰۱۴ء

﴿کتاب الایمان و العقائد﴾

﴿آپ ﷺ کے ساتھ عقلی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے استاد جی اپنے ایک مقتدی سے ناراض تھے مقتدی انکی منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے تو آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ محبت ہے۔ براہ مہربانی شریعت کی رو سے واضح فرمائیں کہ ایسا کہنے کے بعد وہ مسلمان رہتا ہے یا نہیں؟　　مستفتی: نذیر احمد

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ محبت دو قسم کی ہے عقلی اور طبعی، طبعی وہ ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ عقلی وہ ہے جو انسان کے اختیار میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقلی اختیاری محبت ایمان کیلئے ضروری ہے کہ عقلی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام محبتوں پر غالب ہو اگر چہ طبعی محبت بھی مطلوب ہے اور وہ عقلی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے آخر کار حاصل ہو ہی جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مقتدی نے جو آپ کے استاد کیساتھ محبت کا اظہار کیا ہے شاید یہ طبعی محبت کا اظہار کیا ہے طبعی محبت اگر کسی اور کیساتھ ہو جائے تو یہ ایمان کے منافی نہیں ہے لیکن اس کا اظہار مذکورہ انداز میں کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ عقلی محبت کے تقاضے کے بلاشبہ منافی ہے، لہٰذا صاف لفظوں میں ایسا کہنا اگر چہ کفر نہیں ہے لیکن غلط ضرور ہے اسکو چاہیے کہ توبہ کرے اور سنتوں کا اہتمام کرے کثرت سے درود شریف کا ورد کرے تو انشاء اللہ تعالی طبعی محبت بھی غالب ہو جائیگی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الأحزاب،آیت۶)

النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم... الآیة.

ولمافی الصحیح للبخاری:(۱/۷،طبع قدیمی)

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده.

ولمافی المرقاة:(۱/۱۳۹،طبع رشیدیه)

ولیس المرادالحب الطبیعی لانه لایدخل تحت الاختیار... بل المرادالحب العقلی الذی یوجب ایثارمایقتضی العقل رجحانه ویستدعی اختیاره وان کان علی خلاف الهوی کحب المریض الدواء فانه یمیل الیه باختیاره ویتناوله بمقتضی عقله لماعلم وظن ان صلاحه فیه وان نفرعنه طبعه مثلالوامره صلی الله علیه وسلم بقتل ابویه واولاده الکافرین اوبان یقاتل الکفارحتی یکون شهیدا لاحب ان یختارذلک لعلمه ان السلامةفی امتثال امره صلی الله علیه وسلم اوالمرادالحب الایمانی الناشی عن الاجلال والتوقیروالاحسان والرحمةوهو ایثارجمیع اغراض المحبوب علی جمیع اغراض غیره حتی القریب والنفس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کتبہ: سلمان احمد

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۳۱

﴿فضول باتوں میں بحث ومباحثہ خیر سے دوری کا باعث ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی شیعہ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا، اب شرع کی رو سے اس پر کیا لازم ہے؟

سائل: سہیل فیڈرل بی ایریا کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ ہر شیعہ کافر نہیں ہے، البتہ جو شیعہ ضروریات دین کا منکر ہو مثلا قرآن مجید کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ مکمل نہیں ہے یا حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھتا ہو حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا کی براءت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے یا جبرئیل علیہ السلام سے وحی پہنچانے میں غلطی کا عقیدہ رکھتا ہو تو ایسا شخص شیعہ ہو خواہ کسی بھی مسلک کا پیروکار ہو بلاشبہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، ایسے آدمی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اور عام تفضیلی شیعہ اگرچہ فاسق وفاجر ہیں لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے اسکی نماز جنازہ میں

شریک ہونا کوئی گناہ نہیں ہے، اس قسم کی باتوں میں بحث کرنا خیر سے دوری کا باعث ہے۔

لمافی الشامی:(۴۶/۲،طبع ایچ ایم سعید)

وبهذا ظهران الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في على رضى الله عنه اوان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي اوكان ينكر صحبة الصديق رضي الله عنه اويقذف السيدة الصديقة رضي الله عنها فيو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما اذا كان يفضل عليا رضي الله عنه اويسب الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين فانه مبتدع لا كافر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۱۹۶۶

﴿نماز کو بے فائدہ سمجھنے والے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جو یہ کہہ دے کہ ''صرف نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ تم کرتے ہو بلکہ آدمی کا دل صاف ہونا چاہیے اور اخلاق اچھے ہونے چاہئیں، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اس شخص کا یہ کہنا کہ دل صاف ہونا چاہیے اور یہ کہنا کہ اخلاق اچھے ہونے چاہییں، بالکل صحیح ہے اور شریعت میں مطلوب بھی ہے، لیکن یہ کہنا کہ نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں (نعوذ باللہ) بالکل غلط ہے کیونکہ نماز کا فائدہ تو مسلمان کو بہر صورت ہوتا ہے اور ایسے حکم کو جو کہ دین اسلام کا اہم رکن ہے کوئی شخص غیر اہم سمجھے تو ایسے شخص کا ایمان بھی خطرے میں ہے، اس سے بڑھ کر کیا فائدہ ہوسکتا ہے کہ نماز برائیوں، فحاشیوں وغیرہ سے روکتی ہے۔

لما في قوله تعالى:(سورة العنكبوت،پاره ۲۱،آیت ۴۵)

ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر… الآية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم: محمد شریف چترالی

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر: ۳۲۱

﴿نماز سے روکنے والے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر کسی عذر کے کسی آدمی

کے لیے فرض نماز چھوڑنا جائز ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ تم نماز مت پڑھو جو گناہ ہوگا وہ مجھے ہوگا تمہیں نماز چھوڑنے کا گناہ نہیں ہوگا، براہ کرم مذکورہ شخص جو نماز سے روکتا ہے شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: قاری محمد ابراہیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ نماز دین اسلام کا ایک رکن ہے بغیر کسی شرعی عذر کے اس کو اپنے وقت میں نہ پڑھنا کبیرہ گناہ ہے، اور اسکی فرضیت سے انکار کفر ہے، اس شخص کے مذکورہ الفاظ کفریہ جملہ ہے، واقعی ایسا بولا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے، برادری والوں کو چاہیے کہ اس کو توبہ پر مجبور کریں اور جب تک باہمی رضامندی سے تجدید نکاح نہ کریں تو اسکی بیوی اس سے الگ رہے۔

لما في قوله تعالى (سورة البقرة ۲۳۸)

حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقوموا لله قانتين.

ولما في مشكوة المصابيح (۵۸/۱ طبع سعيد)

وعن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة.

ولما في الشامية: (۱۰۰/۲، طبع سعيد)

(قوله ولو كان يصلي بالايماء) اى قاعدا او قائما او مستلقيا او مضطجعا كما هو قضية الاطلاق.

وايضا: (۲۲۲/۴، طبع سعيد)

(من هزل بلفظ كفر) اى تكلم به باختياره غير قاصد معناه .....والاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة، وافعال تصدر من المنهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلوة بلا وضوء، عمدا بل بالمواظبة على ترك السنة استخفافا .... قلت ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف لانه لو توقف على قصده لما احتاج الى زيادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق.

ولما في العالمگيرية: (۲۸۴/۲، طبع رشيدية)

رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالايمان يكون كافرا ولا يكون عندالله مؤمنا كذا في فتاوى قاضي خان.

وایضاً (۱؍۴۳۲ مطبع رشیدیہ)

ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعده

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۲۶

﴿الحزن قد یکون لکثرة الذنوب﴾

﴿زیادہ تر پریشانی گناہوں کیوجہ سے ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ اسئلکم عن شیء: انی شکوت الی شیخی بانی محزون منذ ایام، قال ما سببه قلت لا ادری قال فانه من کثرة الذنوب فعجبت من جوابه فماتقولون انتم؟

﴿جواب﴾ صدق شیخک واصاب فی الجواب فانه قد روی عن النبی ﷺ مایفید ذلک.

لمافی مشکوۃ المصابیح: (۱۳۸ طبع سعید)

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ اذاکثرذنوب العبدولم یکن مایکفرهامن العمل ابتلاه الله بالحزن لیکفرهاعنه رواه أحمد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد جان

۲۱ صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۱۹۸۴

﴿"روزہ، نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے" یہ الفاظ موجب کفر ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بھائی ہے جب والدہ اس سے نماز اور روزہ کا کہتی ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ روزہ اور نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے میں تو دولتمند ہوں مجھے کیا ضرورت ہے اور کبھی یہ بھی کہتا ہے کہ یورپ والے کہاں نماز وروزہ رکھتے ہیں؟ پھر بھی اتنے دولتمند ہیں براہ مہربانی شرع متین سے وضاحت فرمائیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبدالوہاب

﴿جواب﴾ آپ کے بھائی کے یہ الفاظ "روزہ نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے میں تو دولتمند ہوں مجھے کیا ضرورت ہے" موجب کفر ہیں توبہ سے پہلے پہلے اگر مرگیا تو جہنمی ہوگا اور

اسکی بیوی پر لازم ہے کہ فوراً اس سے علیحدگی اختیار کرے اس بات سے آپ کے بھائی کا کفریہ عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے اور جہالت بھی، وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ نماز روزہ وغیرہ احکام غریب وامیر سب کیلئے ہیں آپ کے بھائی کے پاس کیا دولت ہوگی الحمدللہ دنیاوی نعمتوں سے مالا مال بے شمار خوش قسمت لوگ ہیں جو کہ نماز روزہ اور دیگر شرعی امور کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النور،آیت۳۷)

رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله الآية.

برادری کے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ اس کو سمجھائیں، توبہ کروائیں تجدید ایمان کروائیں اور اگر شادی شدہ ہے تو نئے حق مہر کیساتھ تجدید نکاح بھی کروائیں اگر اس کی بیوی چاہے تو عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ بھی شادی کرسکتی ہے۔

لمافی شرح فقه الأكبر:(۲۸۴-۲۸۵،طبع دار الكتب العلمية)

من جحد فرضاً مجمعاً عليه كالصلاة والصوم والغسل من الجنابة،وفي فوز النجاة او قال لااصلي لانه لازوجة له ولاولد يعني كفر لانه اعتقدانها لاتجب الاعلى من له زوجة اوولدا واراد المعارضة مع الرب والمناقضة في مقابلة فعله سبحانه.

ولما في الدر المختار:(۱۹۳/۳،طبع سعيد)

(ارتداد احدهما)اى الزوجين(فسخ)فلا ينقص عددا(عاجل)بلا قضاء.

وفي الشامية:(قوله فلا ينقص عدداً)فلو ارتد مراراً وجدد الاسلام في كل مرة وجدد النكاح على قول ابي حنيفة تحل امرأته من غير زوج ثان.بحر عن الخانية.

ولما في فتح القدير:(۶۲/۶،طبع رشيديه)

(قوله واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعياذ بالله عرض عليه الاسلام فان كانت له شبهة)ابدأها(كشفت عنه لانه عساه اعترته)اى عرضت له(شبهة فتزاح عنه وفيه دفع شره باحسن الامرين)وهما القتل والاسلام واحسنهما الاسلام.

ولما في ردالمحتار:(۲۴۷/۴،طبع سعيد)

لكن ذكر في(نور العين)ويجدد بينهما النكاح ان رضيت زوجته بالعود اليه والافلا تجبر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۶۷

﴿کسی کا کہنا کہ تیری شریعت کو نہیں مانتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان کا مہینہ تھا عشاء کی

نماز وتر اوتراویح کے بعد بندہ گھر گیا، والد ماجد نے کہا کہ ماچس لے آؤ بندہ ماچس لینے کے لیے دکاندار کے پاس گیا تو اسکی دکان بند تھی اور وہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس کو کہا ماچس کی ضرورت ہے لیکن وہ بیٹھا رہا مسجد میں ماچس پڑی ہوئی تھی میں نے وہ ماچس اٹھالی اور کہا کہ کل نئی لیکر رکھ دوں گا، مسجد میں میرا ایک رشتے دار بھی بیٹھا ہوا تھا اس سے تھوڑا بہت اختلاف بھی تھا اس نے کہا کہ یہ جائز نہیں تو میں نے اس کو کہا کہ جائز ونا جائز چھوڑ کل میں نئی لیکر رکھ لوں گا تو اس نے کہا کہ تو شریعت کو نہیں مانتا، میں نے اس کو جواب میں کہا کہ ''تیری شریعت کو نہیں مانتا'' پھر اس نے دوسری مرتبہ کہا کہ تو شریعت کو نہیں مانتا پھر میں نے جواب دیا کہ ''تیری شریعت کو نہیں مانتا'' ان الفاظ کے بعد میں مسجد میں بیٹھ گیا اور بھی میرے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے میں استغفار کرنے لگا کہ بات تو میں نے غلط کی لیکن اسکی تردید میں کی ہے، کیونکہ پہلے سے ایک دوسرے کے مخالف تھے اس کے بعد وہ آدمی لوگوں کو کہنے لگا کہ اس نے کفریہ الفاظ بولے ہیں لھذا اس کو تجدید نکاح اور تجدید ایمان بھی کرنا چاہیے، براہ کرم مفتی صاحب مدلل اور تحریری فتوی ارسال فرمائیں۔ مستفتی: حافظ ثناء اللہ کوڑی جمال ضلع، ڈی، آئی، خان

﴿جواب﴾ مسلمان کی تکفیر کے معاملہ میں بڑی احتیاط ضروری ہے بات بات پر کسی کو کافر کہنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا اور آدمی اس طرح نہ ہو تو یہ کفر دوبارہ پکارنے والے ہی پر لوٹے گا، اس لیے فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کے کلام کو امکانی حد تک ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اس کی تکفیر کا موجب نہ ہو،

مسجد سے اپنی ضرورت کے لیے ماچس اٹھا کر لے جانا بلاشبہ شریعت کیخلاف کام تھا، اور رشتے دار نے اعتراض کیا تو جواب میں مذکورہ جملہ بولنا بھی غلط تھا، لیکن اس جملہ کو بنیاد بنا کر آپ کے بارے میں لوگوں سے یہ کہنا کہ یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے یہ بھی غلط ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کیساتھ مخالفت کیوجہ سے مذکورہ جملہ بولا ہے شریعت سے آپ نے انکار نہیں کیا ہے، لھذا توبہ ضرور کریں لیکن تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی صحیح المسلم:(۱/۵۷،طبع:قدیمی کتب خانه)

عن ابی ذرّانه سمع رسول الله ﷺ یقول لیس من رجل ادعی بغیر ابیه وهو یعلمه الا کفر ومن ادعی ما لیس له فلیس منا ولیتبوء مقعده من النار ومن دعا رجلا بالکفر او قال عدوالله ولیس کذلک الا حار علیه .

ولما فی الشامی:(۴/۲۲۹،طبع: سعید)

(قوله لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن)ظاهره انه لا یفتی به من حیث استحقاقه للقتل ولا من حیث الحکم ببینونة زوجته ....بدلیل ما صرحوا به من انهم اذا اراد ان یتکلم بکلمة مباحة فجری علی لسانه کلمة الکفر خطأبلا قصد لا یصدقه القاضی وان کان لایکفر فیما بینه وبین ربه تعالی ،فتأمل ذلک وحرره نقلا فانی لم ار التصریح به.

ولما فی ایضا:(۴/۲۳۰)

ثم ان مقتضی کلامهم ایضا انه لا یکفر بشتم دین مسلم :ای لا یحکم بکفره لامکان التأویل ثم رأیته فی جامع الفصولین حیث قا ل بعد کلام اقول:وعلی هذاینبغی ان یکفر من شتم دین مسلم،ولکن یمکن التأویل بان مراده اخلاقه الردیئة ومعاملته القبیحة لا حقیقة دین مسلم الاسلام فینبغی ان لایکفر حینئذ، والله تعالی اعلم ....الخ

ولما فی البحر الرائق:(۵/۱۲۵،طبع: سعید)

وفی الخلاصة وغیرهااذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع الکفر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن المسلم زاد فی البزازیه الا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلا ینفعه التأویل حینئذ وفی التتارخانیه لایکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة .

والحاصل ان من تکلم بکلمة الکفر هازلا او لاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقاده کما صرح به قاضیخان فی فتاواه من تکلم بهامخطئااو مکرها لا یکفر عند الکل .

ولما فی الهندیه:(۲/۲۷۶،طبع: رشیدیه)

الخاطئ اذا جری علی لسانه کلمة الکفر خطأبان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانه کلمة الکفر خطأ لم یکن ذلک کفر عند الکل کذا فی فتاوی قاضی خان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی عفی عنہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ | فتوی نمبر: ۳۲۴۷

﴿شریعت پر جانداری قوانین کو ترجیح دینا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی تنازعہ تھا ایک نے کہا کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں دوسرے نے اپنے فائدہ کی وجہ سے کہا نہیں میں ''جانداری'' قوانین کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص نے جانداری قوانین کو شریعت پر ترجیح دی ہے لہٰذا شریعت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ یہ شریعت سے کفر ہے یا نہیں؟ مستفتی: مولوی نور محمد ڈیرہ اسمٰعیل خان

﴿جواب﴾ جانداری قوانین کو شرعی قوانین پر ترجیح دینا بلاشبہ کفر ہے لیکن مسلمان کی شان سے بعید ہے کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بھی ایسا کرے۔ ایسے موقع پر جہاں تک ممکن ہو غلط بات کی تاویل کرنی چاہیے مذکورہ صورت میں ممکن ہے شرعی قوانین سے اعراض کرنے والے نے اس لئے اعراض کیا ہو کہ اس کی خاص صورت کے لئے شرعی حکم کو واضح کرنے والا اس کی نظر میں کوئی نہیں ہے اور خود شرعی حکم سے بے خبر ہے اس لئے جانداری قوانین پر فیصلہ کرنے کو ترجیح دی ہو اگر چہ یہ بھی غلط ہے بڑا گناہ ہے لیکن ایسی صورت میں کفر کا فیصلہ دینا مشکل ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ یہ شخص تجدید ایمان اور توبہ کرنے کے بعد تجدید نکاح بھی کرے۔

لمافی عالمگیریہ:(۲۷۲/۲ طبع رشیدیہ کوئٹہ)

واذاقال الرجل لغيره حكم الشرع في هذه الحادثة كذافقال ذلك الغير من برسم كارميكنم به بشرع يكفر عندبعض المشائخ رحمهم الله تعالى .

ولمافي المحيط البرهاني:(۲۰۲/۷ طبع المجلس العلمي)

وسئل الحاكم عبدالرحمن رحمه الله تعالى عمن قال:من برسم كاركنم نه بحكم هل هو كفر؟قال:ان كان مراده فسادالخلق وترك الشرع واتباع الرسم لا ردالحكم لايكفر.

ولمافيه ايضاً:(۲۹۹/۷ طبع المجلس العلمي)

وماكان في كونه كفراًاختلافافان قائله يؤمر بتجديدالنكاح وبالتوبة والرجوع من ذلك بطريق الاحتياط وماكان خطأمن الالفاظ ولايوجب الكفرفقائله مؤمن على حاله ولايؤمربالاستغفاروالرجوع عن ذلك .

ولمافي الفقه الحنفي في ثوبه الجديد:(۴۹/۳ طبع دارالقلم بيروت)

والأصل في ذلك انه لايفتي بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن اوكان

فی کفرہ خلاف ولو کان ذلک روایۃ ضعیفۃ لغیر اھل مذھبنا وھذا یدل علی اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعا علیہ ومستندھم فی تأصیل ھذا الاصل الحدیث الشریف الذی رواہ ابو ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الرجل لاخیہ یاکافر فقد باء بہ احدھم وعن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ ایما رجل قال لاخیہ یاکافر فقد باء بھا احدھما ولھذا بوب الامام البخاری فی کتاب الادب فی صحیحہ فقال من اکفر اخاہ بغیر تأویل فھو کما قال.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۹۸

﴿بیوی کا کہنا کہ اللہ سے نہیں ڈرتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بیوی سے پانی کا مطالبہ کیا بیوی نے نہیں دیا، زید نے بیوی سے کہا اللہ سے ڈرو، بیوی نے کہا نہیں ڈرتی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا زید کے بیوی کی اس طرح کہنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زید کی بیوی کوئی واضح گناہ کرتے ہوئے اس طرح اگر کہدیتی، تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتی اور تجدید نکاح کے بغیر اپنے شوہر کیلئے حلال نہ رہتی، لیکن پانی دینے سے انکار کوئی واضح گناہ نہیں ہے، اگرچہ شوہر کی نافرمانی مباح امور میں گناہ ہے، لیکن واضح نہیں ہے اس لئے کہ پانی دینے سے انکار کوئی معقول عذر کیوجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور کئی تأویلات اس جملہ کی ہو سکتے ہیں۔

البتہ جواب دیتے ہوئے بیوی نے یہ جملہ غلط ارادے سے بولا ہو مثلاً یہ کہ کسی بھی عمل یا موقع پر اللہ سے نہیں ڈرتی تو یہ کفریہ جملہ ہے ایسی صورت میں توبہ واستغفار کیساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

لما فی الھندیہ: (۲/۲۶۲، طبع: رشیدیہ)

اذا طالت المشاجرۃ بین الزوجین فقال الرجل لامرأتہ خافی اللہ تعالی واتقیہ فقالت المرأۃ مجیبۃ لہ لا اخافہ فقال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل ان کان الزوج عاتبھا علی المعصیۃ الظاھرۃ ویخوفھا من اللہ تعالی فأجابتہ بھذا تصیر مرتدۃ وتبین من زوجھا وان کان الذی عاتبھا علی امر لایخاف فیھا من اللہ لم تکفر الا ان ترید بذلک الاستخفاف

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۳/۵۱۲،طبع قدیمی)

اذا طالت المشاجرة بین الزوجین فقال الرجل لامرأته خافی الله تعالی واتقیه فقالت المرأة مجیبة له لااخافه فقال الشیخ الامام ابو بکر محمد ابن الفضل ان کان الزوج عاتبها علی معصیة ظاهرة ویخوفها من الله تعالی فأجابته بهذا تصیر مرتدة وتبین من زوجها وان کان الذی عاتبها علی امر الایخاف فیها من الله لم تکفر الا ان ترید بذالک الاستخفاف

ولمافی التاتارخانیة:(۵/۳۱۴،طبع: قدیمی)

اذا طالت المشاجرة بین الزوجین فقال الرجل لامرأته خافی الله تعالی واتقیه فقالت المرأة مجیبة له لااخافه فقال الشیخ الامام ابو بکر محمد ابن الفضل .... وان کان الذی عاتبها علی امر الایخف فیها من الله لم تکفر الا ان ترید بذالک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن

۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۸

کیا حرام کو حلال سمجھنے والے کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی شیعہ کی نماز جنازہ خود پڑھ لے یا خود پڑھالے تو کیا اس صورت میں انکی اہلیہ کو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔اور کیا اس صورت میں تجدید نکاح کرنا ہوگا۔ ہمارے علاقہ کے کسی مفتی کا یہ کہنا ہے۔ مستفتیہ: متعلمہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی

جواب: اگر اس شخص نے جائز سمجھتے ہوئے ایسے شیعہ کی نماز جنازہ پڑھ لی یا پڑھوائی جو ضروریات دین اسلام کا منکر ہو مثلاً ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوھیت یا نبوت کا قائل ہو؛ (العیاذ باللہ) تو وہ شیعہ چونکہ مسلمان نہیں۔اور غیر مسلم کا جنازہ پڑھنا یا پڑھانا حرام ہے اور حرام چیز کو جائز یا کار ثواب جاننا کفر ہے لہذا اس شخص پر جس نے نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی اس شیعہ کے عقائد بھی اگر واضح تھے ،اور وہ واقعی ضروریات دین اسلام کی باتوں کا منکر تھا تو ایسی صورت میں اس شخص کا ایمان واقعی خطرہ میں ہے اس کو چاہیے کہ تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے۔

لما فی الھندیہ:(۲/۲۷۲:طبع رشیدیہ)

من اعتقد الحرام حلالاأو على القلب يكفر أما لو قال هذا حلال لترويج السلعة او بحكم الجهل لا يكون كفرا.

ولما فی الدر المختار :(۲/۲۷۲:طبع سعید)

وفي شرح الوهبانيه للشرنبلالي:ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولاد زنا وما فيه خلاف يومر بالأستغفار والتوبة وتجديد النكاح

ولما فی الھندیۃ:(۲/۲۶۴طبع رشیدیہ)

ولو قذف عائشه رضي الله عنها بالزنى كفر بالله

وأيضا فی بحر الرائق:(۵/۱۲۱)طبع سعید)

وبقذفه عائشة رضي الله عنها من نسائه صلى الله عليه وسلم فقط وبانكاره صحبة أبي بكر رضي الله.

ولما فی الشامی:(۳/۴۶.طبع سعید)

ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الألوهية في علي او أن جبريل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقه فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عمران الحق سوات

۸صفر۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر ۳۸۷۷

﴿شعائر اسلام کا مذاق اڑانا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چند دوست آپس میں بیٹھے ہوئے رجلیت سے متعلق استفسار کرر ہے تھے ،کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ ،اتنے میں ایک ساتھی نے کہا کہ رجلیت یہ ہے کہ آدمی کی داڑھی ہو ،ایک اور ساتھی نے کہا داڑھی تو بکری کی بھی ہوتی ہے ،میں نے کہا آپ شادی شدہ ہیں آپ کی بیوی کو طلاق ہوگئی ، کیوں کہ آپ نے سنت نبوی کا مذاق اڑایا ،برائے مہربانی ہماری اس پریشانی کے بارے میں شریعت سے متعلق جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں؟ مستفتی :عبدالصمد ڈیفنس فیز۲ کراچی

﴿جواب﴾ شعائر اسلام اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا مذاق اڑانا کفر ہے لھذا اس شخص نے یہ قول داڑھی تو بکری کی بھی ہوتی ہے واقعی بطور استخفاف واستہزاء کے یا نبی کریم ﷺ کی سنت کو

کمتر سمجھتے ہوئے بولا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا، اور وہ شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ختم ہو گیا ہے، اس پر تجدید ایمان ضروری ہے اور توبہ واستغفار کے علاوہ تجدید نکاح بھی کریں، البتہ بطور استخفاف واستہزا اور سنت کو کمتر سمجھتے ہوئے نہ بولا ہو تو ایمان ونکاح باقی ہے۔ البتہ یہ جملہ بظاہر استہزاء ہے اس لئے توبہ واستغفار کریں اور آئندہ کیلئے احتیاط کریں

لمافی صحیح البخاری:(۲/۱،طبع:قدیمی)

حدثنا الحمیدی قا حدثنا سفیٰن قال حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراهیم التیمی انه سمع علقمة بن وقاص اللیثی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی المنبر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامری مانوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه

ولما فی الاشباہ والنظائر:(ص:۳۱،طبع:قدیمی) الامور بمقاصدها

ولما فی البحر:(۱۲۱/۵،طبع:سعید)ویکفر ...... وباستخفافه بسنة من السنن

ولما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۲۲۲/۴،طبع:سعید)

من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقده للاستخفاف فهو ککفر العناد

وفی الشامی:ویظهر من هذا أن ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به،وان لم یقصد الاستخفاف،لأنه لو توقف علی قصده لما احتاج الی زیادة عدم الاخلال بما مر لأن قصد الاستخفاف مناف للتصدیق

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿داڑھی مبارک کی تضحیک کرنا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی اسلام کے کسی رکن کی تضحیک کرے تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً بیوی شوہر کی داڑھی کا مذاق اڑائے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرے تو تو کیا اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا؟ مستفتی:عبدالرحیم،کراچی

﴿جواب﴾ داڑھی مبارک تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ دین اسلام کے کسی بھی رکن کی تضحیک کرنا موجب کفر ہے۔ لہذا کسی کی بیوی نے اگر داڑھی کی اس لئے تضحیک کی کہ اس کی نظر میں سنت کی اہمیت نہیں ہے تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی ہے تجدید ایمان

کے ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے اور آئندہ کے لئے اس طرح گستاخی سے توبہ بھی ضروری ہے البتہ سنت سمجھ کر تضحیک نہیں کی بلکہ اپنے شوہر کی داڑھی اس کو اچھی نہیں لگتی اس لئے خاص اپنے شوہر کی داڑھی کی تضحیک کی ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا لیکن خطرے سے خالی نہیں ہے۔ آئندہ کے لئے توبہ کرے اور احتیاط کرے اور شوہر کو چاہئے کہ داڑھی مبارک کو پاک وصاف رکھے اور اس کو زینت بخشے، پراگندہ رکھنے کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو گناہگار کرنے کا باعث ہوگا اس لئے دونوں گناہ میں شریک ہوں گے۔

لما فی شرح الفقه الاکبر (ص،۲۵۴) بیروت

وکذا الاستهزاء علی الشریعة الغراء کفر لان ذلک من امارت تکذیب الانبیاء علیهم الصلاة والسلام......قال ابن الهمام: و قد کفر الحنفیة من واظب علی ترک سنة استخفافا بها بسبب انها فعلها النبی ﷺ زیادة او استباحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه ،او احفاء شاربه.

ولما فی شرح الفقه الاکبر:(ص،۲۷۸، بیروت)

من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر.

ولما فی ردالمحتار :(۲۳۰/۴،طبع،سعید)

نعم سیذکر الشارح ان ما یکون کفرا یبطل العمل والنکاح و ما فیه یومر بالاستغفار و التوبة و تجدیدالنکاح و ظاهره انه امر احتیاط.

ولما فی ردالمحتار :(۴۱۸/۲،طبع،سعید)

ویؤیده ما فی مسلم عن ابی هریرة عنه ﷺ "جزو الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس" فهذه الجملة واقعة موقع التعلیل ،واما الاخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد.

ولما فی العالمگیریه :(۲۲۸/۲،طبع،رشیدیه)

و الحاصل انه اذا استخف بسنة او احادیث من احادیثه علیه السلام کفر.

ولما فی الصحیح المسلم:(۱۲۹/۱،طبع،قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحیة و السواک و استنشاق الماء و قص الاظفار و غسل البراجم ونتف الابط و حلق العانة وانتقاص الماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۹۲

﴿کفریہ کلمات کے بعد تجدید ایمان ونکاح دونوں ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مرتبہ عورتیں اور مرد منہ سے کفریہ کلمات نکال دیتے ہیں۔ بعض اوقات کسی کو مسئلہ کا علم نہیں ہوتا، وہ کلمہ تو دہراتے رہتے ہیں مگر نکاح کی تجدید نہیں کرتے تو کیا ایسا کرنے والے سب لوگ جہنم میں جائیں گے؟ اگر جائیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں آ جائیں گے؟

﴿جواب﴾ کسی نے ایسا کلمہ اگر بولا جس سے متفقہ طور پر کفر لازم آتا ہو تو اس پر تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی لازم ہے تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح اگر نہیں کیا تو ساری عمر حرام کاری میں مبتلا رہنے کی سزا کا مستحق ہوگا اللہ تعالیٰ معاف کردے تو الگ بات ہے اور خدانخواستہ تجدید ایمان اگر نہیں کیا اور کفریہ الفاظ سے توبہ نہیں کی یہاں تک کہ اس کی موت آ گئی تو ہمیشہ کیلئے جہنم میں جلے گا پھر اس کے لئے معافی نہیں ہوگی۔

لمافی مجمع الانہر:(۲/۲۹۳)

مایکون کفرا بالاتفاق یوجب احباط العمل کمافی المرتد وتلزم اعادة الحج ان کان قدحج ،ویکون وطؤه حینئذ مع امرأته زنا،والولد الحاصل منه فی هذه الحالة ولد الزنا...وماکان فی کونه کفرا اختلاف یؤمر فانه تجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالک احتیاطا وماکان خطامن الالفاظ لایوجب الکفر فقائله مومن علی حاله ولایؤمر بتجدید النکاح ولکن یؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلک.

ولمافی درالمختار:(۴/۲۴۶،باب المرتد کتاب الجهاد طبع سعید کراچی)

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح ...ومافیه اختلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح.

ولمافی شرح فقه الاکبر:(ص:۲۲۷ طبع ممبئی انڈیا)

ومن قال "انا بری، من الاسلام" ...یکفر فی هذه الصورة بلاخلاف

لمافی بزازیة علی هامش الهندیة:(۶/۳۲۳،کتاب الفاظ تکون اسلاما وکفرا)

اذا وصف الله بمالایلیق یکفر

وایضا فی الهندیه:(۲/۲۸۱ طبع:)هکذا الاستهزاء باحکام الشرع کفر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ
فتویٰ نمبر: ۴۰۴۹

﴿شیعہ کے ایک اعتراض کا جواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک طالب علم سے شیعہ نے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کا نکاح کس نے پڑھایا ہے؟ طالب علم نے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جواب نہیں دیا پھر شیعہ نے خود ہی کہا کہ کسی نے نہیں پڑھایا اسلئے ہم سب حرامی ہو گئے پھر کہا کہ میں نے اپنے شیعہ مسلک کے عالم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک درخت نے پڑھایا تھا اہل سنت والجماعۃ کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ نکاح کے منعقد ہونے کیلئے جو شرائط عالم دنیا میں ہیں عالم بالا میں ان کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، ایسے لایعنی سوالات کہ ''حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا؟'' اور پھر خود ہی فیصلہ کرنا کہ کسی نے نہیں پڑھایا، لہٰذا ہم حرامی ہو گئے یہ صحیح نہیں بیشک کہنے والا اپنی طرف حرامی کی نسبت کرے دوسروں کی طرف نسبت کرنے کا اسے کوئی حق نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ ہے، وہ احکم الحاکمین ہیں حضرت علی رضی اللہ حاکم اعلیٰ تھے ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہوں سے ثابت بھی کیا جب امیر المؤمنین نے فیصلہ سنایا تو عورت نے قسم کھا کر عرض کیا کہ دعویٰ جھوٹا تھا آپ کا فیصلہ اگر ہے تو نکاح کرا دیں تا کہ حلال ہو جاؤں تو فرمایا میرے فیصلے سے ہی نکاح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ کے فیصلے سے زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا آگے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کا نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق ہو گئی ہے کہ حضرت حواء اور حضرت آدم علیہم السلام کے درمیان زوجیت صحیحہ قائم ہے۔

لما فی روح المعانی: (۲/۵۳۲، طبع رشیدیہ)

(وخلق منها زوجها) وهو عطف علی (خلقكم ..... فان المراد من الزوج حواء، وهی قد خلقت من ضلع آدم علیه السلام الایسر.

ولما فی المظهری: (۲/۲ سورة النساء، طبع رشیدیه)

(الذی خلقكم) فی بدء الامر (من نفس واحدة) یعنی آدم علیه السلام (وخلق) عطف علی خلقكم او علی محذوف تقدیره خلقها وخلق (منها زوجها)

یعنی حواء بالمد من ضلع من اضلاعها الیسری.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۲۳ صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۲۰

﴿دنیا دار الاسباب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری ایک دکان (جنرل اسٹور) ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا جو نصیب میں ہوگا وہ پھر بھی ملے گا چاہے دکان بند ہو یا کھلی، محنت کریں یا نہ کریں، گاہک کو توجہ دیں یا نہ دیں، ڈیکوریشن کے لئے سامان دکان کے باہر لگائیں یا نہ لگائیں؟

﴿جواب﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مخلوقات کا رازق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں تاہم اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دار الاسباب بنایا ہے، اس لئے انسان کو حلال روزی کے حصول کے لئے جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اعتقاد اور یقین یہ ہونا چاہیے کہ حقیقت میں روزی اللہ ہی دیتے ہیں، یہ دکان، کاروبار وغیرہ محض اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بغیر بھی رزق عطا فرما سکتے ہیں، اس لئے دکان کھولنا، گاہکوں کو متوجہ کرنا، غرض ہر طرح کے اسباب اختیار کرنا شریعت کی رو سے ممدوح ہے، تاہم حرص و لالچ اور ضرورت سے زیادہ محنت و مشقت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح:(۴۵۲ باب التوکل طبع سعید)

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايها الناس ... ان روح القدس نفث في روعي لن تموت نفس حتى تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا في الطلب ولا يحملنكم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصي الله فان لا يدرك ما عند الله الا بطاعته .. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین غفرلہ

۲۲ رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۵۶

﴿اپنے کو ہندو کہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید اور بکر عید کے ایام میں سفر پر تھے جس جگہ ان کو جانا تھا اس کا کرایہ پانچ روپیہ تھا کنڈیکٹر نے دس کے حساب سے کرایہ لیا تو زید نے کہا کہ

بقیہ پیسے واپس کرو، اس پر کنڈیکٹر نے کہا کہ بھائی "عیدی" آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اس پر زید نے غصے میں آکر کہا کہ "میں ہندو ہوں" کنڈیکٹر نے پیسے تو واپس کئے لیکن زید بعد میں اپنے اس جملے کو سوچ کر نادم ہوا اور استفسار کرتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محی الدین

﴿جواب﴾ یہ کلمہ کہ "میں ہندو ہوں" کلمہ کفر ہے اگر زید کی مراد وہ مطلب ہو جو الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو انسان ان کلمات کے کہنے سے کافر ہو جاتا ہے لیکن سوال سے پتہ چلتا ہے کہ زید کی مراد یہ نہ تھی بلکہ زجراً اپنا حق وصول کرنے کے لئے کہا ہے، بہر حال یہ خطرناک اور سنگین جملہ ہے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے اور آئندہ احتیاط کرنی چاہیئے۔

لما فی الهندية:(۲/۲۷۹،طبع رشيديه)

مسلم قال:انا ملحد،يكفر ولو قال،ما علمت انه كفر لايعذر بهذا..... وفي اليتيمة: سألت والدى عن رجل قال انا فرعون او ابليس فحينئذ،يكفر كذافي التتارخانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد عزیز فیض آباد چترالی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۴۸۶

﴿کسی چیز سے بدفالی لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی چیز سے بدشگونی یا بدفالی لینا کیا حقیقت رکھتا ہے؟ مثلاً یوں کہنا کہ یہ گھر ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں اموات بکثرت واقع ہوتی ہیں یا دوکان میرے فائدے کی نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے گھر میں بیماریاں بڑھ گئیں وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ از روئے شریعت مذکورہ چیزوں سے یا ان جیسی دیگر اشیاء سے بدفالی لینا یا بدشگونی لینا ممنوع ہے، احادیث مبارکہ میں متعدد بار اس سے روکا گیا ہے، باقی رہا اس کا حکم تو بدفالی پر یقین رکھنا یعنی کسی مرض وغیرہ کے لگنے کو یقینی سمجھنا شریعت میں سخت منع ہے۔

لما في جامع الترمذي:(۲/۳۷،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن مسعود قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لايعدى شئي شيئا فقال أعرابي يا رسول الله البعير أجرب الحشفة بذنبه فيجرب الأول كلها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن أجرب الأول لا عدوى ولا صفر خلق الله كل نفس كتب حياتها ورزقها ومصائبها.

ولمافی الشامی:(۱۶۶/۲ طبع سعید)

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم "یتفاؤل ولا یتطیر" وکذاحدیث کان یعجبه اذاخرج لحاجته أن یسمع یاراشدایانجیح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۱۹ رجب ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر:۵۴۹

﴿مایظهر علی یدالفاجر والکافرمن الخوارق استدراج﴾

﴿کافروفاجر سے کرامت کیطرح کوئی کمال ظاہر ہوتو یہ استدراج ہے﴾

﴿سوال﴾سمعت عالمایقول ان الکرامةقدیظهر للکافر،مامعنی هذاالقول؟ وکیف یتصور؟

﴿جواب﴾ربمایظهرمن خوارق العادات بیدالمؤمن التقی نسمیهاکرامة واما مایظهرمن الخوارق بیدالکافراوالضال فلانسمیهاکرامة بل هواستدراج وکرامات الأولیاء حق عنداهل السنة والجماعة.

لمافی الفقه الأکبروشرحه:(۱۳۰-۱۳۲ طبع دارالکتب العلمية بیروت)

والکرامات للأولیاء حق واماالتی تکون لاعدائه مثل ابلیس وفرعون والدجال مما روی فی الأخبارانه کان ویکون لهم لانسمیها آیات ولاکرامات،ولکن نسمیهاقضاء حاجات لهم وذلک لان الله تعالی یقضی حاجات اعدائه استدراجالهم وعقوبةلهم.

لمافی النبراس:(ص۲۱۵،طبع حقانیه)

(فمالایکون مقرونابالایمان والعمل الصالح یکون استدراجا)سواء صدرعن کافراوعن مؤمن فاسق.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر:۲۲۱۸

﴿آواگون ایک ہندوانہ عقیدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ آواگون ایک ہندوانہ عقیدہ ہے،جسکے مطابق انسان دنیا میں ایک سے زیادہ مرتبہ جنم لیتا ہے،وہ کبھی کسی جانور،پرندے یا پھرانسانی شکل ہیمیں دوبارہ پیدا ہوتا ہے،اسلامی نظریہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسکے برعکس ہے اورایک مرتبہ دنیامیں آنے اور پھر مرنے کے بعد

دوبارہ دنیا میں پیدا نہیں ہوگا بلکہ روز آخرت اللہ کے حضور اٹھایا جائیگا لیکن ایک کتاب (کائنات کے ان کھلے راز) میں دو تاریخی واقعات کا ذکر ہے جس کے مطابق ہندوستان میں ایک لڑکی اور ترکی میں ایک مسلمان بچے نے کافی کم عمری میں ایسے انکشافات کئے کہ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک زندگی پہلے بھی جی چکے ہیں تصدیق کرنے پر یہ بات درست ثابت ہوئی، ہزاروں میل دوری کے فاصلے پر شہر میں لوگ ان بچوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان ان واقعات کو کس طرح سے دیکھیں اور کیا مؤقف اپنائیں؟

﴿جواب﴾ عقائد، قطعی دلائل سے ہی ثابت ہوتے ہیں یعنی شارع علیہ السلام سے واضح اور مضبوط واسطوں سے ہم تک جو تعلیمات پہنچی ہیں انہی کی روشنی میں عقیدہ رکھنا ضروری ہے، (کائنات کے ان کھلے راز) کتاب کس کی تالیف ہے؟ اس کتاب میں درج شدہ واقعات کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں مذکورہ واقعہ اگرچہ سچ اور حقیقت پر بھی مبنی ہو لیکن انکی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ ان واقعات کی وجہ سے یہ عقیدہ اپنالیا جائے، دنیا میں صرف یہی ایک لڑکا لڑکی تو پیدا نہیں ہوئے! پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ان دو بچوں کی باتوں سے اس قسم کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے، انکے علاوہ لاکھوں کروڑوں افراد سے نہیں۔

بات یہ ہے کہ اس طرح خلاف معمول کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار فرمادیتے ہیں، تاریخ میں کئی واقعات اس طرح کے ہیں جن کی وجہ سے ایمان والوں کے ایمان میں مزید ترقی ہوتی ہے اور بے ایمان لوگوں کیلئے مزید دوری کا باعث ہوتے ہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۰۹

﴿مسئلہ تقلید﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دو بھائی ہیں ایک مقلد جبکہ دوسرا غیر مقلد ہے میں خود بھی مقلد ہوں، میرے مقلد بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اسکی بیوی اپنے میکے چلی گئی، غیر مقلد بھائی نے اس مقلد بھائی کو ورغلایا کہ شریعت میں

تین طلاقوں کا تصور نہیں ہے صرف ایک طلاق ہوئی ہے، لہٰذا رجوع کرلو، میرے مقلد بھائی نے اس کا کہنا مان لیا اور بیوی کو بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنی زوجیت میں لے آیا اور میرا مقلد بھائی بھی غیر مقلد بن گیا، آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ ان کے اس فعل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور ان سے تعلق ختم کیا جاسکتا ہے.؟

مستفتی: حسین احمد پہاڑ خیل

﴿جواب﴾ اگر آپ کے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، خواہ ایک جملہ میں دی ہوں یا الگ الگ جملوں میں تو اگر چہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا خلاف سنت اور ناجائز ہے، تاہم تین طلاقیں دینے سے یہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوکر نکاح ختم ہوگیا ہے، اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

یہ مؤقف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی پر جمہور صحابہ، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور چاروں اماموں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اس بارے میں غیر مقلدین کا مؤقف علمی اعتبار سے درست نہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی جائز نہیں، لہٰذا تین طلاقیں دینے کے بعد آپ کے بھائی کے غیر مقلد ہونے کا شرعاً اعتبار نہیں اور نہ ہی غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق عمل کرنا جائز ہے بلکہ اس کا اپنی مطلقہ کو بیوی بنا کر رکھنا ناجائز اور حرام ہے، یہ دونوں ساتھ رہنے اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہورہے ہیں۔

دونوں پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں اور ابتک جو گناہ ہوا اس پر خوب گڑگڑا کر سچی توبہ واستغفار کریں اور آپ کو چاہیئے کہ علاقہ کے ذمہ دار اور سنجیدہ افراد کو ساتھ ملا کر حکمت ومصلحت کے ساتھ مناسب طریقہ سے اپنے بھائی پر دباؤ ڈالیں تاکہ وہ اپنی مطلقہ سے علیحدگی اختیار کرے لیکن اگر وہ باز نہ آئے اور مطلقہ کو ناجائز طور پر اپنے ساتھ رکھے تو علاقہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس سے محبت کے خصوصی تعلقات اس وقت تک ختم کردیں جب تک وہ اپنے مذکورہ عمل سے سچی توبہ کرکے اپنی اصلاح نہ کرلے۔

لمافی الصحیح للبخاری:(۲/۸۰۰،رقم الحدیث،۵۲۶۱،طبع قدیمی)

عن عائشۃ أن رجلا طلق امرأتہ ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل للأول قال

لاحتی یذوق عسیلتہا کما ذاق الأول

ولما فی فتح القدیر:(۲۵۱/۳،کتاب الطلاق،طبع رشیدیه)

وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین الی أنه یقع ثلاثا.ومن الأدلة فی ذلک ما فی مصنف ابن شیبة والدار قطنی فی حدیث ابن عمر المتقدم قلت : یارسول الله أرأیت لو طلقتها ثلاثا؟ قال:اذا قد عصیت ربک وبانت منک امرأتک.

ولما فی سنن أبی داود:(۲۱۶/۱،کتاب الطلاق،رقم الحدیث:۲۱۹۶،طبع رحمانیه)

عن مجاهد قال:کنت عند ابن عباس فجاء ه رجل فقال:انه طلق امرأته ثلاثا.قال:فسکت حتی ظننت أنه رادها الیه.ثم قال ینطلق أحدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یابن عباسؓ یابن عباسؓ وان الله عزوجل قال:ومن یتق الله یجعل له مخرجا وانک لم تتق الله فلا أجدلک مخرجا. عصیت ربک وبانت منک امرأتک.وفی موطامالک بلغه أن رجلا قال لعبد الله بن عباس :انی طلقت امرء تی مائة تطلیقة فماذا تری علی؟فقال ابن عباس : طلقت منک ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت بها ایات الله هزوا.وفی الموطأ أیضا:بلغه أن رجلا جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرء تی ثمانیة تطلیقات فقال:ماقیل لک.فقال:قیل لی بانت منک، قال:صدقوا هو مثل مایقولون.وظاهره الاجماع علی هذا الجواب.

ولما فی شرح النووی علی الصحیح لمسلمؒ:(۴۷۸/۱،رقم الحدیث:۱۴۷۲،طبع قدیمی)

وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثا.فقال الشافعیؒ ومالکؒ و أبوحنیفةؒ وأحمدؒ وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع ثلاث.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:مزمل شاہ

۱۷رجب ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۳۷۹

﴿جادو سے کاروبار کی بندش﴾

﴿سوال﴾ کیا کاروبار کی بندش بھی جادو کے ذریعے ہوسکتی ہے؟نیز اگر ایسا ہو تو بندش ختم کرنے کے لئے کوئی طریقہ یاوظیفہ بتائیں۔ مستفتی:محمد دین

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ کی روشنی میں سحر حق ہے اور اس کا اثر بھی مسلّم ہے،خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کے سحر کا اثر ہوا،لہٰذا یہ ممکن ہے کہ اُس کے ذریعے سے کاروبار ٹھپ ہوجائے(نعوذ باللہ)یا اُس میں خسارہ ہوجائے۔

لما فی الشامی:(۲۹۴/۳،طبع سعید)

قوله (أوسحر)قال فی البحر فهو عنین فی حق من لایصل الیها لفوات المقصود فی حقها فان السحر عندنا حق وجوده وتصوره وتکون أثره کما فی المحیط

سحر کے اثر کو ختم کرنے کا طریقہ:

سبز بیری کے "سات پتے" لئے جائیں پھر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر انہیں کوٹ دیا جائے، پھر انہیں پانی میں ملایا جائے، اس کے بعد جس پر اثر ہوا ہے وہ شخص اس میں سے ایک (منہ بھر کے) گھونٹ پی لے اور باقی ماندہ سے غسل کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھرپور امید ہے کہ (مسحور سے) اس کا اثر ختم ہو جائے گا انشاء اللہ۔

لما فی الشامی:(۹۶/۲ طبع سعید)

افادة النقل ط عن تبیین المحارم عن کتاب وہب بن منبه انه مما ینفع للمسحور والمربوط أن یوتی بسبع ورقات سدر خضر وتدق بین حجرین ثم تمزج بماء ویحسو ویغتسل بالباقی فانه یزول باذن الله تعالى عزوجل

نیز سحر کے اثر سے بچنے کا موثر وظیفہ بھی ملاحظہ ہو:

أعوذ بکلمات الله التامات اللتی لایجاوزہن برّ ولا فاجر وباسماء الله الحسنی کلّھا ما علمت منھا ومالم أعلم من شرّ ماخلق وبرأ وذرأ

مذکورہ بالا دعا کو صبح وشام پڑھنے سے یا کم از کم روزانہ ایک بار پڑھ لینے سے بندہ (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) ہر قسم کے شیطانی شرارتوں جادو، بندش سفلی عمل وغیرہ کے اثرات سے محفوظ رہے گا۔

واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۵۴۸ — ۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

﴿ کافر کی دعا کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا کافر آدمی کی دعا بھی قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کافر آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں اسکے بارے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن راجح یہی ہے کہ کافر آدمی کی دُعا کو اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دینے کیلئے قبول فرماتے ہیں۔

لما فی شرح التنویر:(۱۸۵/۲ طبع سعید)

وان کان الراجح أن دعاء الکافر قد یستجاب استدراجا، وأما قوله تعالى: وما دعاء الکافرین الا فی ضلال. ففی الاخرة ... الخ

وفی الشامیة:(قوله وان کان الراجح الخ)اختلف المشایخ فی أنه هل یجوز أن یقال یستجاب دعاء الکافر فمنعه الجمهور للآیة المذکورة ولانه لایدعوالله لانه لایعرفه لانه

وان أقربه تعالى فلما وصفه بما لا يليق به فلا تنض القراره، وما روى في الحديث من ان دعوة المظلوم وان كان كافرا تستجاب فمحمول على كفران النعمة، وجوزه بعضهم لقوله تعالى حكاية عن ابليس "رب أنظرني" فقال تعالى "انك من المنظرين" وهذا اجابة واليه ذهب ابو القاسم الحكيم وابو النصر الدبوسي وقال الصدر الشهيد وبه يفتى كذا في شرح العقائد للسعد وفي البحر عن الولو الجية أن الفتوى على أنه يجوز ان يقال تستجاب دعاؤه ،وما في النهر من قوله أي يجوز عقلا وان لم يقع فهو بعيد بل الخلاف في الجواز شرعا اذ المانع لا يقول انه مستحيل عقلا تأمل.(قوله ففي الاخرة) وهو دعاء اهل النار بتخفيف العذاب بدليل صدر الاية وهو "وقال الذين في النار لخزنة جهنم ادعوا ربكم يخفف عنا يوما من العذاب قالوا اولم تك تاتيكم رسلكم بالبينات قالوا بلى قالوا فادعوا وما دعاء الكافرين الا في ضلال الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم و: شاہد اسحاق

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:: ۳۳۲

﴿حالتِ مرض میں دوا کا استعمال نیز ترکِ علاج کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جب کسی مرض سے شفا دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو پھر دواء استعمال کرنے اور علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے کیا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے؟ نیز اگر کوئی سخت مریض ہو اور باوجود سخت مریض ہونے کے علاج نہ کرائے یہاں تک کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ ازراہ کرم تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ کسی ضرر اور نقصان کو دور کرنے والے اسباب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا بندہ کی نظر میں قطعی اور یقینی ہو جیسے پانی سے پیاس اور کھانے سے بھوک ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا ظنی ہو یقینی نہ ہو جیسے علاج معالجہ کی وہ تمام قسمیں جن کا تعلق اسباب ظاہرہ سے ہے۔

(۳) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا عام لوگوں کی نظروں میں موہوم ہو (جو ظن سے بھی کم درجہ ہے) جیسے جھاڑ پھونک وغیرہ، اب جاننا چاہیئے کہ پہلی قسم کے اسباب کا چھوڑ نا نہ صرف یہ کہ توکل کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر موت کا خوف ہو تو ترک کرنا ناجائز اور حرام ہے

اس کے برخلاف تیسری قسم کے اسباب کو چھوڑنا ہی توکل کے لئے شرط ہے اور حدیث شریف میں اس قسم کے اسباب کو چھوڑنے والوں کی فضیلت آئی ہے، لہٰذا اس قسم کے اسباب موہومہ کو چھوڑنے والے نہ صرف یہ کہ گنہگار نہیں ہیں بلکہ عنداللہ ماجور بھی ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کے اسباب کا تعلق ہے سو نہ تو ان کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے اور نہ ہی انکو چھوڑنے سے گناہ لازم آتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے آپکی تمام باتوں کا جواب ہوگیا کہ علاج کرانا جس طرح ضروری نہیں، اسی طرح توکل کے منافی بھی نہیں ہے، لہٰذا علاج کرانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور نہ کرانے سے گناہ بھی لازم نہیں آتا۔

اسباب موہومہ کو (جیسے داغنا اور جھاڑ پھونک وغیرہ) چھوڑنا اگرچہ توکل کے اعلیٰ درجہ کیلئے شرط ہے لیکن ان کے ذریعہ سے علاج کرانا بھی جائز ہے۔

لما فی الهندية:(۵/۳۵۵،طبع رشیدیه)

علم ان الاسباب المزيلة للضرر تنقسم الى مقطوع به كالماء المزيل لضرر العطش والخبز المزيل لضرر الجوع والى مظنون كالفصد والحجامة وشرب المسهل وسائر ابواب الطب اعنى معالجة البرودة بالحرارة ومعالجة الحرارة بالبرودة وهى الاسباب الظاهرة فى الطب والى موهوم كالكى والرقية اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عند خوف الموت اما الموهوم فشرط التوكل تركه اذبه وصف رسول الله صلى الله عليه وسلم المتوكلين واما الدرجة المظنونة كالمداواة بالاسباب الظاهرة عند الاطباء ففعله ليس مناقضا للتوكل بخلاف الموهوم وتركه ليس محظورا بخلاف المقطوع به بل قد يكون افضل من فعله فى بعض الاحوال وفى حق بعض الاشخاص فهو على درجة بين الدرجتين كذا فى الفصول العمادية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۶

﴿دنیاوی پریشانیوں کیوجہ سے موت کی تمنا کرنا درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہے اس کے لئے خودکشی تو حرام ہے لیکن کیا وہ موت کی تمنا کر سکتا ہے؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ کر سکتا ہے، شریعت کا حکم کیا ہے؟

﴿جواب﴾ دنیوی پریشانی چاہے معاشی ہو یا جسمانی یا کسی اور قسم کی ہو اس کی وجہ سے

موت کی تمنا کرنا درست نہیں بلکہ مکروہ ہے ایسی حالت میں صبر کیساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور گناہوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے پھر بھی اگر پریشانی دور نہ ہوتو انشاء اللہ یہ رفع درجات کا سبب بنے گی جو کہ آخرت میں کام آئے گی اور پریشانی اگر دین کی وجہ سے ہو یعنی مختلف قسم کے ایسے فتنے ابھر رہے ہوں جنکی وجہ سے ایمان ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو یا گمراہیوں میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہوتو اس وقت موت کی تمنا کرنا تا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے، درست ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۳۴۲/۲،طبع قدیمی)

عن قیس بن ابی حازم قال دخلنا علی خباب وقداکتوی سبع کیات فی بطنه فقال لوماان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهانا ان ندعوبالموت لدعوت به

ولمافی صحیح المسلم:۸۱۲/۲،طبع قدیمی)

عن عائشۃؓ قالت:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مایصیب المومن من شوکة فمافوقها الارفع الله بهادرجته اوحط عنه بهاخطیئته.

ولمافی الهندیة:(۳۷۹/۵،طبع قدیمی)

سئل أبوبکرعن تمنی الموت هل یکره قال ان تمنی الموت لضیق عیشه أولغضب دخل من عدوأویخاف ذهاب ماله أونحوذلک فانه یکره له ذلک وان تمنی لتغیراهل زمانه فیخاف من نفسه الوقوع فی المعصیة لابأس به کذافی الحاوی للفتاوی.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم :عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۸۵

﴿اٹھارہ ہزار مخلوقات کی حقیقت﴾

﴿سوال﴾ بعض مبلغ بھائیوں کو چھ نمبر کے بیان کے دوران یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ ''اٹھارہ ہزار مخلوقات کا اکرام کرنا چاہیئے'' کیا واقعی مذکورہ بات درست ہے یا اکرام صرف انسانوں ہی کا کرنا چاہیئے؟　　　مستفتی :عبید

﴿جواب﴾ تبلیغ دین اسلام کا عظیم الشان شعبہ ہے، اس میں کام کرنے والا ہر شخص قابل احترام وتکریم ہے، اس فریضے کو انجام دینا جس طرح خواص یعنی علماءِ کرام کی ذمہ داری ہے، اسی طرح عوام کی بھی ذمہ داری ہے، اس لئے اس شعبے میں ملت اسلامیہ کے عام افراد بھی کثیر

تعداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، بعض اوقات بعض غیر عالم احباب سے دورانِ بیان معمولی سی کوتاہی ہو جاتی ہے (جس سے کوئی فردِ انسانیت بری نہیں ہے) یا وہ کسی مفہوم کو صحیح انداز میں پیش نہیں کر پاتے وغیرہ تو ایسی صورت میں اُنہیں اعتراض اور تنقید کا نشانہ بنانا بڑی تنگ ظرفی کی علامت ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اُنکی ایسی باتوں کو صحیح مرادوں پر محمول کرنا چاہیئے۔

چنانچہ مسئولہ صورت میں مذکورہ تبلیغی بھائی کی بات (کہ اٹھارہ ہزار مخلوقات کا اکرام کرنا چاہیئے) کو صحیح مراد پر محمول کیا جاسکتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ اُن کی مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ مسلمانوں اور انسانوں کا تو اکرام کرنا چاہیئے اور اُن کے علاوہ دیگر مخلوق پر شفقت و رحمت کرنی چاہیئے اور ہر ہر مخلوق پر شفقت کا حکم حدیث پاک میں ارشاد ہے:

ارحموا من في الأرض یرحمکم من في السماء (الترمذی: ۲/ ۱۴) مذکورہ حدیثِ پاک میں لفظ 'من' عام ہے۔ مظاہرِ حق میں ہے: (۴/ ۵۴۴)

''زمین والوں'' میں سب جاندار داخل ہیں، خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان......الخ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۶۳

﴿تخلیقِ انسان کس کی خاطر ہوئی؟﴾

﴿سوال﴾ بعض حضرات سے سنا ہے کہ حدیث قدسی 'لولاک لما خلقت الافلاک'' صحیح حدیث ہے جس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خاطر کائنات بنائی گئی ہے حالانکہ آیت ''وما خلقت الجن والانس'' الخ کے معنی سے پتہ چلتا ہے کہ انس وجن کی پیدائش صرف اور صرف عبادت الٰہی کے واسطے ہوئی ہے، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ براہ کرم اس اشکال کو دور کر کے سائل کو مطمئن کر دیں؟

﴿جواب﴾ ''لولاک لما خلقت الافلاک'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سب مخلوقات کی پیدائش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہوئی ہے لیکن یہ آیت مبارکہ ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ''اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے'' اور حضور اکرم کی تشریف آوری بھی عبادت الٰہی کی تکمیل

کے لئے تھی، اس لئے سب مخلوقات کا حضور کی خاطر پیدا کئے جانے کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ سب مخلوقات (جس کے ضمن میں انس وجن بھی ہیں) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمادیا ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ جن وانس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا پھر اپنی عبادت کی تکمیل کے لئے حضور اکرم کو مبعوث فرمادیا۔

اب حدیث قدسی کے معنی ''کہ تمام مخلوقات کی تخلیق حضور ﷺ کی خاطر ہوئی ہے'' اور آیت کریمہ کا مطلب دونوں ایک ہی ہیں، اس لئے دونوں میں تعارض نہیں ہے، جہاں تک حدیث مذکورہ کے صحیح ہونے کا تعلق ہے وہ یہ کہ حدیث مذکورہ لفظاً موضوع ہے اور معناً صحیح ہے، اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

لما فی الموضوعات الکبری:(۱۹۴،طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حدیث لولاک لما خلقت الا فلاک قال الصغانی: انه موضوع، کذا فی "الخلاصة" لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس (رضی الله عنهما) مرفوعا لولاک ماخلقت الدنیا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۶۱

﴿حضرت لقمان پیغمبر تھے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل سوال کے بارے میں کہ حضرت لقمان حکیم پیغمبر تھے یا نہیں؟ ہم چند ساتھیوں کا اس میں اختلاف ہے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں انکے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

مستفتی: محمد اقبال خان لانڈھی

﴿جواب﴾ جمہور کا موقف یہ ہے کہ حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نیک، صالح بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپکو علم وحکمت جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا لیکن آپ نبی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے، ہمارے لئے ان پر تفصیلی ایمان رکھنا اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ان پر اجمالی ایمان رکھنا کہ جن کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خواہ وہ کسی بھی زمانے میں مبعوث ہوئے ہوں ہمارا ان پر ایمان ضروری ہے اور بس،

باقی جن کی نبوت قطعی طور پر ثابت نہیں ہے اور خود اہل علم کا اُنکی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، ان کے بارے میں بحث کرنا اور خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا انتہائی افسوس ناک اور غیر مناسب عمل ہے آج کل کے نوجوانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اُن کو فرائض و واجبات تک کا علم تو نہیں ہوتا اور نہ ہی معلوم کرنے کے لئے اُن کو فرصت ہوتی ہے لیکن فضول بحث و مباحثہ اُن کا بہترین مشغلہ بن گیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ اسی المیہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لمافی الشامی:(۶/۷۵۲،طبع سعید)

[تتمہ]یکرہ الجدل فی ان لقمان وذالقرنین وذالکفل انبیاء ام لا؟وینبغی ان لایسأل الانسان عما لاحاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبریل وعلی ای صورۃ رآہ النبیﷺ؟وحین رآہ ھل بقی ملکا ام لا؟واین الجنۃ والنار ومتی الساعۃ ونزول عیسی؟واسماعیل افضل ام اسحاق وایہما الذبیح؟وفاطمۃ افضل من عائشۃ ام لا؟وابوالنبیﷺ کانا علی ای دین؟وما دین ابی طالب ومن المہدی الی غیرذلک مما لاتجب معرفتہ ولم یرد التکلیف بہ.

ولمافی المظھری:(۷/۲۵۳،طبع رشیدیہ)

قال البغوی اتفق العلماء علی انہ کان حکیما ای فقیھا علیما ولم یکن نبیا الاعکرمۃ فانہ قال کان نبیا وتفرد بھذا القول.

ولمافی تفسیر ابن کثیر:(۶/۲۹۸،طبع بیروت)

اختلف السلف فی لقمان:ھل کان نبیا او عبدا صالحا من غیر نبوۃ؟علی قولین الاکثرون علی الثانی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ	فتوی نمبر:۲۳۲

﴿تدبیر اختیار کرنا تقدیر کے خلاف نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ رات کو گھر کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ جو خدا نے تقدیر میں لکھا ہوگا وہ ہو کر رہے گا کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ تدبیر توکل کے خلاف نہیں ہے، بے شک تقدیر کے فیصلے کو تدبیر سے نہیں روکا جا سکتا لیکن بندہ تدبیر کا مکلف ہے، اس لئے نیک اعمال پر اجر وثواب ہے اور برے اعمال پر سزا

بھی ہے گھر کا دروازہ بند کرنا سنت ہے اور نقصان کا ہونا یا نہ ہونا دروازے کے بند کرنے یا کھلے رہنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر نقصان کا ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو وہ ہر حال میں ہوگا، البتہ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ سنت پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب کے درجہ میں دروازہ بند کر کے سوئے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة بقرة آیت ۲۸۶) لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت الآیة

ولمافی سنن ابی داود:(۸۶۱/۲، طبع امدادیه ملتان)

عن جابرؓ عن النبی ﷺ قال اغلق بابک واذکر اسم الله فان الشیطان لا یفتح بابا مغلقا

ولمافی سنن الترمذی:(۷۴/۲، طبع فاروقی ملتان)

حدثنا مغیرة بن ابی قرة السدوسی قال سمعت انس بن مالکؓ یقول قال رجل یا رسول الله اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل قال اعقلها وتوکل.

ولمافی شرح العقیدة الطحاویة:(ص ۲۰۰، طبع الغرباء)

قد ظن بعض الناس ان التوکل ینافی الاکتساب وتعاطی الاسباب، وان الامور اذا کانت مقدرة فلا حاجة الی الاسباب: وهذا فاسد فان الاکتساب منه فرض ومنه مستحب ومنه مباح ومنه مکروه ومنه حرام، وقد کان النبی ﷺ افضل المتوکلین یلبس لأمة الحرب ویمشی فی الاسواق للاکتساب، حتی قال الکافرون "مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق" (سورة الفرقان، آیت ۷) ولهذا تجد کثیرا من یری ان الاکتساب ینافی التوکل یرزقون علی من یعطیهم، اما صدقة، واما هدیة وقد یکون ذلک من مکاس، او والی شرطة او نحو ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفی عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ	فتوی نمبر: ۶۷۴

﴿انسان کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کوئی آدمی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے یعنی اس نے صرف کلمہ پڑھا ہے باقی نہ نماز پڑھتا ہے نہ کوئی دوسرے فرائض ادا کرتا ہے صرف دنیا کی کمائی کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو کیا یہ آدمی مسلمان تصور ہوگا اور کبھی جنت میں جائے گا؟

﴿جواب﴾ کلمہ طیبہ پڑھنے سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور دین کے تمام احکام اس پر لازم ہو جاتے ہیں، اب اگر وہ فرائض کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے اور اسے بجا

نہیں لاتا تو اس ترک فرائض پر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا امور دینیہ کو ترک کرنا استہزاءً نہ ہو تو ایسے شخص کو فاسق کہا جا سکتا ہے کافر نہیں اور اگر فرائض کی ادائیگی کو یا کسی بھی دینی امر کو ہلکا اور مذاق سمجھ کر اس کو چھوڑتا ہو تو اس صورت میں اس کا یہ عمل اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا، رہا یہ مسئلہ کہ ایسا شخص جنت میں جائے گا تو بیشک کلمہ طیبہ کی بدولت ارتکاب معاصی کی بناء پر مشیت ایزدی کے تحت سزا پانے کے بعد کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور جائے گا بشرطیکہ ایمان کی حالت میں اس دنیا سے گیا ہو۔

لمافی صحیح البخاری :(۱/۱۱،طبع قدیمی)

عن انس عن النبی ﷺ قال یخرج من النار من قال لاالہ الااللہ وفی قلبہ وزن شعیرۃ من خیر ویخرج من النار من قال لاالہ الا اللہ وفی قلبہ وزن برۃ من خیر ویخرج من النار من قال لاالہ الااللہ وفی قلبہ وزن ذرۃ من خیر.

ولمافی الشامی:(۱/۳۵۱-۳۵۲طبع سعید)

(وھی فرض عین علی کل مکلف) ... (ویکفر جاحدھا)لثبوتھا بدلیل قطعی (وتارکھا عمدا مجانۃ)ای تکاسلا فاسق.

ولمافی الفقہ الاکبر:(ص۱۱۷،طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ولانکفر مسلما بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ اذالم یستحلھا ولانزیل عنہ اسم الایمان ونسمیہ مؤمنا حقیقۃ،ویجوزان یکون مؤمنا فاسقا غیر کافر.

ولمافی بیان الفوائد فی شرح العقائد:(ص۱۳۶)

واھل الکبائر من المومنین لایخلدون فی النار وان ماتوامن غیر توبۃ لقولہ تعالی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ونفس الایمان عمل خیر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد
فتویٰ نمبر: ۶۶۱

﴿نادانستہ طور پر کوئی شرکیہ کلمہ کہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر ایک آدمی زبان سے کوئی ایسا حرف کہتا ہے جو شرک ہے اور آدمی کو پتہ نہیں کہ یہ شرک ہے تو کیا یہ مشرک شمار ہوگا، نیز کیا مشرک ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا یا سزا بھگتنے کے بعد نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟

﴿جواب﴾ شرکیہ کلمہ کا مطلب معلوم نہ ہو تب بھی قصداً بولنے سے بعض علماء کرام کے نزدیک

بولنے والا مشرک ہوجاتا ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا شخص بلا تاخیر تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی، واقعی اگر کوئی شخص مشرک ہے اور شرک پر موت آئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

لما فی قاضی خان علی هامش الهندية:(۵۷۷/۳،طبع رشيديه)

اما الجاهل اذا تكلم بكفر ولم يدر انه كفر اختلفوا فيه قال بعضهم لا يكون كفرا ويعذر بالجهل وقال بعضهم يصير كافرا ولا يعذر بالجهل.

ولما فی روح المعانی:(۵۱۰/۶،طبع رشيديه)

لانها دار الموحدين والمراد يمنع من دخولها كما يمنع المحرم عليه من المحرم.

لما فی فتح الملهم:(۱۱۹/۲-۱۲۰،طبع دار العلوم كراچی)

قال وكيع قال رسول الله ﷺ وقال ابن نمير سمعت رسول الله ﷺ يقول من مات يشرك بالله شيئا دخل النار وقلت انا ومن مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة. قال العلامة شبير احمد العثمانی تحت هذا الحديث هو الذی يقتضيه النظر لان جانب الوعيد ثابت بالقرآن وجاء ت السنة على وفقه فلا يحتاج الى الاستنباط.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: بلال احمد

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۹۱

﴿قبر میں پہلا سوال کیا ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ قبر میں پہلے "من ربک" کے بارے میں سوال ہوگا یا آپ ﷺ کے بارے میں؟ جب کہ بخاری شریف کی حدیث میں صرف "ماتقول فی هذا الرجل" آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سوال آپ ﷺ کے بارے میں ہوگا، ورنہ بخاری شریف میں ایسی حدیث کیوں نہیں جس میں "من ربک" کا سوال پہلے ہو؟

﴿جواب﴾ مرنے کے بعد فرشتے جو سوالات کرینگے ان میں پہلا سوال "من ربک؟" پھر "مادینک؟" اس کے بعد آپ ﷺ کے بارے میں سوال کیا جائے گا بخاری شریف کی حدیث میں صرف ایک سوال کا ذکر ہے باقی جس طرح دو سوالوں سے یہ حدیث خاموش ہے اسی طرح اس میں ترتیب کا بھی کوئی ذکر نہیں، لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ ﷺ کے بارے میں پہلے سوال ہوگا یا دوسرے سوالات نہیں ہونگے صحیح نہیں، اس لئے کہ دوسری احادیث صحیحہ میں تینوں سوالات ترتیب سے ذکر ہیں، اور خود بخاری: (۶۷۳/۲، کتاب التفسیر، سورۃ ابراھیم، طبع رحمانیہ)

میں ایک حدیث جس میں سوال کی وضاحت تو نہیں ہے لیکن جواب میں دو چیزیں ذکر ہیں، قال المسلم اذا سئل فی القبر یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله الخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے "من ربک" کے بارے میں سوال ہوگا اسلئے تو مسلمان جواب میں "لا الٰہ الا اللہ" کہے گا، نیز بخاری شریف میں کسی حدیث کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور حدیث ہے ہی نہیں یا صحیح نہیں ہے امام بخاریؒ بعض احادیث کو اس لئے ذکر نہیں کرتے کہ ان کو اپنی شرائط کے موافق نہیں ملی خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ کتاب کی طوالت کیوجہ سے میں نے بہت صحیح احادیث چھوڑ دیں۔

لمافی الصحیح للبخاری:(ص۴ مقدمة البخاری مطبع قدیمی)

قال ماادخلت فی کتاب الجامع وترکت کثیرا من الصحاح لحال الطول.

ولمافی صحیح المسلم:(۳۸۶/۲،طبع قدیمی)

عن البراء بن عازبؓ عن النبی ﷺ قال یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت قال نزلت فی عذاب القبر یقال له من ربک فیقول ربی الله ونبی محمد ﷺ. وهکذا رواه ابن ماجة:(ص۳۱۵،طبع قدیمی)

ولمافی سنن ابی داود:(۳۱۰/۲،طبع قدیمی)

حدثنا عثمان ابن ابی شیبة..... وقال وانه لیسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرین حین یقال له یاهذا من ربک ومادینک ومن نبیک الخ.

ولمافی النبراس:(ص۲۰۷،طبع حقانیه ملتان)

وقال علیه السلام قوله تعالی:یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت ..... فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة..... نزلت فی عذاب القبر......اذاقیل له من ربک ومادینک ومن نبیک فیقول ربی الله ودینی الاسلام ونبی محمد ﷺ رواه الامام احمدؒ والبیهقی بسند صحیح عن ابی سعید الخدریؓ وابن حبان والحاکم عن ابی هریرةؓ وقد جاء معنی هذا الحدیث عن کثیر من الصحابة رضی الله عنهم اجمعین.

ولمافی مهذب شرح العقیدة الطحاویة:(ص۳۱۶،طبع الغرباء)

قال,فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک ؟ فیقول ربی الله فیقولان مادینک فیقول : دینی الاسلام، فیقولان ماهذا الرجل بعث فیکم ؟ فیقول هو رسول الله ﷺ.

ولمافی صحیح المسلم:(۳۸۶/۲،طبع قدیمی)

عن البراء عن النبی ﷺ فی قوله یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا وفی

الاخرة قال في القبر اذاقيل له من ربک ومادينک ومن نبيک هذاحديث حسن صحيح.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۹۸۰

﴿کیا دنیاوی مصائب و پریشانیاں اجر و ثواب کا باعث ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ (۱) بیماری کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں بیماری صرف گنہگار پر آتی ہے یا پرہیزگار آدمی پر بھی آتی ہے کیا اس بیماری کی وجہ سے پرہیزگار آدمی کے درجات بلند ہوتے ہیں؟

(۲) کسی آدمی پر کوئی مصیبت آ جائے یا معاشرے میں بدنام ہو جائے تو کیا یہ آزمائش ہوتی ہے یا قہر خدا اس کی کیا پہچان ہے؟

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر عظیم احسان ہے کہ اپنے بندوں کی بیماریوں اور پریشانیوں کو ان کے گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا ذریعہ بنایا ہے، لہٰذا بیماری وغیرہ کو گناہ گاروں کیلئے گناہوں کی معافی کا ذریعہ سمجھنا چاہیے اور پرہیزگاروں کیلئے رفع درجات کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔

لمافی قوله تعالیٰ: (سورۃ بقرۃ آیت ۱۵۶-۱۵۷)

الذين اذااصابتهم مصيبة قالوااناللّٰه وانااليه راجعون. اولٰئک عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولٰئک هم المهتدون.

ولمافي المظهري: (۱/۱۵۵، طبع رشيديه)

وكل مااعطانامن النعم فهومواهبه الهنيئةوعواريه المستودعة فحق علينااَن نرضی بقضائه ولانكفرعنداستردادامانات فان المالک يتصرف فی ملكه كيف يشاء (واولٰئک هم المهتدون) للحق والصواب حيث استرجع ورضي بقضائه سبحانه وتعالٰى .... وقد وردت الاخبارفي حق ثواب اهل البلاء واجر الصابرين منهامارویٰ عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ يوداهل العافية يوم القيامة حين يعطی اهل البلاء الثواب لوان جلودهم كانت قرضت في الدنيا بالمقاريض.

ولمافي الصحيح للمسلم: (۲/ ۳۱۸، طبع قديمی)

عن عائشةؓ قالت قال رسول اللّٰه ﷺ مايصيب المومن من شوكة فما فوقها الارفعه اللّٰه بهادرجة اوحط عنه بهاخطيئة، عن ابی سعيدؓ وابی هريرةؓ انهما سمعارسول اللّٰه ﷺ

یقول مایصیب المومن من وصب ولانصب ولاسقم ولا حزن حتی الهم یهمه الاکفر به من سیئاته ، قال العلامة النووی تحت هذه الاحادیث : فی هذه الاحادیث بشارة عظیمة للمسلمین فانه قلمایتفک الواحدمنهم ساعة من شی من هذه الامور وفیه تکفیر الخطایاالامراض والا سقام ومصائب الدنیاوهمومهاوان قلت مشقتهاوفیه رفع الدرجات بهذه الاموروزیادة الحسنات وهذاهوالصحیح الذی علیه جماهیرالعلماء.

ولمافی تکملةفتح الملهم:(۵/۳۷۱-۳۷۷،طبع دارالعلوم کراچی)

قال العلامة محمدتقی العثمانی زیدمجدهم تحت هذه الاحادیث قال القرافی المصائب کفارات جزماسواء اقترن بهاالرضاء ام لالکن ان اقترن بهاالرضاء عظم التکفیروالافل. کذاقال والتحقیق ان المصیبة کفارة لذنب یوازیها وبالرضاء یوجرعلی ذلک فان لم یکن للمصاب ذنب عوض عن ذالک من الثواب بمایوازیه.

مصائب وآفات کے ذریعے جن لوگوں کوان کے گناہوں کی کچھ سزادی جاتی ہےاوربعض ایمانداروں کورفع درجات یاکفارہ سیئات کیلئے بطورامتحان مصائب میں مبتلا کیاجاتاہےابتلاء کی ظاہری صورت ایک ہی طرح کی ہوتی ہے،ان دونوں میں فرق کیسے پہچاناجائے؟

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ لکھی ہے کہ جونیک لوگ بطورابتلاء وامتحان مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کومطمئن کردیتے ہیں اوروہ ان مصائب پرایسے راضی ہوتے ہیں جیسے بیمارکی کڑوی دوایاآپریشن پرباوجودتکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتاہے بخلاف ان گنہگاروں کے جوبطورسزا مبتلاء کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اورجزع وفزع کی حدنہیں رہتی بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفرتک پہنچ جاتے ہیں،سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کیساتھ انسان کواللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پرتنبیہ اورتوبہ واستغفارکی رغبت زیادہ ہوجائے وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ قہرنہیں بلکہ مہربانی اورعنایت ہے اورجس کی یہ صورت نہ بنے بلکہ جزع وفزع اورمعاصی میں اورزیادہ انہماک بڑھ جائے تووہ قہرالٰہی اورعذاب کی علامت ہے۔بحوالہ معارف القرآن:(۶/۷۵۷،طبع ادارۃ المعارف)لمافی قولہ تعالیٰ:(سورۃ روم آیت ۴۱)

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین عفی عنہ

۳جمادی الاول ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۸۵۰

﴿صرف دل میں خیال آنے سے گناہ نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر دل میں کوئی برا خیال آئے جب کہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے تو کیا اس سے بھی آدمی کو گناہ ملتا ہے؟

﴿جواب﴾ خیالات کا آنا انسانی اختیار سے باہر ہے، لہٰذا دل میں کسی گناہ کا خیال آنے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

لما فی قوله تعالی:(سورة البقرة، آیت ۲۸۶)

لا یکلف الله نفسا الا وسعها

ولما فی احکام القرآن:(۱/۴۲۹، طبع: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه)

قال العلامة ظفر احمد العثمانی تحت هذه الآیة فلا یواخذ المرأ بما یقع فی نفسه من الوساوس من غیر قصد منه ولا اختیار. و یواخذ بما حصل فیها حصولا اصلیا بحیث یوجب اتصافها به ... ولا کذالک سائر ما یحدث فی النفس ونظمه بعضهم، مراتب التصنخمر، هاجس. ذکروا فخاطر، فحدیث النفس فاستمعا یلیه عم، فعزم، کلها رفعت سوی الاخیر فلیه الاخذ قد وقعا.

ولما فی مرقاة المفاتیح:(۱/۲۲۳، طبع رشیدیه)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تعالی تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها، مالم تعمل به او تتکلم. محمول علی ما اذا لم تستقر ذالک معفو بلاشک لانه لا یمکن الانفکاك عنه بخلاف الاستقرار.

ولما فی الاشباه والنظائر:(ص ۵۲-۵۳، طبع قدیمی کراچی)

ومنها حدیث النفس لا یواخذ به مالم یتکلم او یعمل به کما فی حدیث مسلم وحاصل ما قالوه ان الذی یقع فی النفس من قصد المعصیة او الطاعة علی خمس مراتب: الهاجس وهو ما یلقی فیها ثم جریانه فیها وهو الخاطر، ثم حدیث النفس، وهو ما یقع فیها من التردد هل یفعل او لا ثم الهم وهو الترجیح وهو ترجیح قصد الفعل، ثم العزم وهو قوة ذلک القصد والجزم به، فالهاجس لا یواخذ به اجماعا، لانه لیس من فعله وانما هو شیء ورد علیه لا قدرة له فیه ولا صنع. والخاطر الذی بعده کان قادرا علی دفعه بصرف الهاجس اول وروده، ولکن هو وما بعده من حدیث النفس مرفوعان بالحدیث الصحیح واذا ارتفع حدیث النفس ارتفع ما قبله بالاولی. وهذه الثلاثة لو کانت فی الحسنات لم یکتب له بها اجر لعدم القصد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفی عنہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۶۹

﴿رؤية النبی ﷺ ربه ليلة المعراج﴾

﴿شب معراج میں نبی ﷺ کا اللہ کی زیارت کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ماقولكم (رحمكم الله) فی رؤية النبی ﷺ ربه ليلة المعراج؟

﴿جواب﴾ اختلف اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم فی هذه المسألة والأحوط ان يتوقف الانسان ولايجزم فی ذالک بشی لأن لايلزم تخطئة احد الطرفين وفی كلاهما من اصحاب النبی ﷺ ولان الآيات لاتدل على احد المعانی بالصراحة والاحاديث ايضا آحاد لاتثبت بها العقيدة ومع هذا لاتعلق بالرؤية وعدمها عمل من اعمالنا.

لمافی فتح الملهم:(۲/۶۱۲-۶۱۷،طبع دار العلوم كراچی)

اختلف السلف فی رؤية النبی ﷺ ربه فذهبت عائشة وابن مسعودؓ الی انكارها واختلف عن ابی ذرؓ وذهب جماعة الی اثباتها ... (۲/۶۱۷) ... وقدرجح القرطبیؒ فی المفهم قول الوقف فی هذه المسئلة وعزاه جماعة من المحققين وقواه بانه ليس فی الباب دليل قاطع وغاية ما استدل به للطائفتين ظواهر متعارضة قابلة للتأويل قال وليست المسئلة من العمليات فيكتفی فيها بالادلة الظنية وانما هی من المعتقدات فلا يكتفی فيها الابالدليل القطعی.

ولمافی شرح الفقه الأكبر:(ص۲۱۳،طبع بيروت)

اختلفوا فی جواز ها فی الدنيا شرعا فاثبتها أكثرون ونفاهم آخرون ثم الذين أثبتوها فی الدنيا خصوها وقوعها له ﷺ فی ليلة الاسراء على خلاف فی ذالک بين السلف والخلف من العلماء والاولياء والصحيح انه ﷺ رأى ربه بفؤاده لا بعينه كما فی شرح العقائد وغيره وهكذا فی النبراس (ص۲۹۵،طبع)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۴۳

﴿غیر اللہ کی تعظیم کیلئے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت حرام ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو قتل کرتا ہے پھر جب قاتل کے ورثاء مقتول کے ورثاء سے صلح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ (مقتول کے ورثاء) صلح پر راضی نہ ہوں تو قاتل کے ورثاء مقتول کے ورثاء کے دروازے پر رات کے وقت چپکے سے ایک جانور (دنبہ وغیرہ) لے جا کر

ذبح کرتے ہیں جو کہ مقتول کے ورثاء کے سامنے عاجزی اور کمزوری کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس ذبیحہ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ جبکہ اس ذبیحہ کا گوشت مقتول کے ورثاء اٹھاتے ہیں پکا کر خود بھی کھاتے ہیں اور احباب وغیرہ کو بھی کھلاتے ہیں۔ مستفتی: محمد عظیم عبدالخیل

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں یہ عمل کبیرہ گناہ ہے اور اس ذبیحہ کا گوشت مردار جانور کی طرح حرام ہے اگر چہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہو، اسلئے کہ اس ذبح سے مراد سامنے والے (مقتول کے ورثاء) کی تعظیم مطلوب ومقصود ہے. اور جو جانور کسی کی تعظیم کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ مردار جانور کی طرح حرام ہوتا ہے، لہذا مقتول کے ورثاء کھائیں یا کوئی دوسرا مسلمان سب کیلئے حرام ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة الآية ۱۷۳)

انما حرّم عليكم الميتة والدّم ولحم الخنزير وما أهلّ به لغير الله..... الاية.

ولمافی الشامی:(۳۱۰/٦،طبع سعيد)

"واعلم أن المدار على القصد عند ابتداء الذبح فلا يلزم أنه لوقدم للضيف غيرها أن لا تحل لأنه حين الذبح لم يقصد تعظيمه بل اكرامه بالاكل منها وأن قدم اليه غيرها و يظهر ذلك أيضاً فيما لو ضافه امير فذبح عند قدومه ، فأن قصد التعظيم لا تحل وان اضافه بها و ان قصد الاكرام تحل وان اطعمه غيرها تأمل.

ولمافی اعلاء السنن:(۹۵/۱۷-۹٦،طبع دار الكتب العلمية)

وأماقول بعض الاحباب:وشرط الحل هوالذبح على اسم الله لالوجه الله الخ ففيه انه يشترط ان لايكون لتعظيم غيرالله وقد صرح الفقهاء بأن أراقة الدم لم تعهد قربة الافي الهدى والأضحية وفي العقيقة على الخلاف فلا يجوز الذبح للاراقة وحدها في غيرذلك. واذااجتمع بهاقصدتعظيم غيرالله صار المذبوح ميتةكماذبح لقدوم الأمير وقصدالاراقةفقط ولوذبح لقدومه ليأكل الأميرمنه لم يحرم وكان كالذبح للضيف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: شاکراللہ

۹ صفرالخیر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۸٦

﴿ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے فال نکلوانا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل

ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے جو فال نکالا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ جس اعتقاد کے ساتھ آجکل ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے فال نکالا جاتا ہے یہ محض توہم پرستی ہے اور ناجائز ہے اور بدفالی سے متعلق احادیث مبارکہ میں انتہائی سخت وعیدیں آئی ہیں، اسلئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۲۹۱/۸،طبع رشیدیه)

"لا طیرة" فنفاه الشرع وأبطله ونهاهم عنه وأخبرأ نه لیس له تا ثیر فی جلب نفع أودفع ضرکذاذکره فی النهایة وقال شارح:لایجوز العمل بالطیرة وهی التفاول بالطیروالتشاؤم بهاکانوایجعلون العبرة فی ذلک تارة بالأسماء وتارة بالأصوات وتارة بالسنوح والبروح وکانوایهیجونها من أماکنهالذلک.

ولمافیه ایضا:(۲۷۸/۹،طبع رشیدیه)

عن ابن عباس قال:قال رسول الله ﷺ "یدخل الجنّة من امتی سبعون ألفا بغیر حساب هم الذین لا یسترقون ولایتطیرون وعلی ربهم یتوکلون.

(الذین لا یسترقون) أی لا یطلبون الرقیة مطلقاأو بغیر الکلمات القرانیة والاسماء الصمدانیة (ولا یتطیرون)أی ولا یتشاء مون بنحو الطیرولا یأخذون من الحیوانات و الکلمات المسموعات علا مة الشروالخیر(الخ)

والله اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۱۶۷۱ — ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿مزاح میں اپنے آپ کو کافر کہنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مزاح اور گپ شپ کے دوران اپنے آپکو کافر کہہ دے اور یہ کہتا ہے کہ میں کافر ہوں، سوال یہ ہے کہ اسطرح کہنے سے وہ کافر ہوجائے گا؟ مستفتی: اکرام پشاوری

﴿جواب﴾ اپنے اختیار اور ارادے سے اپنے کو کافر کہنا کفر ہے، اس طرح کا مزاح کرنا دین اسلام کو کوئی اہمیت نہ دینے کی دلیل ہے، لہٰذا اس شخص پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے، تجدید ایمان کیساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی کرے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۲۲۲، طبع سعید)

من هزل بلفظ کفر ارتد، وان لم یعتقد للاستخفاف فهو ککفر العناد وقال الشامیؒ: (قوله من هزل بلفظ کفر) ای تکلم به باختیاره غیر قاصد معناه وهذا لاینافی ما مر من ان الایمان هو التصدیق فقط أو مع الاقرار لان التصدیق وان کان موجودا حقیقة لکنه زائل حکما لان الشارع جعل بعض المعاصی امارة علی عدم وجوده کالهزل المذکور وکما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا فی قاذورة فانه یکفر وان کان مصدقا، لان ذلک فی حکم التکذیب کما افاده فی شرح العقائد واشار الی ذلک بقوله "للاستخفاف" فان فعل ذلک استخفافا واستهانة بالدین فهو امارة عدم التصدیق الی قوله قلت ویظهر من هذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف لانه لو توقف علی قصده لما احتاج الی زیادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصدیق (فهو ککفر العناد) ای ککفر من صدق بقلبه و امتنع عن الاقرار بالشهادتین عنادا ومخالفة فانه امارة عدم التصدیق وان قلنا: ان الاقرار لیس رکنا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عزیز الرحمٰن غفرلہ

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۹۶

﴿گناہ کے عزم پر مواخذہ ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں زنا کے چار درجات بیان کیے گئے ہیں، آخری درجہ دل میں زنا کا خیال لانا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا برا خیال آتے ہی زنا کا گناہ لکھا جائے گا یا اس کی کوئی حد متعین ہے؟ مستفتی: محمد عظیم ڈیرہ اسمٰعیل خان

﴿جواب﴾ انسان کے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو تو اسکی پانچ صورتیں ہیں: (۱) کسی گناہ کا خیال بلا قصد واختیار کے اچانک دل میں پیدا ہو کر گذر جائے تو اسے ''هاجس'' کہا جاتا ہے (۲) اگر یہی خیال دل ودماغ میں ٹھہر جائے جس سے خلجانی کیفیت پیدا ہو تو اسے ''خاطر'' کہتے ہیں (۳) اور دل میں ٹھہرنے کے بعد اسکے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تردد واقع ہو تو اسے ''حدیث النفس'' سے تعبیر کیا گیا ہے (۴) برے خیال کے دل میں جم جانے کے بعد طبیعت کی خواہش بھی اسکے کرنے کی ہو تو یہ ''ھم'' ہے، ان چاروں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے بلکہ عمل کا قصد ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو عمل سے باز رکھا تو اسکے عوض نیکی لکھی جاتی ہے (۵) آخری درجہ عزم کا ہے یعنی کسی برے عمل کا ایسا پختہ ارادہ کرنا کہ اگر اسباب وذرائع مہیا ہوں تو وہ یقیناً عملی صورت

اختیار کرے، اس عزم وقصد پر مواخذہ ہوگا اور حدیث میں اسی کو زنا سے تعبیر کیا گیا ہے، اس درجہ کے بعد عزم پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آئی یا خود ہی دنیاوی نقصان سے بچنے کی غرض سے رجوع کیا تو عزم کا گناہ باقی رہے گا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے لیکن خوف خدا کی وجہ سے از خود اس سے رجوع کیا تو مجاہدہ نفس کی وجہ سے ثواب ملے گا۔

لمافی الاشباہ والنظائر:(۱/۴۲،طبع دار الفکر بیروت)

وحاصل ما قالوا ان الذی یقع فی النفس من قصد المعصیة او الطاعة علی خمس مراتب الهاجس و هو ما یلقی فیها ثم جریانه فیها و هو الخاطر ثم حدیث النفس و هو مایقع فیها من التردد هل یفعل او لا ثم الهم و هو ترجیح قصد الفعل ثم العزم و هو قوة ذلک القصد والجزم به فالهاجس لایؤاخذ به اجماعا والخاطر الذی بعده کان قادرا علی دفعه بصرف الهاجس اول وروده ولکن هو وما بعده من حدیث النفس مرفوعان بالحدیث الصحیح واما الهم فقد بین فی الحدیث الصحیح ان الهم بالحسنة یکتب حسنة والهم بالسیئة لایکتب سیئة وان الهم مرفوع واما العزم فالمحققون علی انه یؤاخذ به.

ولما فی المرقاة:(۱/۲۲۳-۲۲۲،طبع رشیدیه)

المذهب الصحیح المختار الذی علیه الجمهور ان افعال القلوب اذا استقرت یؤاخذ بها ثم نقل صاحب الازهار عن الاحیاء ماحاصله ان لأعمال القلب اربع مراتب: الاول الخاطر کما لو خطر له صورة امرءة مثلا خلف ظهره فی الطریق لو التفت الیها یراها والثانی هیجان الرغبة الی الالتفات الیها ونسمیه میل الطبع والاول حدیث النفس والثالث حکم القلب بان یفعل ای ینظر الیها ونسمیه اعتقادا والرابع تصمیم القلب علی الالتفات وجزم النیة فیه ونسمیه عزما بالقلب اما الخاطر فلا یؤاخذ به وکذا المیل وهیجان الرغبة واما الثالث وهو الاعتقاد فهو مردد بین أن یکون اختیارا او اضطرارا ینکره فالاختیاری یؤاخذ والاضطراری لایؤاخذ واما الرابع وهو العزم والهم بالفعل فانه یؤاخذ به وعلیه تنزل الآیات التی دلت علی مؤاخذة اعمال القلوب الا أنه ان ترک خوفا من الله تعالی کتبت له حسنة لان همه سیئة و امتناعه عنها مجاهدة مع نفسه وان ترکها لعائق اوفاتها ذالک لعدم الحصول کتبت علیه سیئة للعزم والهمة الجازمة

ولما فی فتح الملهم:(۲/۲۰۱،طبع دار العلوم کراچی)

وقسم بعضهم ما یقع فی النفس اقساما یظهر منها الجواب عن الثانی ،اضعفها ان یخطر له ثم یذهب فی الحال وهذا من الوسوسة وهو معفو عنها وهو دون التردد وفوقه ان یتردد فیه فیهم به ثم ینفر عنه فیترکه ثم یهم به ثم یترک کذلک ولایستمر علی

قصده وهذا هوالتردد فيعفى عنه ايضا ولوقه ان يميل اليه ولا ينفر منه بل يصمم على فعله فهذاهو العزم وهو منتهى الهم الى قوله۔ . وذهب كثير من العلماء الى المواخذة با لعزم المصمم.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم کشمیری

۲ صفر ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۱۶۳

﴿نجومی کو ہاتھ دکھانا﴾

﴿سوال﴾ نجومی کو ہاتھ دکھانا درست ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی شخص صرف شوقیہ طور پر یا تجربہ کرنے کے لیئے نجومی کو ہاتھ دکھائے تو کیا جائز ہے؟ مستفتی: عبد الکریم کذاب کراچی

﴿جواب﴾ نجومی کو ہاتھ دکھانا جائز نہیں ،شوقیہ اور تجربہ کے لیئے بھی جائز نہیں اس سے عقیدہ کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہے اور ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی ہے ایسے لوگوں سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافي الصحيح لمسلم:(۲/۲۳۲-۲۳۳،طبع قديمي)

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يارسول الله امورا كنا نصنعها في الجاهلية كنا ناتي الكهان قال فلاتاتوا الكهان الخ.

عن صفية عن بعض ازواج النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من اتى عرافا فساله عن شيء لم تقبل له صلاة اربعين ليلة.

قال النووي رحمه الله علىٰ هامش هذا الباب:

الثالث المنجمون وهذا الضرب يخلق الله تعالى فيه لبعض الناس قوة ما لكن الكذب فيه اغلب ومن هذا الفن العرافة وصاحبها عراف وهو الذى يستدل علىٰ الامور باسباب ومقدمات يدعى معرفتها بها وقد يعتضد بعض هذا الفن ببعض فى ذالك بالزجر والطرق والنجوم واسباب معتادة وهذه الاضراب كلها تسمى كهانة وقد اكذبهم كلهم الشرع ونهى عن تصديقهم واتيانهم والله اعلم.

ولما في الشامي:(۲/۲۲۲،طبع سعيد)

(قوله الكاهن قيل كالساحر) في الحديث من اتى كاهنا او عرافا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد اخرجه اصحاب السنن الاربعة وصححه الحاكم عن ابى هريرة والعراف المنجم وقال الخطابي وهو الذى يتعاطى معرفة مكان المسروق والضالة ونحوهما والحاصل ان الكاهن من يدعى معرفة الغيب باسباب وهى مختلفة فلذا انقسم الى انواع متعددة كالعراف والرمال والمنجم وهو الذى يخبر عن المستقبل

بطلوع النجم وغروبه والذی یضرب بالحصی والذی یدعی ان له صاحبا من الجن یخبره عما سیکون والکل مذموم شرعا محکوم علیهم وعلی مصدقهم بالکفر.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتوی نمبر: ۲۶۹۴

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿غیر مسلموں کی مذہبی رسومات میں موافقت کرنا موجب کفر اور قاطع نکاح ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں (اظہر محمود) نے ایک کرسچن (عیسائی) عورت (زرینہ یوسف) سے شادی کی، بایں طور کہ پہلے اس کو مسلمان کر کے اسلامی طریقے سے نکاح کیا پھر ہم دونوں کو چرچ لے جایا گیا وہاں انکی مذہبی رسومات کے مطابق کرسچن فیملی کو نہلایا گیا پھر انہی کے طریقے پر دوبارہ نکاح ہوا جس سے وہ لوگ سمجھے کہ میں کرسچن ہو گیا ہوں حالانکہ ہم (میاں، بیوی) نے یہ سب کچھ صرف دکھلاوے کے طور پر کیا تھا تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ پیدا ہو، اس (چرچ میں کئے گئے) نکاح میں میری پہلی مسلمان بیوی (زرینہ) (جوکہ اس نومسلم بیوی سے پہلے میرے نکاح میں تھی) بھی شریک تھی، کچھ عرصہ تک دونوں بیویوں سے ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کے بعد میں نے ایک تیسری (شیعہ) عورت (''سیدہ دلشاد فاطمہ'' جوکہ شیعیت کے بارے میں نارمل عقیدہ رکھتی ہے) سے بھی نکاح کر لیا پھر کچھ ناچاقی کی وجہ سے دوسری (نومسلم) بیوی کو تین طلاقیں دیکر فارغ کر دیا، سوال یہ ہے کہ اس طرح کرسچن رسومات کے مطابق نکاح کرنے سے ہم اسلام سے خارج تو نہیں ہوئے؟ نیز ہمارے نکاح کا کیا حکم ہے؟ سائل: اظہر محمود (ڈی، ایچ، اے) کراچی

تنقیح: (۱) نومسلم بیوی کے ساتھ نکاح کے بعد اور چرچ جانے سے پہلے جماع کیا تھا یا نہیں؟ (۲) چرچ جانے کے بعد کتنا عرصہ گزرا جب اسکو طلاق دی؟ (۳) چرچ جانے کے بعد نومسلم بیوی میں باقاعدہ دین کی طرف رغبت ظاہر ہوئی یا نہیں ظاہر ہوئی تو کس وقت؟ (۴) پہلی بیوی نے چرچ میں جا کر کیا کیا عمل کیا تھا؟ (۵) شیعہ عورت سے نکاح کب ہوا تھا؟ (۶) شیعہ عورت سے نکاح کرنے سے پہلے اپنے سابقہ فعل سے سچی توبہ کی تھی یا نہیں؟ (۷) شوہر نے اپنے فعل پر ندامت اور دل سے توبہ کب سے کی ہے نیز صحیح طریقہ سے

اسلامی تعلیمات پر چلنے کا عزم کب سے کیا ہے؟ (۸) چرچ میں بپتسمہ دونوں نے اکٹھا کیا تھا یا آگے پیچھے؟ پوری تفصیل بتائیں۔

جواب تنقیح: (۱) نکاح کے بعد اور بپتسمہ سے پہلے باقاعدہ جماع کیا تھا (۲) بپتسمہ کے بعد عرصہ گیارہ سال ایک ساتھ رہے (۳) دین کیطرف رغبت اب بھی ظاہر نہیں ہے صرف رسمی طور پر بعض کام انجام دیتی ہے اور اپنے گھر والوں کو اب تک یہ ظاہر کرتی ہے کہ میں عیسائی ہوں۔

البتہ مجھے غالب گمان ہے کہ اگر دوبارہ اس سے نکاح کر لیا تو سچی مسلمان ہو جائے گی پہلے اس کے ذہن پر ایسی محنت ہی نہ کر سکا نہ اسکا زیادہ خیال ہوا، اب میرے دل میں بھی دین اسلام کی بڑی عظمت ہے (۴) صرف تماشائی تھی کچھ عمل نہیں کیا (۵) تقریباً دو اڑھائی سال بعد۔

(۶-۷) شیعہ عورت سے نکاح کرنے سے پہلے میں نے اس عمل کو غلط نہیں سمجھا تھا اور نہ اس سے توبہ کی تھی اور اب تک اسطرف کوئی دھیان نہیں ہوا، آج کے بعد اس کام سے سچی توبہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے (۸) پہلے میری بیوی نے مجھے کہا کہ آپ بپتسمہ کر لو اس میں کیا ہے کیونکہ اس کے والد کا مطالبہ تھا تو پہلے میری بیوی اس کو پسند کر رہی تھی پھر والد کے کہنے پر اس نے مجھے بھی تیار کیا البتہ چند روز بعد بپتسمہ صرف میں (شوہر) نے ہی کیا تھا بیوی نے نہیں۔

﴿جواب﴾ (۱) صورت مسئولہ میں مذکورہ تفصیل و تنقیح کے مطابق اظہر محمود اور اس کی نو مسلم بیوی (زرینہ یوسف) چرچ میں جا کر بپتسمہ لینے نیز کرسچن رسومات کے مطابق نکاح انجام دینے کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔

لہٰذا اس حالت میں رہتے ہوئے شرعاً ان پر کفر کے احکام جاری کئے جائیں گے، البتہ اس کے بعد وہ اگر سچی توبہ کر کے تجدید ایمان کر لیں اور اپنے ان منافی ایمان اعمال پر ندامت کا اعلان کرتے ہوئے اور عیسائیت سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیں تو شرعاً ان پر مسلمانوں کے احکام لاگو ہونگے لیکن پہلی مسلمان بیوی (زرینہ) جو چرچ میں جا کر مذکورہ نکاح میں شریک ہوئی اگر وہ محض تماشائی تھی یعنی انکے افعال کی وجہ سے اسکا عقیدہ تبدیل نہیں ہوا اور نہ انکی مذہبی رسومات کو وہ اچھا سمجھ رہی تھی تو اس کی وجہ سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں

ہوئی، البتہ سخت گناہ گار ہوئی ہے، وہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ اس طرح کی محافل میں شرکت کرنے سے مکمل احتراز کرے اور اگر وہ ان افعال کو اچھا اور جائز سمجھ رہی تھی یا اس کی وجہ سے اسکا عقیدہ تبدیل ہو گیا تھا تو وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئی ہے بہر حال اس کو بھی احتیاطاً تجدید ایمان کر لینا زیادہ مناسب ہے(۲) نیز مذکورہ تنقیح کے مطابق چونکہ اظہر محمود اور اس کی نومسلم بیوی کا ارتداد اور اسلام بعد الارتداد متعاقباً (آگے پیچھے) ہونا متعین ہے۔

لہٰذا اس صورت میں اظہر محمود کا اپنی دونوں بیویوں سے نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اس دوران (بغیر تجدید ایمان و نکاح کے) دوسری نومسلم بیوی (جبکہ وہ اظہر محمود کے نکاح سے بالکلیہ خارج ہو چکی تھی) کو دی گئی طلاق واقع ہی نہیں ہوئی اور نہ ہی تیسری بیوی (سیدہ دلشاد فاطمہ) سے نکاح درست ہوا ہے۔

لہٰذا اب اگر اظہر محمود بمع فیملی باقاعدہ طور پر دوبارہ اسلام قبول کر چکا ہے تو اس کے لئے مذکورہ تینوں عورتوں سے دوبارہ تجدید نکاح کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنا جائز ہے بشرطیکہ تینوں کفریہ عقائد سے تائب ہوں اور دین اسلام کے علاوہ دوسرے تمام ادیان سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

(۱) لمافی شرح المقاصد لسعد الدین التفتازانیؒ: (۲/۲۶۷ طبع دار المعارف نعمانیہ)

"منشورات الشريف الرضی" من استخف بالشرع أو الشارع أو القى المصحف فى القاذورات أو شد الزنار بالاختيار كافر اجماعا وان كان مصدقا للنبى ﷺ فى جميع ماجاء به ... يجعل الشارع بعض محظورات الشرع علامة التكذيب فيحكم بكفر من ارتكبه وبوجود التكذيب فيه لا كالزنا وشرب الخمر ويتفاوت ذالك.

ولما فى اصول الدين لأبى منصور عبد القاهر التميمیؒ: (ص ۲۶۲ طبع عثمانيه لاهور)

قال اصحابنا: ان أكل الخنزير من غير ضرورة ولا خوف، واظهار ذى الكفرة فى بلاد المسلمين من غير اكراه عليه، والسجود للشمس أو للصنم وما جرى مجرى ذلك من علامات الكفر وان لم يكن فى نفسه كفرا اذا لم يضامه عقد القلب على الكفر من فعل شيئا من ذالك أجرينا عليه حكم أهل الكفر وان لم نعلم كفره باطنا.

ولما فى المحيط البرهانى (۷/۲۲۸، طبع ادارة القران بيروت)

قال الشيخ الامام الزاهد ابوبكر بن طرخانؒ: من خرج الى النشدة فقد كفر لأن فيه اعلان الكفر فكأنه أعان عليه، وعلى قياس مسئلة النشدة الخروج الى نيروز المجوس

والموافقة معهم فيما يفعلون في ذالك اليوم من المسلمين يوجب الكفر وأكثر ما يفعل ذلك من كان اسلم منهم فيخرج اليهم في ذلك اليوم ويوافقهم فيصير به كافراً ولا يشعر بذالك (ولعل المراد من النشدة المجلس الذى يتلى فيه ذلك الكتاب "سفر من اسطار العهد القديم (الهامش) وكذافي التاتارخانية: (۳۵۲/۵، قديمى)

ولما في جامع العقائد: (ص ۲۹۵، طبع الثقافة الاسلاميه بخارى)

وفي الفتوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أى لبسها وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق، أى وهو من شعارهم، أو شد في الوسط حبلاً كفر إذا كان مشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زناراً والا فلا يكفر. ولو شبه نفسه باليهود والنصارى أى صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أى ولو على هذا المنوال كفر ..... وفي المحيط ولو شد الزنار على وسطه أو وضع الغسلى على كتفه فقد كفر أى اذا لم يكن مكرها في فعله. وفي الخلاصة: ولو شد الزنار قال ابو جعفر الاستروشنى: ان فعل لتخليص الاسارى لا يكفر والا كفر. ومن تزنر بزنار اليهود أو النصارى وان لم يدخل كنيستهم كفر. وفي الظهيرية: وحرم الزوج. وفي المحيط: لأن هذا تصريح بما هو كفر. وفي الملتقط: اذا شد الزنار أو اخذ الغل أو لبس قلنسوة المجوسي جاداً أو هازلاً يكفر الا اذا فعل خديعة للحرب وكذا في المحيط البرهاني ومنح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر. (ص ۴۹۶، طبع دار البشائر الاسلاميه)

ولما في التاتارخانية: (۳۵۲/۵، طبع قديمى)

واذا شد الزنار على وسطه أو وضع الغسلى على كتفه فقد كفر (وفي التهذيب): سواء فعل من غير اعتقاد سخرية أو من اعتقاد. (وفي التجنيس) جادا وهازلاً كفر.

ولما في محيط البرهاني: (۳۹۹/۷، طبع ادارة القران بيروت)

ثم ما يكون كفراً بلا خلاف يوجب احباط العمل ويلزمه اعادة الحج ان كان قد حج ويكون وطؤه مع امرأته زنا والولد المتولد في هذه الحالة يكون ولد الزنا. وان اتى بكلمة الشهادة (بعد ذلك، اذا كان الاتيان بكلمة الشهادة) على وجه العادة (ولم يرجع عما قال لأن بالاتيان بكلمة الشهادة على وجه العادة) لا يرتفع الكفر وما كان في كونه كفراً اختلافاً فان قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذالك بطريق الاحتياط.

ولما في التاتارخانية: (۳۱۲/۵، طبع قديمى)

وان اتى بكلمة الشهادة بعد ذلك ان كان الاتيان على وجه العادة لا يرتفع الكفر. وفي الظهيرية: وهو المختار. والى هذا كان يميل الصدر الشهيد برهان الأئمة.

ولما في التاتارخانية: (۳۲۲/۵، طبع قديمى)

واسلامه ان يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الاسلام. وان تبرأ عما انتقل اليه يكفي لحصول المقصود فان ارتد ثانياً وثالثاً كذا يفعل به في كل مرة.

ولما فی المحیط البرهانی:(۴/۴۴۲،طبع ادارۃ القران بیروت)

فان تمام الاسلام من الیهودی بالتبری عن دینه(ومن النصرانی بالتبری عن دینه) والمرتد لیس له ملة معینة فتمام الاسلام فی حقه بالتبرأ عن الأدیان کلها، وان تبرأ عما انتقل الیه کفی لحصول القصد.

ولما فی المحیط البرهانی:(۴/۳۹۸،طبع ادارۃ القرآن بیروت)

ومن رضی بکفر نفسه فقد(کفرومن رضی بکفر غیره فقد)اختلف المشائخ رحمهم الله تعالیٰ فیه ... وذکر شیخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالیٰ فی شرح السیر: ان الرضاء بکفر الغیر انما یکون کفراً اذاکان یستجیز الکفر ویستحسنه. أما اذاکان لایستجیزه ولایستحسنه ... فهذالایکون کفرا وقدعثرنا علی روایة أبی حنیفة رحمه الله تعالی أن الرضابکفرالغیرکفرمن غیر تفصیل.

ولما فی فتاویٰ بزازیة علیٰ هامش الهندیة:(۶/۳۴۹،طبع رشیدیه)

واما الرضابکفر نفسه أوالرضابکفر غیره مستجیزاًأومستحسناًللکفرکفر.ویجوزأن یکون کلام المشائخ"الرضابالکفرکفر"محمولاًعلیٰ هذا.

ولما فی منح الروض الأزهر فی شرح الفقه الأکبر:(ص۴۸۳طبع دار البشائر الاسلامیه)

وفی المحیط من رضی بکفر نفسه فقد کفر،أی اجماعاً. وبکفر غیره اختلف المشائخ رحمهم الله تعالی ... وذکرشیخ الاسلامؒ: أن الرضاء بکفر غیره انمایکون کفراًاذاکان یستجیزه ویستحسنه ، واما اذاکان لایستجیزه ولایستحسنه فهذالایکون کفراً. وقدعثرناعلی روایة أبی حنیفة رحمه الله ان الرضاء بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل. ویحتمل أن هذه الجملة من صاحب المحیط أوالجامع لهذه المسائل. وعلی کل تقدیر فالجواب أن روایة أبی حنیفة رحمه الله اذاکانت مجملة أوعبارة مطلقة فلناأن نفصلهاونقیدهاعلی مقتضی القواعد الحنفیة والأصول الحنفیة.

ولما فی التاتارخانیة:(۵/۳۱۲،طبع قدیمی)

وماکان خطأمن الألفاظ ولاتوجب الکفرفقائله مؤمن علیٰ حاله ولایؤمربتجدید النکاح ولکن یؤمربالاستغفاروالرجوع عن ذلک.

ولمافیهاایضا:(۵/۳۵۴،طبع قدیمی)

لواتخذمجوسی دعوةلحلق شعررأس صبیه ودعاالناس الیٰ ذلک فحضربعض المسلمین دعوته وأهدیٰ الیه شیئاًحیث لایکفروفی "الخانیة"والأولی أن لایفعل ولایوافقهم علیٰ مثل ذلک.... وفی "التخبیر":واتفق مشائخناأن من رأی أمرالکفارحسناًفهوکافر.

ولما فی الدرالمختار:(۳/۱۹۳،طبع ایچ ایم سعید)

(وارتداداحدهمافسخ)فلاینقص عدداً (عاجل) بلاقضاء.

وفی الشامیۃ:(قولہ: بلاقضاء) أی بلاتوقف علی قضاء القاضی وکذابلاتوقف علی مضی عدۃ فی المدخول بھا. کمافی البحر.

ولمافی الخانیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ:(۵۸۱/۳،طبع رشیدیہ)

أجمع اصحابناعلی ان الردۃ تبطل عصمۃ النکاح وتقع الفرقۃ بینھما بنفس الردۃ .وکذافی التاتارخانیۃ:(۲۷۰/۵،طبع قدیمی)

ولمافی کتاب الاختیار لتعلیل المختار:(۱۴۱/۳،طبع قدیمی)

(واذا ارتداحدالزوجین وقعت الفرقۃ بغیرطلاق.)

ولمافی التاتارخانیۃ:(۱۳۰/۳،طبع قدیمی)

اذا ارتد احدالزوجین وقعت الفرقۃ بینھمافی الحال ھذاجواب ظاھرالروایۃ . وفی الکافی: قبل الدخول وبعدہ .

ولمافی البحرالرائق:(۲۱۳/۳،طبع ایچ،ایم سعید)

وارتداداحدھمافسخ فی الحال یعنی فلایتوقف علیٰ مضی ثلاثۃ قروء فی المدخول بھاولاعلی قضاء القاضی لان وجودالمنافی یوجبہ کالمحرمیۃ.

ولمافی النھرالفائق تحتہ:(۲۹۰/۲،طبع قدیمی)

(وارتداداحدھمافسخ فی الحال) فلایتوقف علیٰ القضاء،ولافرق بین المدخول بھا وغیرھا.وکذافی ملتقی الأبحر:(۵۲۶/۱،طبع)

ولمافی الھدایۃ:(۳۶۷/۲،طبع رحمانیہ)

واذاارتداحدالزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃبینھمابغیرطلاق عندابی حنیفۃوابی یوسف ومالک(رحمھم اللہ تعالیٰ) ولاحاجۃلتفریق القاضی وانماینفسخ الزواج بینھمافسخا

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد کفایت اللہ

۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۹۰

حضور اکرم ﷺ نور تھے یا بشر؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت ﷺ نور تھے یا بشر؟ جبکہ آپ ﷺ کے نور ہونے پر آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے سے استدلال کیا جاتا ہے تو کیا واقعی کسی روایت میں آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونا مذکور ہے؟ نیز اگر آپ ﷺ بشر تھے تو آیت کریمہ "قدجاء کم من اللہ نور" میں نور سے کیا مراد ہے؟

جواب: آنحضرت ﷺ بیک وقت نور بھی تھے اور بشر بھی اور یہ کہ آپ ﷺ کے نور یا

بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کردی جائے بلکہ آپ ﷺ صفت ہدایت اور نورانیت باطن کے اعتبار سے نور مجسم اور اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے خالص اور کامل بشر تھے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(المائدة آیت۱۵)قدجاء کم من الله نور وکتاب مبین۔۔ الآیة.

ولمافی قوله تعالیٰ:(بنی اسرائیل آیت۹۳)قل سبحان ربی هل کنت الابشراًرسولاً ... الآیة.

ولمافی قوله تعالیٰ:(الکهف آیت۱۱۰)

قل انما انابشر مثلکم یوحیٰ الیٰ انما الهکم اله واحد......الآیة.

ولمافی قوله تعالیٰ:(الشوریٰ آیت۵۱)

وماکان لبشران یکلمه الله الاوحیااومن ورائی حجاب اویرسل رسولاًفیوحی باذنه مایشاء.... الاية.

ولمافی جامع الترمذی:(۲۰۱/۲،طبع فاروقی ملتان)اناسیدولدآدم یوم القیامة ولافخر.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۳۲۴/۲،طبع قدیمی)

اللّٰهم انمامحمد(ﷺ)بشریغضب کمایغضب البشر.

ولمافی الصحیح للبخاری:(۵۸/۱،طبع قدیمی)

انماانابشرمثلکم انسیٰ کماتنسون فاذانسیت فذکرونی.

وکذافی الصحیح لمسلم:(۲۱۲/۱،طبع قدیمی)

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲۷۹/۲،طبع قدیمی)

الاایهاالناس فانماانابشریوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب.

ولمافی مسنداماماحمد:(ج۴۳ص۲۶۳،طبع مؤسسة الرسالة،مکتبه شامله)

وقالت عائشة الصدیقة رضی الله عنها.... کان ﷺ بشراًمن البشر.

ولماقال القاضی عیاض رحمه الله تعالیٰ:(ص۱۵۷،طبع امدادیه ملتان)

قدقدمناان النبی ﷺ وسائرالأنبیاء والرسل من البشروان جسمه وظاهره خالص للبشریجوزعلیه من الآفات والتغیرات والآلام والاسقام وتجرع کاس الحمام مایجوزعلی البشر وهذاکله لیس بنقیصة لان الشئ انمایسمی ناقصا بالاضافة الیٰ ماهواتم واکمل من نوعه..... "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ.

نیز آیت کریمہ "قدجاء کم من الله نور وکتاب مبین" میں نور کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:(۱) آنحضرت ﷺ (۲) قرآن پاک (۳) اسلام۔ غرض نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں یا اسلام یا قرآن پاک، بہرصورت یہاں نور سے مراد "نور ہدایت" ہی ہے جس کا واضح قرینہ

آیت کا سیاق (مابعد) ہے اور یہ نور بشریت کے منافی نہیں۔

لما فی تفسیر الکبیر للامام الرازیؒ:(۲۲۷/۱۱، طبع دار الاحیاء بیروت)

وتسمية محمد(ﷺ) والاسلام والقرآن بالنور ظاهرة لان النور الظاهر هو الذی يتقوى به البصر على ادراك الأشياء الظاهرة والنور الباطن ايضاً هو الذي تتقوى به البصيرة على ادراك الحقائق والمعقولات.

ولما فی تفسیر المدارك لعلامه النسفی:(۳۱٦/۱)

اوالنور محمد ﷺ لأنه يهتدى به كماسمى سراجاً، وايضاً فی تفسير الخازن والبيضاوی والصاوی والروح البيان وغيرها من المشاهير.

اس کے علاوہ آپ ﷺ کے نور ہونے پر آپؐ کے سایہ نہ ہونے سے استدلال کرنا نہایت ہی ضعیف استدلال ہے کیونکہ آپؐ کا نور یا بشر ہونا عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اور عقیدے میں قطعی دلائل کا پیش کرنا ضروری ہوتا ہے نہ کہ روایات ضعیفہ کا۔

چنانچہ آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایت بھی حد درجہ کمزور روایت ہے، یہ روایت مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی اس درجہ کی کہ اس کے بعض راویوں پر وضع حدیث کی تہمت ہے، نیز یہ روایت کتب صحاح اور حدیث کی متداول کتابوں میں وارد نہیں اس کے برعکس آپ ﷺ کے سایہ ہونے کے بارے میں مرفوع روایات منقول ہیں:

لما فی مسند لامام احمد رحمه الله تعالیٰ:(ج۲۱ص۲٦۳، طبع مؤسسة الرسالة بیروت)

قالت بينما انا يوماً بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله ﷺ مقبل.

ولما فی حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح:(۲۱/۱، طبع مطبعة المدنی القاهرة شامله)

عن انس بن مالك رضى الله عنه لقد رايت ظلى.....

مذکورہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہؓ اور عبارات اکابرؒ وسلف صالحینؒ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے نور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ صفات بشری (کھانے، پینے، سونے، جاگنے، خرید وفروخت، جنگ وصلح، نکاح وطلاق، بیماری وصحت وغیرہ امور) سے بری اور بے نیاز تھے بلکہ یہ نور آپ ﷺ کی صفات طیبہ میں سے ایک صفت ہے، یہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں قیامت تک کے آنے والے انسانوں کو خداوند تعالیٰ کا اور جنت کا راستہ ملتا ہے اور اس نور کی روشنی ابد تک درخشندہ وتابندہ رہے گی لیکن اس نور کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار ہرگز

ممکن نہیں، بشریت نہ صرف آپ ﷺ کیلئے کمال شرف ہے بلکہ آپ ﷺ کے بشر انسان اور آدمی ہونے سے پوری انسانیت موجب صد عزت وافتخار ہے۔

چونکہ آپ ﷺ کی بشریت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو بشر اور انسان ماننا فرض اور آپ ﷺ کی بشریت سے انکار انتہائی خطرناک ہے۔

لمافی العالمگیریۃ:(۲/۲۶۳، طبع رشیدیہ)
ومن قال لاادری ان النبی ﷺ کان انسیاً او جنیاً یکفر. وکذافی فصول العمادیہ. وکذافی البحر الرائق:(۵/۱۳۰، طبع سعید)

واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۱۸۴۲
۱۲ محرم ۱۴۳۰ھ

الحاد کی حقیقت اور اسکی تفصیل

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ الحاد کی حقیقت کیا ہے؟ ملحدین کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں انکا کیا حکم ہے؟

جواب: لحد اور الحاد کے لغوی معنی ایک طرف مائل ہونے کے ہیں، قبر کی لحد کو بھی لحد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف مائل ہوتی ہے، قرآن وحدیث کی اصطلاح میں آیات قرآنی سے عدول اور انحراف کو "الحاد" کہتے ہیں۔

لغوی معنی کے اعتبار سے تو اسکا معنی عام ہے لیکن عام طور پر الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان وتصدیق کا دعویٰ کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے کہ جو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے، شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں ایسے کرنے والوں کو ملحدین کہتے ہیں۔

ملحدین کے حکم میں تفصیل ہے: چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات قرآنی میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیت "ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا" میں الحاد فرمایا ہے، اسکی دو قسمیں ہیں:

(۱) اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ تو بلاشبہ کفر

ہے (۲) دوسری یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب بیقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے کفر نہیں ۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لما فی روح المعانی:(۲۲/۵۱۷،طبع رشیدیه)

ینحرفون فی تاویل آیات القرآن عن جهة الصحة والاستقامة فیحملونها علی المحامل الباطلة وهو مراد ابن عباس بقوله یضعون الکلام فی غیر موضعه واصله من اللحد اذا مال عن الاستقامة فحفر فی شق ویقال لحد.

ولما فی المظهری:(۸/۳۰۰،طبع رشیدیه)

قلت واللفظ یعم من یلحد بالتکذیب والالغاء ومن یلحد بالتحریف والتاویل الباطل المخالف لتاویل السلف.

ولما فی احکام القرآن للتهانوی:(۴/۱۳۶،طبع ادارة القرآن)

تفسیر الالحاد واحکامه وذلک ان اللحد والالحاد هو المیل وقد یکون میلا عن آیات الله وعدولا عنها بالتکذیب بها...... ویکون تحریفا لها وتغییر المعانیها. وفیه ایضا: والآیة نص فی ان الالحاد بجمیع معانیه کفر وضلال وسحت ووبال.

ولما فی احکام القرآن للتهانوی:(۴/۱۴۲،طبع ادارة القرآن)

وحاصل ما استفاد من حکم الالحاد والتاویل الباطل ماذکره ختام المحدثین الشاه عبدالعزیز بن الشاه ولی الله الدهلوی رحمه الله،من ان التاویل الباطل المعبر عنه فی القرآن بالالحاد هو ما خالف النصوص وما علیه الامة وهو قسمان الاول ما خالف النصوص القطعیه المتواتره او الاجماع القطعی فهو کفر بلاریب والثانی ما خالف النصوص الظنیة القریبة بالیقین او الاجماع العرفی فهو ضلال وفسق دون کفر.

ولما فی الشامی:(۴/۲۲۱،طبع سعید)

والملحد هو من مال عن الشرع القویم الی جهة من جهات الکفر من الحد فی الدین حاد وعدل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۵

﴿کفریہ عقیدہ ہو اور اسلام ظاہر کرے تو زندیق کہلاتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مرزائی لوگوں کے بچے اسی گندے عقیدے پر بلوغ تک اگر پہنچے اسی طرح بعض شیعہ لوگ

جو اسلام کی بنیادی عقائد کے خلاف عقائد رکھتے ہیں انکے بچے اسی عقیدے پر بلوغ تک اگر پہنچے تو یہ لوگ عام کفار شمار ہونگے یا مرتد؟ اور ان سے تعلقات رکھنا کیسا ہوگا؟

﴿جواب﴾ مرزائی لوگ تو بالاتفاق مرتد اور کافر ہیں دین اسلام سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے، اور شیعہ لوگ بھی اگر دین اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں تو بلاشبہ ایسے شیعہ بھی کافر ہیں اور انکے بچے شعور وعقل اپنانے کے بعد انہی غلط اور اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف عقائد پر اگر قائم ہیں تو وہ بھی کافر ہیں اور ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں زندیق شرعاً ایسے کافر کو کہتے ہیں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور عقائد کفریہ رکھتا ہو یا اپنے باطل اور کفریہ عقائد کی تاویلات کرتے ہوئے اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہو ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مسلمان ان سے قطع تعلق کریں اور معاملات لین دین میں ان سے گریز کریں۔

لما فی التنویر مع رد المحتار (۲۲۱/۴ طبع سعید)

(قوله وكذا الكافر بسبب الزندقة) قال العلامة ابن كمال باشا في رسالته:

الزنديق في لسان العرب يطلق على من ينفي البارى تعالى، وعلى من يثبت الشريك، وعلى من ينكر حكمته والفرق بينه وبين المرتد العموم الوجهي لانه قد لا يكون مرتدا، كما لو كان زنديقا اصليا غير منتقل عن دين الاسلام والمرتد قد لا يكون زنديقا كما لو تنصر او تهود وقد يكون مسلما فيتزندق.

واما في اصطلاح الشرع، فالفرق اظهر لاعتبارهم فيه ابطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا صلى الله عليه واله وسلم على في شرح المقاصد لكن قيد الثاني في الزنديق الاسلامي بخلاف غيره.

قلت: لكن الزنديق باعتبار انه قد يكون مسلما وقد يكون كافرا من الاصل لا يشترط فيه الاعتراف بالنبوة وسياتي عن الفتح تفسيره بمن لا يتدين بدين.

ثم بين حكم الزنديق فقال: اعلم انه لا يخلو، اما ان يكون معروفا داعيا الى الضلال اولا. والثاني ماذكره صاحب الهداية في التجنيس من انه على ثلاثة اوجه: اما ان يكون زنديقا من الاصل على الشريك، او يكون مسلما فيتزندق، او يكون ذميا فيتزندق فالاول يترك على الشركه ان كان من العجم، اى بخلاف مشرك العرب فانه لا يترك، والثاني يقتل انه لم يسلم لانه مرتد

ولما في التاتار خانيه (۵/ ۶۵ طبع قديمي)

وفي "النوازل": الزنديق على ثلاثة اوجه: اما ان كان زنديقا من الاصل على الشرك او كان

مسلمافتزندق ،ففی الوجه الاول ترك علی شرکه یعنی ان کان من العجم لانه کافر اصلی وفی الوجه الثانی :یعرض علیه الاسلام فان اسلم والاقتل ،لانه مرتد،وفی الوجه الثالث :ایضاعلی حاله۔

ولمافی حاشیة فیض الباری(۱/۱۴۴_۱۴۵طبع رشیدیه کوئٹه)

وقدیقال:ان المخالف للدین الحق،ان لم یعترف به ولم یذعن له ظاهراولاباطنافهوالکافروان اعترف بلسانه قلبه علی الکفر،فهوالمنافق وان اعترف به ظاهراوباطنالکنه یفسربعض ماثبت بالدین ضرورةبخلاف مافسره الصحابةوالتابعون واجمعت علیه الامة فهوالزندیق ،کمااذااعترف بأن القرآن حق ومافیه من ذکرالجنة والنارحق لکن المرادبالجنة الابتهاج الذی یحصل بسبب الملکات المحمودةوالمرادبالنارهی الندامة التی تحصل بسبب الملکات المذمومة، ولیس فی الخارج جنة ولانارفهوالزندیق۔

اوقال:ان النبی صلی الله علیه واله وسلم خاتم النبوة،ولکن معنی هذاالکلام انه لایجوزان یسمی بعده احدبالنبی فذلک هوالزندیق وقداتفق جماهیرالمتاخرین من الحنفیةوالشافعیة علی قتل من یجری هذاالمجری ،کذافی "المسوی مختصرا"ومن مهناتبین و جه اکفارزندیق القادیانی الذی ادعی النبوة۔

ولمافی احکام القرآن(۲/۱۲۲طبع قدیمی)

قوله تعالی:(یاایهاالذین آمنوالاتتخذوالیهودوالنصاری اولیاء بعضهم اولیاء بعض) فی هذه الایة دلالة علی ان الکافرلایکون ولیاللمسلم لافی التصرف ولافی النصرة، ویدل علی وجوب البراءة من الکفاروالعداوةلهم ،لان الولایة ضدالعداوة، فاذاامرنابمعاداة الیهودوالنصاری لکفرهم فغیرهم من الکفاربمنزلتهم ویدل علی ان الکفرکله ملة واحدة۔

ولمافی احکام القرآن (۳/۲۲۳طبع قدیمی)

قوله تعالی:(ولاترکنواالی الذین ظلموافتمسکم النار)

والرکون الی الشئی هو السکون الیه بالانس والمحبة ،فاقتضی ذلک النهی عن مجالسة الظالمین ومؤانستهم والانصات الیهم۔

ولمافی مرقاةالمفاتیح (۱/۲۸۶طبع رشیدیه کوئٹه)

وعن عمررضی الله عنه ،قال:قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم "لاتجالسوااهل القدرولاتفاتحوهم"رواه ابوداؤد

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :محمدداؤدفاروقی تاکوی

۱۴صفرالخیر۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر:۳۹۲۷

﴿جہاں تک ممکن ہو مسلمان کی بات کا اچھا مفہوم لینا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیٹی کسی لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی، اب یہ شخص کہتا ہے کہ "اللہ کو میرے لئے یہ پسند تھا تو میں اس پر راضی ہوں" تو یہ جملہ کہنے سے یہ شخص گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو انسان کو برائی سے منع فرماتے ہیں، برائے مہربانی تسلی بخش جواب دیکر ممنون ہوں۔ سائلہ: بنت انور

﴿جواب﴾ بیشک اللہ تعالیٰ انسان کو برائی سے منع فرماتے ہیں، کوئی بھی برا عمل اگر کرتا ہے تو اپنے اختیار سے کرتا ہے اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے خالی نہیں ہوتا لیکن سوال میں مذکورہ جملہ جس موقع پر اس شخص نے بولا ہے اس نے کونسے برے عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے؟ جو حالت اس کو پیش آئی ہے بلاشبہ ایک ابتلاء اور آزمائش ہے ایسے موقع پر یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ پسند (منظور) تھا تو میں اس پر راضی ہوں" رضا بالقضاء ہے یعنی اس واقعہ سے لوگوں میں شرمندگی ہوئی۔ برائی لڑکی نے کی ہے تکلیف والدین کو ہو رہی ہے ایسے موقع پر سوائے صبر اور دل کو تسلی دینے والے جملوں کے ایک شریف آدمی اور کیا کر سکتا ہے، لہٰذا اس جذبے سے یہ جملہ بولا ہے تو باعث اجر ہے کوئی غلط نہیں ہے، بات کا اچھا مطلب نکالنا چاہیئے خصوصاً ایسے موقع پر۔

کما ورد فی الحدیث: ظنوا المؤمنین خیرا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا

۱۳ صفر ۱۴۲۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۹۹

﴿آپ ﷺ پر جادو کا ہونا مقام نبوت کے خلاف نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر جادو کا اثر نہیں ہوا، اس لئے کہ جادو شیطانی عمل ہے اور شیطانی عمل حضور ﷺ پر نہیں ہو سکتا۔ مستفتی: ملک ناز

﴿جواب﴾ شیطان کا اصل کام اولاد آدم کو ہدایت کی راہ سے ہٹانا یعنی گمراہ کرنا ہے لیکن تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے شر سے محفوظ فرمایا ہے اور شیطان پہلے سے جانتا

تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے خلاف میرا کوئی حربہ کارگر ثابت نہ ہوگا اس لئے پہلے سے کہہ دیا تھا "الا عبادک منهم المخلصين" اور یہی بڑے نقصان کی بات تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی مکمل حفاظت فرمائی، اس لئے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گناہوں سے بالکل پاک تھے لیکن بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے اور انسانی عوارض پیش آنے سے مبرا نہیں تھے، چنانچہ بیماری بھی آتی تھی تکالیف بھی پیش آتی تھیں، خوشی، غمی ہر طرح کے عوارض لاحق ہوتے تھے اور یہ انکے شان کے خلاف بھی نہیں تھا۔

جادو اگرچہ شیطانی عمل ہے لیکن پہلے جسمانی طور پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا آپ ﷺ نے خود ہی صحیح احادیث میں بتادیا ہے، اللہ چاہتا تو جادو کوئی اثر نہ کرتا لیکن اس میں بھی بڑی حکمتیں اللہ کی طرف سے تھیں ایک واضح حکمت تو یہ بھی تھی کہ امت کو اللہ تعالیٰ نے معوذتین سے نوازا جیسا کہ تفسیر مظہری اور روح المعانی میں ہے۔

لمافی شرح کتاب الفقه الأكبر:(ص۹۹-۱۰۰، طبع دار الكتب بيروت)

والانبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح وقد كانت منهم زلات وخطيئات.(منزهون)ای معصومون(زلات)ای تقصيرات(وخطيئات)ای عثرات بالنسبة الی مالهم من علی المقامات وسنی الحالات كماوقع لادم ﷺ...الخ.

ولمافی روح المعانی:(۱۶/۳۰_۱۸، طبع رشيديه)

عن عائشةؓ قالت: سحر رسول الله ﷺ حتیٰ انه ليخيل اليه انه فعل الشیء، ولم يكن فعله حتیٰ اذاكان ذات يوم اوذات ليلة دعاالله ثم دعاثم دعاثم قال:اشعرت ياعائشة ان الله قدأفتانی فيمااستفتيته فيه قلت:وماذاك يارسول الله؟فقال:جاءنی رجلان فجلس احدهما عندراسی والأخرعندرجلی فقال الذی عندراسی للذی عندرجلی اوالذی عند رجلی للذی عندرأسی ماوجع الرجل؟قال مطبوب قال من طبه قال لبيدبن الاصم ..... لان الله تعالی عصمه فيمايتعلق بالرسالةواماما يتعلق ببعض امورالدنياالتی لم يبعث بسببهاوهی ممايعرض للبشر فغيربعيد... وقال القاضی عياض قدجاءت روايات حديث عائشةؓ مبينةان السحرانماتسلط علی جسده الشريف وظواهرجوارحه لاعلی عقله وقلبه واعتقاده... وكل ماجاء فی الروايات من انه يخيل اليه فعل شیء ولم يفعله ونحوه فمحمول علی التخيل بالبصرلالخلل تطرق الی العقل وليس فی ذلک مايدخل لبساعلی الرسالةولاطعنالاهل الضلالةانتهی ومذهب اهل السنةوعلماءالامةعلی اثباته وان له

حقیقة کحقیقة غیرہ من الاشیاء لدلالة الکتاب والسنة علی ذلک۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۰۰۰

﴿کسی بھی نیک کام کے صرف ارادہ کرنے پر بھی ایک نیکی ملتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تبلیغی حضرات اپنے بیان کے بعد تشکیل کرتے وقت اکثر بولتے ہیں کہ 'اٹھو بھئی ارادہ لکھواؤ صرف ارادہ پر بھی ایک نیکی ملتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ جبکہ اگر دل سے ارادہ نہ ہو تو یہ عمل ہی نہیں تو اس پر نیکی کہاں سے ملے اور اگر واقعی عمل ہے تو پھر اس پر ایک نہیں بلکہ دس نیکیاں ملنی چاہیے؟

﴿جواب﴾ جماعت کے احباب کا دوران تشکیل یہ کہنا کہ ''صرف ارادہ پر بھی ایک نیکی ملتی ہے'' بلاشبہ درست ہے، ارادہ صرف دل میں کسی کام کا عزم کرنے کو کہتے ہیں، یہ باقاعدہ عمل نہیں ہے، اس لئے ایک نیکی ملتی ہے. وہ کام 'باقاعدہ کر لینا' عمل ہے جس پر دس گنا اجر ملتا ہے، ہاں کسی کا دل سے ارادہ نہ ہو اور ارادہ لکھوالے تو اس کو ارادہ کا اجر نہیں ملیگا، البتہ دعوت دینے والے کی بات کو قبول کر لینا اور نام لکھوانا مستقل ایک عمل ہے جس پر دس گنا اجر ملے گا۔

لما فی الصحیح لمسلم: (۱/۷۸، طبع قدیمی)

عن ابی ھریرة عن رسول اللہ ﷺ قال: قال قال اللہ عزوجل: اذا ھم عبدی بحسنة فلم یعملھا کتبت لہ حسنة فان عملھا کتبت لہ عشر حسنات الی سبعمائة ضعف واذا ھم بسیئة فلم یعملھا لم اکتب علیہ فان عملھا کتبتھا سیئة واحدة۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۳۲۲

﴿اسلام میں داخل ہونے کیلئے شہادتین کا اقرار ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکے نے کسی غیر مسلم لڑکی سے نکاح کیا اور لڑکی نے نکاح کے وقت اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا یعنی صرف یہ الفاظ کہے کہ ''میں مسلمان ہوں'' کلمہ نہیں پڑھا لیکن بعد میں لڑکی نے کہا کہ میں نے

مسلمان ہونے کا اقرار تو کرلیا تھا لیکن میں اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھی، پوچھنا یہ ہے کہ غیر مسلم کے مسلمان ہونے کیلئے صرف مسلمان ہونے کا اقرار ہی کافی ہے یا کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے؟ نیز اس صورت میں نکاح کا کیا حکم ہے منعقد ہوا یا نہیں؟ مستفتی: محمد اسلم چترالی

﴿جواب﴾ غیر مسلم کے مسلمان ہونے کیلئے محض یہ کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں ہے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھنا ضروری ہے اور دینِ اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے خصوصاً جس دین پر پہلے سے یہ شخص تھا اس سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے، لہذا مذکورہ صورت میں یہ لڑکی نکاح کے موقع پر چونکہ مسلمان نہیں تھی اسلئے نکاح کا اعتبار نہیں دوبارہ نکاح ضروری ہے۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱۰۲/۷ طبع سعید)

اما الایمان فالکلام فیه فی موضعین:احدهما فی بیان مایحکم به بکون الشخص مؤمناً والثانی فی بیان حکم الایمان اما الاول فنقول الطرق التی یحکم بها بکون الشخص مؤمناً ثلاثة نص ودلالة وتبعیة اما النص فهو ان یاتی بالشهادة او بالشهادتین او بهما مع التبری مما هو علیه صریحاً.

ولمافی فتح القدیر:(۶۲/۱ طبع رشیدیه)

وفی شرح الطحاوی سئل ابویوسفؒ عن الرجل کیف یسلم فقال: یقول اشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله ویقر بما جاء به من عندالله ویتبرأ من الدین الذی انتحله.

ومثله فی البحر الرائق:(۱۲۸/۵ طبع سعید)

والله اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۴۶ ۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

﴿دین اسلام میں توہم پرستی اور بدشگونی کی کوئی گنجائش نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ جس عورت کے ہاں ولادت ہوئی ہو وہ بیماری کے دنوں میں والدین کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ ولادت کے بعد عورت چالیس دن تک نہ والدین کے گھر جاسکتی ہے نہ اپنے بچے کو کمرے میں اکیلا چھوڑ سکتی ہے اور اس کے کپڑے بھی ہوا میں لٹکائے نہیں جاتے شرع کی رو سے اسکا کیا حکم ہے رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ولادت کے بعد عورت بیماری کے دنوں میں نماز روزہ اور تلاوت نہیں کرسکتی۔

البتہ بیماری کے دن گزرنے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے نمازوں کی قضا نہیں ہے، اسی طرح شوہر بھی ان ایام میں اس سے صحبت نہیں کرسکتا۔

باقی ان مخصوص ایام میں والدین کے گھر بھی جاسکتی ہے بچہ کو کسی حاجت کی خاطر اکیلا چھوڑنا یا کپڑوں کو ہوا میں لٹکانا اسمیں کوئی بدشگونی نہیں ہے، سوال میں ذکر کردہ باتیں توہم پرستی اور بدشگونی پرمبنی ہیں جنکی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۲۹۹ مطبع سعید)

(والنفاس دم یخرج عقب الولد) وحکمه کالحیض فی کل شیء الافی سبعة ذکرتها بمنع) ای الحیض وکذا النفاس (صلاة وصوما وتقضیه ودخول المسجد　وقراءة القرآن)

الجواب صحیح. عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد دیروی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۷۳۶

﴿کسی کے وسیلے سے دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بریلوی یہ مسئلہ پیش کرتا ہے کہ جس طرح ہم دنیا والوں سے چیزیں مانگتے ہیں تو اس طرح ہم اللہ کے علاوہ بزرگوں سے بھی اظہار فریاد کرسکتے ہیں وہ ہمیں اللہ سے دلوائیں گے کیونکہ ان کی زندگیاں اللہ کے لیے وقف ہوتی ہیں وہ اچھے لوگ تھے اور ہم اچھے نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

﴿جواب﴾ بریلوی صاحب کا مقصد نبی ﷺ یا کسی صحابی تابعی اور دیگر اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا مانگنا اگر ہے تو اس سے اہل سنت والجماعت کے تمام علماء اتفاق کرتے ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کو خود مختار حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھا جائے لیکن پاک وہند کے لوگوں کے کچے عقیدوں سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اس قسم کے اعمال کی آڑ میں شیطان انکو شرک وبدعات میں مبتلاء کردیتا ہے اور عام لوگ اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتے، جہالت کے غلبہ سے کون انکار کرسکتا ہے؟ اس کے علاوہ ہندوانہ رسومات بھی ابتک خوب رائج ہیں، اس لئے عوام کو صاف اور بے غبار راستہ پر گامزن کرنا چاہیئے جس میں کسی قسم کا کوئی اندیشہ یا شبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر بڑا مہربان ہے، بندہ کتنا ہی گنہگار ہو وہ ہر ایک کی براہ راست بلا واسطہ اور بغیر

وسیلہ کے بھی سنتا ہے اوردعا قبول فرماتا ہے اوریہی قرآن کریم اوراحادیث نبوی ﷺ کی عام تعلیمات ہیں۔

لمافی قولہ تعالیٰ:(پارہ ۲۳سورۃ الزمر،آیت ۳)

والذین اتخذوامن دونہ اولیاء مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی الایۃ

ولمافی قولہ تعالیٰ:(سورۃ البقرۃ،آیت۱۸۶)

واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذادعان..... الایۃ

ولمافی صحیح البخاری:(۱/۱۳۷،طبع قدیمی)

ان عمربن الخطاب کان اذاقحطوااستسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبیناﷺفتسقیناوانانتوسل الیک بعم نبینافاسقناقال فیسقون.

ولمافی تکملۃ فتح الملھم(۵/۱۲۰،طبع دارالعلوم کراچی)

الثالث:ان یکون التوسل بمعنی ان یطلب الدعاء من المتوسل بہ لکون دعاءہ ارجی للاجابۃ عنداللہ تبارک وتعالی لصلاحہ وفضلہ والتوسل بھذاالمعنی جائزبالاجماع ولم یثبت مثل ھذاالتوسل الابالاحیاء فیختص جوازہ بالأحیاء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمدزبیراکرام

۸ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۴۹۱

﴿عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک سوال کا جواب﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماءکرام کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بارے میں کیا کہا جائے کہ نبی ﷺ پردہ فرما گئے یا نبی ﷺ کا انتقال ہوگیا؟ حالانکہ قرآن میں واضح طور پرذکر ہے کہ ہرنفس کوموت کاذائقہ چکھنا ہے، نیزیہ بھی بتائیں کہ نبی کی برزخ کی حالت کیا ہوتی ہے؟

﴿جواب﴾ نبی علیہ السلام سے متعلق پردہ فرما گئے یاانتقال فرماگئے کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے،اس تعبیر میں قرآن کریم کی کسی آیت سے کوئی تعارض یاتضادنہیں ہے، بلاشبہ انبیاءعلیہم السلام پردنیوی حیات کوختم کرنے کیلئے موت طاری ہوئی ہے لیکن اسکے بعدوہ اپنی قبروں میں حیات ہیں احادیث صحیحہ سے یہی بات ثابت ہے اورہمارے اکابرعلماءدیوبندکامتفقہ عقیدہ ہے۔

رہی یہ بات کہ انبیاءعلیہم السلام کی حیات برزخیہ کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ احادیث میں اسکی تفصیل نہیں ہے دنیاوی حیات کے بعدعالم آخرت سے پہلے حال کا نام عالم برزخ ہے جسکا

مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا اور انسانی سمجھ مشاہدہ کی محتاج ہے اسلئے حیات برزخیہ کی کیفیت کی وضاحت مشکل ہے، ہم اور آپ اسکے مکلف بھی نہیں ہیں بس اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام حیات ہیں اور قرآن کریم میں موت کی نسبت اس عقیدہ سے متضاد نہیں ہے بلاشبہ دنیوی حیات کو ختم کرنے کیلئے موت طاری ہوئی ہے اور اسکے بعد دوبارہ حیات عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ موت کا ذائقہ چکھنے کا ذکر ہے نہ یہ کہ موت ہمیشہ کیلئے رہیگی ،لہذا نبی کریم ﷺ انتقال فرما گئے ہیں کا بھی یہی مطلب ہے۔

لمافی تکملة فتح الملهم:(۲۸/۱،طبع دار العلوم کراچی)

ان الاصل فی هذه المسئلة قول الله تبارك وتعالى ولاتقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات بل احياء ولكن لاتشعرون ولماثبتت الحياة للشهداء ثبتت للانبياء عليهم السلام بدلالة هذا النص لان مرتبة الانبياء اعلى من مرتبة الشهداء بلاريب. وايضا:عن انسؓ بن مالک قال :قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء فی قبورهم يصلون.

ولمافی کنز العمال:(۲۲۹/۱،طبع رحمانیه)

عن ابی هريرةؓ قال :قال رسول الله ﷺ من صلى علی عند قبری سمعته ومن صلى علی نائيا ابلغته.

ولمافی روح المعانی:(۲۱۵/۲۲،طبع رشیدیه)

السرادبتلك الحياة نوع من الحياة غير معقول لنا وهی فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام ...ثم ان تلك الحياة فی القبروان كانت يترتب عليها بعض مايترتب على الحياة فی الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة الخ

الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۴ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۳۲

﴿روضہ اقدس پر دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے جا کر کوئی شخص آپ ﷺ سے اپنے لئے دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس

﴿جواب﴾ انبیاء کرام خصوصا امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں

حیات ہیں، اسلئے اگر کوئی شخص روضہ اقدس کے پاس جا کر آپ ﷺ سے اپنے لئے دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرے تو یہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع قدس سرہ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ"، کے تحت لکھتے ہیں: یہ آیت کریمہ اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعاء مغفرت کردیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائیگی۔

معارف القرآن: (۴۵۹/۲، طبع ادارۃ المعارف)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاشبہ زیادہ خوش قسمت تھے، بالمشافہ خدمت میں حاضری دیتے تھے لیکن بعد کے امتیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ اب بھی روضہ اقدس پر حاضری کو اس حاضری کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے خود اس کی بشارت دی ہے:

لمافی اعلاء السنن: (۵۲۶/۱۰، طبع دار الکتب العلمية)

عن هارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي ومن مات باحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة. رواه الدار قطني وغيره وجود الذهبي اسناده كما في وفاء الوفاء. قال الشيخ تحته: قوله عن هارون بن قزعة الخ قلت هارون هذا ذكره ابن حبان في الثقات فلم يبق فيه الا الرجل المبهم وارساله وقد قال الذهبي انه من اجود الطرق اسنادا كما قد تقدم فلا يضر جهالة الراوي بعد تجويد المحدث اسناده لاسيما والجهالة في القرون الفاضلة لا تقدح عندنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب نعمانی

۲۳ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۳۵

﴿حضور ﷺ پر جادو کا ہونا شانِ نبوت کے منافی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ

حضور انور ﷺ پر جادو نہیں ہوا اگر ہوا ہے تو براہ کرم اسکا حوالے بخاری و مسلم سے عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔
مستفتی: رحمت اللہ کورنگی

﴿جواب﴾ سارا دین اسلام صرف بخاری و مسلم میں نہیں ہے احادیث کی اور بھی کتب ہیں جو کہ خیر القرون میں مدون ہوئی ہیں بخاری و مسلم سے ہی حوالہ کا مطالبہ وہی لوگ کرتے ہیں جن کے ذہنوں پر غلط محنت ہوئی ہوتی ہے اور وہ لوگ باقی احادیث سے متعلق بدگمانی کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بڑی جہالت اور خطرناک بیماری ہے، تاہم آپ ﷺ پر جادو کے بارے میں احادیث بخاری و مسلم میں بھی ہیں جن کے حوالے آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اس سے پہلے آپ بطور تمہید یہ جان لیں کہ سحر اور جادو حقیقت میں اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثرات سے متأثر ہوتے ہیں اور یہ تأثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں جیسے انکا بھوک پیاس سے متأثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفاء پانا ظاہری اسباب سے متأثر ہونا سب جانتے ہیں اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہم السلام متأثر ہو سکتے ہیں اور یہ تأثر شانِ نبوت کے منافی نہیں ہے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے سحر اور جادو کیا تو اسکا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، پھر ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا ایک پاؤں کی طرف سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ انکو کیا تکلیف ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے بتایا کہ کھجور کے غلاف میں (جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے) بئر ذی اروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ اس کا اعلان فرمادیتے تو بہتر ہوتا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے، حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ

تعالیٰ نے شفا دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور اسی طرح یہی روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔

لمافی صحیح البخاری: (۸۶۰/۲ طبع رحمانیه لاهور)

حدثنی عبدالله بن محمد..... عن عائشةؓ كان رسول الله ﷺ سحر حتى كان يرى أنه ياتي النساء ولا ياتيهن قال سفين وهذااشد مايكون من السحر اذاكان كذاقال فانتبه من نومه ذات يوم فقال يا عائشةؓ اعلمت ان الله قد افتاني فيما استفتيته فيه اتاني رجلان فقعد احدهما عند رأسي والاخر عند رجلي فقال الذى عند راسه للاخر ما بال الرجل فقال مطبوب قال ومن طبه قال لبيد بن الاعصم رجل من بني زريق حليف ليهودكان منافقا قال وفيما قال في مشط ومشاطة قال فاين قال في جف طلعة ذكر تحت رعوفة في بئر ذى اروان قال فاتى البئر حتى استخرجه فقال هذه البئر التى اريتها وكان ماءها نقاعة الحناء وكان نخلها رؤس الشياطين قال فاستخرج قالت فقلت افلاتنشرت فقال اماالله فقد شفاني واكره ان اثير على احد من الناس شرا۔

ولمافی الصحیح للمسلم: (۲۲۱/۲ طبع قدیمی کراچی)

حدثناابو كريب ... عن عائشةؓ قالت سحررسول الله ﷺ يهودى من يهودبنى زريق يقال له لبيد بن الاعصم قالت حتى كان يخيل اليه انه يفعل الشئ وما يفعله حتى اذا كان ذات يوم او ذات ليلة دعارسول الله ﷺ ثم دعا ثم دعا ثم قال ياعائشةؓ اشعرت ان الله افتاني فيما استفتيته فيه جاءنى رجلان فقعد احدهما عند رأسى والاخر عندرجلى فقال الذى عندراسى للذى عند رجلى اوالذى عند رجلى للذى عند راسى ما وجع الرجل قال مطبوب قال من طبه قال لبيد بن الاعصم قال فى اى شئ قال فى مشط ومشاطة وجب طلعة ذكر قال فاين هو قال فى بئر ذى اروان قالت فاتاها رسول الله ﷺ فى اناس من اصحابه ثم قال يا عائشةؓ والله لكان ماءها نقاعة الحناء ولكان نخلها رؤس الشياطين قالت فقلت يارسول الله افلااحرقته قال لااماانافقد عافانى الله وكرهت ان اثير على الناس شرافامرت بهافدفنت. وكذافى سنن ابن ماجة: ص ۲۵۲، طبع قديمى)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۶۱

﴿ضروریات دین کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ضروریات دین کسے کہتے ہیں؟ اس کا مصداق اور اس سے کونسے عقائد مراد ہیں؟ مستفتی: احسان اللہ بقائی کراچی

﴿جواب﴾ ضروریات ضروری سے ماخوذ ہے جسکا معنی یقینی (بدیہی) اور قطعی ہوتا ہے۔

ضروریات دین ان مجموعہ عقائد اور اعمال کا نام ہے، جن کا دین ہونا یقینی اور بارگاہ رسالت سے ان کا ثبوت قطعی ہو اور حد تواتر اور شہرت عام تک پہنچ چکے ہوں حتی کہ عوام بھی ان کو دین رسول اللہ جانتے اور مانتے ہوں شہرت عام کے معیار کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

''شہرت عام کا معیار یہ ہے کہ عوام کے ہر ہر طبقہ میں اس کا علم پہنچ جانا چاہیئے ہر ہر فرد عوام کا جاننا ضروری نہیں جو دین اور دینی امور سے کوئی سروکار نہیں رکھتا بلکہ عوام کے ان طبقوں تک اس امر ضروری کا علم پہنچ جانا چاہیئے جو دین سے علاقہ رکھتے ہیں خواہ اہل علم ہوں خواہ غیر اہل علم''

بحوالہ اکفار الملحدین: (ص ۶۲، طبع لدھیانوی)

ضروریات دین سے درجہ ذیل عقائد مراد ہیں:

مثلاً توحید، نبوت، خاتم الانبیاء پر نبوت کا ختم ہونا، حیات بعد الموت، جزاء وسزائے اعمال، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا وغیرہ اور ایسے تمام امور جنکا دین ہونا یقینی اور ثبوت قطعی ہو انکا انکار کفر ہے اور ایسے امور میں تاویل کرنا ہرگز مسموع نہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا منکر یا مخالف ہو تو اس کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات اور طاعات کا بظاہر پابند رہا ہو۔

لما فی مجموعة قواعد الفقه: (ص ۳۵۸، طبع میر محمد)

الضرورة: مالا یفتقر الی نظر واستدلال حیث تعلمه العامة.

ولما فی الدر المختار: (۲۲۱/۴، طبع سعید)

وهو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ماجاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة. وفي الشامية: معنى التصديق قبول القلب واذعانه لما علم بالضرورة انه من دين محمد صلى الله عليه وسلم بحيث تعلمه العامة من غير افتقار الى نظر واستدلال كالوحدانية والنبوة والبعث والجزاء ووجوب الصلاة والزكوة وحرمة الخمر ونحوها عن شرح المسايرة.

ولما في فقه الأكبر مع شرحه: (ص ۱۴۳، طبع دار الكتب العلمية بيروت)

ثم المراد من المعلوم ضرورة كونه من الدين بحيث يعلمه العامة من غير افتقار الى النظر والاستدلال كوحدة الصانع ووجوب الصلاة وحرمة الخمر ونحوها.ــــــ واما من

یؤول النصوص الواردة فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانه یکفرلما علم قطعامن الدین انهاعلی ظواهرها.

ولمافی نبراس علیٰ هامش شرح العقائد:(ص۲۲۹،طبع حقانیه ملتان)

فی جمیع ماعلم بالضرورة قیل ارادبالضرورة مایقابل الاستدلال فالضروری. کالمسموع من فم رسول الله صلی الله علیه وسلم اوالمنقول عنه بالتواتر کالقرآن والصلوات الخمس وصوم رمضان وحرمة الخمر والزنا.

ولمافی الشامی:(۱/۵۶۱،طبع سعید)

وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة (کفربها)اذلاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم ونفی العلم بالجزئیات وان کان من اهل القبلة.

ولمافی شرح العقیدة الطحطاویة:(ص۱۹۴-۱۹۵،طبع مکتبة الغرباء)

ویعنی بالعلم الموجود علم الشرعیة اصولها وفروعها فمن انکر شیئا مماجاء به الرسول کان من الکافرین.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم:عبدالوہاب نعمانی
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	فتویٰ نمبر ۲۶۵۳

﴿قیامت کے روز مظلوم جانوروں کو بھی ظالم سے بدلہ دلوایا جائیگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے میں کہ قیامت کے دن صرف انسان اور جنات سے حساب وکتاب کیا جائیگا یا ہر ذی روح سے اس کے کئے کے متعلق باز پرس ہوگی؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف مکلّف لوگوں کیلئے ''میدان محشر'' قائم کیا جائیگا۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ڈاکٹر عبدالقیوم

﴿جواب﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بعض صفات کا علیٰ وجہ الکمال ظہور قیامت کے روز ہوگا، احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے پر زیادتی کا بدلہ بھی دلوائیگا، یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری پر سینگ والی بکری نے دنیا میں زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ دلوائیگا اور یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اگر کمزور پیدا کیا ہے اس پر زیادتی کا خالق بدلہ دلوادے۔ اس کے بعد جانور وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹی میں تبدیل ہوجائیں گے اور جن وانس واقعی مکلّف ہیں ان کیلئے ابدی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ ہوگا۔ اور یہی مکلّف

وغیر مکلف کا فرق ہے کہ غیر مکلف جاندار مخلوق کی ایک دوسرے پر زیادتی کا ادلہ بدلہ دلوانے کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائیگا اور جن وانس کو چونکہ دنیاوی زندگی آخرت بنانے کیلئے دی گئی تھی اس لئے جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے آخرت بنالی تو ان کی اخروی ابدی زندگی راحتوں اور خوشیوں کی ہوگی اور جنہوں نے اس موقع کو ضائع کیا اور اللہ تعالیٰ کی کروڑوں نعمتوں کی ناشکری کی تو ان کی آخرت کی ابدی زندگی پریشانیوں اور تکالیف کی ہوگی۔

لما فی تفسیر المظهری :(۱۰/۱۸۴ مطبع رشیدیه کوئٹه)

(ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا)اخرج الحاکم عن عبدالله بن عمر وقال اذاکان القیامة مدت الارض مد الادیم وحشر الله تعالیٰ الخلائق الانس والجن والدواب والوحش فاذاکان ذالک الیوم جعل الله القصاص بین الدواب حتی یقضی للشاء الجماء من القرناء فاذا فرغ الله القصاص بین الدواب قال لها کونی ترابا۔

لمافی صفوة التفاسیر :(۳/۵۱۰ مطبع مدنیه لاهور)

(ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا)قال المفسرون : وذالک حین یحشرالله الحیوانات یوم القیامة فیقتص للجماء من القرناء ،وبعد ذالک یصیر ترابافیتمنی الکافر أن لو کان کذالک حتی لایعذب.

لما فی روح المعانی :(۳۰/۲۵۸مطبع رشیدیه کوئٹه)

(واذاالوحوش حشرت)بعثت للقصاص فیحشر کل شئی حتی الذباب وروی ذالک عن ابن عباس ایضاًوعن قتادة وجماعة وفی روایة عن الحبر تحشر الوحوش حتی یقتص من بعضهالبعض فیقتص للجماء من للقرناء ثم یقال لها موتی فتموت وقیل اذا قضیٰ بینهاردت ترابا فلا یبقی منها الا ما فیه سرور لبنی آدم واعجاب بصورته کالطاؤس والظبی.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　والله اعلم بالصواب : عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ　　فتویٰ نمبر :۳۰۴۰

﴿کتاب التفسیر والحدیث﴾

﴿تحریف قرآن کے متعلق ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الحمد للہ قرآن کریم ہر قسم کے تحریفات سے محفوظ ہے۔تاہم ایک روایت ہم نے کتاب المصاحف میں ایسی دیکھی کہ جسمیں حجاج کیطرف تحریف قرآن کی نسبت کی گئی ہے ،کیا یہ روایت صحیح ہے ،جبکہ روایت کے الفاظ

مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۶۲۔حدثنا عبداللہ نا ابو حاتم السجستانی نا عباد بن صهیب ،عن عوف بن ابی جمیلہ ان الحجاج بن یوسف غیر فی مصحف عثمان احد عشر حرفا۔قال کانت فی البقرۃ:(لم یتسن وانظر)بغیر ہاء،فغیرہا لم یتسنہ ، بالہاء۔الخ

چنانچہ چند معروضات در پیش قلم ہیں:(۱) کیا قرآن کریم میں تحریف ہوسکتی ہے؟(۲) حجاج کیطرف تحریف کی نسبت کرنا کیا صحیح ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ حجاج کے زمانے میں قرآن کریم کا جو عظیم کام یعنی حرکات وسکنات کا ہوا حجاج بن یوسف نے خود کیا یا کسی ثقہ محدثین سے کروایا(۳) روایت قابل استدلال ہے یا نہیں، اگر روایت پر جرح ہوئی یا رُوات میں سے کسی پر جرح ہوئی ہوتو براہ کرم تفصیلاً قلم بند کرے تاکہ اشکالات کا ازالہ ہوجائے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ سوالات کا جواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱): قرآن کریم الحمدللہ ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ ہے، اور محفوظ رہے گا، اسلئے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل شانہ نے خود اپنے ذمہ لی ہے، چنانچہ ارشاد ہے "وانا لہ لحفظون" اور ہم ہی اسکے حفاظت کرنے والے ہیں۔

لما فی التفسیر المظهری :۵/۲۹۳ طبع رشیدیہ.

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ☆من التحریف والزیادۃ والنقصان ولایتطرق الیہ الخلل ابداً.وهذا دلیل علی کونہ منزلاً من اللہ دون غیرہ اذ لوکان من عند غیر اللہ لتطرق الیہ الزیادۃ والنقصان وقدر الاعداء علی الطعن فیہ ویل للرافضۃ حیث قالوا قد تطرق الخلل الی القرآن وقالوا ان عثمان وغیرہ حرفوہ والقوا منہ عشرۃ اجزاء.

لما فی تفسیر روح المعانی :۱۳۔۱۲/۲۲۹ طبع رشیدیہ .

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ☆ای کل ما یقدح فیہ کالتحریف والزیادۃ والنقصان وغیر ذلک .

(۲):۔ حجاج بن یوسف کیطرف تحریف قرآن کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کے حرکات وسکنات کا یہ عظیم کام حجاج نے خود نہیں کیا ہے، بلکہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو اس کام کا مشورہ دیا، حجاج نے اس مشورے کو پسند کیا۔ اور دو ثقہ بندوں کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔(۱) نصر بن عاصم اللیثی (۲)۔یحیٰ بن یعمر العدوانی یہ دونوں حضرات ابو الاسود

الدؤلی کے شاگرد ہیں، اور دونوں ثقہ، ثبت ہیں، تو حجاج بن یوسف کے حکم سے ان حضرات نے یہ بڑا خدمت انجام دیا اس لئے حجاج بن یوسف کیطرف اسکی نسبت کی جاتی ہے۔

لما فی مناھل العرفان :(۱/۲۸۰)

واما الحجاج فلم يباشر بنفسه كتابة المصحف ،بل امره بعض الحاذقين بذلك واليك القصه كاملة .قال الزرقاني" :والمعروف ان المصحف العثماني لم يكن منقوطاً ـــ اذا رأى ان رقعة الاسلام قد اتسعت واختلط العرب بالعجم وكادت العجمة تمس سلامة اللغة وبدأاللبس والاشكال في قرائة المصاحف يلح بالناس حتى ليشق على السواد منهم ان يهتدوا الى التمييز بين حروف المصحف وكلماته وهي غير معجمة ،هناك رأى بثاقب نظره ان يتقدم للانقاذ فامر عبد الملك بن مروان الحجاج ان يعنى بهذا الامر الجلل ،وندب "الحجاج "طاعة لامير المؤمنين رجلين يعالجان هذا المشكل هما نصر بن عاصم ،ويحي بن يعمر العدواني .ـــ وقد اشتركا ايضاً في التلمذة فقد نجحا في هذه المحاولة .

ولما فی "البیان فی تفسیر القرآن :ص ۲۱۹۔

ومتن الرواية منكر باطل ،اذلايعقل ان يغير شيئاًمن القرآن ـــ فان الحجاج واحد من ولاة بني امية ،وهو اقصر باعاًواصغر قدراًمن ان ينال القرآن بشئي ،بل هو اعجز من ان يغير شئًامن الفروع الاسلامية ،فكيف يغير هو اساس الدين وقوام الشريعة ؟ واين له القدرة والنفوذ في جميع ممالك الاسلام ؟ وكيف لم يذكر هذاالخطب العظيم مؤرخ في تاريخه ،ولا ناقد في نقده مع ما فيه من الاهمية ،وكيف لم يتعرض لنقله واحد من المسلمين في وقته ؟

(۳):۔ یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں وجوہات کثیرہ کی وجہ سے (۱) ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں جبکہ بعض محدثین نے موضوع بھی کہا ہے۔ (۲) کتاب المصاحف کے علاوہ کسی اور مستند احادیث کے ذخیرے میں موجود نہیں ہے۔ (۳) روایت کرنے والے روات میں سے بعض متروک ہونے کے ساتھ ساتھ متہم بالوضع والتشیع بھی ہیں۔ متروک جیسے عباد بن صہیب اور متہم بالتشیع جیسے عوف بن ابی جمیلہ۔

چنانچہ ایسی روایت کے ذریعے ذہن میں تحریف قرآن کا شبہ رکھنا عقل سے بالاتر ہے۔ اور نہ ہی ایسے من گھڑت قصوں سے تحریف قرآن کا ثبوت ہوسکتا ہے، بلکہ بعض دشمنان دین اسلام نے اگر کبھی اسکی جسارت کرنے کی کوشش کی ہے تو اس زمانے کے بچوں نے بھی ایسے

جھوٹ کا جواب دیا ہے، جبکہ اس دور کے اکابر علماء صلحاء کس طرح ایسے سنگین جرم پر خاموش رہ سکتے تھے۔

ولما فی الرد علی دعوی تحریف القرآن :مخطوطة فی الشاملة.

عن عباد بن صهيب عن عوف بن ابی جميلة ان الحجاج بن يوسف غير فی مصحف عثمان احد عشر حرفاً .قال كانت فی البقرة .....الخ

وهذه الرواية ضعيفة جداً او موضوعة :اذ فيها ـعباد بن صهيب وهو متروك الحديث .

ولما فی جمع القرآن فی مرحله التاريخيه من العصر :اشامله :

ان الرواية التی تعلقوا بها فی هذه الشبهه فی غاية الضعف ولاتقوموا بمثلها حجة فهذا الاثر المروی عن عوف بن ابی جميله ضعيف جدا فيه عباد بن صهيب وهو متروك ضعيف الحديث .وكذلک عوف بن ابی جميله وان كان ثقة الا انه متهم بالقدر والتشيع.

ولما فی ميزان الاعتدال :۲/۳۳۳ تا ۳۳۴ ،طبع :العالميه)

عباد بن صهيب البصری :احد المتروكين عن هشام بن عروة ،والاعمش .قال ابن المدينی :ذهب حديثه : وقال البخاری والنسائی وغيرهما :متروك .وقال ابن حبان :كان قدريا داعية ،ومع ذلک يروی اشياء اذا سمعها المبتدی فی هذه الصناعة شهد لها بالوضع .وقال ابو اسحاق السعدی :عباد بن صهيب غال فی بدعته ،مخاصم بالباطيله .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ دیروی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۷۷

﴿توبۃً نصوحاً کی تفسیر﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ جب بھی توبہ کرنی ہو تو نصوح کی طرح توبہ کرنی چاہیئے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نصوح پیغمبر کی طرح توبہ کرنے کی تلقین کی ہے کیا یہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو انکے توبہ کا طریقہ بتادیں اور اگر درست نہیں تو پھر نصوح کی طرح توبہ کا کیا مطلب ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن پاک میں ہے"یاایها الذین امنوا توبوا الی الله توبة نصوحاً "،نصوحاً سے کوئی پیغمبر مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب خالص، پکی، سچی توبہ ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے "توبة نصوحاً" کا مطلب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کئے پر نادم ہو، اللہ سے معافی مانگے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے اس لئے علماء کرام نے مقبول توبہ

کے لئے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں (۱) اس فعل پر نادم ہو (۲) فی الفور اس کو چھوڑ دے (۳) آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔

لما فی المظهری:(۱/۲۲۵،طبع رشیدیه)

او النصح بمعنی الاخلاص ـــــ والمعنی توبة خالصة من الریاء والسمعة وبعد اسطر قال الکلبی هی ان یستغفر باللسان ویندم بالقلب ویمسک بالبدن.

ولما فی روح المعانی:(۲۸/۲۸۱،طبع رشیدیه)

وعن ابن عباسؓ قال:قال معاذ بن جبلؓ یارسول اللّٰه تعالٰی ماالتوبة النصوح؟قال ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللّٰه ثم لایعود الیه کمالا یعود اللبن الی الضرع لقوله علیه السلام الندم توبة وقد یزاد قید العزم علی ترک المعاودة.بعد اسطر: قال الامام النووی التوبة مااستجمعت ثلاثة امور ان یقلع عن المعصیة وان یندم علی فعلها وان یعزم ․․․ ماجاز ما علی ان لایعود الی مثلها ابدا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۱۰۰

﴿روح اللہ اور کلمۃ اللہ کا مفہوم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورۃ النساء کی آیت کریمہ انما المسیح عیسی ابن مریم رسول الله و کلمته القاها الی مریم وروح منه (سورۃ النساء) میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ اور روح قرار دیا ہے ان دونوں کا واضح مفہوم بیان کر دیں کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا کیا مطلب ہے؟

مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ کسی بھی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں ایک عامل نطفہ ہے جو کہ سبب کے درجہ میں ہے اور ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم جسکی تعبیر عموماً کلمہ "کن" سے کیجاتی ہے اور یہ علت کے درجہ میں ہے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے دوسرے عامل یعنی علت کی طرف نسبت کر کے کلمۃ اللہ کہا گیا، مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ مادی اسباب کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔

اور روح اللہ کہنے کی توجیہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر نطفہ کے صرف

اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے تو روح کی طرح نظافت میں وہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اس لئے ان کو روح کہا گیا، باقی روح کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرنے کی اور بھی کافی مثالیں ہیں جیسے مسجد کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ مساجد اللہ اور کعبۃ اللہ وغیرہ وغیرہ تو یہ تعظیم اور اکرام پر محمول ہوگا۔

لمافی روح المعانی:(۶/۲۷۱،طبع رشیدیه)

ومعنی کونه کلمة انه حصل بکلمة کن من غیر مادة معتادة والی ذالک ذهب الحسن وقتادة .وقال الغزالی رحمه الله لکل مولود سبب قریب وبعید فالاول المنی والثانی قول کن. ولما دل الدلیل علیٰ عدم القریب فی حق عیسیٰ علیه السلام اضافه الی البعید وهو قول کن اشارة الیٰ انتفاء القریب.

ولمافی المظهری:(۲/۲۷۹،طبع رشیدیه)

وکلمته بعنی اثر قوله کن فکان بشر من غیراب.

ولمافی روح المعانی:(۶/ص۲۷۲،طبع رشیدیه)

وقیل جرت العادة بانهم اذاارادوا وصف شیء بغایة الطهارة والنظافة قالوانه روح فلما کان عیسیٰ علیه السلام متکونا من النفخ لا من النطفة وصف بالروح ..... والاضافة الی الله للتشریف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفااللہ عنہ

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۵۸

﴿قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا ذکر﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی جگہ پانچ نمازوں کا ذکر نہیں ہے اگر ہے تو مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کی ہدایت کیلئے قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے لیکن دین کی پوری تفصیل قرآن کریم میں نہیں ہے اور نہ اس سے پہلے کسی آسمانی کتاب میں تھی پوری تفصیل اور تمام جزئیات پر کسی کتاب کا مشتمل ہونا ممکن ہی نہیں ہے اسلئے کتاب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تفصیل بتانے والے معلم یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا ہے لہٰذا قرآن کریم سے ہر ایک حکم کیلئے حوالہ کا مطالبہ کرنا حماقت پر مبنی ہے، تاہم

پانچوں نمازوں کا ذکر اجمالی طور پر قرآن کریم میں آیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے یہی سوال کیا کہ قرآن کریم میں پانچ نمازوں کا صریح ذکر ہے؟ تو فرمایا ہاں اور یہ آیت تلاوت فرمائی "فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظھرون" (سورۃ الروم آیت نمبر ۱۷-۱۸) یعنی حین تمسون میں نماز مغرب اور حین تصبحون میں نماز فجر اور عشیا میں نماز عصر اور حین تظھرون میں نماز ظہر کا صریح ذکر موجود ہے اور نماز عشاء کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا کہ من بعد صلوٰۃ العشاء اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حین تمسون میں نماز مغرب وعشاء دونوں داخل ہیں

لمافی روح المعانی:(۲۱/۲۰، طبع رشیدیہ)

وقیل المراد بالتسبیح الصلاۃ: ــ قال جاء نافع بن الازرق الی ابن عباسؓ فقال ھل تجد الصلوات الخمس فی القرآن؟ فقال نعم فقرأ (فسبحان اللہ حین تمسون) صلوۃ المغرب (وحین تصبحون) صلوۃ الصبح (وعشیا) صلوۃ العصر (وحین تظھرون) صلوۃ الظھر وقرأ (ومن بعد صلوۃ العشاء) النور ایت۵۸ واخرج ابن ابی شیبۃ وابن جریر وابن المنذر عنہ قال جمعت ھذہ الآیۃ مواقیت الصلاۃ (فسبحان اللہ حین تمسون) المغرب والعشاء (وحین تصبحون) الفجر (وعشیا) العصر (وحین تظھرون) الظھر.

ولمافی التفسیر المظھری:(۷/۲۲۸، طبع رشیدیہ)

ذکر فی ھذہ الآیۃ اربعا من الصلوات الخمس وقیل حین تمسون اشارۃ الی المغرب والعشاء جمیعا اخرج ابن جریر والطبرانی والحاکم قول ابن عباس ان الآیۃ جامعۃ للصلوات الخمس حین تمسون کنایۃ عن المغرب والعشاء جمیعا وقال البغوی قال نافع بن الازرق لابن عباس ھل تجد الصلوات الخمس فی القرآن قال ابن عباس نعم وقرأھاتین الآیتین وقال جمعت ھذہ الآیۃ الصلوات الخمس ومواقیتھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۷۸

﴿آیت "واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" کی تفسیر﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ "واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" کیا ہے؟ کیا جاہلوں کو اسی طرح اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اُن کو نیکی اور اصلاح کی دعوت نہ دی جائے؟ حالانکہ دعوت واصلاح کے مستحق

تو وہ زیادہ ہیں، گزارش ہے کہ آیت مبارکہ کا صحیح مطلب واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اس بات پر مدح سرائی کی گئی ہے کہ وہ جاہلوں سے خواہ مخواہ اُلجھتے نہیں ہیں اور نہ ہی اپنی ذاتی غرض کے لئے اُن کی احمقانہ باتوں کا جواب دیتے ہیں، باقی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اُن کو موقع ومحل کی مناسبت سے نرمی یا سختی کے ساتھ دین کی بات سمجھانا اور اصلاح کی دعوت دینا بہر حال درست ہے، یہ آیت اُس کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

چنانچہ مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں ''مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قولی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب واصلاح وسیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہو اُس کی نفی مقصود نہیں''۔

لمافی روح المعانی:(۲۰/۵۹،طبع رشیدیه)

والظاهر ان المراد مدحهم بالاغضاء عن السفهاء وترک مقابلتهم فی الکلام ولا تعرض فی الأية لمعاملتهم مع الكفرة فلاتنافی اية القتال ليدعي نسخها بها لانها مكية وتلک مدنية.بحواله معارف القرآن.

ولمافی المظهری:(۷/۶۱،طبع رشیدیه)

وهذابيان لحال المؤمنين في مقابلة السفهاء واعراضهم عن انتقامهم وعدم مواخذتهم لاجل انفسهم ،عن ابی هريرة أن رجلاًقال يارسول الله ان لی قرابة اصلهم ويقطعونی واحسن اليهم ويسيؤن الیّ واحلم عنهم ويجهلون علیّ فقال لان كنت كما قلت فكانماتسفهم المل ولايزال معک من الله ظهيرمادمت علیٰ ذلک رواه مسلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۰

﴿رجم کی سزا قرآن کریم سے ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا قرآن کریم سے ثابت نہیں حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں رجم کی سزا دی گئی اس کی کیا اصل ہے؟ مستفتی: سائل بتوسط قاری منیر احمد

﴿جواب﴾ رجم کی سزا قرآن کریم کی آیت "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما

نکالا من الله و الله عزیز حکیم" سے ثابت ہے، اس کی تلاوت کو اگرچہ منسوخ کر دیا گیا لیکن حکم باقی ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے اور خود حضور علیہ السلام نے ان سزاؤں کو صحابہؓ کی موجودگی میں جاری بھی فرمایا اور آپ علیہ السلام کے بعد صحابہؓ کے دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد منقول ہے مجھے خدشہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ یہ کہیں گے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں پاتے پھر آگے ارشاد فرمایا: اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمرؓ نے قرآن کریم میں اضافہ کر دیا ہے تو میں مصحف کے حاشیہ میں یہ آیت لکھوا دیتا۔

لما فی روح المعانی:(۱۸/۲۸۰سورۃ النور طبع رشیدیہ)

ویکفینا فی تعیین الناسخ القطع بامره ﷺ بالرجم وفعله فی زمانه علیه الصلاة والسلام مرات فیکون من نسخ الکتاب بالسنة القطعیة وقد اجمع الصحابة رضی الله عنهم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وأئمة المسلمین علی أن المحصن یرجم بالحجارة حتی یموت وانکار الخوارج ذلک باطل ..... کما روی البخاری خشیت أن یطول بالناس زمان حتی یقول قائل : لا نجد الرجم فی کتاب الله تعالی عزوجل فیضلوا بترک فریضة أنزلها الله عزوجل ألا وان الرجم حق علی من زنی وقد أحصن اذا قامت البینة أو کان الحبل أو الاعتراف وروی أبوداود أنه خطب وقال ان الله عزوجل بعث محمدا بالحق وأنزل علیه کتابا فکان فیما انزل علیه آیة الرجم یعنی بها قوله تعالی الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم فقرأناها ووعیناها الی أن قال وأنی خشیت أن یطول بالناس زمان فیقول قائل: لا نجد الرجم الحدیث بطرقه وقال لولا أن یقال: ان عمر زاد فی الکتاب لکتبتها علی حاشیة المصحف الشریف.

ولما فی الصحیح للمسلم:(۲/۶۵ طبع رشیدیہ)

قال عمر بن الخطاب وهو جالس علی منبر رسول الله ﷺ ان الله بعث محمد ﷺ بالحق وانزل علیه الکتاب فکان مما انزل الله علیه آیة الرجم قرأناها ووعیناها وعقلناها فرجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده فاخشی ان طال بالناس زمان الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۷۲۷۷

﴿زقوم اور غرقد کا تعارف اور انکی خصوصیات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ قرآن وحدیث میں مذکور دو درختوں کے نام "زقوم

اور غرقد" انکا تعارف اور خصوصیات اگر بتا دیں بڑی نوازش ہوگی بیان کریں، نیز اس بات کی بھی نشاندہی کریں کہ موجودہ دور میں یہ کونسے درخت ہیں؟ مستفتی: عبدالعزیز ڈینفس

﴿جواب﴾ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے جہنمیوں کی خوراک کا ذکر کرتے ہوئے "زقوم" کا تذکرہ فرمایا ہے "زقوم" ایک ایسا درخت ہے جسکے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور انتہائی کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے، اس سے دودھ کی طرح سفیدی نکلتی ہے اگر وہ سفیدی کسی انسان کے جسم پر لگ جائے تو جسم کا وہ حصہ پھول جاتا ہے۔

یہ درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، بقول علامہ آلوسیؒ کے یہ درخت دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی پایا جاتا ہے یہ وہی درخت ہے جسکو اردو اور طبی اصطلاح میں "تھوہر" یا "توہر" اور انگلش میں اس کو (MILKHEDGEPLANTSPURGE) کہتے ہیں اور اس کے قریب قریب ہندوستان میں ایک اور درخت ہے جو ناگ پھن کے نام سے معروف ہے۔

جہاں تک "غرقد" کا تعلق ہے تو مسلم شریف کی روایت میں اس کا ذکر ملتا ہے، اسی درخت کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ یہود کا درخت ہے جو انہیں پناہ دیگا، اس درخت کو زمانہ قدیم سے ہی انسانیت کے لیئے نقصان دہ سمجھا جاتا رہا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ کتب طب میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔

"غرقد" کا درخت کانٹے دار جھاڑی نما ہوتا ہے، جو کہ بنجر زمین میں اگتا ہے، یہ درخت دو قسم کا ہوتا ہے: ایک قسم کو انگلش میں لائیسیم اور دوسری قسم کو نائٹریریا ریٹوسا کہتے ہیں، اس کی لمبائی ڈھائی میٹر تک جاتی ہے، البتہ عام طور پر ایک میٹر سے کم ہی ہوتا ہے۔ علم نباتات کے ماہرین نے اس دوسری قسم کو بھی "غرقد" ہی کہا ہے لیکن توریت کی سفر قضاۃ میں جس "غرقد" کا ذکر آیا ہے اور یہودی بھی جس کو اپنی جائے پناہ سمجھتے ہیں وہ لائیسیم ہے جس کو عربی میں "العوسج" کہتے ہیں۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا وکیپیڈیا)

لما فی روح المعانی: (۱۲۸/۲۳، طبع رشیدیہ)

والزقوم اسم شجرة صغيرة الورق مرة كريهة الرائحة ذات لبن اذا اصاب جسد انسان تورم تكون في تهامة وفي بلاد المجدبة المجاورة للصحراء.

ولما فی المظهری:(۱۱۷/۸،طبع رشیدیہ)

وھی شجرۃ مرۃ خبیثۃ کریھۃ الطعم یکرہ اھل النار علی تناولھا یزقمونہ علی اشد کراھیۃ ومنہ قولھم تزقم الطعام اذاتناولہ علی کرہ ومشقۃ.

ولما فی الصحیح لمسلم:(۳۹۶/۲،طبع قدیمی)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتقوم الساعۃ حتی یقاتل المسلمون الیھود فیقتلھم المسلمون حتی یختبئ الیھودی من وراء الحجر أوالشجر فیقول الحجر أوالشجر یامسلم یا عبداللہ ھذا یھودی خلفی فتعال فاقتلہ الاالغرقد فانہ من شجر الیھود.

وعلی ھا مش ھذہ الروایۃ:

الغرقد نوع من شجر الشوک معروف ببلاد بیت المقدس وھناک یکون قتل الدجا ل والیھود قال ابوحنیفۃ الدینوری اذاعظمت العوسجۃ صارت غرقدۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب لغمانی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۵۰۹

﴿نماز کے بارے میں ایک حدیث کی تشریح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب انکی عمر سات سال کو پہنچے اور مارو اگر دس سال کی عمر میں بھی نماز نہ پڑھے لیکن فقہ کی کتابوں میں ہے کہ نماز عاقل بالغ پر فرض ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں ہے تو پھر حدیث میں سات سال کے بچے کو نماز کا حکم اور دس سال کے بچے کو مارنے کا کیا مطلب ہے؟ مستفتی:ایک طالب علم

﴿جواب﴾ نماز بلوغت کے بعد فرض ہو جاتی ہے حدیث میں جو سات سال کی عمر کے بچے کو نماز پڑھنے کی تاکید اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارنے کا ذکر ہے یہ تادیباً ہے تاکہ بچپن سے نماز کی عادت پڑ جائے۔

لما فی سنن أبی داؤد:(۲۵۷/۲،طبع رحمانیہ)

عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رفع القلم عن ثلثۃ عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المعتوہ حتی یبرء..... وفی روایۃ أخری عن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل.

ولما فی مرقاۃ المصابیح:(۲/۲۵۷،طبع رشیدیہ)

(مروا اولادکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین)لیعتادوا ویستانسوابھا والجملۃ حالیۃ (واضربوھم علیھا ... ای علی ترک الصلاۃ(وھم ابناء عشر سنین)لانھم بلغوا او قاربوا البلوغ.

ولما فی الشامی:(۱/۳۵۲،طبع سعید)

ھذا مبالغۃ علی مفھوم قولہ کل مکلف کانہ قال ولایفترض علی غیر المکلف وان وجب ای علی الولی ضرب ابن عشر وذلک لیتخلق بفعلھا ویعتادہ لا لافتراضھا.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد فاروق چارسدوی

۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۲۹۸۳

﴿حضرت مریمؑ جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہوں گی﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب! بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرأۃ فرعون (حضرت آسیہ) کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا کیا یہ درست ہے؟ نیز کیا یہ فضیلت حضرت مریمؑ کو بھی حاصل ہوگی جواب بحوالہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ جس طرح فرعون کی بیوی کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوگا اسی طرح یہ شرف حضرت مریمؑ کو بھی ملے گا۔

لما فی المعجم الکبیر للطبرانی(۶/۱۴: طبع احیاء التراث الاسلامی).

عن سعد بن جنادۃ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامرأۃ فرعون وأخت موسی.

ولما فی کنز العمال للہندی(۱۱/۱۹۱ : طبع رحمانیہ).

ان اللہ زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامراۃ فرعون وأخت موسی.

ولما فی جمع الجوامع (۱/۱۲۹ : الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب).

ان اللہ عزوجل زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامرأۃ فرعون وأخت موسی طب

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تاجدمحمود کھوٹہ

۱۶ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۳۱۰۴

﴿حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں﴾

﴿سوال﴾ روافض کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت فاطمہ

الزہراءؓ اور باقی تین حقیقی صاحبزادیاں نہیں تھیں بلکہ صرف حضور ﷺ کے زیر پرورش تھیں۔
برائے کرم آپ ﷺ کی حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے علاوہ بقیہ تین صاحبزادیوں کے بارے میں
تحقیق فرما کر جواب عنایت فرماویں۔

﴿جواب﴾ علماء سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت ابو العاصؓ سے ہوا۔ اور ان سے چھوٹی سیدہ رقیہؓ اور پھر سیدہ ام کلثومؓ۔ ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا۔ اور سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراءؓ جن کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ روافض کا کہنا کہ حضور ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں بالکل بے بنیاد اور خلاف حقیقت بات ہے۔

لما فی بذل القوۃ:(ص ۲ فصل فی حوادث السنۃ الاولیٰ من النبوۃ القسم الاول)
وفیھا اسلمت بنات النبی ﷺ الاربع کلھن زینب وھی اکبر بناتہ وفاطمہ ورقیۃ و ام کلثوم

ولما فی الاستیعاب:(۴/۲۹۸،طبع بیروت)
رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ امھا خدیجۃ بنت خویلد۔۔الخ

ولما فی الاستیعاب:(۴/۵۰۶،طبع بیروت)
ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ امھا خدیجۃ بنت خویلد ولدتھا قبل فاطمہ وقبل رقیۃ رضی اللہ عنھن۔۔الخ

ولما فی الاستیعاب:(۴/۲۰۹،طبع بیروت)
زینب بنت رسول اللہ ﷺ کانت اکبر بناتہ رضی اللہ عنھن۔۔الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ   واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ذی القعدہ ۱۴۲۲ھ   فتویٰ نمبر:۳۹۵۱

﴿الہدیٰ انٹرنیشنل اس دور کا بڑا فتنہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اپنی مرحومہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ الھدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شوہر اپنی مرحومہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور دلیل کے طور پر حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت

فاطمہ کو غسل دیا تھا ان دونوں دلیلوں کی توجیہات کیا ہیں اور فقہاء احناف کا اس کے بارے میں کیا موقف ہے؟

مستفتیہ: متعلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ الہدیٰ انٹرنیشنل اس دور کا بڑا فتنہ ہے، دینِ اسلام کے نام پر دیندار سادہ لوح خواتین کو علماءِ حق سے بیزار کرنے کیلئے اور پردہ کا نام لے کر پردہ دار گھرانوں سے پردہ کی روح نکالنے کیلئے اور بے پردگی سے محفوظ مقامات مثلاً مساجد، دینی مراکز وغیرہ تک بے پردگی پہنچانے کیلئے قائم ہوا ہے، یہود و نصاریٰ اور دیگر اہلِ باطل سادہ لوح مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور انکو شکوک وشبہات میں مبتلاء کرنے کیلئے شروع سے دینِ اسلام کا نام استعمال کرتے ہوئے وار کرتے ہیں، کھلم کھلا کفر کا نعرہ لگا کر باطل اپنے مقصد میں نہ کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی بانی ہے اس نے گلاسکو یونیورسٹی سے شعبہ اسلامی تعلیمات میں پی، ایچ، ڈی کی ہے قرآن کریم کا ترجمہ اور از خود تفسیر کرانے کی عام دعوت دیتی ہے، فقہی اختلافات کے ذریعے سلف وصالحین، ائمہ مجتہدین اور عام علماءِ امت سے خواتین کو بیزار کرنے کی کوشش کرتی ہے، میٹھے میں زہر اس طرح ملاتی ہے مثلاً ایک طرف پردہ کی دعوت دیتی ہے، دوسری طرف عورت کو مردوں کیساتھ شانہ بشانہ آزاد گھومنے کی اجازت دیتی ہے، اس کے نزدیک عورت بغیر محرم کے نہ صرف شہر کے اندر بلکہ کئی کئی دنوں، راتوں کا سفر بھی کر سکتی ہے، جماعت کی نماز کی فضیلت کی آڑ میں پانچ مرتبہ گھر سے نکلنے کی آواز لگاتی ہے، صرف ایسے ایسے مسائل تلاش کر کے نکالتی رہتی ہے جنکے ذریعہ امت میں انتشار اور بدظنی کو وہ فروغ دے سکے خواہ کسی بھی درجہ میں اس کا یہ مقصد پورا ہو۔

چنانچہ ایک مسئلہ وہ یہ اچھالتی رہتی ہے کہ بیوی کے انتقال کے بعد اس کا شوہر اسے غسل دے سکتا ہے شائد اس پر عمل صرف اسی کا شوہر کریگا لیکن انتشار کی غرض سے رسالوں میں بھی اس مسئلہ کی اشاعت کی ضرورت محسوس کرتی ہے، پوری تاریخ صحابہ کرام اور تابعین میں کوئی ایک مثال تو اپنی تائید کیلئے وہ پیش کردے، ایک ضعیف حدیث کو بطورِ حجت پیش کرتی ہے حالانکہ اس کے خود کا عام اصول تو یہ ہے کہ ”حدیث ضعیف پر عمل کرنا جرم ہے“ لیکن یہاں اپنے مطلب کیلئے پیش کرتی ہے، بیشک احناف کے ہاں ضعیف حدیث بھی بڑی قابل قدر ہے اور دوسری صحیح

حدیث اس کے مقابلہ میں نہ ہو یا صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف نہ ہو تو ہمارے ہاں اس پر عمل کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جس روایت سے فریق ثانی استدلال کرتی ہے یہ روایت محمد بن اسحاق کے توسط سے ہے، جس کو بعض محدثین نے کذاب قرار دیا ہے بعض نے مدلس اور بعض معنعن جیسے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں، اور ہم اپنے اصول کے مطابق اس ضعیف حدیث کو اگر قابلِ استدلال بھی مان لیں تو ازواجِ مطہرات کیساتھ خصوصیت پر محمول کرنا ضروری جانتے ہیں اسلئے کہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات دیگر عام خواتین کیطرح نہیں ہیں وہ تو آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہیں اسی لئے کسی اور کیساتھ نکاح بھی جائز نہیں تھا، امت کی عام خواتین کا مرنے کے بعد نکاح ختم ہو جاتا ہے اسلئے اسکی بہن کیساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

لما في ميزان الاعتدال: ۴۶۸،۴۶۷/۳ طبع: الرسالة العالمية)

قال النسائي وغيره: ليس بالقوي، وقال الدار قطني: لايحتج به، وقال ابو داؤد: قدري معتزلي، وقال سليمان التيمي: كذاب

وقال وهيب: سمعت هشام بن عروة يقول: كذاب، وقال وهيب: سألت مالكا عن ابن اسحاق فاتهمه، وقال احمد: هو كثير التدليس جدا، وقال ابن ابي عدي: كان ابن اسحاق يلعب بالديوك.

ولما في نصب الراية: ۲۵۹/۲ طبع: قديمي)

هذا ليس فيه حجة، فان هذا اللفظ لايقتضي المباشرة، فقد يأمر بغسلها. الثاني: انه حديث ضعيف، قال النووي: فيه محمد بن اسحاق وهو مدلس وقد عنعن.

ولما في اعلاء السنن: ۲۱۹/۸ طبع: بيروت)

وفي دلالته على المقصود نظر من وجهين، الاول ماذكره في نصب الراية والثاني ان فيه احتمال الخصوصية لبقاء نكاحه عليه افضل الصلاة والسلام بعد الممات فان امهات المؤمنين ازواجه في الدنيا والآخرة.

ولما في جامع الترمذي: ۲۲۸/۲ طبع: فاروقي)

عن عائشة رضي الله عنها ان جبرئيل جاء بصورتها في خرقة حرير خضراء الى النبي ﷺ فقال ان هذه زوجتك في الدنيا والآخرة.

ولما في البدائع الصنائع: ۳۲۱/۲ طبع: بيروت لبنان)

وحديث عائشة محمول على الغسل تسببا فمعنى قوله: غسلتك قمت باسباب

غسلک حملناه علی هذا صیانة لمنصب النبوة عما یورث شبهة نفرة الطباع عنه وتوفیقا بین الدلائل علی انه یحتمل انه کان مخصوصا بانه لا ینقطع نکاحه بعد الموت لقوله ﷺ "کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی".

ولما فی تفسیر ابن کثیر :۵/۲۰۷،طبع:رشیدیه کوئٹه)

ولهذا اجمع العلماء قاطبة علی ان من توفی عنها رسول الله ﷺ من ازواجه انه یحرم علی غیره تزوجها من بعده لانهن ازواجه فی الدنیا والآخرة وامهات المؤمنین.

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا تو صحابہ کرام نے اعتراض کیا جس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ یہ میری خصوصیت ہے کیونکہ مجھے آپ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی، لہذا دیگر خواتین کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے، اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو صحابہ کرام اعتراض کیسے کرتے؟ صحابہ کرام جائز نہیں جانتے تھے اس لئے تو اعتراض کیا۔

لما فی ردالمحتار:۲/۱۹۸،طبع:سعید کراچی)

قال فی شرح المجمع لمصنفه فاطمة رضی الله عنها غسلتها ام ایمن حاضنته ﷺ ورضی عنها فتحمل روایة الغسل لعلی رضی الله عنه علی معنی التهیئة والقیام التام بأسبابه ولئن ثبتت الروایة فهو مختص به الا تری ان ابن مسعود رضی الله عنه لما اعترض علیه بذلک اجابه بقوله :اما علمت ان رسول الله ﷺ قال :ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والآخرة فادعاء الخصوصیة دلیل علی ان المذهب عندهم عدم الجواز.

ولما فی بدائع الصنائع :۲/۳۲۱،طبع:بیروت لبنان)

واما حدیث علی رضی الله عنه فقد روی ان فاطمة رضی الله عنها غسلتها ام ایمن ولو ثبت ان علیاً غسلها فقد انکر علیه ابن مسعودؓ حتی قال علی:اما علمت ان رسول الله ﷺ قال:ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والآخرة) فدعواه الخصوصیة دلیل علی انه کان معروفا بینهم ان الرجل لا یغسل زوجته.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:۵۷۲،طبع قدیمی)

قلنا:وروی انها غسلتها ام أیمن ولو ثبت ان علیا غسلها فهو محمول علی بقاء الزوجیة لقوله علیه السلام "کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی".

جبکہ حضرت مکحول کی مرسل روایت ہے اور حضرت سنان بن عرفطہ کی مرفوع روایت ہے کہ دیگر عورتوں کا انتظام نہ ہو تو تیمم کرایا جائے، شوہر غسل نہ دے اسلئے کہ موت پر نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی مرحومہ بیوی کی بہن کیساتھ نکاح کرنا جائز ہو جاتا

ہے، وہ بیوی ہوتی تو نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔

(اللہ تعالیٰ موجودہ دور کے تمام فتنوں سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے)

لما فی سنن الکبری: ۱۰۸/۳، طبع دار الحدیث)

عن مکحول قال قال رسول اللہ ﷺ: اذا ماتت المرأۃ مع الرجال لیس معھم امرأۃ غیرھا والرجل مع النساء لیس معھن رجل غیرہ فانھما یتیممان ویدفنان وھما بمنزلۃ من لا یجد الماء ھذا مرسل۔

ولما فی اعلاء السنن: ۲۲۱/۸، طبع بیروت)

قلت: والمرسل اذا ورد بطریق اخری موصولۃ للاحتجاج بہ اتفاقا لا سیما عند الحنفیۃ.

ولما فی اعلاء السنن: ۲۲۱/۸، طبع: بیروت)

عن سنان بن عرفطۃ (الرجل یموت مع النساء والمرأۃ تموت مع الرجال ولیس لھما محرم قال یتیممان) کذا فی جمع الفوائد: ۱۳۲/۱

ولما فی مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۴۷/۳، طبع: امدادیۃ)

عن مسروق قال ماتت امرأۃ لعمر فقال انا کنت أولی بھا اذا کانت حیۃ فاما الآن فانتم اولی بھا.

ولما فی کتاب الآثار: ۴۷، طبع رشیدیۃ)

بلغنا عن عمر بن الخطاب انہ قال: نحن کنا احق بھا اذا کانت حیۃ فاما اذا ماتت فانتم احق بھا، قال محمد وبہ ناخذ.

ولما فی الدر مع الرد: ۱۹۸/۲، طبع: سعید)

ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا علی الاصح (قولہ لا من النظر الیھا علی الاصح) ونقل عن الخانیۃ انہ اذا کان للمرأۃ محرم یممھا بیدہ واما الاجنبی فبخرقۃ علی یدہ ویغض بصرہ عن ذراعھا وکذا الرجل فی امرأتہ الا فی غض البصر ولعل وجھہ ان النظر اخف من المس فجاز لشبھۃ الاختلاف۔

ولما فی بدائع الصنائع: ۳۱۸/۲، طبع: بیروت)

بخلاف ما اذا ماتت المرأۃ حیث لا یغسلھا الزوج لان ھناک انتھی ملک النکاح لانعدام المحل فصار الزوج اجنبیا فلا یحل لہ غسلھا واعتبر بملک الیمین حیث لا ینتفی عن المحل بموت المالک ویبطل بموت المحل فکذا ھذا.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی: ۵۷۲، طبع: قدیمی)

(بخلافہ) ای الرجل فانہ لا یغسل زوجتہ لانقطاع النکاح واذا لم توجد امرأۃ لتغسیلھا یممھا ای زوجھا .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری
فتویٰ نمبر: ۲۷۳۳

﴿حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس حدیث کے متعلق جس کو اکثر واعظین بیان کرتے ہیں "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کیا یہ واقعی صحیح حدیث ہے؟ مستفتی عمرا شرف

﴿جواب﴾ علامہ دمیری اور عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضعیف ہے اور علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت فرمایا ہے، حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے، تاہم فضائل کے باب میں بیان کی جاسکتی ہے۔

لمافی المضوعات الکبری لملاعلی القاری:(ص ۱۵۹ طبع قدیمی)

لااصل له. وکذا قال الزرکشی، وسکت عنه السیوطی.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۴ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۲۶۰

﴿عرض اعمال علی النبی ﷺ والی حدیث اور انک لاتدری والی حدیث میں تطبیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ پوری امت کے اعمال نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ فرشتے قیامت کے دن ایک جماعت کو حوض کوثر سے واپس لے جارہے ہونگے کہ حضور ﷺ فرمائینگے انکو چھوڑ دو یہ میرے امتی ہیں فرشتے جواب دینگے کہ آپ انکے بارے میں نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا ایجاد کیا بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہورہا ہے۔ برائے مہربانی تعارض رفع فرما کر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: محمد

﴿جواب﴾ بلاشبہ سوال میں ذکر کردہ دونوں طرح کا مفہوم احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

لمافی المشکوۃ:(ص۴۸۷، رقم الحدیث:۵۲۲۷، باب الحوض والشفاعۃ طبع قدیمی)

وعن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ انی فرطکم علی الحوض من مرّ علیّ شرب ومن شرب لایظمأ ابداً لیردنّ علیّ اقوامٌ اعرفهم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینهم فأقول انهم منّی فیقال انک لاتدری ما أحدثوا بعدك فأقول سحقاً سحقاً لمن غیر بعدی.

ولما في خصائص كبرىٰ للسيوطي: (۲/۲۸۱، طبع دار الكتب بيروت)

أخرج الحارث في مسنده وابن سعد والقاضي اسمعيل عن بكر بن عبدالله المزني قال قال رسول الله ﷺ حياتي خير لكم وموتي خير لكم تعرض عليّ اعمالكم فمن كان من حسن حمدت الله عليه وما كان من سيئ استغفرت الله لكم، وأخرج البزار بسند صحيح من حديث ابن مسعود مثله.

ولما في شرح الصدور للسيوطي: (ص ۱۰۲)

أخرج الحكيم الترمذي في نوادره من حديث ...... عبدالغفور بن عبدالعزيز عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ تعرض الأعمال يوم الأثنين والخميس على الله و تعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضا واشراقا فاتقوا الله ولا تؤذوا موتاكم.

ولما في المؤطا للامام مالكؒ: (ص ۲۸، برقم الحديث: ۵۸، طبع دار احياء التراث مصر)

مالك عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابيه عن ابي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ خرج الى المقبرة فقال السلام عليكم دار قوم مؤمنين ..... وأنا فرطهم على الحوض، فلا يذادنّ رجل عن حوضي كما يذاد البعير الضال، فأناديهم: ألا هلم، ألا هلم، ألا هلم، فيقال: انهم قد بدلوا بعدك، فأقول فسحقا فسحقا.

لیکن مذکورہ احادیث سے دونوں کے مفہوموں میں کوئی تعارض نہیں ہے، جن احادیث میں امت کے اعمال پیش ہونے کا ذکر ہے تو اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ہر ایک امتی کے اعمال فرداً فرداً پیش کئے جاتے ہیں اور تمام کے اعمال روز قیامت تک حضور ﷺ یاد بھی رکھتے ہیں، لہذا ممکن ہے پوری امت کے اعمال اجمالی اور مجموعی طور پر پیش کئے جاتے ہوں اور جس حدیث میں حوض کوثر سے بعض لوگوں کو روکنے کا ذکر ہے ان سے مرتدین اور منافقین مراد ہیں آپ ﷺ نے اپنی دنیاوی حیات میں دین اسلام پر ان کا مشاہدہ کیا تھا اسلئے فرمائیں گے کہ یہ لوگ میری امت کے افراد ہیں اور فرشتوں کی معذرت کو اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ آپکی امت کے افراد ہیں لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کے راستہ کو چھوڑ کر عذاب کے مستحق ہوئے، بہرحال دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح اور ثابت ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لما في أوجز المسالك: (۱/۳۲۶-۳۲۷، طبع دار الكتب العلمية)

وأشكل على الحديث بوجهين: الأول أنه يستشكل بقوله ﷺ تعرض عليّ أعمالكم. بأنه يحتمل أن يعرض الأعمال عليه ﷺ اجمالاً ... والظاهر عندي أن العرض لو صح لا يلزم منه أنه عليه الصلوة والسلام يحفظهم في كل وقت سيما وقت المحشر ...

أجيب بأنه يحتمل أن المنافقين والمرتدين وكل من توضاء بالغرة والتحجيل، فلأجلها دعاهم النبي ﷺ...... فيزدادون عند الورود على الحوض نكالاً ومكرأبهم...... فناداه ﷺ لاظهاره الاسلام، وقيل انهم المبتدعة الذين لم يخرجوا من الاسلام كالروافض والخوارج فيدفعوا عنه ثم يشفع فيهم النبي ﷺ بعد ما يدخلون في جهنم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی خان

۵ صفر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۵۶

﴿حدیث ''ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائیگی'' کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات مبلغین اپنے بیانات میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ''ایک گنہگار عورت اپنے ساتھ چار مردوں کو جہنم میں لیکر جائے گی گو کہ وہ مرد نیک بھی ہوں'' آیا یہ حدیث موضوع ہے یا صحیح؟

﴿جواب﴾ خاص مذکورہ الفاظ کے مفہوم کی کوئی حدیث ہماری نظروں سے نہیں گذری، البتہ کئی صحیح احادیث کے مفہوم سے یہ حکم واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ''ہر آدمی نگہبان ہے اور اس سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا'' چنانچہ اگر باپ نے اپنی بیٹی، بھائی نے اپنی بہن، شوہر نے بیوی اور بیٹے نے اپنی ماں کو دین کی معلومات اور علم پر عمل کروانے کی فکر نہ کی تو جس حد تک یہ ذمہ دار ہیں (معاونت کرنا، درست معلومات فراہم کرنا اور ہدایت کیلئے ضروری تعلیمات کا بندوبست کرنا) تو یقیناً اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

لمافي الترغيب والترهيب:(۲/۲۹۱،طبع حقانيه پشاور)

كلكم راع ومسؤول عن رعيته الامام راع ومسئول عن رعيته والرجل راع في اهله ومسؤول عن رعيته، والمراة راعية في بيت زوجها ومسؤولة عن رعيتها والخادم راع في مال سيده ومسؤول عن رعيته وكلكم راع ومسؤول عن رعيته.(بخاري ومسلم)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۳۷

﴿حدیث ربوٰ میں قید ''یداًبید'' کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عبدل خیل لکی مروت

میں رہتا ہوں ہماری زمین عبدل خیل (ڈیرہ اسماعیل خان) میں ہے اور وہاں کے باشندوں کی زمینیں ہمارے گاؤں میں ہیں دونوں گاؤں کے درمیان کافی فاصلہ ہے ہم جب گندم وغیرہ کاشت کر کے کاٹتے ہیں تو آسانی کی خاطر آپس میں ان گندم وغیرہ کا برابر سرابر تبادلہ کرتے ہیں اس طریقے سے کہ میں اپنے کھیت کے مثلاً دس من گندم عبدل خیل (ڈیرہ اسماعیل خان) کے باشندہ کو دیتا ہوں اور اپنے گاؤں میں اس کے کھیت سے دس من گندم لے لیتا ہوں پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حدیث میں ''ید اًبید'' سے کیا مراد ہے؟

﴿جواب﴾ صورتِ مسئولہ میں گندم کا گندم سے برابر سرابر تبادلہ کرنا تعیین کیساتھ جائز ہے عقدِ مجلس میں قبضہ کرنا اور بدلین کا حاضر کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ دونوں کی ملکیت میں گندم کا ہونا ضروری ہے تاکہ تعیین ہو سکے۔ حدیث میں ''ید اًبید'' سے مراد یہی (تعیین) ہے جو کہ اشیاءِ اربعہ (گندم، جو، کھجور، نمک) اور باقی تمام کیلی اور وزنی چیزوں میں اشارہ سے، علامات وغیرہ بتانے سے ثابت ہوتی ہے، البتہ ذھب اور فضہ یعنی بیع الاثمان بالاثمان میں قبض ہی کے ذریعہ یہ تعیین ہوتی ہے مجلس میں ایک دوسرے پر قبضہ کئے بغیر تعیین ممکن نہیں ہے۔

لما فی الرد:(۵/۱۷۲ طبع سعید)

"ثم اعلم أن ذكر النساء للاحتراز عن التأجيل لأن القبض فى المجلس لايشترط الافى الصرف وهو بيع الأثمان بعضهاببعض أماماعداه فأنمايشترط فيه التعيين دون التقابض

ولمافى التنوير و:(۵/۱۷۸ طبع سعيد)

(والمعتبر تعيين الربوى فى غير الصرف)ومصوغ ذهب وفضة(بلا شرط تقابض)حتى لوباع برابير بعينهاوتفرقاقبل القبض جازخلافاللشافعى فى بيع الطعام.

ولمافى الشامية:(۵/۱۷۸،طبع سعيد كراچى)

(قوله والمعتبر تعيين الربوى فى غير الصرف)لأن غير الصرف يتعين بالتعيين و يتمكن من التصرف فيه _ (قوله حتى لوباع الخ)قال فى البحربيانه كما ذكره الاسبيجابى بقوله، واذاتبايعاكيليابكيلى أووزنيا بوزنى كلاهمامن جنس واحد أومن جنسين مختلفين فان البيع لا يجوز حتى يكون كلاهماعينااضيف اليه العقدوهو حاضراوغائب بعدأن يكون موجودافى ملكه والتقابض قبل الأفتراق بالأبدان، ليس بشرط لجوازه الافى الذهب والفضة الخ.

ولمافى تكملة فتح الملهم:(۱/۵۶۳،طبع دار العلوم كراچى)

قوله عينابعين "استدل الحنفية بهذااللفظ على أن الواجب فى غير الذهب والفضة من

الأموال الربوية هو تعيين البدلين في المجلس،لا تقابضهما بخلاف الذهب والفضة فانه يجب فيهما التقابض ونتيجة ذلك انه لو تبايع الرجلان الحنطة بالحنطة ، عين كل احد ما وقع عليه العقد بالأشارة مثلاً ثم افترقا قبل التقابض صح العقد ، أما في الصرف فيبطل العقد ولا يكفي التعيين.

ولما في شرح المجلة:(١٦/٢ ،طبع رشيديه)

ثم ان اتفقا جنسا وقدرا ،اشترط لصحتها تساوي البدلين وتعيينهما　فالمراد بالتعيين عدم التأجيل لا التقابض واما اشتراط التقابض فيما اذا اتفقا جنسا و قدرا او جنسا فقط او قدرا فقط فلا قائل به لأن التقابض في المجلس لا يشترط الا في الصرف وهو بيع الاثمان بعضها ببعض اما ما عداه فانه يشترط فيه التعيين لا التقابض كما في ردالمحتار وغيره.

ولما في البحر الرائق:(١٣٠/٦ ،طبع سعيد)

ويعتبر التعيين دون التقابض في غير الصرف من الربويات ..... والتقابض قبل الافتراق بالأبدان ليس بشرط لجوازه الا في الذهب والفضة..... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکراللہ

۳ صفرالخیر ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۱۶۶

﴿سود سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ذخیرۂ اَحادیث میں اس مفہوم کی کوئی حدیث موجود ہے کہ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی شخص سود کے غبار سے نہیں بچ سکے گا" اسکا کیا مطلب ہے اور سود کے غبار سے نہ بچ سکنے والا بھی گنہگار ہوگا؟ کیا یہ زمانہ آگیا ہے؟

﴿جواب﴾ یہ حدیث امام اَبوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی سنن میں یوں روایت فرمائی ہے: عن الحسن عن أبي هريرةؓ قال: ان رسول الله ﷺ قال: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد الا آكل الربا، فان لم يأكله أصابه من بخاره .قال ابن عيسى أصابه من غباره.

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت سے رائج سودی معاملات آنحضرت ﷺ کے منع کرنے کے بعد لوگوں نے ترک کر دیئے تھے، اب اس حدیث میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں

کہ ایک زمانہ پھر ایسا آنے والا ہے کہ سودی معاملات کا سلسلہ پھر زور وشور سے شروع ہوگا جس سے کوئی نہیں بچ سکے گا اگر کوئی بہت کوشش کر کے بچ بھی گیا تو کم ازکم اس کا غبار اور اس کے اثرات تو ضرور اس تک پہنچ کر رہیں گے یعنی کسی نہ کسی طرح وہ سود سے متأثر ہوگا جسکی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی سودی معاملات کا شاہد بنے یا کتابت کرے یا یہ کہ کوئی سودخور اس کی مہمان نوازی کرے یا ہدیہ وغیرہ دے آجکل یہی زمانہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے سود کھانے ،کھلانے والے کے ساتھ اعلان جنگ فرمایا ہے اور سودی معاملہ کی کتابت یا اس کے گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

لمافی سنن أبی داود وفی شرحه بذل المجهود:(۲/۲۲۹،طبع الشیخ)

عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبیه قال:لعن رسول الله آکل الربا وموکله وشاهده وکاتبه.آکل الربا ...فهو کنایة عن انتشاره فی الناس بحیث أنه یأکله کل أحد لفساد عقودالناس و معاملاتهم(فان لم یأکله أصابه من بخاره)أی یصل الیه أثره بأن یکون شاهدا فی عقدالربا وآکله من ضیافة اکله أوهدیته والمعنی أنه لو فرض أن أحدا سلم من حقیقته لم یسلم من أثاره وان قلت جدا انتهی قلت وفی هذاالزمان کذلک فان جمیع أنواع التجارات فی أیدی الکفار وعقودهم کلهافاسدة فهی فی حکم الربو فلم یسلم منه أحد. وفی فتح الودود قلت هوزماننا هذا انالله وانا الیه رجعون.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب :سید مزمل شاہ لکی مروت

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر:۲۲۶۰

﴿لفظ ”فی سبیل الله“ کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض تبلیغی حضرات لفظ فی سبیل اللہ کو تبلیغ میں منحصر کرتے ہیں دین کے اور کام مثلاً جہاد وغیرہ کو اسمیں شامل نہیں کرتے کیا یہ تخصیص درست ہے یا نہیں؟

مستفتی :قاری وسیع اللہ صوابی

﴿جواب﴾ لفظ فی سبیل اللہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے دین کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو محنت کی جائے وہ اس مفہوم میں داخل ہے،لہٰذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد اسکا مصداق ہیں دین کے کسی خاص شعبے کو متعین کر کے اسکا مصداق ٹھہرانا اور دوسرے کاموں کو اس سے خارج سمجھنا غلطی پر مبنی ہے تبلیغی جماعت کے اکابر اور سنجیدہ لوگ ایسی

غیر ذمہ دارانہ بات نہیں کہتے کوئی نیا غیر تجربہ کار آدمی ایسی کوئی بات کہے تو اسکی نسبت کام کرنے والوں کی طرف نہیں کرنی چاہیئے یہ اس شخص کی اپنی ہی غلطی شمار ہوگی۔

لما فی ردالمحتار:(۲/۲۲۳،طبع سعید)

وقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا لما فی الحدیث من خرج فی طلب العلم فہو فی سبیل اللہ حتی یرجع(رواہ الترمذی)

ولما فی حاشیۃ المشکوۃ:(ص۳۴،طبع سعید)

فہو فی سبیل اللہ الخ ای فی الجہاد لما ان فی طلب العلم من احیاء الدین واذلال الشیطان واتعاب النفس کما فی الجہاد.

ولما فی البحر الرائق:(۵/۷۰،کتاب السیر،طبع سعید)

وانما فرض لاعزاز دین اللہ تعالی ودفع الشر عن العباد فاذا حصل المقصود بالبعض سقط عن الباقین کصلاۃ الجنازۃ ورد السلام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ
۱۲ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	فتویٰ نمبر:۲۵۸۲

﴿دین کی سربلندی کے لئے ہر محنت ’تجاہدون فی سبیل اللہ‘ میں داخل ہے﴾

﴿سوال﴾ بندہ (عبدالرحمٰن) محرم الحرام ۱۴۳۵ھ کے شروع میں کچھ ضروری کاموں کے سلسلہ میں اپنے گاؤں (عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان) گیا تھا۔ محلے کی مسجد (مسجد صغیر) کے ساتھیوں نے مشورہ میں طے کیا تھا کہ ہفتہ وارگشت کے بعد مغرب کا بیان مفتی صاحب (بندہ عبد الرحمٰن) کریں گے۔ محلے کے امیر صاحب (بھائی محمد حسن) نے بتا دیا، بندہ کو جماعت کے ساتھیوں جیسے بیان کرنے کا تجربہ تو ہے نہیں۔ لیکن امیر صاحب کے حکم کی تعمیل کو ضروری جانتا ہوں، اس لئے انکار نہ کر سکا۔

مسنون خطبہ کے بعد سورۃ ’صف‘ کی آیت نمبر ۱۰،۱۱،۱۲اور ۱۳ ”یا ایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم...الخ“ کی تلاوت کی۔ پھر چھ نمبروں کے انداز میں تفسیر کی کوشش کی، تا کہ کسی درجہ میں جماعت کے ساتھیوں کے انداز میں بیان ہو۔

ایمان باللہ عزوجل فانہ اور ایمان بالرسول ﷺ کو بیان کرنے کے بعد "تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم" کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی عرض کردیا کہ جماعت میں نکل کر ایمان باللہ و بالرسول کے تذکروں سے، اعمال صالحہ کے فضائل سننے سے ایک روحانی قوت پیدا ہوتی ہے، جس کے طفیل نہ صرف اپنے لئے دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے اور منکرات سے بچنا آسان ہوجاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی انسان فکرمند ہوجاتا ہے کہ یہ صفات دیگر انسانوں میں کس طرح آجائیں۔ اور مجاہدہ کے لئے ایک وسیع میدان مل جاتا ہے تو اس سلسلہ میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں، وہ تمام تجاہدون فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ بے شک تجاہدون سے یہاں پر کفار کے مقابلہ میں قتال مراد لیا جاسکتا ہے بلکہ وہ تو جہاد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے لیکن قتال کے علاوہ بھی ہر وہ مجاہدہ جو دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے میں اپنے نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے اسی طرح دوسروں کی فکر کرتے ہوئے حق کی طرف بلانے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں یا اس سلسلہ میں مال اور وقت دینا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ تمام دین اسلام کی سربلندی کے لئے محنت کے زمرہ میں آتے ہیں اس لئے جماعت کے تمام احباب کے لئے بھی مذکورہ بشارت ہے۔

اس بات پر ہمارے ایک دوست جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے، علم اور فطری صلاحیتوں سے خوب مالا مال فرمایا ہے ان کو اشکال ہوا کہ اس آیت میں 'تجاہدون فی سبیل اللہ' سے تبلیغ میں نکلنا، نماز اور دیگر احکامات پر عمل کرنے میں مجاہدہ مراد لینا آیت کے معنی میں العیاذ باللہ تحریف معلوم ہورہی ہے۔ یہاں صرف قتال ہی مراد لینا ضروری ہے جیسا کہ بعد والی آیت "نصر من اللہ و فتح قریب" اس پر دال ہے۔ پھر کسی تفسیر میں تجاہدون کا ترجمہ مفسر رحمہ اللہ نے 'لڑو اللہ کے راستہ میں' ان الفاظ سے کیا تھا تو یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد آپ کی رائے میں اور زیادہ مضبوطی آگئی اور بار بار اصرار کیا کہ جو تفسیر آپ نے کی اس کا ثبوت ضرور دیں کے۔ بندہ کے پاس گاؤں میں تفاسیر اور دیگر دینی کتب تو ہیں نہیں۔ اس لئے وعدہ کیا کہ جب کراچی پہنچوں گا تو اس کی پوری تحقیق کرکے ان شاء اللہ بھیج دوں گا۔

چونکہ موصوف بڑے مخلص اور حق گو ہیں اس لئے مجھے الحمدللہ ذرا بھر ناگوار نہیں گزرا۔ ظاہر

بات ہے کہ ایک ایماندار اور حق گو آدمی اپنے علم کے مطابق کسی بات کو اگر خلاف حقیقت سمجھے گا تو اشکال ضرور کرے گا۔

مولوی نعیم اللہ آپ مستند تفاسیر سے حوالے اور اکابر علماء کی تحریرات سے کچھ اقتباسات جمع کر کے نقل کریں تا کہ اس موضوع پر ایک تحقیقی فتویٰ تیار ہو۔ امید ہے کہ ہمارے علاوہ دوسروں کا بھی فائدہ ہوگا اور مولانا صاحب کے اشکال کا بھی ازالہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن ماخیل

﴿جواب﴾ علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ جو کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے امام ہیں اپنی تفسیر "تأویلات اهل السنة المعروف بتفسير الماتريدى" میں اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله تعالى :(وتجاهدون في سبيل الله)هذا على وجهين احدهما ان يقاتلوا اعداء الله تعالى والثانى ان يجاهدوا فى طاعة الله تعالى، وفيما دعا اليه من الامر بالجهاد ينصرف الى اربعة انواع جهاد في سبيل الله بمقاتلة اعدائه والاستقصاء في طاعته وجهاد فيما بين الانسان ونفسه ان يجاهد في قهرها ومنعها عن لذاتها وشهواتها وعما يعلم انه يهلكها و يرديها وجهاد فيما بينه وبين الخلق وهو ان يدع الطمع فيهم وان يشفق عليهم ويرحمهم وألا يرجوهم ولايخافهم وجهاد فيما بينه و بين الدنيا وهو ان يتخذها زادا لمعاده او مرمة لمعاشه ولا يأخذ منها ما يضره في عقباه وكل هذه الانواع يستقيم ان يسميها جهادا في سبيل الله

(تاويلات اهل السنة:۹/۲۳۴-۲۳۵، طبع بیروت)

مذکورہ بالا عبارت میں علامہ ماتریدیؒ کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہاں تجاہدون سے مراد عام جہاد ہے، قتال کے علاوہ ہر اس محنت و کوشش کو بھی شامل ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے ہو۔ چنانچہ انھوں نے اسی آیت کے ذیل میں جہاد کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں۔ جہاد بمقاتلۃ الاعداء، جہاد بالنفس، جہاد بین الانسان وبین الخلق اور جہاد بین الانسان وبین الدنیا۔ جہاد کی چار اقسام بیان کرنے کے بعد واضح فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو جہاد فی سبیل اللہ کہنا صحیح ہے۔

بعینہ اسی مفہوم کی تائید علامہ فخر الدین الرازیؒ کی تشریح سے بھی ہوتی ہے جو کہ انھوں نے

اسی طرح سے فی سبیل اللہ کا لفظ بھی عام ہے اور دینی علم کی اس محنت کو شامل ہے جس کے لئے انسان اپنے گھر سے نکلے۔ چنانچہ حدیث شریف میں طالب علم کے لئے نکلنے والے کے بارے میں فرمان ہے کہ ایسا شخص اللہ کی راہ میں ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع

(جامع الترمذی: ۹۳/۲، باب فضل طلب العلم، طبع فاروقی کتب خانہ ملتان)

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ بھی اپنی مشہور تفسیر "تفسیر طبری" میں اس آیت سے یہی مفہوم لے رہے ہیں جو ہم نے بیان کیا۔ چنانچہ ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

وقوله: (وتجاهدون في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم) يقول: وتجاهدون في دين الله، وطريقه الذي شرعه لكم بأموالكم وأنفسكم

(تفسیر الطبری: ۳۶۲/۱۲، طبع بیروت)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ یہاں تجاہدون فی سبیل اللہ سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ کے دین اور اس کا وہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مشروع کیا ہے اس میں جدوجہد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ذریعے۔ لہذا جو کوئی محنت انسان اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کرتا ہے خواہ اس میں وہ اپنی دولت خرچ کرتا ہے اور اپنا وقت دیتا ہے وہ سب اس میں داخل ہیں۔ چاہے وہ محنت قتال کی شکل میں ہو یا تبلیغ کی شکل میں ہو یا مدارس و خانقاہوں کی شکل میں ہو سب کی سب محنتیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہیں اور آیت مبارکہ کے تحت داخل ہیں۔

صاحب تفسیر المراغی احمد بن مصطفی المراغی متوفی ۱۳۷۱ھ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

ثم بين هذه التجارة بقوله (تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم) أي اثبتوا على إيمانكم، وأخلصوا لله العمل وجاهدوا بالأنفس والأموال في سبيل الله لنشر دينه وإعلاء كلمته

(تفسیر المراغی: ۱۰۰/۲۸، طبع مصر)

چنانچہ مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جان و مال کے ذریعے کی جانے والی تمام محنتیں اس آیت کے تحت داخل ہیں اور سب کی سب جہاد ہیں۔

محترم دوست نے اپنی بات کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی تھی کہ آگے آنے والی آیت میں نصرت وفتح کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تجاہدون فی سبیل اللہ سے صرف قتال ہی مراد ہے۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کیونکہ اس سے اگلی آیت "یا ایھا الذن امنوا کونوا انصار اللہ۔الخ" کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بنی اسرائیل کے تین گروہ بن گئے تھے، جن میں سے ایک گروہ مؤمنین کا تھا اور دوسرے کفار تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا جیسا کہ آخری آیت میں ہے "فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین"۔ تمام تفاسیر کا مطالعہ کریں یہاں پر غلبہ بالحجۃ والبرہان ہی مراد ہے۔ ایمان والوں نے کفار کے ساتھ قتال کر کے کوئی غلبہ حاصل نہیں کیا۔ لہٰذا حق کو حاصل کرنے کے لئے بے شک قتال بھی ایک ترتیب ہے لیکن اس کے علاوہ بھی ترتیب ہو سکتی ہے۔ اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ چنانچہ درمنثور میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں:

واخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن ابراھیم النخعی (فاصبحوا ظاھرین) قال: اصبحت حجۃ من امن بعیسی ظاھرۃ بتصدیق محمد ﷺ ان عیسی کلمۃ اللہ وروحہ

(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور للسیوطی: ۱۵۰/۸، طبع بیروت)

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ زید بن علی اور قتادہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

(فاصبحوا ظاھرین) فصاروا غالبین قال زید بن علی وقتادۃ بالحجۃ والبرھان.

(تفسیر روح المعانی: ۲۸/۷، ۲۱۸، طبع المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹہ)

زید بن علی اور قتادہ کے اس قول کی تشریح وتفصیل تفسیر قرطبی میں یوں بیان فرمائی ہے:

وقال زید بن علی و قتادۃ: فاصبحوا ظاھرین غالبین بالحجۃ والبرھان لانھم قالوا فیما روی الستم تعلمون ان عیسی کان ینام واللہ لا ینام وان عیسی کان یاکل واللہ لا یاکل۔

(تفسیر القرطبی: ۹۰/۱۸، طبع مصر)

مؤمنینِ امت عیسیٰ علیہ السلام نے کفار پر جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا قرار دیا تھا، اس طرح غلبہ پایا کہ ان سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام سویا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نیند سے پاک ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی حاجت سے پاک اور منزہ ہے۔ پس اس طرح مؤمنین دلیل وحجت کے ذریعے کفار پر غالب آگئے۔

اور یہ بات زیادہ سمجھ میں آنے والی بھی ہے اس لئے کہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتال کا حکم نہیں تھا۔ جیسا کہ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں رقم طراز ہیں:

والمشهور ان القتال ليس من شريعته عليه السلام

(تفسير روح المعاني:۲۷/۲۸-۲۹۸، طبع المكتبة الرشيدية كوئٹه)

لہٰذا یہ کہنا کہ آیت کا سیاق تجاہدون فی سبیل اللہ کے قتال کے ساتھ خاص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کمزور دعویٰ ہے۔ کسی مستند تفسیر سے اس کی کوئی تائید نہیں مل رہی۔

دراصل اس طرح کا اشکال صرف مولانا کو نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں اور اکابرین جواب بھی دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے اسی قسم کا اشکال نقل فرما کر پھر اس کا جواب دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اشکال نمبر ایک یہ ہے کہ تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کی بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا۔ اہل علم کی طرف سے اس قسم کے اشکالات کا وارد ہونا زیادہ موجب تعجب ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے اسفار میں اگرچہ قتال عرفاً زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، اصل جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کی سعی ہے جس کا درجہ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں، بدرجہ مجبوری ہے، تفسیر مظہری میں "کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی

ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، ہزاروں آدمی بالکل لاکھوں بے نمازی پکے نمازی بن گئے، سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے'(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات: ص ۱۷۔۸۱، طبع الھادی اردو بازار لاہور)

اور اسی رسالہ میں دوسری جگہ' فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ خاص نہیں' کے عنوان کے تحت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

'اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جب کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں .....الخ' (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات: ص ۲۱، طبع الھادی للنشر والتوزیع اردو بازار لاہور)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفی عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　فتوی نمبر ۲۹۵۲

﴿"الجهاد ماض الى يوم القيمة" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ' الجهاد ماض الى يوم القيمة" حدیث کے الفاظ ہیں یا نہیں؟ اگر انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث، کتب حدیث میں موجود نہیں تو پھر خطباء حضرات اس کو اتنا زور و شور سے کیوں بیان کرتے ہیں؟ اور اگر ثابت ہے تو دوسری روایات کے ساتھ تعارض پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک شخص بھی موجود ہوگا تو جہاد کے ہوتے ہوئے ایسی حالت کیسے پیدا ہوگی؟

مستفتی: عبید اللہ صاحب دیروی

﴿جواب﴾ یہ حدیث مبارک "ھدایہ" میں انہی الفاظ کے ساتھ بحوالہ سنن ابی داؤد موجود ہے اور "نصب الرایۃ" میں بھی اس پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن ابوداؤد شریف میں انہی الفاظ کے ساتھ موجود نہیں، البتہ اس کا مضمون وہاں بھی موجود ہے جس کی طرف "ہدایہ" کے حاشیہ میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دوسری احادیث صحیحہ میں بھی اس کا مضمون آیا ہے۔

بہر حال یہ حدیث مبارک اگرانہی الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود نہ بھی ہو لیکن اس کے مضمون کے ثبوت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ براہ راست قال رسول اللہ ﷺ نہ کہے یا کم از کم آخر میں او کما قال ﷺ پڑھے۔

باقی رہا روایات میں تعارض کا مسئلہ تو حقیقت میں جہاد کے قیامت تک جاری رہنے سے دوسری روایات کے ساتھ کوئی تعارض نہیں رہتا، اس لئے کہ قیامت تک جاری رہنے سے مراد دجال کے قتل ہونے تک کا ہے اس کے بعد نہیں جس کی تائید دوسری روایات ''الجہاد ماض منذ بعثنی اللہ الی ان اخر امتی یقاتل مسیح الدجال''

اور ''لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علیٰ الحق...... الخ سے بھی ہورہی ہے اور اس کے بعد جہاد کے ختم ہونے سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ دجال کا قتل ہونا پھر جہاد کا ختم ہونا مقدمات قیامت اور علامات کبریٰ میں سے ہے اور اس وقت غلبہ حق کی وجہ سے جہاد کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۱/۳۵۸،باب فی دوام الجهاد،طبع رحمانیه)

قال رسولﷺلاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم (عاداهم) حتی یقاتل أخرهم المسیح الدجال.

ولمافی الهدایة:(۲/۵۴۳،کتاب السیر طبع رحمانیه)

ولقوله علیه السلام :الجهاد ماض الی یوم القیامة واراد به فرضا باقیا.

وفی حاشیتها:قوله الجهاد ماض الخ هذا الحدیث اخرجه ابوداؤد مطولا فی سننه عن انسؓ مرفوعا الجهاد ماض منذ بعثنی الی ان یقاتل اخر امتی الدجال.

ولمافی نصب الرایة: (۳/۵۸۲،کتاب السیر طبع قدیمی)

الحدیث الاول قال علیه السلام الجهاد ماض الی یوم القیامة قلت اخرجه ابوداؤد فی سننه عن یزید بن ابی شیبة عن انس قال قال رسول اللهﷺ ثلاث من اصل الایمان...... والجهاد ماض منذ بعثنی الله الی ان یقاتل أخر امتی الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل والایمان بالاقدار.

ولمافی مسند أبی عوانة:(۴/۴۴۲،باب فضل الخیل مکتبه شامله)

عن عروة بن ابی الجعدؓ قال قال رسول اللهﷺالخیر معقود فی نواصی الخیل الی یوم القیامة.

لمافی مسند أبی عوانة:(۴/۵۰۵،باب اثبات الجهاد،مکتبه شامله)

عن ضحاك بن حرب قال سمعت جابر بن سمرةؓ قال سمعت رسول

الله ﷺ یقول: لایزال هذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة (۱۰۷/۵) قال عمران بن حصین احدثک حدیثا سمعت النبی ﷺ یقول لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین حتی تقوم الساعة. قال مطرف فنظرت فی هذه العصابة فاذاهم اهل الشام. (۱۱۰/۵) باب بیان اثبات الجهاد وانه ماض الی یوم القیامة وانه لایزال قوم من امة محمد ﷺ علی الحق یذبون عن الدین ویقاتلون عنه وینصرون علی من خالفهم الی یوم القیامة.

ولمافی اعلاء السنن: (۲۲/۱۲، طبع دار الکتب العلمیة)

وفیه دلیل علی ان الجهاد لایزال ماضیامادام الاسلام والمسلمون الی ظهور الدجال وامابعد ظهوره وقتل المسیح ایاه وغلبة المسلمین علی الکافرین فلا یبقی فی العالم الاالاسلام وترتفع الجزیة فلا یقبل من الکفار اللئام الاالاسلام اوالسیف ثم یرتد بعض القبائل بعد مدة الی الکفر فیقبض الله المسلمین کلهم ویمیتهم عن آخرهم فلایبقی علیٰ وجه الارض الاشرار الخلق یتحارشون علیٰ الطرقات کتحارش البهائم فتقوم علیهم القیمة وردذلک فی احادیث صحیحة فی احوال الساعة وفیه ما یدل علی عدم بقاء الحاجة الیٰ الجهاد بعد استئصال الدجال وجماعته الکفرة الفجرة وظهور الدجال هو المراد بالقیامة فی قوله "لایزال طائفة من امتی یقاتلون علیٰ الحق الی یوم القیمة" لکونه من اعظم اشراطها وامارتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۸۸

﴿ایک حدیث کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ذخیرہ حدیث میں اس مفہوم کی کوئی روایت موجود ہے کہ جو مطلقہ یا بیوہ عورت اپنے بچوں کی تربیت کی خاطر دوسرا نکاح نہ کرے وہ سب سے پہلے جنت میں جائے گی؟ مستفتی: ڈاکٹر حازم

﴿جواب﴾ کنز العمال میں تقریباً اسی مفہوم کی روایت موجود ہے جو عربی متن کے ساتھ درج ذیل ہے: حرم الله الجنة علیٰ کل ادمی یدخلها قبلی غیر انی انظر عن یمینی فاذا امراة تبادرنی الیٰ باب الجنة فاقول ما لهذه تبادرنی؟ فیقال لی یامحمد: هذه امراة کانت حسناء جمیلة کان لها یتامیٰ فصبرت علیهن حتیٰ بلغ أمرهن الذی بلغ فشکر الله لها ذاک (الخرائطی فی مکارم الخلاق والدیلمی عن ابی هریرة) کنز العمال: (۱۹۱/۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہونا حرام کردیا مگر میں اپنے دائیں طرف دیکھوں گا کہ اچانک ایک عورت ہے جو جنت کے دروازے کی طرف مجھ سے آگے بڑھ رہی ہے تو میں کہوں گا اسکو کیا ہوا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ رہی ہے تو مجھے کہا جائے گا اے محمد ﷺ یہ ایسی عورت ہے جو حسین وجمیل تھی اسکے یتیم بچے تھے اس نے ان (کی تربیت و کفالت) پر صبر کیا (اور دوسرا نکاح نہ کیا) یہاں تک کہ انکا معاملہ پورا ہو گیا یعنی وہ بڑے ہو گئے سو اللہ تعالیٰ نے اس (کے اس عمل) کی قدر دانی کی (اور صلے میں یہ مقام عطا فرمایا) اسکے علاوہ مذکورہ صفت والی عورت کی فضیلت میں ابوداؤد شریف میں بھی ایک روایت موجود ہے کہ:

عن عوف ابن مالک الاشجعی قال قال رسول اللہ ﷺ انا وامراۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ وأومأ یزید بالوسطی والسبابۃ امراۃ امت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علیٰ یتاماھا حتی بانوا او ماتوا (ابوداؤد: ۲/۲۶۰، طبع رحمانیہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اور سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اسطرح ہونگے (حدیث کے راوی) یزید نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں (کو آپس میں ملا کر ان) سے اشارہ کیا (آگے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا) یہ ایسی عورت تھی جو اپنے شوہر (کی موت یا اسکے طلاق دینے کی وجہ) سے جدا ہو گئی تھی عمدہ خاندان اور جمال والی تھی اس نے (دوسرے نکاح سے) اپنے آپکو روکے رکھا اپنے یتیم بچوں کی وجہ سے یہاں تک کہ وہ (بڑے ہوکر) جدا ہو گئے یا مر گئے (سیاہ گالوں والی ہونے سے مراد یہ ہے کہ محنت و مشقت کی وجہ سے اسکے گال سیاہ پڑ گئے اور حسب نسب و جمال کی قید کمال ثواب کیلئے ہے ورنہ کوئی بھی عورت اسطرح کا عمل کرے تو وہ اس مقام و مرتبہ کی مستحق ہوگی)۔

مذکورہ دونوں حدیثیں اسی مفہوم کے ساتھ کئی کتب حدیث میں مختلف الفاظ کیساتھ وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی خاتون جو اولاد کی تربیت کی خاطر اپنی خواہشات قربان کردے یہاں تک کہ شریعت کی دی ہوئی گنجائش یعنی دوسری جگہ نکاح کا راستہ بھی اختیار نہ کرے تا کہ مکمل طور پر اپنے بچوں کی تربیت اور پرورش پر توجہ دے سکے تو یہ فضیلت اسکے لئے ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ فضیلت تب ہے جب وہ پوری طرح عفت و پاکدامنی اور

تقوی کی زندگی گذارتے ہوئے یہ خدمت انجام دے سکے چنانچہ کنز العمال ہی کی ایک روایت میں واضح طور پر اس شرط کو بیان کیا گیا ہے:

مانا وامرأة سفعاء الخدين اذا حنت علی ولدها واطاعت ربها واحصنت فرجها الا كهاتين وقرن بين اصبعيه. كنز العمال:(۱۹۰/۱۱، طبع رحمانیه)

ترجمہ: میں اور سیاہ رخساروں والی عورت جبکہ وہ اپنے بچے پر شفقت کرے اور اپنے رب کی اطاعت کرے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھے اسطرح ہونگے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں ملائیں، لہٰذا اگر وہ اس شرط پر عمل نہ کر سکے یا کسی بھی درجہ میں اسکو گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسکے لئے نکاح ضروری ہے ایسی صورت میں فضیلت کے حصول کے بجائے گناہ سے بچنے کی تدبیر ضروری ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۱۲ صفر ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۹۵

﴿حدیث اذا ترکتم الجهاد...... کی تخریج﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث "اذا تركتم الجهاد سلط الله عليكم الذلة" کیا انہی الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے جبکہ خطباء اس کو زور وشور سے بیان کرتے ہیں۔ بندے کو کافی تلاش کے بعد صرف اس مفہوم کی حدیث ملی ہے جبکہ ان الفاظ کے ساتھ نہ مل سکی۔ کئی علماء سے بھی پوچھا لیکن حدیث کے ان الفاظ تک رسائی نہ ہو سکی۔

﴿جواب﴾ مذکورہ حدیث علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ آل عمران کی آخری آیت "یاایها الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون" کی تفسیر کرتے ہوئے ذکر کی ہے مکمل حدیث درج ذیل ہے:

اذا تركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم.(روح المعاني: (۱۷۱/۴، طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۵۷

﴿التخریج للحدیثین﴾

﴿سوال﴾ یذکر الخطباء ان فی الحدیث "لعن الله الناظر والمنظور الیه" هل هذا لفظ حدیث فان کان ففی ای کتاب هو؟ وهل ورد فی الحدیث انه ﷺ کان یأمر ان یمشی الرجل احیانا حافیا یعنی بدون النعل ؟

﴿جواب﴾ نعم قد ورد فی الحدیث هذا اللفظ "لعن الله الناظر والمنظور الیه" وذلک فی مشکوة المصابیح فان النظر الی عورة الغیر اذا کان عن قصد واختیار یستحق صاحبه اللعن. وکذا المنظور الیه اذا کشف عن عورته بلا عذر فوقع نظر الناس الیه یستحق اللعن ایضا وقد روی ایضا انه ﷺ کان یأمر ان یحتفی الرجل احیانا ومن فوائده کما نعلم انه یحدث فی العبد التواضع ویعرف الانسان نعمة النعل ویعتاد المشی حافیا فاذا اضطر الی ذلک یمشی بلا مشقة.

لما فی مشکوة المصابیح (ص ۲۷۰ طبع سعید)

وعن الحسن مرسلا قال بلغنی ان رسول الله ﷺ قال لعن الله الناظر والمنظور الیه رواه البیهقی فی شعب الایمان.

ولما فیها ایضا: (۳۸۲/۲، طبع سعید)

قال رجل لفضالة بن عبید ... مالی لا أری علیک حذاء قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا ان نحتفی احیانا رواه ابوداود.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۲۲۳

﴿مقام محمود سے مراد آپ ﷺ کی شفاعت عظمیٰ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ قرآن وحدیث، اسی طرح دیگر مقامات پر آپ ﷺ کے لئے مقام محمود کا ذکر آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ مستفتی: آصف محمود

﴿جواب﴾ حضرات مفسرین اور محدثین نے مقام محمود کے متعلق کئی اقوال نقل کئے ہیں اور مختلف تفسیریں بیان کی ہیں راجح قول کیمطابق مقام محمود سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے یعنی میدان حشر میں حساب کے لئے خاص طور پر آنحضرت ﷺ کو سفارش کی اجازت دی جائے گی اس

سفارش اور شفاعت سے مراد مقام محمود ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة الاسراء،پ۱۵،آیت ۷۹)

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا..... الآیة.

ولما فی روح المعانی:(۱۴۹/۱۵،طبع رشیدیه)

والمراد بذالک المقام مقام الشفاعة العظمی فی فصل القضاء حیث لا احد الا وهو تحت لوائه صلی الله علیه وسلم فقد اخرج البخاری وغیره عن ابن عمر..... الخ.

ولما فی المظهری:(۴۷۱/۵،طبع رشیدیه)

والصحیح ان المقام المحمود مقام الشفاعة اخرج احمد وابن ابی حاتم والترمذی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم فی هذه الآیة قال هو المقام الذی اشفع فیه لامتی.

ولما فی البخاری:(۶۸۶/۲،طبع رحمانیه)

عن آدم بن علی قال سمعت ابن عمر یقول ان الناس یصیرون یوم القیامة جثی کل امة تتبع نبیها یقولون یافلان اشفع یافلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلی الله علیه وسلم فذالک یوم یبعثه الله المقام المحمود.

ولما فی الصحیح لمسلم:(۱۰۷/۱،طبع قدیمی)

قال فقال أتقرأ القرآن قلت نعم قال فهل سمعت بمقام محمد صلی الله علیه وسلم یعنی الذی یبعثه الله فیه قلت نعم قال فانه مقام محمد صلی الله علیه وسلم المحمود الذی یخرج الله به من یخرج.

ولما فیه ایضا:(۱۰۸/۱،طبع قدیمی)

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یجمع الله تعالیٰ الناس یوم القیامة فیهتمون لذلک وقال ابن عبید فیلهمون لذلک فیقولون لو استشفعنا علی ربنا عزوجل حتی یریحنا من مکاننا هذا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب نعمانی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۰۵

﴿کتاب السنۃ و البدعۃ﴾

﴿بدعت کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ (۱) بدعت کیا ہے؟ (۲) بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟ کیا بدعت حسنہ کا مطالب کوئی اچھی بدعت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور حوالوں کے ساتھ بتائیے (۳) نیز کیا تسبیح پر اذکار کرنا اور سی ڈی کیسٹ وغیرہ میں بیان سننا بھی بدعت ہے؟　مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ (۱) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اور دین کو آپ ﷺ پر مکمل اور تمام کر دیا ہے، اب اس میں ادنیٰ کمی بیشی اور نقص واضافہ کی ہرگز گنجائش نہیں۔

لمافی قولہ تعالیٰ: (مائدہ آیت ۳ پ ۶)

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی .... الآیۃ.

اتمام نعمت سے مراد اکمال فی الدین ہے یعنی دین کو اللہ رب العزت نے ہر اعتبار سے مکمل کر دیا ہے اب اسمیں کسی قسم کا اضافہ اور نقص قابل قبول نہیں۔

لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔

لمافی المرقاۃ: (۱/۲۲۷، طبع رشیدیہ)

قال النووی: البدعۃ کل شیٔ عمل علیٰ غیر مثال سبق.

اصطلاح شرع میں بدعت دین کے معاملہ میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو نہ عہد رسالت میں ہوئی ہو اور نہ عہد صحابہ میں اور نہ حضور ﷺ کے قول اور فعل سے اس کا جواز ملتا ہو اور نہ اس زمانہ میں اس کی کوئی اصل اور نظیر ہو اور نہ ہی دلیل شرعی اسکا تقاضہ کر رہی ہو۔

لمافی مجموعۃ قواعد الفقہ: (ص ۲۰۲، طبع میر محمد)

البدعۃ ھی الامر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابۃ والتابعون ولم یکن مما اقتضاہ الدلیل الشرعی قالہ السید.

درجہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ دنیوی ایجادات، جدید وسائل وآلات وغیرہ

بدعت میں داخل نہیں ہیں اس لئے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں۔

لمافی تاج العروس:(۲۷۱/۵،طبع دار احیاء التراث)

(البدعة بالکسر الحدث فی الدین بعد الاکمال)

(۲) بعض سلف صالحین نے بدعت کو سیئہ، حسنہ، مباح، مکروہ اور واجب کی طرف تقسیم کیا ہے اور انکی تقسیم کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ جن اشیاء کی اصل قرون خیر میں موجود تھی لیکن موجودہ صورت ان سے مختلف تھی ان کو لغت اور موجودہ شکل کے اعتبار سے بدعت حسنہ کہدیا اور بدعت شرعی حقیقی کو بدعت سیئہ سے تعبیر کردیا، حسنہ اور سیئہ کی طرف بدعت کی تقسیم باعتبار لغت ہے البتہ اصطلاحی بدعت یعنی دین میں کمی زیادتی کرنا ہر صورت میں قبیح اور مذموم ہے اور یہ بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں: امداد الفتاویٰ: (۲۹۱/۵)

''قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کلیاً یا جزئیاً دین میں نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دین علماً وعملاً بنالینا بوجہ مزاحمت احکام شرعیہ کے بدعت ہے.....اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی، اور بدعت حسنہ صوری بدعت ہے۔''

لمافی الشامی:(۵۲۰/۱،طبع سعید)

(قوله ای صاحب بدعة) ای محرمة والا فقد تکون واجبة، کنصب الادلة للرد علی اهل الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للکتاب والسنة ومندوبة ... ومباحة کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب والثیاب ... الخ.

(۳) تسبیح پر اذکار کرنے کی نظیر آپ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھی اور جس کی نظیر اور مثال موجود ہو اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، علاوہ ازیں فقہاء کرام نے مروجہ تسبیح کے جواز کی صراحت کی ہے۔

لمافی البحر الرائق:(۲۹/۲،طبع سعید)

ولما رواه ابو داود والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه انه دخل مع النبی صلی الله علیه وسلم علی امرأة وبین یدیها نوی او حصا تسبح به ... ثم قال بعد اسطر ثم هذا الحدیث ونحوه مما یشهد بانه لا باس باتخاذ السبحة المعروفة لاحصاء عدد الاذکار اذ لا تزید السبحة علی

مضمون هذاالحديث الابضم النوى ونحوه فى خبط ومثل هذالايظهر تاثيره فى المنع.

سی ڈی اور کیسٹ وغیرہ سننا جائز ہے بدعت نہیں اس کی تفصیل شق نمبرا میں ہو چکی ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب للمانی عفااللہ عنہ

۵ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۱۲

﴿بلند آواز سے صلوۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ، اذان سے پہلے صلوہ وسلام کا پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟　　　مستفتی: قاری ابراہیم صاحب

﴿جواب﴾ اذان کے بعد والی دعا درود شریف پر بھی مشتمل ہے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اسی کی تعلیم دی ہے اور باقاعدہ ترغیب بھی۔ اسی کا اہتمام ہونا چاہئے اذان سے پہلے درود شریف کا کوئی ثبوت نہیں ہے عبادت کوئی بھی ہو آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں بندہ کرے تو عبادت شمار ہوگی درود شریف بڑی فضیلت والی عبادت ہے لیکن آج کل رائج ترتیب سے اذان سے پہلے بلند آواز کے ساتھ لاؤڈ سپیکر پر درود شریف پڑھنا کوئی عبادت نہیں ہے یہ تو محض بدعت ہے اور علامتی طور پر خاص فرقہ میں یہ رائج ہے باقی پوری امت میں کہیں اسطرح نہیں ہوتا اس لئے کہ کسی فقہ یا احادیث کی کتب میں اسکا کوئی حکم نہیں ہے یہ لاؤڈ سپیکر کے ساتھ رائج ہوا ہے اس لئے بغیر لاؤڈ سپیکر کے یہ لوگ بھی نہیں پڑھتے۔

لما فى فتح الملهم(۲۱۵/۳)مكتبه دارالعلوم كراتشى

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه انه سمع النبى ﷺ "يقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا على فانه من صلى على صلاة صلى الله عليه بها عشراً...الى آخره...قال الشيخ العلامة شبير احمد عثمانى رحمه الله تعالى ....قوله " ثم صلوا على " اى بعد فراغكم.

ولما فى فيض البارى(۲۲۲/۲،طبع:مكتبه رشيديه)

واما ما يفعلة الناس من الصلاة عند الشهادتين ،فلم يرد به الحديث،وانما يفعلونه عملا بالاحاديث العامة التى وردت فيها الصلاة عند ذكر اسمه المبارك ولايدرون ان الشرع قدراعاه، بنفسه فوضع الصلاة عقيب الاذان.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۲۰۰)قدیمی

ومن المکروھات الصلوۃ علی النبی ﷺ فی ابتداء الاقامۃ لانہ بدعۃ.

ولما فی ردالمحتار(۱/۳۹۸)ایچ۔ایم۔سعید

قولہ ویدعو ای بعد ان یصلی علی النبی ﷺ لما رواہ مسلم وغیرہ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی الی آخرہ۔

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد حامد یاسین،بھکر

۱۰ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۳۵۷۸

﴿اقامت کے وقت حضورﷺ اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب اس مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے بعض ائمہ مساجد فرماتے ہیں کہ اذان اور اقامت میں آپﷺ کا اسم گرامی سن کر درود شریف نہیں پڑھنا چاہئے بلکہ موذن کے ساتھ وہی کلمات دہرانے چاہئے اور بعض فرماتے ہیں درود شریف پڑھ سکتے ہیں منع کرنا غلط ہے۔ مستفتی:حاجی نصیر احمد برخوداریہ

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت کے موقع پر بھی درود شریف پڑھنا باقاعدہ سنت سے ثابت ہے۔البتہ اس کے لئے صحیح ترتیب احادیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ موذن کے ساتھ ساتھ اذان اور اقامت کے وہی کلمات دہرانے چاہئے جو موذن کہتا ہے اور اخیر میں درود شریف پڑھنا چاہئے،درود شریف سے متعلق اس موقع کا یہ خصوصی مستحب حکم ہے۔اس پر عمل کرنے سے اس عمومی حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے جس میں آپﷺ کا اسم گرامی مجلس میں سننے پر کم از کم ایک بار درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے لھذا ائمہ مساجد کو چاہئے کہ نمازیوں کو اس تفصیل کی تعلیم دیں۔

اور شہادت رسالت کے موقع پر بعض صرف "ﷺ" بولنے پر اکتفا کر لیتے ہیں ان کو منع کرنا بھی غلط ہے،بالفرض اگر کوئی شخص اس موقع پر اذان واقامت کے کلمات دہرائے بغیر صرف اس عام حکم پر عمل کر لیتا ہے کہ مجلس میں آپﷺ کا اسم گرامی سننے والوں پر ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے تو کم از کم ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوں گے یا بجائے خصوصی حکم کے عمومی حکم پر عمل ہو جائیگا۔

ہماری نظروں سے فقہاء کرام کی ایسی کوئی عبارت نہیں گزری جس میں اس موقع پر درود شریف پڑھنے کو منع فرمایا ہو، اور بعض ائمہ حضرات جو منع فرماتے ہیں ان کے علم میں اگر کوئی واضح ایسا حکم ہے تو براہ کرم ہمیں بھی مطلع فرمائیں تاکہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔ ہاں ممکن ہے کسی نے فیض الباری (۲/۲۱۲) کی عبارت سے یہ سمجھا ہو کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس موقع پر درود شریف کو مطلقاً منع فرماتے ہیں حالانکہ علامہ صاحب رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس موقع کے خصوصی حکم پر عمل کرنے سے اس عام حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ ھذا ما ظہر لی واللہ اعلم۔

سورة الاحزاب (آیة ۵۵، پ۲۲)

ان الله و ملائكته يصلون على النبى يايها الذين امنوا صلوا عليه و سلموا تسليماً.

ولما فى المشكوة (۱/۸٦) ایچ ایم۔ سعید

عن على رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ "البخيل الذى من ذكرت عنده فلم يصل على. ...... عن عبدالله بن عمر رضى الله عنه من صلى على النبى ﷺ واحدة صلى الله عليه و ملائكته سبعين صلوة.

و لما فى ردالمحتار (۱/۵۱٦) ایچ ایم سعید

قوله فى الاصح. صححه الزاهدى فى المجتبى لكن صحح فى الكافى وجوب الصلواة مرة فى كل مجلس كسجود التلاوة حيث قال فى باب التلاوة و هو كمن سمع اسمه عليه الصلاة والسلام مراراً لم تلزمه الصلاة الا مرة فى الصحيح، لان تكرار اسمه ﷺ لحفظ سننه التى بها قوام الشريعة، فلو وجبت الصلوة بكل مرة لافضى الى الحرج، غير انه يندب تكرار الصلاة بخلاف السجود والتشميت كالصلاة، و قيل يجب التشميت فى كل مرة الى الثلاث.

و حاصله ان الواجب يتداخل فى المجلس فيكتفى بمرة للحرج كما فى السجود الا انه يندب تكرار الصلاة فى المجلس الواحد، بخلاف السجود.

ولما فى البخارى (۱/۸٦) قديمى

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه ان رسول ﷺ قال "اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن

ولما فى المسلم (۱/۱٦٦) قديمى

عن عبدالله بن عمرو بن العاص انه سمع النبى ﷺ يقول "اذا سمعتم المؤذن

فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا على فانه من صلى على صلاة صلى الله عليه بها عشرا الى آخره الخ

ولما فى الشامية(۱/۲۹۲)ایچ ایم سعید

قال الحلوانى :ان الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هى الاجابة بالقدم.

ولما فى العالمگیری(۱/۵۷) رشیدیہ

واجابة الاقامة مستحبة هكذا فى فتح القدير و اذا بلغ قوله "قد قامت الصلوة" يقول السامع "اقامها الله وادامها الله ما دامت السموات والارض فى سائر الكلمات يجيب كما يجيب فى الاذان ،كذا فى فتاوى الغرائب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد حامد یاسین ، بھکر

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر :۳۵۸۸

﴿قضائے عمری اور نوافل کی جماعت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں بعض افراد اکثر رمضان کے آخری عشرہ میں نصف شب کے بعد دوبارہ مسجد یا کسی حجرہ میں آتے ہیں ،اور قضائے عمری کے نام سے نماز با جماعت پڑھتے ہیں ،اس کے لئے باقاعدہ لوگوں کو شرکت کی دعوت دیکر بلاتے ہیں اور آج کل غیر رمضان میں بھی بیس پچیس افراد ملکر نوافل کی جماعت کراتے ہیں ،پوچھنا یہ ہے کہ اسطرح نوافل جماعت کیساتھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی :لیاقت

﴿جواب﴾ نوافل کی جماعت میں تین سے زیادہ مقتدیوں کی گنجائش نہیں ہے امام کے ساتھ مزید تین افراد ملنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کیلئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ ہو۔

لما فى التنوير مع الدر :(۲/۴۸-۴۹ طبع سعید)

(ولا يصلى الوتر)و(لا التطوع بجماعة خارج رمضان) اى يكره ذلك على سبيل التداعى ،بان يقتدى أربعة بواحد كما فى الدرر.

وفى الشامية :(قوله أربعة بواحد)............ظاهر ما قدمنا بان الجماعة فى التطوع ليست بسنة بل يدعدمه تأمل.

قضائے عمری سے لوگ عموماً احتیاطی قضاء مراد لیتے ہیں اور احتیاطی قضاء بھی نفل کے حکم میں ہے۔

لمافی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة:(۱۱۵/۱،طبع رشیدیه)

رجل یقضی صلوات عمره مع انه لم یفته شیء منها قال بعضهم بانه یکره وبعضهم بأنه لایکره لانه أخذبالاحتیاط والصحیح انه یجوز لکن لایقضی بعدصلاة العصر ولا بعدصلاة الفجر لانهانفل ظاهراوقدفعل کثیرمن السلف رحمهم الله تعالی لشبهة.

ولمافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص۲۲۷،طبع قدیمی)

ومن قضی صلاة عمره مع أنه لم یفته شیء منهااحتیاطاقیل یکره وقیل لا لأن کثیرامن السلف قدفعل ذالک لکن لا یقضی فی وقت تکره فیه النافلة والافضل أن یقرأ فی الاخیرتین السورة مع الفاتحة لانهانوافل من وجه فلأن یقرأالفاتحة والسورة فی اربع الفرض علی احتماله أولی من أن یدع الواجب فی النفل،ویقنت فی الوتر، ویقعد قدرالتشهد فی ثالثته ثم یصلی رکعةرابعة،فان کان وترافقدناداه،وان لم یکن فقد صلی التطوع اربعا،ولایضره القعود،وکذایصلی المغرب أربعابثلاث قعدات.

بالفرض اگر واقعی فوت شدہ نمازوں کی قضاء مقصود ہو تب بھی جماعت کی صورت میں مذکورہ ترتیب سے قضاء پڑھنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ جماعت کیساتھ قضاء پڑھنے کی اس صورت میں گنجائش ہے جب تمام افراد سے کسی خاص وقت کی نماز ایک ساتھ رہ گئی ہو تو ایک ساتھ جماعت کی نہ صرف گنجائش بلکہ افضل ہے۔

لمافی مشکوٰة المصابیح:(ص ۶۷،حدیث لیلة التعریس،طبع سعید)

ثم توضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم وامربلالا فاقام الصلوة فصلی بهم الصبح فلماقضی الصلوة قال من نسی الصلوة فلیصلها اذا ذکرها فان الله تعالی قال(واقم الصلوة لذکری)

ولمافی سنن ابی داؤد:(ص۹۲،طبع رحمانیه)

ان صلوة الرجل مع الرجل ازکی من صلوته وحده وصلوته مع الرجلین ازکی من صلوته مع الرجل وماکثرفهواحب الی الله عزوجل۔

ولمافی الشامی:(۶۲/۲،طبع سعید)

(قوله یوم الخندق)وذلک"ان المشرکین شغلوارسول الله صلی الله علیه وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ما شاء الله تعالی فامربلالا فاذن ثم اقام فصلی الظهر،ثم اقام فصلی العصر،ثم اقام فصلی المغرب،ثم اقام فصلی العشاء."

مذکورہ ترتیب سے قضاء اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ امام اور مقتدی کی ایک خاص وقت کی

نیت کا ہونا شرط ہے یہ ممکن اگر چہ ہے مشکل ضرور ہے۔

ولما فی الهداية (ص ۱۲۰، طبع رحمانيه)

قال ولا من يصلي فرضا خلف من يصلي فرضا آخر لان الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد

مزید یہ کہ جماعت کے ساتھ قضاء پڑھنا خصوصا جب اس کیلئے اعلان بھی ہو اپنی سستی اور فرض احکام میں لاپرواہی لوگوں پر ظاہر کرنے کے مترادف ہے اور یہ شرعا قبیح ہے۔

ولما في الدر المختار (۲/ ۷۷، طبع سعيد)

وينبغي أن لا يطلع غيره على قضائه لأن التأخير معصية فلا يظهرها وفي الشامية وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع عليه سواء كان في المسجد أو غيره كما أفاده في المنح

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۶۱

﴿صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے گاؤں میں جمعہ کے دن کچھ عورتیں ایک عورت کی اقتداء میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کرتی ہیں منع کرنے پر بتایا کہ ہم عورتوں کو سکھانے کی غرض سے ایسا کرتی ہیں تو کیا صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: زاہد علی

﴿جواب﴾ صلوٰۃ التسبیح نفلی نماز ہے نوافل کی جماعت تراویح کے علاوہ مردوں کے لئے بھی منع ہے تنہا عورتوں کی جماعت تو فرض نمازوں میں بھی منع ہے بلاشبہ یہ بدعت ہے اور بجائے ثواب کے گناہ ہے سکھانے کا عذر پیش کرنا محض بہانہ ہے جماعت کے بغیر بھی سکھایا جاسکتا ہے صحیح طریقہ سے سیکھنے کی کوشش کے باوجود بھی کوئی نہ سیکھ سکے تو امید ہے اللہ تعالیٰ محض کوشش پر انکو صلوٰۃ التسبیح کا اجر دیگا۔

لما في التنوير مع الدر (۱/ ۵۶۵، طبع سعيد)

(و) يكره تحريما (جماعة النساء) ولو في التراويح في غير صلاة جنازة.

ولما في خلاصة الفتاوى (۱/ ۱۵۳، طبع رشيديه)

وعن شمس الائمة السرخسي ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل

المتداعی امالو اقتدی واحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقا

ولما فی الہندیۃ:(۱/۸۵ طبع رشیدیہ)

ویکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوات کلہا من الفرائض والنوافل الا فی صلاۃ الجنازۃ ھکذا فی النہایۃ وصلاتہن فرادی افضل

ولما فی التاتارخانیۃ:(۱/۲۲۲ طبع قدیمی)

ویکرہ للنساء ان تؤم النساء لعدم ورود السنۃ بالجماعات فی حقہن وان فعلت قامت وسطہن

ولما فی اعلاء السنن:(۴/۲۲۲ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لا خیر فی جماعۃ النساء الا فی المسجد او فی جنازۃ قتیل" قولہ "عن عائشۃ" الخ قلت: وجہ دلالتہ علی معنی الباب انہ صلی اللہ علیہ وسلم نفی الخیر عن جماعۃ النساء خارج مسجد الجماعۃ ولا یخفی ان جماعتہن فی مسجد الجماعۃ لا تکون الا مع الرجال، لانہ لم ینقل احتجاز جماعتہن فی مسجد الجماعۃ متمیزۃ عن الرجال فعلم ان جماعتہن وحدہن مکروہۃ

ولما فیہ ایضا:(۴/۲۲۳ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "خیر صفوف الرجال اولہا وشرہا آخرہا وخیر صفوف النساء آخرہا وشرہا اولہا" قلت: وجہ دلالتہ علی معنی الباب ان امامتہن تستلزم تقدمہا علی الصفوف وقد نہی عنہ فی الحدیث کما تری فتکون امامتہا مکروہۃ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا عنہ | واللہ اعلم: حبیب الرحمن سواتی

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ | فتوی نمبر: ۱۰۱۲

﴿مروجہ قرآن خوانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ علماء وطلباء کو گھر بلاتے ہیں اور ان سے ایصال ثواب، مریض کی شفا یابی یا خیر وبرکت کیلئے قرآن خوانی کرواتے ہیں اور پھر ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں اور کبھی کچھ نقد رقم بھی دیتے ہیں کیا اس طرح قرآن خوانی کرنا اور اس پر پیسے لینا دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ قرآن کریم کی تلاوت ایک بڑی عبادت ہے خیر وبرکت کا باعث ہے اور

بیماریوں سے شفاء یابی کا بھی ذریعہ ہے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ختم قرآن بھی ایک نیک عمل ہے لیکن آجکل اجتماعی قرآن خوانی میں بہت سارے مفاسد، بدعات ورسومات پائی جاتی ہیں جو کہ خلاف شرع ہیں اور کوئی بھی نیک عمل اگر سنت طریقہ پر نہ ہوتو وہ عبادت نہیں رہتی اور اسمیں بجائے ثواب کے گناہ ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے پسماندگان اور تعلق داروں کو چاہیے کہ تلاوت کریں یا دوسرا کوئی بھی نیکی کا کام مثلاً صدقہ وخیرات وغیرہ کریں اور میت کو ثواب بخش دیا کریں کیونکہ تمام نفلی عبادات کا اجر وثواب مرحوم کو بخشنے سے ملتا ہے ایصال ثواب کیلئے آج کل قرآن خوانی کا جو طریقہ رائج ہے، یہ خیر القرون اور بعد میں سلف صالحین سے بھی ثابت نہیں اسمیں دیگر مفاسد کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لوگوں میں قرآن کی تلاوت کا رجحان کم ہوتا جارہا ہے، عام سوچ بن گئی ہے کہ خود قرآن نہ تو سیکھے اور نہ اسکو اہمیت دے گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے تو طلباء کو بلا کر چند پیسے (چاہے وہ پیسے یتیموں کے کیوں نہ ہوں) خرچ کر کے ضرورت پوری کرلیں گے۔

اس عمل پر کھانا کھلانے اور رقم دینے میں تفصیل ہے چنانچہ اگر محض ثواب اور اخروی فائدہ مقصود ہوتو خالص عبادت (اطاعت محضہ) ہونے کی وجہ سے اسپر اجرت لینا دینا فقہاء کرام نے سختی سے منع کیا ہے اور اسپر دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کی صورت میں اجر وثواب باقی نہیں رہتا اس صورت میں خود پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا تو جس (میت) کیلئے یہ عمل کیا جارہا ہے اسکو کیا ملے گا؟ لہٰذا ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی پر کچھ لینا دینا شرعاً منع ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،آیت ۴۱)

ولا تشتروا بآیتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون ...الآیة.

ولمافی الهدایة:(۳۰۵/۳،طبع رحمانیه)

والاصل ان کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوزالاستیجار علیه عندنا ...ولنا قوله علیه السلام اقرؤاالقران ولا تأکلوا به.

ولمافی الشامی:(۵۶/۶،طبع ایچ ایم سعید)

قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة:ان القران بالاجرة لا یستحق الثواب لا للمیت ولا

للقارئ وقال العينيؒ فی شرح الهداية ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان

فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراءة

واعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال فاذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية

الصحيحة فأين يصل الثواب الى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان

بل جعلوا القران العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا- انا لله وانا اليه راجعون.

ولما في الشامي:(۲/۲۴۰،طبع ایچ ایم سعید)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول ... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام او الاخلاص

اور دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کیلئے تلاوت کی جائے مثلاً بیماری سے شفاء یابی، خیر و برکت مقدمات میں کامیابی وغیرہ کیلئے تو اس پر اجرت لینے کی گنجائش ہے کیونکہ یہاں (تلاوت) سے مقصود تحصیل ثواب نہیں بلکہ دوسرا کام مقصود ہے۔

لما في صحيح البخاري:(۲/۸۵۲،باب الشرط في الرقية،طبع رحمانيه)

عن ابن عباس أن نفرا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مروا بماء فيهم لديغ او سليم فعرض لهم رجل من اهل الماء فقال هل فيكم من راق ان في الماء رجلا لديغا او سليما فانطلق رجل منهم فقرأ بفاتحة الكتاب على شاء فبرأ فجاء بالشاء الى اصحابه فكرهوا ذلك وقالوا أخذت على كتاب الله اجرا حتى قدموا المدينة فقالوا يارسول الله اخذ على كتاب الله اجرا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احق مااخذتم عليه اجرا كتاب الله.

ولما في مجموعة الرسائل لابن عابدين:(۱/۱۵۶،طبع عثمانيه)

ومن استجعل جعلا على عمل يعمله لغيره من رقية اوغيرها وان كانت بقرآن اوعلاج او بما اشبه ذلك فذلك جائز والاستجعال عليه حلال.

ولما في الشامي:(۶/۵۷،طبع سعيد)

لأن المتقدمين المانعين الاستيجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن.

ولما في امداد الاحكام:(۱/۳۲۷،طبع دار العلوم كراچی)

وقیاس ختم مریض بر ختم میت درست نیست، ومختار بودن راقی به رقیه لازم نیست بلکه جائز است که مستاجر از خود تعیین رقیه کند وایں اولی بالجواز است، لان الاصل في الاجارة كون العمل معلوما عند المتعاقدين وههنا كذلك واذا كان الراقي مختارا ثم

یکن العمل معلوماللمستاجر وانما جوزوه بالنص علی خلاف القیاس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفر واللہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۳۷

﴿قرآن خوانی عبادت ہے لیکن رائج رسم بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے دیار میں یہ رسم ہے کہ عید کی نماز کے بعد ہر ایک محلّہ والے لوگ اپنے محلّہ کہ ہر ہر گھر میں جاتے ہیں ٹولیوں کی شکل میں، اور وہاں بیٹھ کے، پہلے ایک آدمی بلند آواز سے قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے پھر اجتماعی دعا کرتے ہیں اس کے بعد مٹھائی کھاتے ہیں اور اسی طرح ہر گھر میں ہوتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے اور اس پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے شریعتِ مطہرہ کی نظر میں اس موقع پر قرآن پڑھنے اور اجتماعی دعا کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: خرسند تاجکستانی

﴿جواب﴾ قرآن کریم کی تلاوت اگر چہ بڑا اچھا عمل ہے، تقرب الٰہی کے ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے لیکن اس کے لئے وہ انداز وطریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرونِ ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوتِ قرآن کے لئے اختیار کرنا جو خیر القرون میں نہ ہو، اور پھر اس پر اصرار کرنا بدعت اور باعثِ گناہ وعذاب ہے، علاقہ کے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اچھے انداز سے اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

لما فی الصحیح للامام مسلم:(۱/۳۶۱طبع قدیمی)

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه و سلم قال: لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه.

ولما فی البحر الرائق:(۱۵۹/۲،فی باب العیدین، طبع سعید)

ولان ذکر الله تعالی اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت أو بشئی دون شیء لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع

ولما فی مرقاة المفاتیح:(۲۶/۳باب الدعاء فی التشهد، طبع رشیدیه)

قال الطیبی: وفیه ان من أصر علی أمر مندوب وجعله عزما و لم یعمل بالرخصة فقد

اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من أصر على بدعة او منكر.

ولما في الاعتصام لشاطبي: (۴۲/۱، الباب الاول، طبع توحيد)

من جهة ضرب الحدود، و تعيين الكيفيات، و التزام الهيئات المعينة، او الازمنة المعينة مع الدوام، ونحو ذلك، وهذا هو البدعة، و يسمى فاعله مبتدعا

ولما في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: (۲۶۵/۲ بالفصل في القرائة، طبع سهيل)

والأمر اذا دار بين الكراهة و الاباحة ينبغي الافتاء بالمنع لأن دفع مضرة اولى من جلب منفعة. وقد مر ان الاصرار على المندوب يبلغه الى حد الكراهة فكيف اصرار البدعة التي لااصل لها في الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین غفرلہ تاجکی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۳۰

﴿میت پر کسی خاص سورت کے پڑھنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو لوگ قبر کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں اور ایک آدمی مخصوص سورت (یعنی سورۃ الملک) کی جہرا تلاوت کرتا ہے پھر آخر میں سب ملکر میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اس پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اسکے خلاف کرنے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اسکی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: جمال الدین تاجکی

﴿جواب﴾ ایصال ثواب کی غرض سے سورۃ ملک یا کسی بھی دوسری سورت کو پڑھنا فی نفسہ جائز عمل ہے لیکن میت کو دفنانے کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام خیر القرون میں ثابت نہیں ہے، آپکے علاقہ میں یہ عمل اگر ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والوں پر نکیر کیجاتی ہے تو یہ بدعت کے حکم میں ہے اس سے بچنا ضروری ہے.

البتہ میت کو دفنانے کے بعد اسکے سرھانے کھڑے ہوکر سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات ''اولئک هم المفلحون'' تک پڑھنا، اور پیروں کی طرف کھڑے ہوکر آخری آیات یعنی ''للہ ما فی السموات سے سورت کے ختم تک پڑھنا مستحب ہے صرف یہ عمل حدیث سے ثابت ہے لیکن ضروری اسکو بھی نہ سمجھا جائے۔

ولما فی الصحیح للامام مسلم:(۳۶۱/۱،باب ،طبع قدیمی)

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه و سلم قال:لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی و لاتختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه.

لما فی الاعتصام لشاطبی:(۴۲/۱،الباب الاول:فی تعریف البدع وبیان معناها،طبع توحید)

من جهة ضرب الحدود،وتعیین الکیفیات،والتزام الهیئات المعینة،او الازمنة المعینة مع الدوام،و نحو ذلک،وهذا هو البدعة،و یسمی فاعله مبتدعا.

لما فی مشکوة المصابیح:(ص۱۴۹،باب دفن المیت،طبع سعید)

وعن عبدالله بن عمر قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: اذا مات احدکم فلاتحبسوه واسرعوا به الی قبره ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة، رواه البیهقی فی شعب الایمان.

و لما فی الشامیة:(۲۳۷/۲مطلب فی دفن المیت،طبع سعید)

وکان ابن عمر یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة و خاتمتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۷۰۲

﴿میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے گاؤں میں لوگ جب میت کو قبرستان لے جارہے ہوتے ہیں تو ایک آدمی تھوڑے وقفے سے کلمہ شہادت کی آواز بلند کرتا ہے اور لوگ جواب میں بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں شرعاً یہ عمل جائز ہے یا نہیں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عبدالماجد جنڈ

﴿جواب﴾ جنازہ اٹھا کر کلمہ شہادت کی آواز بلند کرنا بدعت ہے آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے اور خلاف وضع بھی سیاسی جلوس کی طرح نعرے لگتے ہیں حالانکہ یہ موقع ہیبت اور عبرت کا ہے احادیث میں مرحوم کے لیے دل دل میں دعا کا ذکر آیا ہے اور فقہاء کرام نے بلند آواز سے ہر طرح کے ذکر کو اس موقع پر منع فرمایا ہے۔

لما فی بذل المجهود:(۱۹۹/۲طبع:مکتبة الشیخ)

عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال:لا تتبع الجنازة بصوت ولا نار زاد

عارون ولا تمشی بین یدیها

ولما فی رد المحتار:(۲/۲۳۳طبع: سعید)

(قوله کما کره الخ)قیل تحریما وقیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة وفیه عنها وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله یذکره فی نفسه لقوله تعالی انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفرالله لکم

قلت:واذا کان هذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی هذا الزمان

ولما فی البحر الرائق:(۲/۱۹۲طبع: سعید)

وینبغی لمن تبع جنازة ان یطیل الصمت ویکره رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرهما فی الجنازة والکراهة فیها کراهة تحریم فی فتاوی العصر وعند مجد الأئمة الترکمانی وقال علاء الدین الناصری ترک الاولی وفی الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه لقوله تعالی انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفرالله لکم

ولما فی الهندیة:(۱/۱۶۸طبع:قدیمی)

وعلی متبعی الجنازة الصمت ویکره لهم رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ضیاء الحق انکی

۱۷صفرالخیر۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۲۱۴

﴿عورتوں کیلئے قبرستان جانے کا حکم نیز زیارت قبور کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا عورتیں قبرستان میں زیارت قبور کیلئے جاسکتی ہیں؟زیارت قبور کا مسنون ومستحب طریقہ کیا ہے۔

مستفتی:کمال الدین

﴿جواب﴾(۱)عورتوں کیلئے قبرستان جانے کی عام اجازت نہیں ہے،البتہ عمر رسیدہ خواتین عبرت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے عزیز واقارب کی زیارت کیلئے اگر کبھی کبھار جاتی ہیں تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے جوان عورتوں کیلئے بہر حال مکروہ ہے۔

(۲)سب سے پہلے قبرستان جا کر اہل قبور کو مخصوص الفاظ کیساتھ سلام کہنا چاہیئے اس کے بعد

ان کیلئے دعاء واستغفار کرے اور جس قدر ممکن ہو تلاوت قرآن کریم کا ثواب انکو پہنچائے بعض سورتوں کا ذکر خصوصیت کیساتھ احادیث میں آیا ہے مثلاً سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۃ یسین، سورۃ تکاثر، سورۃ کافرون، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ ناس وغیرہ۔

ولما فی الدر مع الرد:(۲/۲۴۲ طبع سعید)

ویقول السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء الله بکم لاحقون ویقرء یس وفی الحدیث من قرء الاخلاص احدعشر مرۃ ثم وھب اجرہا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات)

ولما فی الشامیۃ

قوله (ولو للنساء) وقیل تحرم علیهن والأصح ان الرخصة ثابتة لهن بحر. وجزم فی شرح المنیة بالکراهة لما مر فی اتباعهن الجنازة. وقال الخیر الرملی ان کان ذالک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت به عادتهن فلاتجوز وعلیه حمل حدیث: (لعن الله زائرات القبور) وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلابأس اذاکن عجائز ویکره اذاکن شواب کحضور الجماعة فی المساجد اه وهو توفیق حسن.

ولما فی الشامی:(۲/۱۵۱ طبع امدادیه)

قوله (ویقول الخ) قال فی الفتح والسنة زیارتها قائما والدعاء وعندها قائما کماکان یفعله ﷺ فی الخروج الی البقیع ویقول: السلام علیکم ..... من دخل المقابر فقرء سورة یس خفف الله عنهم یومئذ وکان له بعدد من فیها حسنات بحر وفی شرح اللباب ویقرء من القران ماتیسر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی وآمن الرسول وسورة یس وتبارك الملك وسورة تکاثر الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

۳ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴

﴿بارش کیلئے اجتماعی خیرات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے جب بارش نہیں ہوتی تو لوگ کھانا وغیرہ پکا کر خیرات کرتے ہیں تاکہ بارش ہو نیز اسی طرح مخصوص قسم کے شربت بنا کر لوگوں کو پلاتے ہیں شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔
مستفتی: محمد بلال

﴿جواب﴾ اس غرض سے صدقہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے مستحسن ہے مخصوص قسم کے

مشروب پلانا اگر بنیت صدقہ ہوتو وہ بھی اسمیں داخل ہے، ایسے موقع پر نماز استسقاء کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ اللہ تعالیٰ سے بارش مانگنے کیلئے اس خاص طریقے کو موثر سمجھنا غلط اور بدعت ہے بعض علاقوں میں خیرات کیلئے باقاعدہ چندہ کرتے ہیں گھر گھر جاکر مانگتے ہیں یہ بھی غلط رسم ہے۔

لمافی العالمگیریۃ:(۱/۱۵۴،طبع رشیدیہ)

ثم فی کل یوم یقدمون الصدقۃ قبل الخروج ثم یخرجون کذافی الظھیریۃ.

ولمافی تنقیح الحامدیۃ:(۲/۳۶۷،طبع حقانیہ پشاور)

کل مباح یودی الیٰ زعم الجھال سنیۃ امراووجوبہ فھومکروہ.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۱۸۵،طبع سعید)

ویقدمون الصدقۃ فی کل یوم قبل خروجھم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۵۷

﴿نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ نمازی حضرات نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرتے ہیں شرعی حیثیت سے اس طرح مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبدالجبار

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت کا عمل ہے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور باعث اجر وثواب ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لمافی مشکوۃ المصابیح:(ص ۴۰۱،کتاب الآداب،طبع سعید)

مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفرلھما قبل أن یتفرقا.رواہ احمدوالترمذی.

اس حدیث پاک سے مصافحہ کی فضیلت معلوم ہوئی اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرے، رہا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کا مسئلہ اس میں اگر کوئی امام سے ملاقات کی غرض سے آیا ہوتو مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے کی عادت بنالینا یا ثواب سمجھنا یا مصافحہ نہ کرنے والوں کو برا سمجھنا کسی طرح سے جائز نہیں ہے یہ روافض کا طریقہ ہے، اس لئے فقہائے کرام نے اس کو مکروہ

اور بدعت لکھا ہے، لہٰذا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

لمافی الشامی:(۱/۵۴۷،طبع امدادیه)

ان المواظبة عليها بعد الصلوٰت خاصة قد يؤدي الجهلة الى اعتقاد سنيتها فی خصوص هذه المواضع وأن لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم انه لم يفعلها أحد من السلف فی هذه المواضع وكذا قالوا بسنية قرأة السور الثلاث فی الوتر مع الترك احيانا لئلا يعتقد وجوبها ونقل فی تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال لأن الصحابة رضی الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا اصل لها فی الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۸۲

﴿میت کو قبر میں دفنانے کے بعد اذان دینا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض لوگ قبرستان میں مردہ کو دفنانے کے بعد اذان دیتے ہیں اور اس کو باعث اجر وثواب سمجھتے ہیں شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ قبرستان میں اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں ہے کیونکہ شریعت نے اذان کے مواقع متعین کئے ہیں جبکہ اس موقع پر اذان دینے کو فقہاء کرام نے صاف لفظوں میں بدعت قرار دیا ہے لہٰذا اس سے بچنا لازمی ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۲۳۵،طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

لا يسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاويه بانه بدعة. وقال من ظن انه سنة قياسا على ندبهما للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:

﴿جماعت کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا خلاف سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجدوں میں بوڑھے لوگ مغرب فجر جمعہ اور تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، اس کا شرعا کیا حکم ہے؟ ممنون فرمائیں۔ مستفتی: حبیب الرحمٰن

﴿جواب﴾ مسجد میں خاص کر نمازوں کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت ہے، سنت سے ثابت نہیں ہے، مزید یہ کہ اس وقت اکثر لوگ سنتوں اور نوافل میں مشغول ہوتے ہیں اور زور سے ذکر کرنے سے انکو اذیت ہوگی بلکہ انکی نمازوں میں خلل آنے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا امام صاحب کو چاہیئے کہ حکمت وبصیرت کے ساتھ اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

لمافی المظہری:(۲/۲۱۱،طبع رشیدیہ)

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الافضل والجهر بالذكر بدعة الا في مواضع مخصوصة مست الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق و تكبيرات الانتقال في الصلوة ـــــ والاصل في الاذكار الاخفاء والجهر به بدعة الخ ـ ويدل على كون ذكر السر افضل ومجمعا عليه من الصحابة من تبعهم قول الحسن ان بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفا ولقد كان المسلمون يجتهدون في الدعاء وما يسمع لهم صوتا ان كان الا همسا بينهم وبين ربهم وذلك ان الله سبحانه وتعالى يقول ادعوا ربكم تضرعا وخفية وان الله ذكر عبدا صالحا ورضى فعله فقال اذ نادى ربه نداء خفيا

ولمافی روح المعانی:(۸/۵۲۱،طبع رشیدیہ)

(وخفية) اى سرا الخ ـ وترى كثيرا من اهل زمانك يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصا في الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتد وتستك المسامع وتستد ولا يدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعاء وكون ذلك في المسجد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہائی عفی عنہ

۱۴۳۰ھ   فتوی نمبر:۲۰۲۶

﴿اہل میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) میت کے گھر کھانا پکنا چاہیئے یا اپنے پیسوں سے باہر سے منگواسکتے ہیں بہتر کیا ہے؟

نیز کتنے دن کھانا بنایا جائے؟

(۲) میت کے گھر کا پکا ہوا کھانا قریبی رشتہ دار کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رشتہ دار بروقت موجود ہوں اور کھانا لگ رہا ہو یا لگ چکا ہو تو کھالینا بہتر ہے یا اٹھ کر چلے جانا؟ مستفتی حاجی نصیر

﴿جواب﴾ (۱)(۲) ایسے مواقع پر شریعت مطہرہ نے اہل میت کی طرف سے کھانے وغیرہ کے انتظام کو منع کیا ہے بلکہ دیگر دوست واحباب اور دور کے رشتہ داروں کو حکم ہے کہ وہ میت کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کریں میت کے گھر لوگوں کے اجتماع اور گھر والوں کی طرف سے کھانے وغیرہ کے انتظام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نوحہ تصور کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کنا نعد الاجتماع الی اھل البیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ" نیز خود اہل میت کی طرف سے کھانے کے انتظام کرنے میں کئی سارے مفاسد ہیں بسا اوقات میت کے ورثاء میں نابالغ یتیم بچے ہوتے ہیں ان کا مال کھایا جاتا ہے جسکی شرعاً ہرگز اجازت نہیں، اس لئے ایسے مواقع پر کھانے وغیرہ سے احتراز کرنا ضروری ہے، ہاں اگر ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو اور تمام ورثاء اپنی رضامندی سے فقراء اور مساکین کے لئے کھانا تیار کریں تو یہ باعث اجر وثواب ہے اور چاہیئے کہ تعزیت کے ایام گذرنے کے بعد ایصال ثواب کریں۔

نیز واضح رہے کہ اہل میت کے لئے جو کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے تو اس میں عام تعزیت کے لئے آنے والے رشتہ داروں کو اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیئے کہ کھانے وغیرہ کے معاملہ میں انتظام کرنے والوں پر بوجھ نہ بنیں۔

یہ بات اکثر دیکھی جاتی ہے کہ بعض رشتہ دار کئی کئی دنوں تک اہل میت کے ہاں ٹھہرے رہتے ہیں واپسی کا نام تک نہیں لیتے جس سے انتظام کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ مروت کے خلاف اور اہل میت کے لئے طبعی طور پر پریشانی والی بات ہے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۵، طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لاتظلموا

الالا يحل مال امرئ مسلم الابطيب نفس منه.

لمافی الدرالمختار:(۲/۲۴۰،طبع سعید)

وبالتخاذطعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله عليه السلام اصنعوا الخ وكذافی فتح القديرومثله فی اعلاء السنن:(۸-۱/ ۲۱۷،طبع دارلكتب بيروت)

ولمافی البحرالرائق:(۲/۱۹۲طبع سعید)

ولاباس بالجلوس اليهاثلاثامن غيرارتكاب محظورمن فرش البسط والاطعمة من اهل البيت لانهاتتخذعندالسرورولاباس بان يتخذلاهل الميت اه وفی الخانية وان اتخذولی الميت طعاماللفقراء كان حسنااذاكانوابالغين وان كان فی الورثة صغيرلم يتخذذلک من التركة.

ولمافی الشامی:(۲/۱۴۸طبع امدادیه)

قال:مطلب فی كراهة الضيافة من اهل الميت:قال ايضا:ويكره اتخاذالضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فی السرورلافی الشروروهی بدعة مستقبحة وروی الامام احمدوابن ماجه باسنادصحيح عن جريربن عبدالله قال "كنانعدالاجتماع الی اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة.

ولمافی البزازية:(۱/۸۳،طبع قدیمی)

ويكره اتخاذالطعام فی يوم الاول والثالث وبعدالاسبوع والأعياد ونقل الطعام الی القبرفی المواسم واتخاذالدعوةبقراءةالقران وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام اوالاخلاص.

ولمافی الهندية:(۱/۱۶۷طبع رشیدیه)

ولا يباح اتخاذالضيافة عندثلاثةايام كذافی التاتارخانية.

ولمافی الخانيةعلی هامش الهندية:(۲/۲۰۵طبع رشیدیه)

ولاباس بان يكون حمل الطعام الی اهل المصيبةوهوفی اليوم الاول غيرمكروه وفی اليوم الثانی مكروه اذااجتمعت النياحة لانه اعانة لهم علی الاثم والعدوان.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم:عبدالوہاب لقمانی

۱۴رجب المرجب ۱۴۳۱ھ	فتوی نمبر:

﴿میت کے گھر دعوت طعام کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میت کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں بعض لوگ تین دن کے بعد ایک اجتماع کرتے ہیں اور اس کو قل خوانی کا نام

دیتے ہیں اور ایسا ہی سات دن گذرنے کے بعد اور بعض چالیس دن کے بعد بھی کرتے ہیں اور پھر میت والوں کی طرف سے ایک دعوت ہوتی ہے تو کیا شرعاً اسکا کوئی جواز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی مسلمان کی فوتگی غم اور پریشانی کا باعث ہے شریعت نے ایسے موقع پر تعزیت کا حکم دیا ہے مذکورہ رسم ورواج بجائے غم اور سوگ کے خوشی کا منظر پیش کررہا ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا ضروری ہے۔

البتہ ایصال ثواب کیلئے غرباء ومساکین کیلئے کھانے کا انتظام کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ بالغ ورثاء اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنے مال سے اس کا انتظام کریں اور اس کیلئے خاص مثلاً سوم، چالیسواں، وغیرہ ضروری نہ سمجھا جائے جن علاقوں میں باقاعدہ یہ رسم چلی آرہی ہے ایسے علاقوں میں کھانے کا انتظام نہیں کرنا چاہیے بجائے کھانے کے ایصال ثواب کے دیگر طریقوں کو اپنانا چاہیے جہاں رواج بن جاتا ہے وہاں عبادت وثواب کا پہلو مغلوب ہوجاتا ہے دکھلاوا نام ونمود کا اندیشہ قوی رہتا ہے اس لئے ایسے کاموں سے بچنا چاہیے۔

لمافی البحر الرائق:(۱۹۲/۲،طبع سعید)

ولاباس بالجلوس اليها ثلاثا من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والاطعمة من اهل البيت لانها تتخذ عند السرور ولاباس بان يتخذ لاهل الميت اه وفى الخانية وان اتخذولي الميت طعاما للفقراء كان حسنا اذا كانوا ابالغين وان كان فى الورثة صغيرلم يتخذذلك من التركة.

ولمافی الشامی:(۱۴۷/۲،طبع امدادیہ)

قال:مطلب فى كراهة الضيافة من اهل الميت:قال ايضا:ويكره اتخاذ الضيافة من طعام اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة وروى الامام احمدوابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال "كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وضعهم الطعام من النياحة" وفى البزازية ويكره اتخاذ الطعام فى يوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل طعام الى القبر فى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام اوالاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القران لأجل الأكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وان اتخذ طعام للفقراء كان حسنا.كذافى فتاوى التاتارخانية:(۲۴۲/۵،طبع قديمى)

ولمافى العالمگيرية:(۱۶۷/۱،طبع رشيديه)

ولايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام كذافى التاتارخانية وفيه ايضا:قيل الطعام الى

صاحب المصيبة والاكل معهم فى اليوم الاول جائز لشغلهم بالجهاز وبعده يكره.

ولما فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:(٢٠٥/٢،كتاب الحضر والاباحة طبع رشيديه)
ولا باس بان يكون حمل الطعام الى اهل المصيبة وعوفى اليوم الاول غير مكروه
وفى اليوم الثانى مكروه اذا اجتمعت النياحة لانه اعانة لهم على الاثم والعدوان

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۵

﴿تیجہ، دسواں، چالیسواں سنت سے ثابت نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے خاندان میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی میت ہو جائے تو اسکا تیجہ، چوتھا، دسواں چالیسواں اور برسی مناتے ہیں اور اس موقع پر قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کراتے ہیں اور کھانے بھی پکاتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور میری ایک سہیلی کہتی ہے کہ یہ کھانا حرام ہے اور یہ رواج بھی بدعت ہے از روئے شریعت مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ مستفتیہ: ایک سائلہ

﴿جواب﴾ ایصال ثواب حق ہے علماء احناف کا متفقہ عقیدہ ہے کہ میت کو نفلی عبادات خواہ بدنی ہو یا مالی کا ثواب پہنچتا ہے لیکن ایصال ثواب کیلئے کسی دن یا وقت کو خاص کرنا یا ایک خاص طریقہ کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے اور بدعت کے زمرے میں داخل ہے۔

آج کل ہر علاقے اور ہر برادری کا اس سے متعلق خاص رسم ورواج ہے اس کی پابندی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے اور ایصال ثواب کو انہی رائج طریقوں میں منحصر جانتے ہیں حالانکہ یہ خالص آباء واجداد کے رائج کردہ طریقے ہیں ان رائج طریقوں سے ہٹ کر سادگی کیساتھ اجتماعی اور بلاوے کے بغیر اگر ایصال ثواب کیا جائے تلاوت کے ذریعے ہو یا غریبوں میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کئے جائیں انفرادی طور پر نفل ذکر دعا وغیرہ سے ایصال ثواب کرے تو شرعاً محبوب ہے اور امید ہے کہ اس سے میت کو بڑا نفع ہوگا، البتہ مذکورہ رسم ورواج کے تحت اگر کسی نے کھانے کا اہتمام کر لیا تو غلط ہے اور ثواب پہنچنے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا لیکن کھانے کو حرام کہنا مشکل ہے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے صحیح طریقہ سے استعمال میں لانا چاہیئے عام مسلمانوں کیلئے حلال اور جائز ہے، ہاں کوئی مقتداء شخص ہو لوگ اس کو دیکھ کر

اس عمل کو شرعی عمل سمجھتے ہوں تو ایسے شخص کو اجتماعی کھانے میں شرکت کرنے سے گریز کرنا چاہئے تاکہ اس کے عمل سے غلط کام کی تائید نہ ہو۔

لمافی مجموعة الفتاوی علی هامش الخلاصة:(۱/۱۹۵،طبع رشیدیه)

این طور مخصوص نه درزمان آنحضرت ﷺ بودونه درزمانه خلفاء بلکه وجودآن درقرون ثلثه که مشهودلها بالخیراند منقول نشده اگر کسی این طور مخصوص بعمل آورد آں طعام حرام نمی شود وبخوردنش مضائقه نیست واین راضروری دانستن مذموم است وبهتر آں است که هرچه خواهنده خوانده ثواب آں بمیت برسانند وطعام رابنیت تصدق بفقراء خورانند وثوابش نیز باموات رسانند مقرر کردن روزسوم وغیره بالتخصیص واوراضروری انکاشتن درشریعت محمدیه ثابت نیست

ولمافی الهندیة:(۱/۱۶۷،طبع رشیدیه)

ولایباح اتخاذالضیافة عندثلاثة ایام کذافی التاتارخانیة.

ولمافی الشامی :(۲/۱۴۸،طبع امدادیه)

وفی البزازیة :یکره اتخاذالطعام فی الیوم الاول والثالث وبعدالاسبوع ونقل الطعام الی القبرفی المواسم واتخاذالدعوة لقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأة سورة الانعام اوالاخلاص .

والحاصل ان اتخاذالطعام عندقراءة القرآن لاجل الاکل یکره وفیهامن کتاب الاستحسان:وان اتخذطعاماللفقراء کان حسناًاه واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلهاللسمعة والریاء فیحترزعنهالانهم لایریدون بهاوجه الله تعالی اه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :محمد حسین

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر:۱۰۱۳

﴿جنازہ کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب لوگ میت کو اٹھا کر چلتے ہیں تو زور زور سے کہتے ہیں کلمہ شہادت تو اس پر لوگ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور اسی طرح اس بات کا بھی خوب اہتمام کرتے ہیں کہ میت کے پاؤں قبلہ کی طرف نہ ہوں کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان لے جاتے وقت کلمہ شہادت کے نعرے بلند کرنا اور زور زور سے کلمہ شہادت پڑھنا خلاف سنت طریقہ ہے اس طرح کرنے سے جلوس کی

صورت بن جاتی ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ ادب واحترام اوز خاموشی کے ساتھ جنازہ کو اٹھایا جائے مرحوم کیلئے دل دل میں مغفرت اور آنے والی منازل میں آسانی کی دعا کی جائے، جنازہ کی چارپائی کے پائے قبلہ کی طرف ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں سرہانا آگے کی طرف ہونا چاہیئے یعنی لے جاتے وقت چارپائی کا سرہانا اس جانب رہے جس طرف کو لے جارہے ہیں۔

لمافی فتح القدیر:(۱۲۳/۲،طبع رشیدیہ)

ویکرہ لمشیعها رفع الصوت بالذکر والقراءة ویذکر فی نفسه.

ولمافی الشامی:(۱۳۶/۳،طبع امدادیہ)

کره فیها رفع الصوت بذکر او قراءة قال:قیل تحریما وقیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة وفیه عنها:ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه لقوله تعالی (انه لایحب المعتدین) ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفرالله لکم.

ولمافی العالمگیریة:(۱۶۲/۱،طبع رشیدیہ)

وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کمافی المضمرات.

ولمافی التاتار خانیة:(۱۱۵/۲،طبع قدیمی)

وفی حال المشی بالجنازة یقدم الراس.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصوب:خضر حیات کمالوی

۱۹محرم الحرام ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر:۶۴۰

﴿مسجد کا مینار بدعت نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر اذان سے قبل صلاۃ وسلام بدعت ہے تو مسجد کا مینار بھی بدعت ہے کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ مسجد میں مینار بنانے کا رواج خیرالقرون سے چلا آرہا ہے،البتہ فرق اتنا ضرور ہے کہ اس وقت مینار میں اذان دیجاتی تھی اور آجکل مینار میں لاؤڈ سپیکر رکھے جاتے ہیں نیز یہ مسجد کی علامت ہے،اس لئے اس کو بدعت کہنا مشکل ہے مزید یہ کہ خلیفہ راشد حضرت

عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے چاروں میناروں کی تعمیر کرائی اور آج بھی مسجد نبوی اور مسجد حرام کے مینار قائم ہیں ایسا عمل جو کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصا خلفاء راشدین سے ثابت ہے اسکو کوئی بھی بدعت قرار نہیں دے سکتا مسجد کے مینار کو اذان سے قبل صلاۃ وسلام پر قیاس کرنا جہالت ہے۔

لما فی وفاء الوفا:(۵۲۶/۲،طبع دار احیاء التراث العربی)

وروی ابن زبالة ویحیی من طریقه عن محمد بن عمار عن جده قال جعل عمر بن عبد العزیزؒ لمسجد رسول ﷺ حین بناه اربع منارات فی کل زاویة منه منارة.

ولما فی قاضیخان علی هامش الهندیة:(۲۹۱/۳،طبع رشیدیه)

عن ابی بکر البلخیؒ انه سئل عن الوقف علی المسجد أیجوز لهم ان یبنوا منارة من غلة المسجد قال ان کان ذالک من مصلحة المسجد بان کان اسمع لهم فلا بأس به وان کان بحال یسمع الجیران الاذان بغیر منارة فلا أری لهم أن یفعلوا ذالک.

ولما فی الهندیة:(۴۶۲/۲،طبع رشیدیه)

واما بناء منارة المسجد من غلة الوقف ان کان بناء ها مصلحة للمسجد بان یکون اسمع للقوم فلا بأس به وان لم یکن مصلحة لا یجوز بان یسمع کل اهل المسجد الاذان بغیر منارة.کذافی التمرتاشی:(۴۶۲/۲،طبع رشیدیه کوئٹه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۷۲

﴿برسی منانا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ برسی منانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس میں لوگوں کو بلا کر ایصال ثواب کیساتھ ساتھ ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے، براہ کرم اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ایصال ثواب حق ہے لیکن اس کے لئے ایام کی تخصیص یا باقاعدہ لوگوں کو بلا کر مجلس منعقد کرنا محض ایک رسم اور خلاف شرع ایجاد کردہ طریقہ ہے، ایصال ثواب کا یہ طریقہ خیر القرون میں نہ تھا اور بعد میں بھی سلف وصالحین سے ثابت نہیں ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے پسماندگان اور تعلق داروں کو چاہیئے کہ جب بھی موقع ملے تو ایصال ثواب کی نیت سے تلاوت کریں، ذکر کریں، نوافل پڑھیں یا دوسرا کوئی بھی نیکی کا کام مثلاً صدقہ وخیرات وغیرہ جن کا مرحوم کو اجر وثواب پہنچتا ہے اور عمل کرنے والے کو بھی پورا اجر ملتا ہے بشرطیکہ سنت طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے۔

برسی اسی طرح موجودہ دور میں ایصال ثواب کے رائج دیگر طریقوں میں عبادت کا پہلو برائے نام رہتا ہے، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کی طرح نمائش، نام ونمود کا پہلو غالب رہتا ہے، ان مفاسد کے علاوہ ایک نقصان یہ بھی ہے کہ لوگوں میں قرآن مجید کی تلاوت اور دیگر نفلی عبادات کی طرف رجحان کم ہوتا جارہا ہے، عام سوچ بن گئی ہے کہ سال میں ایک دن مقرر ہے بس صرف اسی روز خود اور دیگر رشتہ داروں کو بلاکر کچھ پڑھ لیں گے جس سے مرحوم کا حق ادا ہو جائے گا۔

نیز بعض علاقوں میں اس رواج کو اس قدر اہمیت دیجاتی ہے کہ خود اگر خرچہ برداشت نہ کر سکے تو اس کے لئے قرض بھی لینا پڑتا ہے ورنہ تو برادری کے لوگ لعن طعن بھی کرتے ہیں، ہمارے دین اسلام میں بڑی آسانی اور سادگی ہے، لہذا ایسے طریقوں سے بچنا ضروری ہے۔

لمافی فتح القدیر:(۱۰۲/۲،طبع رشیدیہ)

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجه باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة.

ولمافی الشامی:(۲۴۰/۲،طبع سعید)

وفی البزازیة ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الانعام او الاخلاص.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی غفرلہ

۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۱۰۵۰

﴿زکوۃ، صدقات وخیرات کیلئے ایام مخصوص کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) زکوۃ ہر مہینے دے سکتے ہیں یا کوئی خاص مہینہ

بھی ہے جس میں زیادہ ثواب ملتا ہو؟اسی طرح دیگر صدقات وخیرات وغیرہ کیلئے بھی فضیلت کے مخصوص ایام ہیں جس میں اجر وثواب زیادہ ملتا ہے یا تمام ایام برابر ہیں؟ عام طور پر رمضان المبارک میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اسی مہینہ کو زکوٰۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں۔

(۲) کیا بریلوی یا بے نمازی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ مستفتی: محمد دین صاحب

﴿جواب﴾ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہوتی ہے یعنی چاند کی وہ تاریخ جس میں آپ صاحب نصاب بنے تھے، اس تاریخ کے ایک سال گذرنے کے بعد بھی اسی تاریخ میں آپ صاحب نصاب ہیں تو اس دن آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس تاریخ کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے، البتہ ادائیگی میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے، ہاں سال یا اس سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۲۵۱، طبع سعید)

وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه عليه.

ولمافی ردالمحتار:(۲/۲۷۲ طبع سعید)

لایوخر (الزکوة) الی العام القابل لمافی البدائع عن المنتقی بالنون اذالم يؤد حتی مضی حولان فقد أساء وأثم.

زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کیلئے شریعت نے کسی خاص دن یا وقت کو متعین نہیں کیا، البتہ رمضان المبارک میں اور اسی طرح دیگر ایام مثلاً عید الفطر، عشر ذی الحجہ وغیرہ میں بھی نیک اعمال کا اجر وثواب نسبتاً زیادہ ہو جاتا ہے۔

لمافی الفقه الاسلامی:(۲/۹۱۲ طبع رشیدیه)

عن انسؓ سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ای صدقة أفضل ؟قال صدقة فی رمضان ،لأن الفقراء فيه يضعفون ويعجزون عن الكسب بسبب الصوم لأن الحسنات تضاعف فيه وتتأكد فی الايام الفاضلة كعشر ذی الحجة وايام العيد، كذافی الأماكن الشريفة كمكة والمدينة وفی الجهاد والحج وعند الأمور المهمة كالكسوف والمرض والسفر

مخصوص ایام کی فضیلت بلاشبہ اپنی جگہ ثابت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ وخیرات وغیرہ کا اہتمام صرف ان ہی ایام میں کیا جائے، مذکورہ ایام کے علاوہ اگر کسی فقیر کو سخت ضرورت درپیش ہے اور آپ کے علم میں بھی ہے پھر آپ ایام کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے زکوٰۃ وصدقات کو مؤخر کر رہے ہیں تاکہ ثواب زیادہ ملے تو یہ صدقہ وخیرات کی حکمت

کے خلاف ہے، اصل مقصود فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور خاص حالت اور موقع کی وجہ سے بسااوقات اجر وثواب مذکورہ ایام کی فضیلت سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

لما فی المتجر الرابح:(ص ۵۱۱،طبع بیروت)

قال رسول الله ﷺ ما أدخل رجل على مؤمن سرورا الا خلق الله عز وجل من ذلك السرور ملكا يعبد الله عز وجل ويوحده فاذا صار المؤمن في قبره أتاه ذلك السرور فيقول أما تعرفني؟ فيقول له من أنت؟ فيقول أنا السرور الذي أدخلتني على فلان أنا اليوم أونس وحشتك وألقنك حجتك وأثبتك بالقول الثابت، وأشهدك مشاهدك يوم القيامة وأشفع لك الى ربك وأريك منزلك من الجنة

ولما فی رد المحتار:(۱۲۱/۲،طبع سعید)

فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل　　واذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي ﷺ فقد يكون اكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط

بریلوی یا بے نمازی مسلمان ہیں، لہٰذا اگر وہ غریب محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، البتہ متقی اور نمازیوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے۔

لما فی الهداية:(۲۲۱/۱،طبع رحمانیه)

قال الأصل فيه قوله تعالى:انما الصدقات للفقراء والمساكين ... الخ.والفقير من له أدنى شيء والمسكين من لاشيء له.

ولما فی الشامی:(۳۵۳/۲،طبع امدادیه)

(أو الى طالب علم)وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل اى من الجاهل الفقير أو الى الزهاد.

ولما فی جامع الترمذی:(۶۲/۲،طبع دار القرآن)

عن أبي سعيد أنه سمع رسول الله ﷺ يقول لاتصاحب الامؤمناً ولاياكل طعامك الاتقي.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین چترالی

۱۲جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۸۸۲

ایجاب وقبول تین دفعہ کرنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح پڑھنے کے بعد ہمارا امام محلہ ایجاب وقبول تین دفعہ دہراتا ہے اور ایک عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ بھی کافی ہے

آپ حضرات سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ ایجاب وقبول تین دفعہ دہرانا ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: نثار احمد مردانی

﴿جواب﴾ نکاح عبارت ہے ایجاب وقبول اسکا رکن ہے جو کہ صرف ایک بار ایجاب وقبول کرنے سے یہ رکن پورا ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ لغو اور بیکار ہے جہاں ایک سے زیادہ مرتبہ بولنا رائج ہے اور ایک بار بولنے کو لوگ ناکافی سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں بدعت ہے واجب الترک ہے، اس طریقہ کو اختیار کرنے والا بدعت کا مرتکب ہے لیکن نکاح بہر صورت ہو جاتا ہے۔

لما فی الدر:(۶۸/۴-۶۹ طبع امدادیہ)

(وینعقد)ملتبسا(بایجاب) من احدهما(وقبول من الاخر (کزوجت) نفسی اوبنتی او موکلتی منک (و)یقول الاخر(تزوجت) وینعقدایضا وفی الشامیة: قوله (وینعقد) قال فی شرح الوقایة العقدربط اجزاء التصرف،ای الایجاب والقبول شرعالکن هناأریدبالعقد الحاصل بالمصدروهوالارتباط لکن النکاح الایجاب والقبول مع ذلک الارتباط انماقلنا هذالان الشرع یعتبرالایجاب والقبول ارکان عقدالنکاح لا امورا خارجیة کالشرائط الخ

ولما ایضا فی الدر:(۲۹۹/۲ طبع امدادیہ)

(ومبتدع)ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لابمعاندة بل بنوع شبهة، وفی الشامیة:عزاهذاالتعریف فی هامش الخزائن الی الحافظ ابن حجرفی شرح النخبة..... وحینئذفیساوی تعریف الشمنی لهابانهاماحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول ﷺ من علم اوعمل اوحال بنوع شبهة واستحسان وجعل دیناقویماوصراطامستقیما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۵۲۵

﴿حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مروجہ حیلہ اسقاط سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بعض کتب فقہ میں حیلہ اسقاط کو کچھ شرائط کیساتھ اگرچہ جائز قرار دیا ہے لیکن موجودہ دور میں ان شرائط کی کوئی رعایت نہیں ہوتی، اس لئے جائز نہیں ہے، شرعی احکامات سے

لاپرواہی برتنا امت میں عام ہے حیلہ اسقاط میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ لوگ اخروی نجات کے لئے نماز، روزہ، زکوۃ و حج وغیرہ کو زیادہ اہمیت نہ دیں اس لئے کہ حیلہ اسقاط کو خلاصی کا دوسرا راستہ سمجھیں گے، فقہاء کرام نے صرف احتیاط کے درجہ میں اسکا ذکر کیا ہے اور وہ بھی کئی شرائط کے ساتھ اس دور میں نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکامات سے لاپرواہی برتنا مسلمانوں میں عام ہے احتیاط کا کوئی پہلو نہ رہا۔

لما فی منۃ الجلیل رسائل ابن عابدین:(ص ۲۱۱، طبع عثمانیہ)

فیستقرض الولی قیمتہا ویدفعہا للفقیر ثم یستوہبہا منہ ویتسلمہا منہ لتتم الھبۃ ثم یدفعہا لذالک الفقیر ۔ لیس فیہم غنی ولا عبد ولا صبی ولا مجنون ثم بحسب سن المیت فیطرح منہ اثنتی عشرۃ سنۃ لمدۃ بلوغہ ان کان المیت ذکرا ۔ فان لم یوقف علیہ قصد الی الزیادۃ لان ذالک احوط.

ولما فی منۃ الجلیل رسائل ابن عابدین:(ص ۲۲۵، طبع عثمانیہ)

ویجب الاحتراز من ان یدبرھا اجنبی الا بوکالۃ کما ذکرنا او ان یکون الوصی ۔۔۔ بل یجب ان یدفعہا عازما علی تملیکہا منہ حقیقۃ لاتحیلا ملاحظا ان الفقیر اذا ابی عن ھبتہا الی الوصی کان لہ ذالک ولا یجبر علی الھبۃ.

ولما فی الشامی:(۵۳۲/۲، طبع امدادیہ)

ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ بترک ما وجب علیہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۶۶۱

﴿مروجہ حیلہ اسقاط کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں اس طرح ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد بعض لوگ دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اہل میت قرآن مجید، گندم، نمک اور کچھ پیسے لیکر آتے ہیں۔ اور یہ لوگ آپس میں اس کی بخشش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ میت کی نمازوں اور روزوں اور دیگر اعمال کے کفارہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسا کرنے کے بعد دو تین آدمی اٹھ کر ان چیزوں کو آپس میں

تقسیم کر لیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ لوگ جواز کے لئے کچھ کتب کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ برائے کرم آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: مفتی عبدالرب زروبی

﴿جواب﴾ مروجہ حیلہ اسقاط بدعت اور ناجائز ہے۔ متاخرین نے ضرورت کی بناء پر حیلہ اسقاط کے جواز کا جو فتویٰ دیا ہے۔ اس حیلہ میں اور مروجہ حیلہ اسقاط میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ متاخرین کی کتب میں جو حیلہ درج ہے وہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی مر جائے اور اسکے ذمہ کچھ نمازیں اور روزیں ہوں اور اس کے ترکہ کے ثلث مال سے نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو یا عدم وصیت کی صورت میں ولی تبرعاً ادا کرنا چاہے تو اس وقت اس حیلہ کی گنجائش ہے۔

جس کا طریقہ یہ ہے کہ ولی میت کسی فقیر کو نقدی یا گندم کا مالک بنائے اور وہ فقیر اپنی مرضی سے مالک کو وہ جنس واپس ہدیہ دے دے یا کسی اور کو دے دے اور وہ ولی میت کو ہدیہ دے اور اگر فقیر واپس نہ کرنا چاہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے اسی طرح متعدد بار کیا جائے یہاں تک کہ میت کے روزوں اور نمازوں کے بقدر ہو جائے۔ اب اس کے مقابلہ میں مروجہ حیلہ اسقاط بالکل مختلف ہے کیونکہ مذکورہ حیلہ میت کی غربت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ میت غریب تھا اس کے ترکہ کا ثلث مال فدیہ کیلئے کافی نہیں ہے۔

(ا) بلکہ ہر شخص کا کیا جاتا ہے چاہے غریب ہو یا امیر ہو یہاں تک کہ میت کے ذمہ نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہو یا نہ ہو بس ایک رواج کے تحت اس کا التزام کیا جاتا ہے جو کہ شریعت کے مزاج سے بالکل ہٹ کر ہے۔

(ب) یہ مروجہ حیلہ اسقاط غریب اور امیر کے اعتبار سے کیا جاتا ہے میت اگر امیر ہے اتنی رقم بھی زیادہ ہوتی ہے نہ کہ فدیہ کی مقدار۔

(ج) دائرہ حیلہ اسقاط میں عموماً اس طرح دیکھنے کو ملا ہے کہ غیر مستحق لوگ بھی بیٹھتے ہیں۔ اگر بالفرض سارے مستحق ہوں بھی لیکن ان کو کما حقہ مالک نہیں بنایا جاتا لینے والا جانتا ہے کہ صرف برائے نام دیا جاتا ہے اور دینے والا بھی واپس لینے کے ارادہ سے دیتا ہے۔ اگر

بالفرض حیلہ تسلیم بھی کیا جائے تو فدیہ کی مقدار کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ ایک یا دو دفعہ گھمانے کے بعد تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ اگر واقعتاً کسی شخص کے حیلے کی ضرورت ہی پڑگئی ہو تو کیا جنازہ کے متصل سب لوگوں کے سامنے حیلہ کرنا کوئی ضروری ہے تا کہ سب لوگ دیکھے کہ اس شخص نے نمازیں نہیں پڑھی اور روزے نہیں رکھے حالانکہ یہ اظہار علی المعصیۃ ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے نیز مروجہ حیلہ اسقاط میں وصیت اور عدم وصیت کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

مذکورہ وجوہ کی بناء پر مروجہ حیلہ اس حیلہ سے جو مذکور فی کتب المتاخرین ہے قطعاً مختلف ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار: (۷۲/۲، طبع سعید)

(ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم .وانما يعطى (من ثلث ماله) ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير ثم وثم حتى يتم.(وقوله ولو لم يترك مالا)أى اصلا أو كان ما أوصى به لايفي زاده في الامداد أولم يوص بشيء وأراد الولي التبرع واشار بالتبرع الى ذلك ليس بواجب على الولي.

ولما فی الهندیه: (۱۲۵/۱ طبع رشیدیه)

واذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بان تعطى كفارة صلوته يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم نصف صاع ويدفع الى مسكين ثم يتصدق المسكين الى بعض ورثته ثم يتصدق ثم وثم حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا ... وان لم يوص لورثته وتبرع بعض ورثه يجوز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۴۱

ختم قرآن کے موقع پر چندے کی رقم سے کھانا کھلانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں رمضان المبارک کے دوران ختم قرآن کے موقع پر ایک دینی تقریب منعقد کیجاتی ہے جس کیلئے اہل مسجد میں حسب استطاعت جبر کئے بغیر چندے کا اعلان کرتے ہیں پھر جمع شدہ رقم سے چاول وغیرہ پکانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس تقریب میں علماء کرام اور قراء حضرات اور قریبی اہل مسجد والوں کو مدعو کیا جاتا ہے اسکے بعد پروگرام میں تلاوت، بیانات وغیرہ ہوتے ہیں اور

پروگرام کے اختتام پر حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اسطرح چندہ کر کے تقریب منعقد کرانا درست ہے؟ شرعا اسکی کیا حیثیت ہے؟

واضح رہے کہ یہ لوگ نہ اسکو سنت سمجھ کر کرنے کے عادی ہیں بلکہ محض ختم قرآن کے موقع کو سعادت سمجھ کر اپنی خوشی کا قدرے اظہار کرتے ہیں، نیز اس پروگرام میں حافظ صاحب کی بھی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اگر اعلان کئے بغیر کوئی اپنی طرف سے خوشی سے مٹھائی وغیرہ منگوا کر تقسیم کرے تو کوئی حرج نہیں، البتہ ایسے موقع پر مسجد کے آداب کی خصوصی رعایت رکھی جائے لیکن باقاعدہ چندہ کیلئے لوگوں کے پاس جانا درست نہیں کیونکہ عموما لوگ شرم کے مارے طیب نفس کے بغیر چندہ دے دیتے ہیں، جسکو شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔

لمافی المشکوۃ:(۲۵۵/۱،طبع سعید)

لایحل مال امرء ی الا بطیب نفس منہ.وکذافی فتاوی محمودیہ:(۲۴/۱-۲۵،طبع مظہری)وایضافی تالیفات رشیدیۃ:(ص۴۲۲،طبع ادارۃ الاسلامیۃ لاہور)وایضافی فتاوی رحیمیہ:(۲۵۹/۱،طبع دارالاشاعت)وایضافی فتاوی حقانیہ:(۸۱/۲-۸۲)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۶ المحرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۱۱۶

﴿فوتگی کے ایام میں ایصال ثواب کی خاطر کھانا کھلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کسی کے ہاں فوتگی ہو جائے تو میت کے ورثاء پہلے دن چاول پکا کر نماز جنازہ کے بعد لوگوں کو کھلاتے ہیں ایسے صدقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ فوتگی کے شروع کے تین روز سوگ اور غم کے دن ہیں شریعت مطہرہ ان دنوں میں دیگر مسلمانوں خصوصا پڑوسیوں کو سفارش کرتی ہے کہ اہل میت کے کھانے کا انتظام کریں آپکے علاقے میں خود اہل میت اگر پہلے روز چاول وغیرہ پکا کر لوگوں کو ایصال ثواب کی غرض سے کھلاتے ہیں تو اس سے شریعت کا مذکورہ بالا حکم بے معنی ہو جاتا ہے کہ اہل میت کے کھانے کا انتظام دیگر لوگ کریں اور یہ لوگ عام لوگوں کے کھانے کا انتظام کریں ایصال ثواب حق ہے اور

اسکی مختلف صورتیں ہیں کھانا کھلانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ بیواؤں یتیم بچوں اور غریبوں کی مدد کریں یا ذکر و تسبیح نماز، روزہ کا ایصال ثواب کریں کھانا کھلانے کی صورت میں دکھلاوے کا جذبہ اگر شامل ہوا تو بیکار ہوجائیگا، نیز اسکے لئے شروع کے دنوں کو خاص کردینے سے آہستہ آہستہ لوگ میت کا واجب حق تصور کرینگے اور اسکا اہتمام نہ کرنے والوں پر ناراضگی کا اظہار کریں گے اس طرح کی رسومات سے بے شمار مفاسد پیدا ہوجاتے ہیں علاقہ کے علماء کو چاہئے کہ اس رسم کو جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔

ولما فی الشامی:(۲/۱۴۸،طبع امدادیہ)

(وباتخاذ طعام لهم) قال فی الفتح ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله ﷺ اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم مایشغلهم،، حسنه الترمذی وصححه الحاکم ولانه بر ومعروف ویلح علیهم فی الاکل لان الحزن یمنعهم من ذلک فیضعفون...... ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة وروی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبد الله قال کنانعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة،اه وفی البزازیة:ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم..... وفیهامن کتاب الاستحسان:وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اه واطال فی ذالک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لایریدون بها وجه الله تعالی اه ..... ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذالک غالبا من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع..... واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة علی الذکر وقراءة القرآن وغیر ذالک مما هو مشاهد فی هذه الازمان وما کان کذالک فلا شک فی حرمته وبطلان الوصیة به ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.هکذا فی مراقی الفلاح:(ص۲۲۲،طبع قدیمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر ۱۹۱۶

﴿قبروں کو بوسہ دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

عبداللہ یہ کہتا ہے کہ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے، اوراس میں اس قبر والے یعنی میت سے اظہار عقیدت ومحبت ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا عبداللہ کا یہ قول صحیح ہے؟ مستفتی: ناصر حسین

﴿جواب﴾ عبداللہ کا یہ کہنا کہ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے اوراس میں اس قبر والے سے اظہار عقیدت ومحبت ہے صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ عقیدت ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو فائدہ پہنچائے اور نقصان سے بچائے اور قبر کو بوسہ دینے سے میت کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ ہاں ایصال ثواب سے میت کو بلاشبہ ثواب پہنچ سکتا ہے، لہذا اس عقیدے سے قبر کو بوسہ دینا یا مس کرنا کہ یہ شرعاً پسندیدہ عمل ہے بدعت ہے، اوراس سے بچنا ضروری ہے، یہ عقیدہ نہ ہو صرف جذبات کو تسکین دینے کیلئے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کرتا ہے تو بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ رہا ہے اور انکے طور طریقوں کو اپنانے سے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔

لمافی الشامی:(۱۵۲/۲، طبع امدادیہ)

ویکرہ النوم عندالقبر وقضاء الحاجة بل اولی وکل مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائما

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص ۱۲۰ طبع قدیمی)

ولا یمس القبر ولا یقبله فانه من عادة اهل الکتاب ولم یعهد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصة وتمامه فی الحلبی.

ولمافی الحلبی:(ص ۶۰۸ طبع سهیل اکیڈمی)

وفی القنیة قال ابو اللیث لایعرف وضع الید علی القبر سنة ولا مستحبا ولا نری به باسا وقال علاء الدین التاجری هکذا وجدناه من غیر نکیر من السلف وقال شرف الائمة بدعة — ولم یعهد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصة وکذافی التاتارخانیة: (۲۲۲/۲، طبع قدیمی) وکذافی الفقه الاسلامی وادلته:(۵۴۲/۲، طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم: عبدالرزاق غفرلہ

۱۰ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۱۹۲

﴿جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے آگے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض لوگ نعت

وغیرہ پڑھتے ہیں۔ برائے کرم اسکا حکم بھی بیان فرمائیں۔ مستفتی فضل ربی

﴿جواب﴾ جنازے کے ساتھ خاموشی کے ساتھ چلنے کا حکم ہے بلند آواز سے خواہ کلمہ طیبہ کا ذکر ہو منع ہے بعض تو باقاعدہ کلمہ شہادت کا نعرہ لگاتے ہیں اور جلوس کا نظارہ پیش کرتے ہیں یہ جہالت ہے ذکر منع نہیں ہے دل ہی دل میں ذکر کریں مرحوم کیلئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور اپنی موت کو یاد کریں شور مچانا عبرت حاصل کرنے کے خلاف ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۲۳۳،طبع ایچ ایم سعید)

کما کره فيها رفع صوت بذكر أو قرأة ولما في الشامية تحته وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان أراد ان يذكر الله يذكره في نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اى الجاهرين بالدعاء، وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشي معها: استغفروا له غفر الله لكم قلت: واذا كان هذا في الدعاء فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۶۸۱

﴿ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی وضیافت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق میں کہ ہمارے ہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے گھر والے ایک ضیافت کرتے ہیں جس میں ہر طرح کے آدمی یعنی امیر وغریب دونوں طبقے کے لوگ اس ضیافت میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی بھی کرتے ہیں، کیا اس قسم کی ضیافت شرعاً جائز ہے اور اس پر اجر وثواب ملے گا یا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ کی کونسی قسم ہے تحریمی یا تنزیہی؟

﴿جواب﴾ چونکہ اس قسم کی ضیافت اکثر مشترکہ ترکہ میں سے کی جاتی ہے جس میں نابالغ یا غائب کا مال بھی خرچ ہوتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر شرکاء موجود اور بالغ ہیں لیکن ان میں سے بعض اجازت نہیں دیتے یا بادل نخواستہ رواجاً اجازت دے دیتے ہیں تب بھی جائز نہیں مکروہ تحریمی اور بدعت سیئہ ہے، احناف کے علاوہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی اس قسم کی ضیافت مکروہ اور ناجائز ہے۔

رہا قرآن خوانی کا مسئلہ تو اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ شہید اسلام علامہ محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ حافظ سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک میت کو قرآن کریم کا ثواب پہنچتا ہے'' (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳) اس لئے میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنا تو بلاشبہ درست ہے لیکن اس میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اول یہ کہ جو لوگ بھی قرآن خوانی میں شریک ہوں ان کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو، اہل میت کی شرم اور دکھاوے کی وجہ سے مجبور نہ ہوں اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی نکیر نہ کی جائے بلکہ انفرادی تلاوت کو اجتماعی قرآن خوانی پر ترجیح دی جائے کہ اس میں اخلاص زیادہ ہے۔

دوم یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت صحیح کی جائے، جلدی پڑھنے کی وجہ سے غلط سلط نہ پڑھا جائے۔

سوم یہ کہ قرآن خوانی کسی معاوضہ پر نہ ہو ورنہ قرآن پڑھنے والے کو خود ثواب نہیں ہوگا میت کو کیا ثواب پہنچائیں گے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ قرآن خوانی کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء وقراء کو ختم کے لئے یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص کی قراءت کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے خلاصہ یہ نکلا کہ اجتماعی قرآن خوانی میں اگر ان امور کا لحاظ ہو تو گنجائش ہے ورنہ جائز نہیں مکروہ اور بدعت ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۲۴۰-۲۴۱،طبع سعید)

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لأنه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة. وروی الامام احمدؒ وابن ماجه باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال: (کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة)اه. وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الانعام أو الاخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأکل یکره. وفیها من کتاب الاستحسان: وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا. وأطال فی ذلک فی المعراج وقال: وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لایریدون بها وجه الله تعالی. اه وبحث هنا فی شرح المنیة بمعارضة حدیث جریر المار بحدیث آخر فیه ((أنه علیه الصلاة والسلام دعته امرأة رجل میت لما رجع من دفنه فجاء وجیء بالطعام)) أقول وفیه نظر: فانه واقعة حال لاعموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف

مافی حدیث جریر علی أنه بحث فی المنقول فی مذهبنا ومذهب غیرنا کالشافعیة والحنابلة استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراهة ولاسیما اذا کان فی الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الأفراح، وکدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة علی الذکر وقرأة القرآن، وغیر ذلک مما هو مشاهد فی هذه الأزمان، وما کان کذلک فلا شک فی حرمته وبطلان الوصیة به، ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱

﴿صاحب مزار سے بیٹا مانگنا شرک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں بعض سادہ لوح مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب کسی کا بچہ نہ ہوتو وہ فلاں بزرگ کے مزار پر جائے، رات گزارے اور اس سے دعا کرائے تو بیٹا پیدا ہو جائے گا، نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مزار کے قریب سے جوتے اتار کر اس میں داخل ہونا چاہیئے۔

اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ واپسی پر پشت مزار کی طرف نہیں ہونی چاہیئے بلکہ الٹے قدموں ادب اور احترام کے ساتھ واپس ہونا چاہیئے، مذکورہ بالا صورتوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) بزرگ کی زیارت کے لئے جانا، وہاں جا کر دعا کرنا اور ان کے لئے ایصال ثواب کرنا درست ہے ان کے توسل سے دعا مانگنا بھی جائز ہے لیکن ان بزرگوں سے اپنی مرادیں مانگنا ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا شرک ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

اس طرح اس عقیدے کے ساتھ جانا کہ فلاں ولی کے مزار پر ایک رات گزاریں گے اور ان سے دعا کروائیں گے تو بچہ ملے گا، جاہلانہ عقیدہ ہے، گویا مزار پر رات گزارنے سے بچے کا ملنا ضروری اور یقینی ہو گیا یہ بہت غلط سوچ ہے، مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے وہ مختار کل ہے چاہے کسی بزرگ سے دعا کروانے یا توسل پکڑنے پر مراد پوری کرے یا نہ کرے۔

(۲) شریعت مطہرہ نے قبروں کے معاملے میں افراط وتفریط کی اجازت نہیں دی ہے،

چنانچہ قبروں کی تعظیم میں نہ حد درجہ مبالغہ سے کام لیا جائے اور نہ ہی اہانت اور بے حرمتی کو روا رکھا جائے، احادیث مبارکہ میں قبروں پر بیٹھنے، ان کو روندنے اور ان میں گندگی پھیلانے کی ممانعت آئی ہے، اس طرح پختہ قبر بنانے، ان پر قبہ تعمیر کرنے اور رنگ وروغن کرنے کو بھی منع کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

جامع الترمذی:(۱/۱۲۵،طبع فاروقی ملتان)

ولا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليه.

آج کل مزارات کی تعظیم میں جو حد درجہ غلو ہو رہا ہے جیسے قبروں پر غلاف ڈالنا چراغ جلانا، طواف کرنا چومنا اور الٹے قدم لوٹنا سب بدعت اور ناجائز ہیں شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم و: محمد عزیز چترالی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۱

﴿صرف اردو خطبہ پر اکتفاء کرنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ جمعہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھنا کیسا ہے؟ نیز خطبہ میں فارسی اور اردو کے اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ خطبہ جمعہ عربی میں دینا ضروری ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی دوسری زبان میں خطبہ دینے سے شرط کے درجہ میں اگرچہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن جائز نہیں ہے، دوران خطبہ اردو فارسی کے اشعار پڑھنا بھی خلاف سنت اور ناجائز عمل ہے خطبہ واجب عمل ہے اس میں مسنون ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لما فی عمدۃ الرعایۃ:(۱/۲۴۲،طبع امدادیہ)

لاشك في ان الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريما وكذا قراءة الاشعار الفارسية والهندية فيها وقد فصلنا هذا المقام في رسالتنا آكام النفائس في اداء الاذكار بلسان الفارس.

ولما فی التنویر وشرحہ:(۲/۱۵۰،طبع ایچ ایم سعید)

وهل هي قائمة مقام ركعتين الاصح لا ذكره الزيلعي بل كشطر عافي الثواب وفي

[illegible] (۲۲۲/۱)

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب محمد حسن

۲۱ جمادی الثانیۃ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر ۱۵۸۹

﴿چالیسویں کی حقیقت اور اسکے متعلق چند سوالات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل چند مسائل کے بارے میں کہ۔

(۱) چالیسواں جس کو بدعت قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ (۲) اگر کوئی شخص کسی خاص دن اور خاص کیفیت کی رعایت کئے بغیر اپنی برادری والوں کو اور دیگر فقراء و مساکین کو ایصال ثواب کی غرض سے کھانا کھلادے تو اس کا وہی حکم ہوگا جس میں ایک خاص تاریخ مثلا چالیسواں ضروری سمجھنا اور دیگر مفاسد مثلا ایصال ثواب کیلئے صرف اسی کام کو ضروری سمجھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کے بغیر ایصال ثواب ہوتا ہی نہیں یا اس میں زیادہ ثواب ہے دوسرے کاموں میں کم ہے، کیا دونوں صورتوں میں فرق ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص ایصال ثواب کیلئے چالیسواں کرے اور اس کیلئے خاص چالیسواں دن ضروری سمجھتا ہو اور چالیسویں روز کا اہتمام کرے تو اس کا کھانا حلال ہے یا مکروہ اگر حرام ہے تو تیار شدہ کھانا ضائع کیا جائے یا مساکین کو کھلا دیا جائے؟ تو مساکین کیلئے جائز ہوگا؟

(۴) ایک خاص صورت کے متعلق سوال ہے وہ یہ کہ ایک مقتدی نے امام صاحب سے معلوم کیا کہ آپکے بیان کے مطابق میں چالیسواں بدعت سمجھتا ہوں لیکن گھر میں دیگر افراد کا اصرار ہے کہ چالیسواں کرینگے خصوصا والدہ صاحبہ ضعیف العمر ہیں اور انکو سمجھانا مشکل ہے اور ہم انکو ناراض نہیں کر سکتے تو اب کیا صورت اختیار کرلیں کوئی ایسی صورت بتا دیں کہ والدہ صاحبہ بھی ناراض نہ ہوں اور ہم بدعت کے ارتکاب سے بھی بچ جائیں۔

امام صاحب نے کہا کہ چالیسواں کرنا چونکہ لوگ ضروری سمجھتے ہیں اور خاص دن میں ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے کسی عمل میں ثواب نہیں سمجھتے اسلئے یہ عمل بدعت ہے اور اسکا چھوڑنا ضروری ہے، تاہم ان مخصوص حالات کے پیش نظر کہ اگر بالکل سختی سے کام لیں گے تو اس سے زیادہ قوی فتنے کا اندیشہ ہے اسلئے آپ اسطرح کریں کہ کسی خاص دن کی تعیین نہ کریں اور صرف اسی میں ثواب نہ سمجھیں بلکہ مدارس یتیموں اور بیواؤں کا بھی حصہ کریں دوسرے طریقے سے بھی ان کی مدد کریں۔

چنانچہ شخص مذکور نے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے دارالعلوم اشرف العلوم، قاسم العلوم اور علاقے کے دیگر تمام مدارس میں کھانا پہنچایا اور زندہ بکرے بھی دیئے اور دینی کتب خرید کر ایصال ثواب کیلئے ایک عالم کو دیں اور بیواؤں یتیموں اور دیگر مساکین کی مدد کی اور کسی دن کی تعیین کئے بغیر والدہ صاحبہ اور بھائیوں کے مطالبہ سے کھانا بھی برادری کے لوگوں میں اور دیگر مساکین کو کھلایا تو اس صورت کے متعلق کیا جواب ہے؟ کیا اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو چالیسویں کا ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) چالیسواں جو بدعت ہے اس سے مراد وہ کھانا ہے جو میت کے مرنے کے چالیسویں دن پکایا جاتا ہے چونکہ لوگ اس میں دوسرے ایام کے نسبت زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں اسوجہ سے یہ بدعت ہے اس کے علاوہ اس میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلاً نابالغ کی حق تلفی اور غائب ورثاء کی اجازت کے بغیر میت کے ترکے سے صدقہ کرنا وغیرہ، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

(۲) البتہ پہلی قسم جسکا سوال میں ذکر ہے، اس میں اس قسم کی خرابیاں نہیں ہیں تو اس قسم کے صدقے کرنے سے میت اور صدقہ کرنے والے دونوں کو ثواب ملتا ہے جبکہ دوسری قسم میں بدعت کیوجہ سے صدقہ کرنے والا گنہگار ہوگا یہی فرق ہے دونوں طریقوں میں۔

(۳) اگر صدقہ مال حلال سے کیا ہو تو کھانا حلال ہے فی نفسہ کھانے میں کوئی خرابی نہیں ہے، البتہ اچھا طریقہ اختیار نہ کرنے کیوجہ سے یہ کھانا فقراء و مساکین کو کھلانا چاہئے مقتداء لوگوں کو اس سے نہیں کھانا چاہئے۔

(۴) امام صاحب نے جو صورت ذکر کی ہے اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ یہ مذکورہ بدعت کے حکم میں ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کے ایصال ثواب کی خاطر جو صدقہ کیا جائے جسمیں کسی خاص دن کی تعیین اور فقط اس میں زیادہ ثواب سمجھنا اور نہ کرنے والوں پر نکیر وغیرہ کے بدعات نہ ہوں، تو اسکا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۲۴۰،طبع سعید)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی شرور وهی بدعة مستقبحة وروی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله رضی الله عنه کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة.

ولما فی البزازیة بهامش هندیة:(۴/۸۱،طبع رشیدیه)

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام فی المواسم الی القبر.

ولما فیها ایضا:(۶/۳۷۹،کتاب الاستحسان،طبع رشیدیه)

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا واطال فی ذالک فی المعراج وقال هذه کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لا یریدون بها وجه الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۲۰۰۳

﴿یا محمد ﷺ، یارسول اللہ ﷺ لکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ میں کہ میں پینٹر ہوں، میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں جو بورڈ وغیرہ پر یا اللہ جل جلالہ، یا محمد ﷺ، یارسول اللہ ﷺ الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ لکھوانے پر اصرار کرتے ہیں تو کیا میرے لئے ان کلمات کا لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟   مستفتی: عبدالرشید شاہکار پینٹر دہلی کالونی

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا الفاظ کا لکھنا اگر چہ فی نفسہ جائز ہے لیکن پاک وہند میں چونکہ یہ خاص جماعت کا شعار بن چکا ہے اور اسکے پیچھے ایک عقیدے کا اظہار بھی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہیں حالانکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے، اس لئے معذرت کرنی چاہیئے۔

لمافي البزازية بهامش الهندية:(۳۲۶/۶،طبع رشيديه)

قال العلامة ابن البزازؒ:عن هذاقال علمائنامن قال أرواح المشايخ حاضرة يكفر.

ولمافي الفقه الأكبر:(ص۲۵۳،طبع العلمية،بيروت)

ومنهاماقال العلامة ملاعلي القاريؒ:وبالجملة فالعلم بالغيب أمرتفرّدبه سبحانه ولا سبيل للعباداليه الاباعلام منه والهام بطريق المعجزة،أوالكرامة أوالارشادالى الاستدلال بالامارات فيمايمكن فيه ذلك ولهذاذكرفي الفتاوى أن قول القائل عندرؤية القمرأي دائرته يكون مطرمدعياًعلم الغيب لابعلامة كفرحكم تصديق الكاهن الخ.وكذافي الدرمع الرد:(۲۵۹/۴،طبع سعيد)

ولمافي تفسيرابن كثير:(۲۲۴/۴،طبع رشيديه)

تحت قوله تعالى ان الذين ينادون من ورآء الحجرٰت أكثرهم لايعقلون قال العلامة ابن كثيررحمه الله تعالى: وقدذكرأنهانزلت في الاقرع بن حابس التيمي فيماأورده غير واحد.قال الامام احمدفي سنده حدثناعفان،حدثناوهيب،حدثناموسى بن عقبةعن أبي سلمة بن عبد الرحمٰن عن الاقرع بن حابس رضي الله عنه انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يامحمديامحمدوفي رواية يارسول الله فلم يجبه الخ.

ولماايضا في تفسيرروح المعاني:(۱۳۹/۲۶،طبع رشيديه)

تحت قوله تبارك وتعالى:وقيل ان الذي نادى رجل واحدكماهوخبرأخرجه الترمذي وحسنه وجماعة عن البراء بن عازب،وماأخرجه أحمد وابن جريروأبوالقاسم البغوي. والطبراني وابن مردويه بسندصحيح من طريق أبي سلمة بن عبدالرحمن عن الاقرع بن حابس أنه اتى النبيﷺ فقال:يامحمداخرج اليناFلم يجبه عليه الصلاة والسلام.

والله اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن کوئٹہ　　　الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۸۷۸　　　۱۴۳۲ھ

﴿دفن کے بعد قبر کے پاس اجتماعی دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مردے کو دفنانے کے بعد عند القبر ایصال ثواب اور اجتماعی دعاء کا ثبوت ہے یا نہیں؟　　مستفتی: آصف محمود بلدیہ کراچی

﴿جواب﴾ میت کو دفنانے سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس اجتماعی دعاء مانگنا بلاشبہ جائز اور احادیث سے ثابت ہے بلکہ دعاء بھی ایصال ثواب کی ایک صورت ہے تو اس نوعیت کی

حد تک ایصال ثواب جائز ہے لیکن اس کے لیئے مروجہ طریقہ کے مطابق باقاعدہ تقریب منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ابوداود کی روایت ہے: (۲/۱۰۵، طبع رحمانیہ)

عن عثمان بن عفان رضی الله عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم واسالوا الله له التثبیت فانه الآن یسئل

جب آنحضرت ﷺ کسی میت کی دفن سے فارغ ہو جاتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیئے ثابت قدمی کی دعا کرو اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ ابوداود کی مندرجہ بالا روایت کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کفایت المفتی: (۴/۵۹، طبع)

"ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا فرماتے تھے"۔

کیونکہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر اور توقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت اور مغفرت کے لیئے خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم فرماتے تھے کیونکہ "فانه الآن یسئل" اسکا قرینہ ہے پس تھوڑی دیر سب کا توقف کرنا اور حاضرین کو اسی وقت دعا اور استغفار کا حکم فرمانا اور سب کا موجود ہونا اور اس وقت کا وقت قرب سوال نکیرین کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب حاضرین کی دعا ایک وقت میں اجتماعا ہوتی تھی اور یہی معمول و متوارث ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اجتماع جو حدیث سے ثابت ہے، اجتماع قصد اللدعا یہ بھی نہیں ہے بلکہ اجتماع قصدی دفن کے لئے ہے اگرچہ بسبب امور متذکرہ بالا وقت دعا بھی اجتماعی طور پر ہوگئی۔

لمافی مشکوۃ المصابیح: (ص ۱۴۹، طبع قدیمی)

عن عمرو بن العاص قال لابنه وهو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی (رواه مسلم)

ولمافی المرقاۃ: (۲/۱۲۲، طبع رشیدیه)

(حتی استانس بکم) ای بدعائکم واذکارکم وقرائتکم واستغفارکم.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۶۶،طبع رشیدیہ)

ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعۃ عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا ویتلون القرآن ویدعون للمیت کذا فی الجوھرۃ النیرۃ

ولما فی الدر مع الرد:(۲/۲۳۷،طبع سعید)

وجلوس ساعۃ بعد دفنہ للدعاء بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ لما فی سنن ابی داود کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسال اللہ لہ التثبیت فانہ الآن یسئل

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ | فتویٰ نمبر:۲۵۴۶

﴿مزاروں پر غیر شرعی امور کے ارتکاب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے چند رشتہ دار ہر سال ایک متعین تاریخ پر مزاروں پر جاتے ہیں وہاں پر مندرجہ ذیل کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں قبر والے سے اپنی مراد طلب کرنا قبر پر چادر چڑھانا اور مزار والے کے نام پر دیگ چڑھانا۔ ازروئے شرع اسکی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: عادل حسین ڈی ایچ اے کراچی

﴿جواب﴾ شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط وتفریط کو روا نہیں رکھا چنانچہ جہاں انکی بے حرمتی سے منع فرمایا ہے، انکی تعظیم میں مبالغہ وغلو کرنے سے بھی، مذکورہ بالا امور میں چونکہ انکی تعظیم میں حد سے زیادہ مبالغہ اور غلو ہے اسلئے ان امور سے بچنا ضروری ہے۔

(۱) قبر والے کو مؤثر حقیقی سمجھ کر کوئی مراد طلب کرے تو یہ شرک ہے "ایاک نستعین" اقرار کے منافی ہے اور محض سفارشی سمجھ کر بطور وسیلہ اس سے مراد پوری کرنے کی کوئی دعا کرے تو یہ شرک اگرچہ نہیں ہے لیکن شرک اور کبیرہ گناہوں کی طرف مفضی ضرور ہے، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۲) قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں یہ بھی حد سے زیادہ انکی تعظیم ہے جو کہ منع ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ، وتابعینؒ اور ائمہ ہدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔

لما فی رد المحتار (۴۲۸/۲، طبع سعید)

"فی الاحکام عن الحجۃ تکرہ السفرۃ علی القبور"

(۳) قبر والے کے نام پر دیگ چڑھانا یا منت ماننا ہرگز جائز نہیں، اسلئے کہ نذر و منت ماننا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، ہاں ایصال ثواب کی غرض سے فقراء میں تقسیم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اصل عمل اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر ہو اور ثواب قبر والوں کو پہنچانا مقصود ہو تو یہ صورت جائز ہے۔

لما فی الدر المختار: (۴۳۹/۲-۴۴۰، طبع ایچ ایم سعید)

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوہا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفہا للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک لا سیما فی ہذہ الاعصار وقد بسطہ العلامۃ قاسم فی درر البحار.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ
فتویٰ نمبر: ۷۴۳

﴿جمعہ کی نماز کے بعد ذکر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا عین عبادت ہے اور ہر حال میں کرنا چاہیئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد درود وسلام کے بجائے اسپیکر پر رب تعالیٰ کا ذکر اجتماعی شروع کر دیں تو کیا یہ بھی بدعت کے دائرہ میں آتا ہے؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: عبد العزیز سنہری مسجد

﴿جواب﴾ نماز کے اوقات میں جب لوگ نماز میں مشغول ہوں مسجد میں بلند آواز سے ذکر درود شریف اور تلاوت وغیرہ سب منع ہیں، اس سے نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے بلکہ نماز میں خلل آنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے جبکہ درود شریف ذکر تلاوت وغیرہ کوئی آہستہ کرے تب بھی پورا بلکہ جہر سے زیادہ ثواب ملتا ہے جمعہ کے بعد بھی کوئی درود وسلام پڑھے خواہ اجتماعی طور پر یہ عمل کرے تو بلاشبہ باعث اجر وبرکت ہے لیکن عبادت کے طرز پر ہو نمود ونمائش کے طرز پر نہ ہو،

لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے میں عبادت کا طرز باقی نہیں رہتا اسکے علاوہ محلے میں رہائشی لوگوں کیلئے تشویش کا بھی باعث ہوتا ہے، اس لیے منع ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۱/۳۶۱،طبع قدیمی)

قال لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولاتختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الاان يكون فى صوم يصوم احدكم.

ولمافی البحر الرائق:(۲/۱۵۹،طبع سعید کمپنی)

اذلايمنع من ذكر الله بسائر الالفاظ فى شئى من الاوقات بل من ايقاعه على وجه البدعة،فقال ابوحنيفة رفع الصوت بالذكر بدعة... ذكر الله تعالى اذاقصدبه التخصيص بوقت دون وقت اوبشئى دون شئى لم يكن مشروعا حيث لم يردالشرع به لانه خلاف المشروع.

ولمافی الشامی:(۶/۳۹۸،طبع سعید کمپنی)

عن فتاوى القاضى انه حرام لما صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبى ﷺ جهرا وقال لهم (مااراكم الامبتدعين)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　فتویٰ نمبر: ۲۶۱۷

﴿رسومات محرم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ محرم کی پہلی تاریخ سے صفر کی دس تاریخ تک کوئی بھی دن مقرر کر کے شربت اور حلیم کی محفل منعقد کرتے ہیں اور اس عمل میں لوگوں کے دو طرح کے نظریے ہیں:

(۱) بعض کہتے ہیں کسی صحابی یا تابعی کی نیاز ہے انکے نام کی ہے یا کسی ولی یا بزرگ کی نیاز ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ بس ایسے ہی بنالیا یا اللہ کے نام پر بنایا ہے لیکن انکی مجلس میں اور اوپر والوں کی مجلس میں کوئی بھی مستحق نہیں ہوتا بلکہ دوست احباب عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کو دعوت دی جاتی ہے کھانے والے عموماً فقراء و مساکین نہیں ہوتے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ تمام معاملات ان دنوں میں کرنا اور اس حلیم اور شربت کا کھانا پینا شریعت کی رو سے کیسا ہے جبکہ ان دنوں اہل تشیع کا بھی یہی معمول ہوتا ہے اور سنی بھائی بھی اسمیں مشغول رہتے ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ہم مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اللہ کی رضا کے لیے صدقہ وخیرات فقراء پر کرنا بہترین عمل ہے جسمیں دن اور وقت کی کوئی تعیین نہیں اللہ توفیق دے تو پورا سال کریں۔

لیکن مسئولہ صورت میں ایام کا طے کرنا اور یہ سمجھنا کہ بس ان ایام میں یہ خیر کا کام کیا جاسکتا ہے خصوصاً حلیم وشربت اور رائج طریقے ہی ثواب کے ہیں تو یہ عمل بلاشبہ بدعت ہے اس سے گریز کرنا ضروری ہے لیکن اللہ کے نام کے علاوہ کسی بزرگ ولی یا نبی کے نام پہ کرنا جبکہ ان کا احترام مقصود ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسرے طبقے کا عمل اگر خاص انہی دنوں میں ہے تو چاہیئے کہ ان دنوں کہ علاوہ بھی سال بھر میں مختلف اوقات میں کرتے رہیں زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ان دنوں میں نہ کریں باقی غریبوں کے علاوہ امیروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

لمافی قوله تعالی:(پارہ۲،سورۃ البقرۃ،آیت ۱۷۳)

انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل به لغیر الله۔ ۔ الایة.

ولمافی قوله تعالی:(پارہ۲۱ سورۃ الاحزاب، رکوع ۲،آیت ۲۱)

لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنة..... الأیة.

لمافی صحیح البخاری:(۱۰۹۲/۲ طبع قدیمی)

من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو رد.

ولمافی مشکوۃ المصابیح:(۳۱/۱،طبع سعید)

عن حسان قال: ما ابتدع قوم بدعة فی دینھم الا نزع الله من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا الیھم الی یوم القیمة.

ولمافی الشامی:(۴۳۹/۲ طبع ایچ ایم سعید)

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت و

نحو ها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصد وا صرفها للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۶۸

﴿سوگ کو ختم کرنے کے لئے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) سوگ کم از کم کتنے دن ضروری ہے؟ کیا تیسرے دن دفتر وغیرہ جانا غیر شرعی ہے؟

(۲) سوگ کو ختم کرنے کے لئے تیسرے یا چوتھے دن سب لوگ گھر یا مسجد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اسکی شرعی حیثیت کیا ہے نیز ایسی مجالس میں شامل ہونا کیسا ہے؟ مستفتی: حاجی نصیر احمد ڈی ایچ اے فیز ۲ کراچی

﴿جواب﴾ (۱) جاننا چاہیئے کہ کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں ہے، احادیث مبارکہ میں تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی ممانعت آئی ہے، البتہ بیوہ عورت کو اپنے شوہر کے فوت ہو جانے پر چار ماہ دس دن کے سوگ کا حکم ہے، لہٰذا تیسرے دن دفتر جانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ کسی علاقہ میں اگر تیسرے دن دفتر جانے کو برا جانتے ہوں تو اس کے خلاف کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

لما فی صحیح البخاری: (۲/۸۰۳، کتاب الطلاق طبع رحمانیه)

اخرج البخاری عن حمید بن نافع عن زینب بنت ابی سلمة قالت زینب دخلت علی ام حبیبة زوج النبی صلی الله علیه وسلم حین توفی ابوها ابوسفیان بن حرب فدعت ام حبیبة بالطیب فیه صفرة خلوق او غیره فدهنت منه جاریة ثم مست بعارضیها ثم قالت والله مالی بطیب من حاجة غیر انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم لایحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعة اشهر وعشرا.

(۲) اپنے طور پر صدقات نافلہ، تلاوت، تسبیح وغیرہ کا اہتمام کر کے میت کے لئے ایصال ثواب کرنا بلاشبہ احادیث سے ثابت ہے سوگ کو ختم کرنے کے لئے تیسرے یا چوتھے دن میت

کے گھر یا مسجد میں اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا اور اسکا باقاعدہ اہتمام کرنا کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے، ایصال ثواب کے لئے ایام کی تعیین اور سوگ وغیرہ کو ختم کرنے کے لئے رسوم اور قیود کی پابندی کرنا شریعت اور دین حنیف کے مزاج کے خلاف ہے، دراصل یہاں پر شرعی حکم پر رسم کا غلبہ ہوا ہے، اس لئے اسکو بدلنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

لما فی صحیح البخاری: (۲۷۱/۱، طبع قدیمی)

عن عایشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد.

ولما فی الرد: (۲۴۰/۲، طبع سعید)

یکره اتخاذ الطعام فی یوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوة لقرائة القرآن الخ.

ولما فی الهندیة: (۱۶۷/۱، طبع رشیدیه)

ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثه ایام کذا فی التاتار خانیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب نعمانی

۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۷۴۸

﴿مروجہ برسی منانے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ مروجہ برسی منانے کی شرعی حیثیت کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ کیا عہد نبوی یا عہد صحابہ وتابعین میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ مستفتی: محمد کاشان

﴿جواب﴾ فی نفسہ ایصال ثواب حق ہے اور اہلسنت والجماعت کے ہاں پسندیدہ ہے لیکن اس نیک عمل کے لیے لوگوں نے آجکل جو طریقہ وضع کیا ہے اس سے یہ عمل محض رسم ورواج اور دکھلاوا ہی رہ گیا ہے، چنانچہ سال بھر میں ایک خاص تاریخ میں باقاعدہ "برسی" کے نام سے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ہر علاقہ میں مختلف طریقے رائج ہو گئے ہیں بعض جگہ تو بے شمار منافی شریعت عمل اس نام سے کیے جاتے ہیں، اس لیے برسی اور اس طرح کے جتنے طریقے ایصال ثواب کے رائج ہو گئے ہیں ان کا چھوڑنا واجب ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے: کہ مرحوم سے تعلق رکھنے والوں کو چاہیئے کہ جب بھی موقع ملے سال بھر

ایصال ثواب کرتے رہیں انفرادی طور پر موقع ملے یا اس غرض سے نوافل پڑھ لیے، ذکر کردیا، کسی غریب کی مدد کردی، الغرض ہر نیک عمل کا ثواب مرحوم کو بخشا جا سکتا ہے، اجتماع کرنے اور لوگوں کو بلانے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے، ان طریقوں میں سراسر دشواریاں اور بلاوجہ کی پابندیاں ہیں، اس لیے برسی کے رواج کو ختم کرنا ضروری ہے اور سنت طریقہ سے ایصال ثواب کرنا چاہیئے۔

لمافی ردالمحتار: (۲/۲۴۳، طبع سعید)

(مطلب فی القراءة للميت واهداء ثوابها له) الأفضل لمن يتصدق نفلاأن ينوى للمؤمنين والمؤمنات لأنهاتصل اليهم ولاينقص من أجره شئی

ولمافی ردالمحتار: (۲/۲۴۰-۲۴۱، طبع سعید)

(مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت) يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة...... وفی البزازية: ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام الى القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الاخلاص والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القران لأجل الأكل يكره۔ وقال: هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله.

وفی الشامية على الامداد: وقال كثير من متأخرى أئمتنا: يكره الاجتماع عند صاحب البيت ويكره له الجلوس فی بيته حتی يأتی اليه من يعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا ويشتغل الناس بأمورهم وصاحب البيت بأمره.

قلت: وهل تنتفی الكراهة بالجلوس فی المسجد وقراءة القرآن حتى اذا فرغوا قام ولی الميت وعزاه الناس كما يفعل فی زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصودا للتعزية لا للقراءة ولاسيما اذا كان هذا الاجتماع والجلوس فی المقبرة فوق القبور المدثورة ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ لکی مروت

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۶۳

﴿مروجہ میلاد کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مروجہ میلاد النبی ﷺ کی ابتداء کب سے شروع ہوئی اور اسمیں کیا کیا خرافات ہیں، جبکہ میلاد شروع کرنے سے

پہلے شرکاء میلاد آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے درود وغیرہ پڑھتے ہیں چراغاں اور طعام وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ از روئے شرع اسکی حقیقت بیان کریں۔

﴿جواب﴾ بلاشبہ آپ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت عین عبادت ہے اور آپ کے حالات، واقعات، اقوال، افعال کو پیش کرنا تا کہ لوگوں میں آپ ﷺ کی اتباع کا جذبہ بیدار ہو اور شریعت کیمطابق عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو، واقعی مفید بلکہ باعث نزول رحمت وبرکت ہے جبکہ مروجہ میلاد اس عنصر سے بالکل خالی ہوتا ہے یہاں تک کہ فرض نمازوں کو قضاء کر دیتے ہیں بجلی غصب کر لیتے ہیں اور روڈوں کو بلاک کر کے مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں اور کئی راتوں تک محلہ والے سکون کی نیند سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اس لئے دراصل یہ شیطان کا ایک حربہ ہے تا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو عشق رسول ﷺ کے نام سے دین سے دور رکھ سکے۔

مروجہ میلاد کی خیر القرون میں کہیں بھی کوئی نظیر دکھائی نہیں دیتی ہے چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا یہ بدعت ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری بن اربل (المتوفی ۶۳۰ھ) کو سوجھی، اس بادشاہ کے بارے میں ابن خلکان اور امام احمد بن محمد مصریؒ لکھتے ہیں:

کان ملکا مسرفا یامر علماء زمانه ان یعملوا باستنباطهم واجتهادهم وان لا یتبعوا لمذهب غیرهم حتی مالت الیه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ویحتفل لمولد النبی ﷺ فی الربیع الاول وهو اول من احدث من الملوك هذا العمل. (بحواله راه سنت)

مروجہ میلاد میں مختلف قسم کے خرافات ہوتے ہیں، جیسے کہ شروع میلاد میں تمام شرکاء کھڑے ہوتے ہیں کہ سرکار ﷺ تشریف لے آئے آپ کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حاضر وناظر ہیں حالانکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں حاضر وناظر صرف صفت باری تعالیٰ ہے۔

جب میلاد کا خیر القرون میں کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا تو معلوم ہوا کہ مروجہ میلاد دین کے نام پر عوام کو بیوقوف بنانا اور صحابہ کرامؓ پر ایک قسم کا افتراء ہے کہ اگر یہ دین تھا تو خیر قرون کیوں اس سے خالی ہیں؟ حال ہی میں میلاد کے نام سے کئی قسم کے خرافات جنم لے رہے ہیں کہ بیت اللہ

وغیرہ کی شبیہ بنانا اور جلوس نعرہ وغیرہ اور اب تو اس میں عید کی طرح نماز کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے تو ہر سال بدعت در بدعت ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله والخلفاء والائمة

علامہ احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں:

اتفق علماء المذاهب الاربعة بذم هذا العمل.(راہ سنت)

ولمافي قوله تعالى:(پارہ ۲۱،سورۃ الاحزاب،ع ۲،۱،آیت ۲۱)

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة الآية

ولمافي صحيح البخاري:(۱۰۹۲/۲،طبع قديمي)

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد

ولمافي المشكوة:(۳۱/۱،طبع سعيد)

ماابتدع قوم بدعة في دينهم الانزع الله من سنتهم ثم لايعيدها اليهم الى يوم القيامة.

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

هل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء ورهبانها.

اب جس کی مرضی ہے کہ وہ خیر قرون کی اتباع کرتا ہے یا نفس پرست بادشاہ اور اسکے زر پرست مولوی کی (راہ سنت:ص۱۶۴) یاد رہے ہر دور میں علماء حق نے میلاد کی تردید کی ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۱۸

﴿سالگرہ منانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ہمارے علاقوں میں بھی دوسروں شہروں کی طرح بچوں کا سالگرہ منایا جاتا ہے اس میں رشتہ دار اور دوست احباب مدعو کئے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ تحائف بھی لے کر آتے ہیں اگر کوئی خالی ہاتھ جائے تو اسکو کم نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اسکو ملامت بھی کرتے ہیں کہ تم خالی ہاتھ آئے ہو وہاں کسی بڑی جگہ یا ہال میں سب مرد اور عورتیں بلا تمیز جمع ہو جاتے ہیں اور ایک بڑی میز کے گرد کھڑے ہو جاتے ہیں، بچہ ایک بڑا کیک کاٹتا ہے اور پھر تالیوں کی گونج میں سالگرہ مبارک کی آوازیں آتی

ہیں اور تحفہ تحائف کیساتھ ساتھ پر تکلف چائے اور دیگر لوازمات کا دور چلتا ہے، اور اسکا رواج بڑھتا جارہا ہے بعض لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے تو قرض لیکر بھی اسکو مناتے ہیں اسکا شرعاً کیا حکم ہے؟ اسطرح کرنا جائز ہے؟ یا نہیں　　　　　　　　مستفتی وسیم اختر سرائے نورنگ

﴿جواب﴾ سالگرہ منانا غیروں کی نقالی ہے، یہ صرف ایک گناہ نہیں بلکہ کئی بے ہودہ کاموں اور گناہوں پر مشتمل ہے سالگرہ منانے والے اور اس میں شرکت کرنے والے تمام سخت گناہ گار ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے فرمایا ہے کہ "سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے" (آپ مسائل اور انکا حل: ج۲/ ۵۱۸)

(لمافی المشکوٰۃ ص: ۳۷۵) وعنه قال: قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم

(لمافی المطلب العالیه: ج۲/ ۲۲) عن عبد الله بن مسعودؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من كثر سواد قوم فهو منهم ومن رضى عمل قوم كان لمن عمله

(لمافی المرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج ۴/ ۳۳۱ طبع بمبئی)

من تشبه بقوم اى من شبه نفسه بالكفار مثلا فى اللباس وغيرهم اوبالفساق او لفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار (فهو منهم) اى فى الاثم والخير.

لمافی مجموعة قواعد الفقه: ص ۲۰۲ طبع میر محمد)

البدعة هى الامر المحدث الذى لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعى

(لمافی الشامی: ج۱/ ۴۰۶ باب شروط الصلوٰۃ، مطلب فى ستر العورۃ طبع سعید کراچی)

ولانجيز لهن رفع اصواتهن ولا تمطيطها ولا تلينها وتقطيعها لمافى ذالك من استماله الرجال اليهن وتحريك الشهوات منهم

(ولمافی مشکوٰۃ: ص ۲۵۵ طبع: سعید کراچی)

عن ابى حرة الرقاشى عن عمهٖ قال قال رسول الله ﷺ الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه رواالبيهقى فى شعب الايمان والدار قطنى فى المجتبى

(ولمافی قوله تعالى: (سوره بنى اسرائيل: ۲۷)

ان المبذرين كانوا اخوان الشيطين وكان الشيطن لربه كفورا.

ولمافی قوله تعالى: (سوره الانفال ۳۵)

وما كان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصدية فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون.

(ولما فی در المختار:(ج:۶/۳۴۷،۳۴۸،طبع سعید کراچی)

قال العلامة الحصكفي: دعي الى وليمة وثمة لعب او غناء قعد واكل لو المنكر في المنزل فلو على المائدة فلا ينبغي ان يقعد بل يخرج معرضا لقوله تعالى فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين۔ وان علم اولا باللعب لا يحضر اصلا ۔۔لان حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لاقبله ابن كمال۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفرلہ والولدیہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۹۴۹

﴿تعویذ کا استعمال، گلے میں لٹکانے اور بازو پر باندھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تعویذ کے بارے میں درست اور صحیح مسئلہ کیا ہے؟ بعض حضرات سختی سے منع کرتے ہیں، نیز تعویذ کو گلے میں لٹکانا یا بازو پر باندھنا درست ہے یا نہیں؟　　مستفتی: آصف محمود گلشن غازی کراچی

﴿جواب﴾ جاننا چاہئے کہ ایسے تعویذات جن میں شرکیہ کلمات ہوں یا ایسے کلمات ہوں جنکا معنی معلوم نہ ہو تو اس قسم کے تعویذات کا استعمال شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے جو حضرات منع کرتے ہیں وہ اس قسم کے تعویذات مراد لیتے ہیں، البتہ جن تعویذات میں قرآن کریم کی آیات لکھی جائیں یا ایسے کلمات لکھے جائیں جنکے معانی درست اور صحیح ہوں تو ایسے تعویذات کا استعمال بلاشبہ جائز اور آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اولاد کو آپ ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں سکھاتے تھے اور جو بچے یاد نہ کر سکتے تھے ان کے لئے وہ دعا لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے، لہٰذا تعویذ کو گلے میں لٹکانے یا بازو میں باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لما فی مشكاة المصابيح:(۲/۳۸۸،طبع سعید)

وعن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يارسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لاباس بالرقى مالم يكن فيه شرك رواه مسلم وكذا في ابي داود۔

ولما في الشامي:(۶/۳۶۳،طبع سعید)

وبعضهم يتوهم ان المعاذات هي التمائم وليس كذالك انما التميمة الخرزة ولا باس

بالمعاذات اذاكتب فيه القرآن اواسماء الله تعالى وانماتكره العوذة اذاكانت بغير لسان العرب ولايدري ماهو ولعله يدخله سحراو كفراو غير ذالك واماماكان من القرآن اوشيء من الدعوات فلاباس به وفي الشبلي عن ابن الاثير التمائم جمع تميمة وهي خرزات كانت العرب تعلقها على اولادهم يتقون بهاالعين في زعمهم فابطلهاالاسلام والحديث الآخر من علق تميمة فلااتم الله له لانهم يعتقدون انهاتمام الدواء والشفاء بل جعلوها شركاء لانهم ارادوابهادفع المقادير المكتوبة.

اختلف في الاستشفاء بالقرآن بان يقرء على المريض اويكتب في ورق ويعلق عليه اوفي طست ويغسل ويسقى وعن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يعوذنفسه قال رضي الله عنه وعلى الجواز عمل الناس اليوم وبه وردت الآثار ولاباس بان يشدالجنب والحائض التعاويذعلى العضداذاكانت ملفوفة

ولمافي الهندية:(۳۵۶/۵مطبع رشيديه)

ولاباس بتعليق التعويذولكن ينزعه عندالخلاء والقربان كذافي الغرائب.

ولمافي تكملة فتح الملهم:(۱۲۶/۴مطبع دارالعلوم كراچی)

اماكتابة المعوذات وتعليقهافي عنق الصبيان والمرضاوكتابتهاويسقى مدادها للمريض فقدثبت عن عدةمن الصحابة والتابعين رضي الله عنهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:عبدالوہاب نعمانی عفااللہ عنہ

۲۲ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۶۳۲

﴿ننھیال پرکھانے کولازم سمجھناغلط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کسی کاانتقال ہوتاہےتوتین دن تک ننھیال والے(اگرعورت کاانتقال ہوااس کے بھائی)کھانادیتے ہیں اوریہ ننھیال پرلازمی حق سمجھاجاتاہےاگرنہ دیں توپوری برادری انکو ملامت کرتی ہے،معلوم یہ کرناہےکہ ننھیال پرکھاناوغیرہ دینالازم کرنادرست ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ ننھیال پرتین دن کھانے کولازمی کرنایاانکا سمجھناکہ یہ ہمارےاوپرلازم ہے یہ جہالت پرمبنی ہے،برادری کےمعززحضرات کوچاہئے کہ اس قسم کےرسم ورواج کوختم کریں۔

لمافي مشكوة المصابيح:(۲۵۵/۲مطبع قديمی)

وعن ابي حرة الرقاشي قال رسول الله ألالاتظلموا ألالايحل مال امرئ الابطيب نفس منه.

لمافي شرح المجلة:(۲۶۴/۱مطبع رشيديه)

لايجوزلاحدان ياخذمال احدبلاسبب شرعي اي لايحل في كل الاحوال عدالوخطأاو

نسيانا،جدااولعبا ان ياخذمال أحدبوجه لم يشرعه الله تعالى ولم يبحه،لان حقوق العباد محترمة لاتسقط بعذر الخطاوالنسيان والهزل وغيره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

یکم رجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۳۲

﴿ختم قرآن کے دوران سورۃ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اساتذہ ختم قرآن کے دوران اپنے طالبعلموں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ ختم کرتے وقت سورہ اخلاص کو تین بار پڑھیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: حامد علی چھوٹا لاہور

﴿جواب﴾ اکثر مشائخ کے ہاں یہ طریقہ مستحسن ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کی تلقین اپنے شاگردوں کو غلط نہیں ہے، البتہ اگر ختم قرآن نماز میں ہو تو اس دوران ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھے۔

لمافی حلبی الکبیر:(ص۲۲۸طبع نعمانیه)

قراءة قل هوالله احدثلاث مرات عندختم القرآن لم يستحسنهابعض المشائخ وقال الفقيه ابوالليث هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلابأس به الا ان يكون الختم في المكتوبة فلايزيد على مرة.

ولمافی الهندية:(۲۱۷/۵،طبع رشيديه)

قراءة قل هوالله احدثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنهابعض المشائخ واستحسنهااكثرالمشائخ لجبرنقصان دخل فى قراءة البعض الاان يكون ختم القرآن فى الصلوة المكتوبة فلا يزيد على مرةواحدة.كذا فى الغرائب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۱

﴿اجتماعی ختم قرآن کی تین صورتیں اور اس کے بعد کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں کسی کی فوتگی کے بعد چالیس دن تک ہر جمعرات کو ایصال ثواب کیلئے اجتماعی طور پر ختم قرآن ہوتا ہے جسکے بعد پڑھنے والے حضرات کو چائے وغیرہ پیش کی جاتی ہے یہ ایک لازم سا سمجھا گیا ہے اسی

طرح کوئی نیا گھر بنائے تو برکت کیلئے اجتماعی ختم کے بعد کھانا کھلایا جاتا ہے یا کوئی سخت بیمار ہو تو بھی اسکی صحت یابی کیلئے اجتماعی ختم ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح ختم کرنا اور اسکے بعد کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ختم کے بعد کچھ کھائے پیئے بغیر اٹھ جانے سے صاحب خانہ ناراض ہوتے ہیں، اسی لئے بسا اوقات وہ ختم کے بعد پڑھنے والے حضرات کے اطمینان کیلئے خود ہی تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ ہم نے صدقہ کیا ہے کوئی معاوضہ نہیں کبھی تو ہم اس دن روزہ رکھ لیتے ہیں کبھی طبیعت ٹھیک نہیں کہہ کر ٹال دیتے ہیں لیکن آخر کب تک؟ جبکہ لوگ ہمیں مقتداء بھی سمجھتے ہیں کیا ان مذکورہ تین صورتوں کے حکم میں کوئی فرق ہے؟ کیا ختم قرآن کے بعد کا کھانا "ولاتشتروا بایاتی ثمناً قلیلاً" کے زمرہ میں نہیں آتا؟ کیا اسطرح اجتماعی ختم قرآن کے بعد کھانا پینا حدیث "من قرأ القرآن لیتأکل به الناس جاء یوم القیمة ووجهه عظم لیس علیه لحم" کا مصداق نہیں؟ کیا حدیث "اقرأوا القرآن ولا تأکلوا به شیئاً" میں اس سے منع نہیں کیا گیا؟ واضح رہے کہ بعض لوگ اصالۃً صدقہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تبعاً برکت کی زیادتی کے لئے ختم قرآن بھی ساتھ کر لیتے ہیں؟ مستفتی: فضل الرحمٰن کرک

﴿جواب﴾ سوال میں ختم قرآن سے متعلق رائج تینوں طریقوں کا ذکر ہے.(۱) ایصال ثواب کی غرض سے ختم قرآن (۲) مریض کی صحت یابی کیلئے ختم قرآن (۳) حصول برکت کے لئے، بلاشبہ ان تینوں مقاصد کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا احادیث نبویہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

فقہاء کرام نے فی نفسہ اس کو پسندیدہ عمل قرار دیا ہے لیکن موجودہ دور میں قرآن خوانی کے رائج تینوں طریقے غیر شرعی امور سے خالی نہیں رہے جبکہ بعض علاقوں میں کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے محض رسم ورواج کی صورت میں بدل گئے۔

چنانچہ ایصال ثواب کا اصل اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کو ثواب پہنچانے کی غرض سے اسکے عزیز واقارب قرآن مجید کی تلاوت کریں، نماز پڑھیں، ذکر کریں، غریبوں کی مدد کریں، جب چاہے اور کوئی بھی مسلمان چاہے ایصال ثواب کر سکتا ہے بشرطیکہ عمل کرنے والا اس عبادت پر

اجرت نہ لے، علاوہ ازیں کسی خاص دن کو اس عمل کے لئے ضروری سمجھنا لازمی طور پر اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو اس پر کچھ دینا یہ تمام باتیں سنت سے ہٹ کر ہیں۔

مریض کی شفاء یابی کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا کسی چیز پر یا مریض پر پڑھ کر دم کرنا بھی جائز عمل ہے اور اس پر اجرت لینا بھی درست ہے لیکن اس کام کیلئے باقاعدہ علماء بلانا یا بلانا کوئی ضروری نہیں ہے، کوئی بھی مسلمان اس غرض سے قرآن مجید پڑھ سکتا ہے دم بھی کرسکتا ہے، البتہ متقی پرہیزگار کے دم میں جو اثر ہوتا ہے عام مسلمان کے دم میں شاید وہ اثر نہ ہو۔

برکت کیلئے پڑھنا بھی جائز عمل ہے اور اس پر اجرت لینے میں بھی گنجائش ہے، البتہ زیادہ احتیاط نہ لینے میں ہے، آجکل عام رجحان یہ ہے کہ ایسے تمام کاموں کیلئے باقاعدہ اجتماع کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور یہ محض ایک تقریب کی صورت بن جاتی ہے، لہٰذا خود پڑھنا چاہئے باقاعدہ لوگوں کو بلانا، مکمل قرآن مجید ختم کرنا اور شیرینی تقسیم کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔

رہا یہ کہ ختم قرآن کے بعد کھانا "ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً" کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ عام مفسرین نے اس سے تحریف قرآن مراد لیا ہے یعنی اگر دنیاوی غرض سے کوئی قرآن کی تحریف کرے تو وہ اس کا مصداق ہوگا، باقی دنیاوی مقاصد کیلئے پڑھنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ صرف ثواب مقصود ہو تو اس پر اجرت لینا اصل نیت کے بھی خلاف ہے اس لئے ناجائز ہے۔

لما فی روح المعانی:(۲۲۵/۱ طبع رشیدیہ)

ولا تشتروا بأیاتی ثمناً قلیلاً﴾ الاشتراء مجاز عن الاستبدال لاختصاصه بالاعيان ای لاتستبدلوا بالایمان بآیاتی، والاتباع لها حظوظ الدنیا الفانیة القلیلة المسترذلة بالنسبة الی حظوظ الاخرة وما اعدالله تعالیٰ للمؤمنین من النعیم العظیم الابدی وقد استدل بعض اهل العلم بالاية على منع جواز اخذ الاجرة على تعليم كتاب الله تعالى والعلم، وروی فی ذالک ایضاً احادیث لاتصح. وقد صح انهم قالوا: "یارسول الله اناخذ على التعليم اجراً؟ فقال: ان خیر ما اخذتم علیه اجراً كتاب الله تعالى" وقد تظافرت اقوال العلماء على جواز ذالک وان نقل عن بعضهم الكراهة، ولادليل فی الاية على ما ادعاه هذا الذاهب كما لا يخفى.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۸۴۵،طبع رحمانیه)

عن ابی سعید الخدری ان ناسامن اصحاب النبی ﷺ اتوا علی حی من احیاء العرب فلم یقروهم فبینما هم کذالک اذ لدغ سید اولئک فقالوا هل معکم دواء اوراق فقالوا نعم انکم لم تقرونا ولا نفعل حتی تجعلوا لنا جعلا فجعلوا لهم قطیعا من الشاء فجعل یقراء بام القرآن ویجمع بزاقه ویتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لاناخذه حتی نسئل النبی ﷺ فسالوه فضحک ﷺ فقال ﷺ ما ادراک انها رقیة خذوها واضربوا لی بسهم. ومثله فی روایة اخری وزاد فیه فقال رسول الله ﷺ ان احق مااخذتم علیه اجرا کتاب الله.باب الشرط فی الرقیة،طبع مر القدیم(۲/۸۵۴)

ولما فی تکملة فتح الملهم:(۲/۳۲۹-۳۳۰،طبع دارالعلوم کراچی)

واستدلوا علی ذالک بما یاتی قوله تعالی ولاتشتروا بایاتی ثمنا قلیلا وهو استدلال ضعیف لان السیاق فی تحریف الایات - لکن افتی المتاخرون من الحنفیة بقول الشافعیة للضرورة لما یخشی علی هذه الوظائف الدینیة من الضیاعة کما فی الهدایة وغیرها.

ولما فی اعلاء السنن:(۱۹/۲۰۳-۲۰۴،طبع دارالکتب العلمیة)

ووجه الدلالة ان الصحابة قالوا یارسول الله انه اخذ اجرا علی کتاب الله فدل ذالک علی انه کان من المعروف عندهم عدم اخذ الاجرة علی کتاب الله ولکن اخطاؤا فی تعمیمه للرقیة فردعم لی الصواب ببیان ان الرقیة لیست بداخلة فیه ویدل علی ان قوله احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله مخصوص بالرقیة والفرق بینه وبین ما نختلف فیه ان الرقیة نوع مداواة - والمداواة یباح اخذ الاجرة علیها والجعالة توسع من الاجارة وبینة تجوز مع جهالة العمل والمدة وقوله ﷺ احق مااخذتم علیه اجرا کتاب الله یعنی به الجعل فی الرقیة.

ولما فی مجموعة رسائل ابن عابدین:(ص۱۵۶-۱۵۷،طبع عثمانیه کوئٹه)

ومن استجعل جعلا علی عمل یعمله لغیره من رقیة اوغیرها وان کانت بقرآن اوعلاج اوبما شبه ذالک فذالک جائز والاستجعال علیه حلال... فحاصل کلامه انه لوعمل لغیره عملا لیس بطاعة کرقیة مشروع ونحوها من بناء دار اوخیاطة ثوب وامثال ذالک یجوز اخذ المال علیه وان کان للرقیة بقراءة قرآن اوعلاج غیره کوضع تریاق اوبما اشبه ذالک لان ذالک لیس المراد منه القربة والثواب وهذا مذهب ائمتنا الثلاثة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد - والماجر استئجار علی الرقیة ولو کانت بالقرآن لانه لم تتعین قربة لله تعالی بل للتداوی فهی کصنعة الطب - وغیرها من الصنائع.

ولما فی شرح المجلة:(۱/۱۰۱،طبع رشیدیه)

والحاصل ان المعروف عرفا کالمشروط ذکرا عند عدم التصریح بخلافه

والا فالعبرۃ لما صرح به لا للعرف.

ولما فی البزازیۃ:(۱/۸۳،طبع قدیمی)

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقرائۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرائۃ سورۃ الانعام او الاخلاص.فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ.

ولما فی الشامی:(۲/۵۹۶،طبع سعید)

وعن انسؓ قال یا رسول اللہ انا نتصدق عن موتانا ونحج عنھم وندعولھم فھل یصل ذلک الیھم قال نعم انہ لیصل الیھم و انھم لیفرحون به کمایفرح احدکم بالطبق اذااھدی الیه وعنه انه صلی اللہ علیه وسلم قال اقرؤا علی موتاکم یس رواہ ابوداؤد فھذا کله ونحوہ مما ترکناہ خوف الاطالۃ یبلغ القدر المشترک بینه وھو النفع بعمل الغیر مبلغ التواتر.

ولما فی الشامی:(۶/۵۷،طبع سعید)

والاستئجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل به احد من الائمۃ.

واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی — الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۲۲۷۹ — ۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ

﴿دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ دعا کے لیئے ہاتھ اٹھانے کا مستحب اور بہتر طریقہ کیا ہے؟ کیا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا منقول ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ افضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی کو کھول دے اور دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی ہو اور ہاتھوں کو سینہ تک اٹھالے اور آخر میں دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل دے۔

آنحضرت ﷺ کھانے کے بعد دعا پڑھتے تھے لیکن ہاتھ اٹھانا منقول نہیں اور بہت ساری ایسی دعائیں ہیں جو پڑھی جاتی ہیں لیکن اسوقت ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں جیسے مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں سونے کی دعا وغیرہ کھانے کے بعد دعا بھی منجملہ انہیں میں سے ہے،نفس دعا چونکہ ثابت ہے،اس لیے اگر کوئی ہاتھ اٹھالے تو اس پر نکیر نہ کرنا چاہیئے،

اس میں شدت مناسب نہیں ہے۔

لما فی الهندیة:(۵/۳۱۸،طبع رشیدیه)

والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیه ویکون بینهما فرجة وان قلت ولا یضع احدی یدیه علی الاخری الخ والمستحب ان یرفع یدیه عند الدعاء حذاء صدره کذا فی التنبیه مسح الوجه بالیدین اذا فرغ من الدعاء قیل لیس بشیء وکثیر من مشایخنا اعتبروا ذالک وهو الصحیح وبه ورد الخبر.

ولما فی کنز العمال:(۱۵/۱۰۵، الحدیث:۴۰۴۳۵،طبع رحمانیه)اللهم بارک لنا فیه وابدلنا خیرا منه.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص ۳۱۸،طبع قدیمی)

لقوله علیه السلام اذا دعوت الله فادع بباطن کفیک ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهما وجهک.

ولما فی حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح:(ص ۳۱۸،طبع قدیمی)

ودل الحدیث علی انه اذا لم یرفع یدیه فی الدعاء لم یمسح بهما وهو قید حسن لانه صلی الله علیه وسلم کان یدعو کثیرا کما هو فی الصلاۃ والطواف وغیرهما من الدعوات الماثورة دبر الصلوات وعند النوم وبعد الاکل وامثال ذالک ولم یرفع یدیه ولم یمسح بهما وجهه افاده فی شرح المشکاۃ وشرح الحصن والحصین وغیرهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۰۷

﴿محرم الحرام میں رسومات و بدعات کے بارے میں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے معاشرے میں محرم الحرام کے مہینے میں مختلف قسم کے رسومات اور بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، مثلاً دس محرم کو روزہ رکھنا، محرم کو منحوس سمجھنا، لفظِ امام حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کیساتھ خاص کرنا، دس محرم کو اہل وعیال پر وسعتِ رزق کرنا، دس اور گیارہ محرم کو کھانا کھلانا، ماتم کی مجلسوں اور جلسوں میں شرکت کرنا براہ کرم قرآن اور حدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں کہ اس میں کونسے اعمال جائز اور کونسے ناجائز ہیں؟

مستفتی: محمد معاذ گاشکوڑ سواتی

﴿جواب﴾ (۱) دس محرم الحرام کو روزہ رکھنا گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے جبکہ

یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت سے بچنے کی وجہ سے دسویں محرم کیساتھ نویں یا گیارہویں کو بھی روزہ رکھنے کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

(۲) محرم الحرام محترم و معظم اور فضیلت والا مہینہ ہے منحوس نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، لہٰذا اسمیں نکاح، شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات منعقد کرنا بلاشبہ پسندیدہ ہیں۔

(۳) لفظِ امام صرف حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور علماء کرام کے لئے بھی استعمال کرنا جائز ہے۔

(۴) دس محرم الحرام کو اپنے اہل وعیال پر وسعتِ رزق کرنے کی ترغیب احادیث میں آئی ہے کہ اسکی برکت سے سال بھر اللہ تعالیٰ وسعت فرماتے ہیں۔

(۵) دسویں محرم بلکہ محرم کے شروع دنوں سے شربتوں اور سبیلوں کا بھی بڑا رواج پڑا ہے، یہ بھی محض ایک رسم بلکہ بدعت ہے، اس سے بھی بچنا ضروری ہے، بالفرض کوئی ایصال ثواب کی غرض سے کرے تب بھی صحیح نہیں ہے، واقعی ایصال ثواب مقصود ہو تو شربت اور سبیلوں کے علاوہ کوئی نیک عمل کر کے ثواب پہنچائے۔

(۶) ماتم کی مجلسوں اور جلسوں میں شرکت کرنا بدعت میں اعانت اور غیروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے کی بناء پر ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا اس حرام کام سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الحج،آیت۳۷)

لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم..... الآية.

ولمافی صحیح المسلم:(۱/۳۵۹،قدیمی کتب خانه)

عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة،فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء،فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماهذااليوم الذي تصومونه؟ قالوا:هذايوم عظيم،أنجى الله فيه موسى وقومه وغرق فرعون وقومه، فصامه موسى شكراً،فنحن نصومه،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فنحن أحق وأولىٰ بموسى منكم،فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر بصيامه...... عبدالله بن عباس يقول:حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء، وأمر بصيامه،

قالوا: یارسول الله انه یوم یعظمه الیهود والنصاری، فقال: رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذاکان العام المقبل ان شاء الله صمنا الیوم التاسع، قال: فلم یات العام المقبل حتی توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم.

ولما فی الصحیح لمسلم: (۳۶۸/۱، طبع قدیمی)

وسئل عن صوم یوم عاشوراء، فقال یکفر السنة الماضیة.

ولما فی الصحیح لمسلم: (۷۷/۲، طبع قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال قال: رسول الله صلی الله علیه وسلم من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو رد.

ولما فی الصحیح لمسلم: (۳۰۸/۲، کتاب الفضائل، طبع قدیمی)

قال: (علیه السلام) ألنجوم أمنة للسماء، فاذاذهبت النجوم أتی السماء ماتوعد وأنا أمنة لأصحابی فاذاذهبت أناأتی أصحابی مایوعدون وأصحابی أمنة لأمتی فاذاذهب أصحابی أتی أمتی مایوعدون.

ولما فی سنن أبی داود: (۲۰۳/۲، کتاب اللباس، فی لبس شهرة، طبع رحمانیه)

عن ابن عمر قال: قال: رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم.

ولما فی کنز العمال: (۱۲-۱۱/۱۴۳، کتاب الفضائل فضائل الأمکنة والأزمنة، طبع رحمانیه)

من وسع علی عیاله فی یوم عاشوراء وسع الله علیه فی سنته کلها.

ولما فی الدر المختار: (۱۷۸/۱۰، کتاب الجنٰیات، فصل فی مایوجب القود ومالایوجبه، امدادیه)

قال علیه الصلاة والسلام من کثر سواد قوم فهو منهم.

ولما فی مجموعة قواعد الفقه: (ص ۲۰۳، ألباء، ألبدعة، طبع امیر محمد)

ألبدعة: هی الأمر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

فتوی نمبر: ۲۸۲۱

﴿ کرسمس ڈے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دنیا بھر کی طرح

ہمارے ملک عزیز میں عیسائی لوگ ۲۵ دسمبر کو تہوار مناتے ہیں اس کو کرسمس ڈے کہتے ہیں اور یہ دن عیسائیوں کے تہوار میں عید کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے تھے یہ سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اسی خوشی میں کیک کاٹتے ہیں ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں اور عید مبارک پیش کرتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ آج کل ہمارے مسلمان بھائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے لئے اس طرح کرنا شرعاً درست ہے؟ ہم شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ حضرات ہماری راہنمائی فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ مستفتی: عبدالسمیع چترالی

﴿جواب﴾ کرسمس ڈے عیسائی لوگوں کا مذہبی تہوار ہے، غیر مسلم لوگوں کے کسی بھی تہوار میں باقاعدہ شرکت کرنا، یا مبارک باد کہنا، خوشی کا اظہار کرنا ان کی دعوت کو قبول کرنا وغیرہ تمام چیزوں سے ان کی تقریب وتہوار کی تائید ہو رہی ہے دین اسلام سختی سے اس سے منع فرما رہا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید آپ کے مسائل اور ان کا حل میں تحریر فرماتے ہیں: غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات ورسوم میں شرکت جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ:

جس نے کسی قوم کے مجمع کو بڑھایا وہ انہی میں شمار ہوگا۔ (۲/۱/۱)

لما فی المطالب العالیۃ: (۲۲/۲)

عن عبداللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من کثر سواد قوم فهو منهم ومن رضی عمل قوم کان لمن عمله.

قال اللہ عزوجل "یایها الذین امنوا لاتتخذوا الیهود والنصاری اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم" (المائدة: ۵) وفی التفسیر ای لاتتخذوهم اولیاء بعضهم اولیاء وتستنصرونهم وتواخذونهم وتعاشرونهم معاشرة المومنین ثم علل النهی بقوله بعضهم اولیاء بعض وکلهم اعداء المومنین (تفسیر نسفی: ج ۱/ ۲۵۳ طبع دار ابن کثیر بیروت)

(لما فی المشکوٰۃ: ص ۳۷۵)

وعنه قال: قال رسول اللہ ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم.

(فی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ:ج ۴/۲۲۱ مطبع بمبی)

من تشبہ بقوم ای شبہ نفسہ بالکفار مثلا فی اللباس وغیرہ او بالفساق او الفجار او باھل التصرف والصلحاء الابرار (فھو منھم)ای فی الاثم والخیر .

(لمافی الشامی:ج۶/۷۵۵سعید)

والاولی للمسلمین ان لایوافقوھم علی مثل ھذہ الاحوال لاظھار الفرح والسرور [۹۲۸۸]قال صاحب "الجامع الاصغر "المسلم اذا اھدی یوم النیروز الی مسلم اخر شیئا ،ولم یرد بہ تعظیم ذلک الیوم ،ولکن جری ما اعتادہ بعض الناس لایکفر ،ولکن ینبغی ان لایفعل ذلک فی ذلک الیوم خاصۃ ،ویفعلہ قبلہ او بعدہ کیلا یکون شبیھا اولئک القوم وقد قال النبی علیہ الصلاۃ والسلام (من تشبہ بقوم فھو منھم)

(لمافی الدر مع التنویر:ج۶/۷۵۴سعید)

(والاعطاء باسم النیروز والمھرجان لایجوز)الھدایا باسم ھذین الیومین حرام (وان قصدتعظیمہ)کمایعظمہ المشرکون (یکفر)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفرلہ ولوالدیہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر ۳۹۴۸

﴿دعوت کا کھانا کھانے کے بعد اہل خانہ کے لیے دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کی دعوت میں کھانا کھانے کے بعد اہل خانہ کے لیے اجتماعی طور پر دعا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اگر اس دعا کو ضروری قرار دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد حسن پشاور

﴿جواب﴾ حضور اکرم ﷺ سے دعوت کرنے والوں کے لیے متعدد کتب احادیث میں نفس دعا ثابت ہے، البتہ اس میں ہاتھ اٹھانا اور اجتماعی طور پر دعا کرنے کی صراحت نہیں ہے لیکن ہاتھ اٹھانا مستقل کوئی عمل نہیں ہے، دعا کے آداب میں سے ہے، اس لیے ہاتھ اٹھا کر کوئی کرے تو بڑا گناہ نہ سمجھا جائے، اس کو بدعت قرار دینا مشکل ہے، ہاں کسی جگہ ہاتھ اٹھانا ضروری سمجھا جائے اور نفس دعا کو کافی نہ سمجھیں تو اس علاقے کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ حکمت وبصیرت کے ساتھ صحیح نہج قائم کرنے کی کوشش کریں۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۱۸۰/۲ طبع قدیمی)

عن عبداللہ بن بسرؓ قال نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی أبی قال فقربنا الیہ طعاما　قال فقال أبی وأخذ بلجام دابتہ أدع اللہ لنا فقال اللھم بارک لھم فیما رزقتھم فاغفر لھم فارحمھم.

ولما فی سنن أبی داؤد:(۱۸۲/۲ باب فی الدعاء لرب الطعام طبع رحمانیہ)

عن جابر بن عبداللہؓ قال صنع أبو الھیثم بن التیھان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فلما فرغوا قال أثیبوا أخاکم قالوا یا رسول اللہ وما اثابتہ قال ان الرجل اذا دخل بیتہ فأکل طعامہ وشرب شرابہ فدعوا لہ فذلک اثابتہ.

ولما فی الحصن الحصین:(ص ۵۲، دار الاشاعت)

ومن آداب الدعاء بسط الیدین ورفعھما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتوی نمبر: ۲۹۵۱

﴿قبروں پر سبز ٹہنیاں، گل دستے، پھول وغیرہ ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ قبروں پر پھول، گل دستے، سبز ٹہنیاں اور خوشبوں وغیرہ رکھتے ہیں، اس کو ثواب اور قبر والے کی تعظیم سمجھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔　　مستفتی: محمد معاذ کاشکوڑ سواتی

﴿جواب﴾ قبر پر پھول، سبز ٹہنیاں، خوشبوں وغیرہ ڈالنا ثواب کی غرض سے اگر ہو یعنی دین اسلام کا حکم سمجھ کر اگر کوئی ایسا کرے تو غلط ہے، واجب الترک ہے۔

ٹہنی کے بارے میں حدیث مبارکہ سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے کھجور کی ایک شاخ دو حصے کر کے دو شخصوں کی قبروں پر ایک ایک کر کے لگادی اور یہ ارشاد فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر ہوں اس وقت تک ان دونوں سے عذاب خفیف ہو جائے۔

اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کے اقوال متردد ہیں کہ یہ امر صرف آپ علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا یا آج بھی اگر کوئی تر ٹہنی لگائے تو اس سے بھی عذاب میں تخفیف ہو جائیگی۔

چنانچہ قبر پر پھول یا سبز ٹہنیاں اس عقیدہ سے لگانا کہ اس سے عذاب میں تخفیف یقینی ہے تو اس صورت میں جائز نہیں ہے اور صرف محبت وعقیدت کے جذبہ سے ایسا کوئی کرے، شرعی حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی محبت کی تسکین کے لئے تو اس کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسے اعمال جو محض جذبات کی بنیاد پر ہوں اور ان کا ثبوت بھی یقینی درجہ میں نہ ہو سے دور رہے اور یقینی درجہ میں ثابت اعمال مثلاً دعاء ذکرِ خیر اور ایصالِ ثواب وغیرہ کے ذریعہ مرحوم کو نفع پہنچائیں۔

لمافی الرد:(۲/۲۲۵، مطلب فی وضع الجريد ونحو الآس علی القبور، طبع سعيد كراتشی)

أقول: ودليله ما ورد فی الحديث من وضعه عليه الصلاة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان، وتعليله بالتخفيف عنهما مالم ييبسا: أی يخفف عنهما ببركة تسبيحهما إذ هو أكمل من تسبيح اليابس لما فی الأخضر من نوع حياة..... ويؤخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك فلاتباع ويقاس عليه ما اعتيد فی زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه وصرح بذلك أيضاً جماعة من الشافعية، وهذا أولى مما قاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين انما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعاء ه لهما فلا يقاس عليه غيره وقد ذكر البخاری فی صحيحه أن بريدة بن الخصيب رضی الله تعالى عنه أوصى بأن يجعل فی قبره جريدتان

ولمافی مرقاة المفاتيح:(۲/۵۳، كتاب الصلاة، باب آداب الخلاء، طبع رشيديه)

قال النووی: أما وضعهما على القبر فقيل: أنه عليه الصلاة والسلام سأل الشفاعة لهما فأجيب بالتخفيف الى أن ييبسا، وقد ذكر مسلم فی أخر الكتاب فی حديث جابر "أن صاحبی القبرين أجيب شفاعتی فيهما" ای برفع ذلك عنهما مادام القضيبان رطبين ..... قال كثير من المفسرين فی قوله تعالى "وان من شیء الا يسبح بحمده" (الاسراء، ۴۴) معناه أن من شیء حتى ثم قال وحياة كل شیء بحسبه، فحياة الخشب مالم ييبس، والحجر مالم يقطع ..... وقد ذكر البخاری أن بريدة بن الحصيب - ثم رأيت ابن حجر صرح به وقال: قوله لا أصل له ممنوع بل هذا الحديث أصل أصيل له، ومن ثم أفتى بعض الأئمة من متأخری أصحابنا بأن ما اعتيد من وضع الريحان والجريدة سنة لهذا الحديث، اه، ولعل وجه كلام الخطابی أن هذا الحديث واقعة حال خاص لا يفيد العموم ولهذا وجه له التوجيهات السابقة فتدبر فانه محل نظر (متفق عليه)

وهكذا فی امداد الأحكام:(۱/۱۸۴-۱۸۵، كتاب السنة والبدعة، طبع دار العلوم كراتشی)

ولما فی الهندية:(۳۵۱/۵،فی زیارة القبور،طبع رشیدیه کوئٹه)

وضع الورد والرياحين على القبور حسن وان تصدق بقيمة الورد كان أحسن كذا في الغرائب، وهكذا في الخلاصة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۴۳

﴿کسی بھی سنت پر عمل کرنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق میں کہ میری عمر ۲۵ سال ہے، میں نے سنت کی نیت سے بار ہا زلفیں رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اکثر احباب یہ کہہ کر منع کر دیتے ہیں کہ زلفیں رکھنا چالیس ۴۰ سال عمر کے بعد ہی سنت ہے اس سے پہلے نہیں، اسکی کیا حقیقت ہے؟

﴿جواب﴾ زلفیں رکھنا سنن عادیہ میں سے ہے جیسے آپ ﷺ کی نشست و برخاست، لباس سواری وغیرہ. اور کسی بھی سنت پر عمل کرنے کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، البتہ اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ امرد لڑکوں کو زلفیں رکھنے سے منع کرتے ہیں اس لئے کہ اس عمر میں فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے اور ایسی عمر میں منع ہی کرنا چاہیئے ہوسکتا ہے کسی نے قائل کرنے کیلئے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ چالیس سال کی عمر میں زلفیں رکھنا سنت عمل شمار ہوگا جبکہ حق بات یہ ہے کہ چالیس سال عمر کی کوئی قید ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے اس سنت پر عمل کرنے کے لئے چالیس سال عمر کا انتظار منقول ہے، البتہ اساتذہ، بزرگان دین نوعمر لڑکوں کو اگر منع کریں تو انکی اطاعت ضروری ہے۔

لما في اصول السرخسي:(۱۲۸/۱،طبع قدیمی)

السنة سنتان سنة اخذها هدى وتركها ضلالة وسنة اخذها حسن وتركها لا باس به فالاول نحو صلوٰة العيد، الأذان والاقامة والصلوٰة بالجماعة .. والثاني نحو مانقل من طريقة رسول الله ﷺ في قيامه وقعوده ولباسه وركوبه.

ولما في صحيح البخاري:(۲/۸۷۱،باب الذوائب،طبع رحمانيه)

عن ابن عباسؓ قال بت ليلة عند ميمونةؓ بنت الحارث خالتي وكان رسول الله ﷺ عندها في ليلتها قال فقام رسول الله ﷺ يصلي من الليل فقمت عن يساره قال فاخذ بذوابتي فجعلني عن يمينه.

ولمافی سنن ابی داود:(۲/۲۲۳،طبع رحمانیه)

عن البراء قال مارایت من ذی لمة احسن فی حلة حمراء من الرسول الله ﷺ وعن انس قال کان شعر رسول الله ﷺ الی شحمة اذنیه وعن عائشة قالت کان شعر رسول الله ﷺ فوق الوفرة ودون الجمة.وفی حاشیته:فالجمة الی المنکبین ... الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:خالدالرحمٰن کرکی

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتوی نمبر:۲۲۷۲

﴿ کھانے کے شروع میں بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ پڑھنا چاہیے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھانا شروع کرتے وقت "بسم الله وعلیٰ بركة الله" پڑھنا چاہیئے یانہیں؟ایک مولوی صاحب نے کہا کہ یہ دعاء ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں اس کا پڑھنا بدعت ہے۔تسلی بخش جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا انہی الفاظ کے ساتھ حصن حصین اور تفسیر مظہری میں بحوالہ مستدرک موجود ہے،مستدرک کے موجودہ نسخہ میں لفظ "علیٰ" نہیں ہے،کاتب کی غلطی کا بھی امکان ہے،تاہم حصن حصین اور تفسیر مظہری کا لفظ "علیٰ" کے ساتھ روایت کرنا بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کفی بھما قدوۃ،لہٰذا پڑھنے کو غلط یا بدعت قرار دینا مولوی صاحب کی غلطی ہے امت میں عام رائج خصوصاً نیک لوگوں کے حلقوں میں جاری عمل کے بارے میں تحقیق نہ ہو تو معذرت کرنی چاہیئے،زیادہ سے زیادہ یوں کہہ دیا جائے کہ میرے علم میں نہیں ہے یا میری نظر سے نہیں گذرا تو اسمیں بچت ہے اپنی ناقص تحقیق سے بدعت قرار دینا بڑی غلطی ہے۔

لمافی حصن حصین:(ص ۲۳۰،طبع دارالاشاعت)

قوله ﷺ ان هذا هو النعیم الذی تسألون عنه یوم القیمة فلما کبر علی اصحابه قال: اذا اصبتم مثل هذا وضربتم بایدیکم فقولوا بسم الله وعلیٰ برکة الله.

ولمافی المظهری:(۱۰/۳۳۶،طبع رشیدیه)

روی الحاکم فی المستدرک عن ابی هریرة ... قوله ﷺ اذا اصبتم مثل هذا وخبزتم بایدیکم فقولوا بسم الله وعلیٰ برکة الله... الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:خالدالرحمٰن کرکی

۲۳ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ　　　　فتوی نمبر:۱۹۲۵

﴿کتاب العلم والتبلیغ﴾

﴿روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص حج یا عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جانا لازم ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد صادق

﴿جواب﴾ حج یا عمرہ کرنے والا جب حج اور عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جائے تو ان کو چاہئے کہ وہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ چلا جائے اس لئے کہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے، آپ ﷺ نے اسکی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔

لما في حاشية الطحطاوي: (ص:٤٠٥، مطبع قديمي)

على سبيل الاختصار تبعا لما قال في الاختيار لما كانت زيارة النبي ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة مالزم من الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها فقال "من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني" وقال ﷺ من زار قبري وجبت له شفاعتي وقال ﷺ من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي.

ولما في كتاب الاختيار: (١/٢٢٦)

ولما جرت العادة ان الحجاج اذا فرغوا من مناسكهم وقفلوا عن المسجد الحرام قصدوا المدينة زائرين قبر النبي ﷺ اذهي من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها

ولما في الهندية: (١/٢٦٥، طبع رشيديه)

خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى انها أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة والحج ان كان فرضا فالاحسن ان يبدأ به ثم يثني بالزيارة وان كان نفلا كان بالخيار

ولما في فتح القدير (ج٣/ص١٦٧، طبع رشيديه)

المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى من افضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة والحج لذا تقضى عنه عليه الصلاة والسلام من جاءني زائرا لا تعلمه حاجة الا

زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة

ولمافی الدر مع الرد (ج۲/ص۶۲۶) سعید

وزیارة قبره مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة یبدأ بالحج لو فرضا ویخیر لو نفلا۔

فی الشامی تحت قوله مندوبة ای باجماع المسلمین ...... (قوله بل قیل واجبة) انها قریبة من الوجوب لمن له سعة۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آنا عفی عنہ

۳ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ — فتویٰ نمبر

﴿خلافت وامن مشروط وموعود ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اس آیت مبارکہ "وعدالله الذین امنو منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم... الخ" جو وعدہ مذکور ہے یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ خاص تھا یا ہمارے لئے بھی ہے؟ اس لئے کہ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں جو وعدہ ہے یہ ہر زمانہ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے، جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وعدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھا جو کہ پورا ہو چکا ہے۔ براہ کرم آپ تفاسیر کے حوالوں کے ساتھ صحیح مؤقف کی نشاندہی فرمائیں۔ مستفتی: مولوی نور محمد صاحب

﴿جواب﴾ جس طرح آپ ﷺ آخری نبی اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے معلم بنا کر مبعوث فرمائے گئے اسی طرح قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کیلئے ہدایت نامہ کے طور پر نازل فرمائی گئی، اس میں موجود تمام وعدے، بشارتیں اور وعیدیں ہر دور کے لوگوں کیلئے ہیں اور روئے زمین پر آباد تمام اقوام کیلئے ہیں، لہٰذا مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی خلافت اور قیام امن وامان کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے، البتہ مشروط وعدہ ہے شرط پوری ہوگی تو وعدہ پورا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شرط کے معیار پر پورے اترے تو وعدہ بھی پورا ہوا اسی طرح بعد کے مسلمانوں میں جس درجہ کا ایمان تھا اور اعمال صالحہ تھے تو اسی

درجہ میں وعدہ بھی پورا ہوتا رہا اور مسلمان جب ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے کسی حد تک کمزوری کے شکار ہو گئے تو اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے خلافت اور امن و امان کی نعمت بھی سلب فرمائی اس آیت کے علاوہ بھی کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ میں اس وعدہ یا بشارت کا ثبوت ملتا ہے اور اصحاب بصیرت پوری طرح یقین کے درجہ میں جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت آج بھی اس شرط پر پوری اترے تو اللہ تعالیٰ وعدہ پورا فرمانے میں دیر نہیں فرمائیں گے وہ ہر ایک وعدہ پورا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں فرماتے ہاں بعض علماء کرام نے اس وعدہ کو خیر القرون کے ساتھ خاص سمجھا ہے لیکن ان پر تمام محققین علماء کرام اور مفسرین نے رد کر دیا ہے اس لئے اس وعدہ کو خیر القرون کے ساتھ خاص سمجھنا غلط ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ وعد الله الذین...الخ میں جو وعدہ ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ ساتھ عام مؤمنین کیلئے بھی ہے۔

من الواعد الكريم معرب عنه بطريق التصريح ومبين لتفاصيل ماجمل فيه من فنون السعادات الدينية والدنيوية التى هى من آثار الاهتداء ومتضمن لما هو المراد بالطاعة التى نيط بها الاهتداء وان المراد بالذين امنوا كل من اتصف بالايمان بعد الكفر على الاطلاق من اى طائفة كان وفى اى وقت كان لا من آمن من طائفة المنافقين فقط ولا من آمن بعد نزول الاية الكريمة فحسب ضرورة عموم الوعد الكريم ـــ الخ(۱۸/۵۲۵)

حضرت علامہ ابن عطیہؒ اپنی تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز المعروف بتفسیر ابن عطیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عام امت محمد ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

فنزلت هذه الآية عامة لامة محمد ﷺ ـ "أستخلافهم" هو أن يملكهم البلاد ويجعلهم أهلها ـ ولما قدم تعالى شرط عمل الصالحات بينهما فى هذه الآية ،فنص على عظمها وهى اقامة الصلاة وايتاء الزكوة وعم بطاعة الرسول لانها عامة لجميع الطاعات ولعلكم معناه فى حقكم معتقدكم ـــ الخ(۴/۱۹۱،طبع بيروت)

حضرت علامہ اسماعیل حقی بن مصطفےٰ الاستنبولی الحنفی اپنی تفسیر روح البیان میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ عام ہے:

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت الخطاب لعامة الكفرة ومن تبعيضية اوله

علیه السلام ولمن معه من المومنین۔۔الخ(۱۴۲/۶،طبع :دار البشر بیروت)

حضرت علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے اپنی تفسیر الطبری میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ جو وعدہ ذکر فرمایا ہے یہ مجموعہ امت محمد یہ ﷺ کیلئے انعام ہے:

[۲۶۱۸۱]قال حدثنا ابن المثنى ــــــــ والذی قال ابو العالیه من التأویل اشبه بتأویل الآیة وذلک ان الله وعد الانعام علی هذه الامة بما اخبر فی هذه الآیة ان منعهم به علیهم ــ الخ(جلد ۹ آیة ۵۵،سورة النور،دار الکتب)

اور حضرت علامہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن المعروف بتفسیر قرطبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ وعدہ جمیع امت کیلئے ہے:

قال علماؤنا هذه الایة دلیل علی خلافة الخلفاء الاربعة رضی الله عنهم فان الله استخلفهم ورضی امانتهم وکانوا علی الدین الذی ارتضی لهم ،لانهم لم یتقدمهم احد فی الفضیلة الی یومنا فاستقر الامر لهم ،وقاموا بسیاسة المسلمین وذبوا عن حوزة الدین فنفذ الوعد فیهم، واذا لم یکن هذا الوعد لهم نجز وفیهم نفذ وعلیهم ورد ،ففیمن یکون اذاً ،ولیس بعدهم مثلهم الی یومنا هذا ،ولا یکون فیما بعده ،رضی الله عنهم ،وحکی هذا القول القشیری عن ابن عباس ،واحتجوا بما رواه سفینة مولی رسول الله ﷺ یقول: [۶۱۲۹]"الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکاً"۔۔وقال قوم:هذا وعد لجمیع الامة فی ملک الارض کلها تحت کلمة الاسلام، کما قال علیه الصلاة والسلام :[۶۱۳۰]"زویت لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منها"واختار هذا القول ابن عطیه فی تفسیره حیث قال:والصحیح فی الایة انها فی استخلاف الجمهور ،واستخلافهم هو ان یملکهم البلاد ویجعلهم اهلها، کالذی جری فی الشام والعراق وخرسان والمغرب۔قال ابن العربی:قلنا لهم هذا وعد عام فی النبوة والخلافة واقامة الدعوة وعموم الشریعة، فنفذ الوعد فی کل احد بقدره وعلی حاله، حتی فی الملتین والقضاة والائمة ۔۔۔قلت :هذه الحال لم تختص بالخلفاء الاربعة رضی الله عنهم حتی یخصوا بها من عموم الایة ،بل شارکهم فی ذلک جمیع المهاجرین بل وغیرهم ۔۔الخ(ج ۱۱/۱۲: ص ۲۴۲ طبع رشیدیه)

جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ وعدہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص تھا اور پورا ہو چکا، ان کا مستدل وہ حدیث ہے جو صاحب احکام القرآن نے بروایت حضرت سفینہ نقل کی ہے:"الخلافة ثلاثون سنة ثم تکون ملکاً"لیکن ان کا یہ استدلال کمزور ہے۔ چنانچہ

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے دو جوابات دیئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ تیس (۳۰) سال ہوگی یا یہ کہ تیس سال بغیر انقطاع کے خلافت ہوگی اسکے بعد کبھی ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی، لہذا حدیث مذکور تیس سال کے بعد خلافت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

(قال سمعت النبی ﷺ یقول :الخلافة)ای الحقة او المرضیة لله ورسوله او الکاملة او المتصلة(ثلاثون سنة ثم تکون)ای تنقلب الخلافة وترجع (ملکا) بضم المیم ،ای سلطنة وغلبة علی اهل الحق ،قال فی شرح العقائد :وهذا مشکل لان اهل الحل والعقد کانوا متفقین علی خلافة الخلفاء العباسیة وبعض المروانیة کعمر بن عبد العزیز ولعل المراد ان الخلافة الکاملة التی لا یشوبها شئی من المخالفة ومیل عن المتابعة تکون ثلاثون سنة وبعدها قد تکون وقد لا تکون ۔اه(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح :ج۱۰/ ۲۱،۲۲ رشیدیة)

اسی طرح الشیخ الامام المحدث الکبیر حضرت خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ "بذل المجهود فی حل ابی داود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دین اسلام کی شان وشوکت بارہ خلفاء کے ادوار تک بلند وبالا رہیگی ۔اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ادوار سارے مسلسل ہونگے ، بلکہ تیس سال تک تو خلفاء راشدین کا دور مسلسل رہا ،اور اسکے بعد بھی وقتاً فوقتاً اور خلفاء آئینگے اور اس حدیث میں بارہ خلفاء کی تعداد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زیادہ نہیں آئینگے۔

عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یزال هذا الدین عزیزا الی اثنی عشر خلیفة قال فکبر الناس وضجوا ۔۔ثم قال کلمة خفیفة قلت لابی یا ابت ما قال ۔قال ۔۔کلهم ۔۔قریش ۔۔۔کتب مولانا محمد یحیی المرحوم فی التقریر قوله اثنا عشر خلیفة ولیس فیه نفی الزیادة والمراد بالخلیفة ان کان اعم من ان یکون علی سیرة الخلفاء الراشدین اولا فالامر ظاهر انه کان کذلک وان ارید ان یکون علی سیرة اولئک فنقول لیس فیه اشتراط انهم یکونون علی التوالی من دون ان ینفصل بینهم من لیس کذلک فکم من ملوک هم علی طریقة مسلوکة من الائمة الراشدین انتهی ۔(بذل المجهود فی حل ابی داود:ج۵ /۱۰۱ مکتبه الشیخ)

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں "اس آیت میں مجموعہ امت سے وعدہ ہے ایمان وعمل صالح پر حکومت دینے

کا جس کا ظہور خود عہد نبوی سے شروع ہو کر خلافت راشدہ تک متصلاً ممتد رہا چنانچہ جزیرہ عرب آپ کے زمانہ میں اور دیگر عرب ممالک زمانہ خلفاء راشدین میں فتح ہو گئے اور بعد میں وقتاً فوقتاً گو اتصال نہ ہو دوسرے صلحاء ملوک وخلفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا جب کہ دوسری آیات میں ہے "ان حزب اللہ ھم الغلبون" المائدہ اور اس وعدہ کا حاصل مجموعہ ایمان وعمل صالح وعبادت خالصہ پر مجموعہ استخلاف تمکین دین وتبدیل خوف بالامن کا مرتب ہونا ہے اور سیاق سے اس مرتب کا اختصاص بھی اس مرتب علیہ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے بس فساق یا کفار کو احیاناً حکومت وسلطنت مل جانا اشکال نہیں۔ الخ (۵۸۸/۲، ۵۸۹)

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ برحق ہے اس نے ہر وعدہ پورا فرمایا ہے اور آئندہ اس کے سارے وعدے پورے ہوں گے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو وعدے فرمائے جو ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر تھے وہ سب پورے ہوئے پورے عرب (حجاز، یمن عراق، نجد) پر ان کا تسلط ہوا، ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم رہیں صد ہا سال افریقہ اور ایشیاء کے ممالک پر ان کا قبضہ رہا انہیں پورا اختیار تھا کہ اپنے دین پر چلیں اور لوگوں کو چلائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اور اسلام پھیلائیں۔۔۔۔ (آخر میں لکھتے ہیں) کہ اگر آج بھی مسلمان مضبوط ایمان والے ہو جائیں اور اعمال صالحہ والے بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصہ میں لگ جائیں تو پھر ان شاء اللہ وہی دن آجائیں گے جو خلافت راشدہ کے زمانے میں اور ان کے بعد دیگر ملوک صالحین کے زمانہ میں تھے "واقیموا الصلوۃ۔۔۔ (اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) اس میں واضح طور پر بتادیا کہ دوبارہ فرمانبرداری کی زندگی پر آنے اور عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ ادا کرنے پر آجائیں تو پھر رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تعجب ہے کہ جن فاسقوں کو بار بار آزما چکے ہیں انہی کو دوبارہ اقتدار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔" انا للہ وانا الیہ راجعون " (انوار البیان: ۲۱۱/۴، طبع: دار الاشاعت)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں "الحمد للہ یہ وعدہ

انکی چاروں خلفاء راشدین کے ہاتھوں پورا ہوا، اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشن گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا خلفاء راشدین کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئینگے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہونگے جنکے متعلق عجیب وغریب بشارات سنائی گئی ہیں۔۔۔ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینگے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اسلام کا کلمہ بلند کرینگے۔۔۔۔۔۔ ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لیکر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ لکھتے ہیں

"وجبی الخراج من المشارق والمغارب الی حضرة امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وذلک ببرکۃ تلاوتہ ودراستہ وجمعہ الامۃ علی حفظ القرآن ولهذا ثبت فی الصحیح ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها وسيبلغ ملك امتى مازوى لى منها فها نحن نتقلب فيما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله فنسأل الله الايمان به وبرسوله والقيام بشكره على الوجه الذى يرضيه عنا" (تفسیر عثمانی: ص۴۷۷)

"ابن کثیر نے اس جگہ صحیح مسلم کی حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس امت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے ہیں جو خلفاء راشدینؓ تھے کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوئے ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہونگے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان اور عمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات میں اختلاف لازمی ہے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح

بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے "ان حزب اللہ ھم الغلبون" یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی" (گلدستہ تفاسیر: ج ۵/۱۵۹، ادارہ تالیفات)

اسی آیت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عام ہے اور مجموعہ امت کے لئے ہے (امداد الفتاوی: ۸۰/۸۱، ۸۱ دفع الاعتساف عن آیۃ استخلاف) عبارت امداد الفتاویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا مستند حوالوں سے آیت کے متعلق صحیح اور غلط مؤقف واضح ہو گیا لہٰذا آپ نے صحیح نہیں سمجھا اور اس دوسرے صاحب کا مؤقف صحیح ہے کہ یہ وعدہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: جنی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۹۶۰

﴿قرآن کریم کے رسم الخط کی رعایت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اکثر لوگ قرآن مجید کی عبارت کو انگریزی الفاظ میں یا اردو میں لکھ کر میسج کرتے رہتے ہیں آیا اس طرح کرنا شرعاً درست ہے؟ قرآن شریف کی بے ادبی میں تو نہیں آتا؟ اگر آتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی: مولوی محمد نعیم خان مانسہرہ

﴿جواب﴾ قرآن کریم لکھتے ہوئے رسم خط (خط عثمانی) کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لکھائی کی اپنی اصلی ہیئت کے خلاف لکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ آج کل موبائل پر انگریزی ہجوں میں اردو لکھنا بھی رائج ہو رہا ہے میری نظر میں یہ بھی غیروں کی نقالی کا ایک حصہ ہے اس سے بھی بچنا چاہیے قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھنا بلاشبہ سخت گناہ ہے چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے فتاویٰ عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں "قرآن کریم

کو رسم عثمانی کے سوا کسی اور رسم الخط میں لکھنا ناجائز ہے'' ۲۱۸/۱

لما فی الاتقان فی علوم القرآن فی مرسوم الخط وآداب کتابته: (۲/۲۲۵ مطبع: قدیمی)

قال اشهب: سئل مالک: هل یکتب المصحف علی ما احدثه الناس فی الهجاء؟ فقال: لا الا علی الکتبة الاولی، رواه الدانی فی المقنع ثم قال: ولا المخالف له علماء الأمة وبعد اسطر وقال الامام احمد یحرم مخالفة مصحف الامام فی واو او یاء او الف او غیر ذلک۔

وفی خلاصة النصوص الجلیة ص: ۲۵ (بحواله جواهر الفقه: ۲/۱۰۲)

اجمع المسلمون قاطبة علی وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته ـــ الخ

وایضاً فی الفرائد الحسان فی بیان رسم القرآن ص: ۵۸

لما فی التجنیس والمزید (بحواله جواهر الفقه ۲/۱۰۲)

ویمنع من کتابة القرآن بالفارسیة بالاجماع لانه یؤدی للاخلال بحفظ القرآن لانا امرنا بحفظ النظم والمعنی فانه دلالة علی النبوة، ولانه ربما یؤدی الی التهاون بامر القرآن انتهی۔

ایضاً فی معراج الدرایة انه یمنع من کتاب المصحف بالفارسیة اشد المنع انه یکون معتمده زندیقا ـــ الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ | واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ لمغفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۰۱۶

﴿قرآن مجید ٹیوشن پڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے سے متعلق کہ ڈیفنس سوسائٹی کے بنگلوں میں کمرشل (تجارتی) کام کی اجازت نہیں ہے تو کیا ان بنگلوں میں ٹیوشن پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسروں کے گھروں میں جا کر ٹیوشن پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: مجتبیٰ

﴿جواب﴾ ٹیوشن پڑھانا کوئی کمرشل (تجارتی) کام نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اجارہ یعنی ملازمت کے زمرہ میں آتا ہے ڈیفنس اتھارٹی نے صرف کمرشل کام کو اگر منع کیا ہے تو اس کا اطلاق ٹیوشن پر نہیں ہوتا اس لحاظ سے کوئی گناہ نہیں۔

اور یہ کام فی نفسہ تو جائز ہے اس میں کوئی خرابی نہیں لیکن دوسروں کے گھروں میں جا کر

پڑھانا اور بار بار آنا جانا انتہائی نازک کام ہے طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس لیے جہاں تک سکے ہو اس سے بچنا چاہیے زیادہ مجبوری ہو تو محتاط رہنا چاہیے۔

لما فی الفتاوی العالمگیریۃ(۵/۵۰۷قدیمی کتب خانہ)

ولو استاجر لتعليم ولده الكتابة او النجوم اوالطب او التعبير جاز با الاتفاق وفى الفتاوى الفضلى ولواستاجرالمعلم على حفظ الصبيان اوتعليم الخط او الهجاء جاز.

ولما فی الفتاوی قاضی خان(۲/۲۲۳قدیمی کتب خانہ)

ولواستاجر رجلا ليعلم غلامه اوولده شعرا اوادبا اوخطا او حسابا او هجاء او حرفة من الخياطة ونحوها ان بين لذاك وقتا معلوماستة اشهر او ما اشبه ذالك جاز ويجب المسمى تعلم فى تلك المدة او لم يتعلم.

ولما فی تبیین الحقائق(۶/۱۸ امکتبہ سعید)

استاجر انسانا ليعلم لغلامه او ولده شعرا او ادبا او حرفة مثل الخياطة ونحوها فا الكل سواء ان بين المدة بان استاجر شهرا ليعلمه هذا العمل يجوز ويصح وينعقد العقد على المدة حتى يستحق الاجرة تعلم او لم يتعلم اذا سلم الاستاذ نفسه لذالك ......وكذا تعليم سائر الاعمال كالخط والهجاء والحساب على هذا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی غفرلہ ولوالدیہ

۱۴محرم الحرام ۱۴۳۳ھ   فتوی نمبر: ۳۲۱۹

﴿لاؤڈ اسپیکر پر درس قرآن دینے سے لوگوں کو تکلیف ہو تو منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد میں امام صاحب نماز فجر کے فوراً بعد لاؤڈ اسپیکر میں درس قرآن دیتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کی آواز پورے گاؤں کے گھروں میں سنائی دیتی ہے، گھروں میں اکثر حضرات و مستورات اس بیان کو توجہ سے نہیں سنتے، تو کیا اس طرح لاؤڈ اسپیکر میں درس قرآن دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ درس قرآن دینا تو بڑا اچھا عمل ہے، لیکن ہر اچھے اور مفید کام کیلئے موقع محل کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے، امام صاحب درس قرآن کے پھول برسائیں اور لوگ سونگنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں، تو اس طرح بے قدری کرنے میں امام صاحب کا بھی حصہ ہے، دین کی بات کوئی احترام سے اگر نہیں سنتا تو سنانا نہیں چاہیے۔

امام صاحب کو چاہئے کہ صرف ان لوگوں کو سنائیں جو امام کے ساتھ باقاعدہ سبق میں شرکت کے لئے حاضر ہوں، پورے گاؤں والوں کو سنانے میں کئی مفاسد ہیں، مثلاً لوگوں کی بے توجہی سے علاوہ بعض کو تکلیف بھی ہوتی ہے، کوئی مریض ہوگا، کسی کو کوئی سخت حاجت ہوگی بعض لوگوں میں سمجھ کی کمی ہوتی ہے وہ اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ متعلقہ غلط الفاظ بول دیتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے عقائد میں فساد کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے امام صاحب کو چاہئے کہ آواز مسجد تک محدود رکھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگ خصوصاً مستورات لاؤڈ اسپیکر پر درس ہونے کو پسند کریں گے اور ان کو فائدہ بھی ہوگا لیکن فائدہ سے نقصان زیادہ کا اندیشہ ہے، اس لئے لاؤڈ اسپیکر پر درس قرآن نہیں دیا کریں۔

لما في البحر الرائق (باب: ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۲/۳۲، طبع رشيديه)

"لان المسجد بني لاشياء صلوة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن"

ولما في الشامي (مكروهات الصلوة: ۱/۶۶۰، طبع سعيد)

"وفي حاشية الحموي عن الامام الشعراني: اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ ...الخ"

ولما في الدر المختار (مكروهات الصلوة: ۱/۶۶۱)

"وكذا كل مؤذ ولو بلسانه وكل عقد الا لمعتكف بشرطه"

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شمس الدین عفی عنہ

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۰۰

﴿انگوٹھے کو کانوں کی لو سے مس کرنا ضروری نہیں تو منع بھی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ہمارا درس کتب حدیث رفع الیدین فی تکبیر التحریمۃ پر پہنچ گیا تو ایک استاذ حدیث نے فرمایا کہ انگوٹھے کا کان کے لو کو ہاتھ مس کرنا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور دوسرے استاذ حدیث نے اپنے

درس میں فرمایا، کہ مس کرنا حدیث میں آیا ہے۔لہذا آپ حضرات سے گذارش ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ دونوں اساتذہ کرام کی بات صحیح ہے، کسی حدیث شریف میں باقاعدہ مس کرنے کا صراحۃً ذکر ہمارے علم میں بھی نہیں ہے، لیکن مس کرنا کوئی غلط بھی نہیں ہے بعض فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

آجکل غیر مقلدین کے پروپیگنڈوں سے اور سنت اعمال کو اپنے نئے فیشن انداز میں پیش کرنے سے ہم لوگ بھی متاثر ہو رہے ہیں، اکثر غیر مقلدین کو دیکھا ہے رفع یدین کیلئے ایک نیا انداز (سٹائل) اختیار کرتے ہیں۔لہذا رفع یدین کرتے ہوئے آسانی سے کانوں کے لو کو انگوٹھوں سے مس کرنا کوئی غلط نہیں ہے، البتہ ضروری سمجھنا اور مس کرنے کیلئے تکلف برتنا غلط ہے، اسی طرح صرف ہاتھوں کو اٹھانا کافی سمجھنا چاہے جس رخ پر ہاتھ جائیں یہ بھی غلط ہے، سنت عمل کو اہتمام سے ادا کرنا چاہئے۔اساتذہ کرام کی باتوں میں تضاد یا تعارض نظر آئے تو مناسب توجیہ سے تعارض کو خود ہی ختم کرنا چاہئے یہی ادب کا تقاضا ہے، توجیہ کی کوئی صورت نہ بن پائے تو انہی اساتذہ کرام سے ہی حل پوچھنا چاہئے۔

لما فی التنویر مع الشر:(۴۸۲/۱، طبع: سعید)

(ورفع يديه ــ ماسا بإبهاميه شحمتي أذنيه) هو المراد بالمحاذاة لأنها تتيقن الا بذالک. ومثله في فتاوى قاضيخان :(۸۲/۱ طبع: قديمى). وفي البحر:(۱۰۵/۱. طبع:سعيد)

ولما في السعاية:(۱۵۲/۲، باب صفة الصلوة طبع: سهيل أكيڈمى)

(قال ما سا الخ) حال ثالثة مترادفة اى لا مسأ بطرفي ابهاميه شحمتي أذنيه بفتح الشين اى ما لان من أسفل الأذن معلق القرط ،وعبارة الهداية يرفع يديه حتى يحاذى بابهاميه شحمتي أذنيه ،فغير المصنف المحاذاة الى المس تبعاًلقاضيخان فانه قال في فتاواه يرفع يديه حذاء أذنيه ويمس طرف ابهاميه شحمة أذنيه وأصابعه فوق أذنيه انتهى.وذكر صاحب البداية أيضاً في مختارات النوازل المس ،وقال القهستاني في جامع الرموز ذكر في النظم أن محاذاة الابهام الشحمة مسنونة،وفي ظاهر الأصول محاذاة اليد الأذن ويكره التجاوز عنها. والمس لم يذكر في المتداولات الا في فتاوى

قاضیخان والظهيرية، والقول بانه لتحقق المحاذاة ليس بشيئي انتهى.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۸ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۱۵

﴿فقہ حنفی چالیس فقہاء کرام کا مرتب کردہ قانون ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ حنفی کو ترتیب چالیس علماء کرام نے دی ہے اس بات کی کچھ حقیقت ہے؟ مستفتی: محمد ارشاد

﴿جواب﴾ یہ بات بالکل درست ہے کہ فقہ حنفی ایک شخصی رائے نہیں بلکہ ان چالیس جبال العلم حضرات جو علم وفضل، فہم وفراست زہد وتقویٰ اور ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے کی شوریٰ کا مرتب کردہ قانون ہے، جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام صاحبؒ اپنی کمیٹی کے ارکان سے مشورہ فرماتے، کئی کئی دنوں تک بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیالات فرماتے اور اس وقت تک کسی مسئلہ کو حتمی شکل نہیں دیتے تھے جب تک آپ کے تمام اہل مجلس کی رائے سامنے نہ آتی اور جب مسئلہ پوری طرح منقح ہوجاتا تو امام ابو یوسفؒ یا کسی اور کو فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں لکھ دو۔

لما في رد المحتار: (۶۷/۱، طبع ایچ ایم سعید)

ونقل ط عن مسند الخوارزمي: أن الامام اجتمع معه ألف من أصحابه أجلهم وأفضلهم أربعون، قد بلغوا حد الاجتهاد.....فكان اذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم، وحاورهم وسألهم، فيسمع ما عندهم من الاخبار والآثار، ويقول ما عنده، ويناظرهم شهرا أو أكثر حتى يستقر الآخر الاقوال فيثبته أبو يوسف، حتى أثبت الاصول على هذا المنهاج شورى، لا أنه تفرد بذلك كغيره من الأئمة.

ولما في التاتارخانية: (۱۲/۱، طبع قديمي)

فأول من دون الفقه والقانون الاسلامي: الامام أبو حنيفة، انتخب من تلاميذه أربعين رجلا من كبار العلماء والفقهاء، وكوّن مجلسا متقنا، وكان كل عضو من أعضاء ذلك المجلس فريد عصره في فنه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۸

﴿نوجوان عالم کا مرتبہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں ایک نوجوان عالم کو بزرگ لوگوں سے زیادہ حیثیت دی جاتی ہے مثلاً بات کرنے کے دوران یا راستے پر چلتے وقت اٹھنے بیٹھنے وغیرہ میں کیا بزرگوں کی حیثیت ایک نوجوان عالم سے زیادہ نہیں شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تعجب کی بات ہے کہ ایک دنیا دار کی عزت وتوقیر اور خوشامد پر تو کسی کے منہ سے حرف شکایت نہیں نکلتا اگر چہ وہ ایک نوخیز لڑکا ہی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ عزت وتوقیر صرف دنیوی غرض کے لیے ہوتی ہے لیکن جب ایک دینی طالب علم مدارس میں سالہا سال علوم قرآن وحدیث پڑھ کر گھر لوٹتا ہے اور کچھ خوش نصیب لوگوں کو اس کے احترام کی توفیق مل جاتی ہے تو ذہن میں طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوجاتے ہیں فالی اللہ المشتکی!

بے شک بزرگوں کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے بلکہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ جو ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن بایں ہمہ بزرگ اگر غیر عالم ہیں تو ان کی حیثیت ایک عالم کے برابر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی عالم کو حیثیت دینے سے بزرگ کی اپنی حیثیت میں کچھ کمی آتی ہے۔

فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے کہ غیر عالم کو چاہیئے (اگر چہ وہ بزرگ ہو) کہ عالم سے پہلے بات نہ کرے اور اس کی جگہ پر نہ بیٹھے وغیرہ، اس لیے اگر آپ کے علاقے میں واقعی عالم کو اتنی حیثیت دیجاتی ہے تو آپ کو اس پر اشکال نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ اس دور ناشناسائی میں محبت کی ایک جھلک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم اور اہل علم سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

لمافی قوله تعالی:(سورة الزمر،آیت۹)قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون.

ولمافی قوله تعالی(سورة المجادلة،آیت ۱۱)یرفع الله الذین آمنو منکم والذین اوتوالعلم درجات

ولمافی الهندیة :(۵/۳۷۳،طبع رشیدیه)

"والشاب العالم یتقدم علی الشیخ الغیر العالم والعالم یتقدم علی القرشی الغیر العالم قال الزندویستی حق العالم علی الجاهل وحق الاستاذعلی التلمیذواحد علی السواء

وهو ان لا يفتتح بالكلام قبله ولا يجلس مكانه وان غاب ولا يرد على كلامه ولا يتقدم عليه في مشيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۴

﴿کسی غیر عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ عالم کی تحریر پر اعتراض کرے﴾

﴿سوال﴾ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حضرت مفتی صاحب امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے عرض طلب مسئلہ یہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائل اعمال میں فضائل قرآن کے تحت "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں "ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کیلئے سہل کر رکھا ہے، ہے کوئی حفظ کرنے والا" جس پر ہمارے چند ساتھیوں کا کہنا ہے کہ یہ ترجمہ غلط ہے، کیونکہ "للذکر" کا ترجمہ نصیحت اور عبرت ہے جیسا کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۵۹۹ پر لکھتے ہیں "بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کیلئے تو ہے کوئی شخص سوچنے والا کہ ان عبرتناک واقعات کو غور وفکر کی نظر سے دیکھ کر ایمان وہدایت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرے تاکہ دین ودنیا کی فلاح وسعادت حاصل ہو"۔ برائے مہربانی اس اعتراض کا جواب دلائل کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔ مستفتی: محمد ایاز، عمرکوٹ

﴿جواب﴾ شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ اپنے دور کے ممتاز عالم دین تھے، کسی غیر عالم آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عالم کی بات کو غلط کہے۔ اور بغیر تحقیق کے کسی عالم کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بزرگوں کی تحریر یا تقریر پر تنقید کرے۔ آپ کے دوستوں نے کون سی تفاسیر کا مطالعہ کیا جس سے ان کو معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کا اس طرح ترجمہ غلط ہے؟ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے آیت کا دوسرا ترجمہ کر کے ایسا تو نہیں فرمایا کہ اس کے علاوہ ترجمہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ترجمے صحیح ہیں عربی تفاسیر میں یہاں پر "للذکر" سے دونوں معانی مراد لینا صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں دونوں معانی مراد لینا واضح فرمادیا ہے۔

لما فی روح المعانی:(۱۱۸/۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

والله لقد سهلنا القرآن للذكر بان انزلناه على لغتهم وشحناه بانواع المواعظ والعبر وصرفنا فيه من الوعيد والوعد "للذكر" اى للتذكر والاتعاظ "فهل من مدكر" انكار ونفى للمتعظ على ابلغ وجه وآكده يدل على انه لا يقدر احد ان يجيب المستفهم بنعم. وقيل: المعنى سهلناه للحفظ لما اشتمل عليه من حسن النظم وسلامة اللفظ وشرف المعانى وصحتها وعروه عن الحشو.

اسی طرح محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر صفوۃ التفاسیر میں دونوں معانی مراد لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

لما فی صفوة التفاسير:(۲۸۶/۳، طبع مدنیہ لاہور)

اى والله لقد سهلنا القرآن للحفظ والتدبر والاتعاظ لما اشتمل عليه من انواع المواعظ والعبر "فهل من مدكر" اى فهل من متعظ بمواعظه معتبر بقصصه وزواجره؟ قال الخازن: وفيه الحث على تعليم القرآن والاشتغال به، لانه قد يسره الله وسهله على من يشاء من عباده بحيث يسهل حفظه للصغير والكبير والعربى والعجمى وبالجملة فقد جعل الله القرآن مهيأ ومسهلا لمن اراد حفظه وفهمه او الاتعاظ به ظهوراس سعادة الدنيا والآخرة

اور ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ:(۵۰/۶، طبع: رشیدیہ، کوئٹہ)

(ولقد يسر القرآن للذكر) يعنى هونا قراءته. وقال السدى: يسرنا تلاوته على الالسن. وقال الضحاك: عن ابن عباس لولا ان الله يسره على لسان الآدميين ما استطاع احد من الخلق ان يتكلم بكلام الله "فهل من مدكر" اى فهل من متذكر بهذا القرآن الذى قد يسر الله حفظه ومعناه؟ وقال محمد بن كعب القرظى فهل من منزجر عن المعاصى؟

اور دیکھئے تفسیر مظہری:(۱۳۸/۹، طبع: رشیدیہ، کوئٹہ)

(ولقد يسرنا القرآن للذكر) اى سهلنا القرآن للذكر اى للاذكار والاتعاظ بان ذكرنا فيه انواع المواعظ والعبر والوعيد واحوال الامم السابقة للاعتبار والمعنى يسرنا القرآن للحفظ بالاختصار وعذوبة اللفظ.

امید ہے آپ کے دوستوں کی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے مذکورہ حوالے کافی ہوں گے۔

والله اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفر لہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۲۸

۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿تعلیمی حلقے میں بیٹھنا نفلی نماز سے افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صوم وصلاۃ کا پابند آدمی ہوں فرض نماز کے بعد ذکر واذکار، اوابین اور دیگر نوافل بھی عرصہ سے میرا معمول ہے لیکن آج کل ہماری مسجد میں فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھتے ہی تعلیم یا بیان وغیرہ ہوتا ہے اگر میں تعلیم وغیرہ میں شریک ہوتا ہوں تو میرا مذکورہ معمول رہ جاتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ میں اوابین یا دیگر اوراد میں مشغول ہو جاؤں یا تعلیم میں بیٹھ جاؤں؟

﴿جواب﴾ فرض نماز کے بعد بلا تاخیر سنت مؤکدہ پڑھنا چاہیئے باقی نوافل، اذکار وظائف وغیرہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہئیں۔

اجتماعی حلقے میں شرکت کی فضیلت انفرادی ذکر وعبادت سے ہزاروں درجہ زیادہ ہے، خصوصاً ایسا تعلیمی حلقہ جو احیاء دین اسلام کیلئے اجتماعی ترتیب کا حصہ ہو احادیث میں ایسے عمل کے مقابلہ میں دیگر تمام اعمال کی نسبت سمندر اور ایک چلو بھر پانی کی بتائی گئی ہے۔

لما فی سنن ابن ماجة:(ص ۲۰، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، طبع قدیمی)

عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یااباذر لان تغدو فتعلم آیة من کتاب الله خیر لک من ان تصلی مائة رکعة ولأن تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به او لم یعمل خیر من ان تصلی الف رکعة.

ولما فی احیاء علوم الدین:(۲/ ۳۰۸، کتاب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، دار المعرفة)

وقال صلی الله علیه وسلم ما اعمال البر عند الجهاد فی سبیل الله الا کنفثة فی بحر لجی وما جمیع اعمال البر والجهاد فی سبیل الله عند الامر بالمعروف والنهی عن المنکر الا کنفثة فی بحر لجی.

ولما فی حاشیة احیاء علوم الدین:(۲/ ۳۰۸، طبع دار المعرفة، بیروت)

حدیث ما اعمال البر عند الجهاد رواه ابو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس مقتصرا علی الشطر الاول من حدیث جابر باسناد ضعیف واما الشطر الاخیر فرواه علی بن معبد فی کتاب الطاعة والمعصیة من روایة یحی بن عطاء مرسلا او معضلا ولا أدری من یحی بن عطاء.

ولما فی الدر مع الرد:(۱/ ۲۳۱، طبع سعید)

ودرسک باقی الذکر اولی من الصلاة نفلا ودرس العلم أولی وانظر وفی الشامیة ای

تعلمک باقی القرآن عند الفراغ اولی من صلاۃ التطوع۔ وعلله فی منیة المفتی بان حفظ القرآن علی الأمة اه. ای فرض کفایة وصلاۃ التطوع مندوبة اه (قوله ودرس العلم) ای المفترض علیک اولی وانظر من تعلم باقی القرآن قال فی منیة المفتی: لان تعلم جمیع القرآن فرض کفایة وتعلم ما لابد منه من الفقه فرض عین والاشتغال بفرض العین اولی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۸۶

﴿لفظ عمداً کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پنجم کلمہ میں لفظ ''تعمداً'' (بسکون المیم) ہے یا ''تعمداً'' (بفتح المیم) ایک محقق عالم فرماتے ہیں کہ ''تعمداً'' (بسکون المیم) ہے جبکہ مشہور ''تعمداً'' (بفتح المیم) ہے۔ مستفتی: قاری سعادت اللہ

﴿جواب﴾ محقق عالم دامت برکاتھم صحیح فرمارہے ہیں کہ یہ لفظ عمداً یعنی سکون میم کے ساتھ ہے اگرچہ عوام میں میم مفتوح کے ساتھ پڑھنا رائج ہے چنانچہ لغت کی معتبر کتب میں ''العمد القصد'' لکھتے ہیں قصد کے معنی میں عمداً مصدر کو کسی نے بھی میم مفتوح کے ساتھ نہیں لکھا۔

لما فی تاج العروس ج ۳/۳۲۲ طبع دار احیاء التراث العربی.

کذا فی المعجم الوسیط ج ۲/۲۲۱ المکتبة الشاملة.

وکذا فی القاموس الوحید ۱۱۲۴ طبع ادارۃ اسلامیات.

وکذا فی المنجد ۶۸۰ طبع دار الاشاعت کراچی.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:

﴿جہالت کی وجہ سے غلط مسئلہ بیان کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جہالت کی وجہ سے جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کہے اور اس پر ڈٹا بھی رہے مثلاً قسطوں پر خریدنا جائز ہے اور یہ

اسکو ناجائز کہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: محمد عظیم عبدالخیل لکی مروت

﴿جواب﴾ شرعی مسائل کیلئے علماء سے رجوع کرنا چاہیئے، مسائل بتانا ہر آدمی کا کام نہیں ہے، ہاں کوئی مسئلہ یقینی طور پر معلوم ہوتو بتانے کی گنجائش ہے لیکن ضد و بحث بہر صورت منع ہے اور سخت گناہ ہے، علماء کے علاوہ عام آدمیوں کا مسائل بیان کرنا اور اپنے موقف پر ڈٹنا خواہ غلط ہو جہالت ہے اور قیامت کی علامات میں سے ہے۔

لما فی تکملہ فتح الملہم: (۵/۵۲۵ طبع دارالعلوم کراچی)

حدثنا قتیبۃ بن سعید.... سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء، حتی اذا لم یترک عالما اتخذ الناس رؤساجہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۲۳۶

﴿لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضراتِ مفتیانِ کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) لڑکے، لڑکیوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟ (۲) ایسی تعلیم دلوانے کے لیے والدین کا پیسے خرچ کرنا کیسا ہے؟ (۳) کیا والدین سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پوچھ گچھ ہوگی؟ (۴) شریعت نے لڑکیوں کی کتنی تعلیم روا رکھی ہے؟ مستفتی: زبیر احمد کورنگی

﴿جواب﴾ (۱) لڑکے اور لڑکیوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنا شریعت کی رو سے بالکل ناجائز ہے (۲) والدین کا ایسی تعلیم میں رقم وغیرہ خرچ کرنا بھی درست نہیں ہے (۳) شریعت میں عورتوں کیلئے دنیوی تعلیم بقدر ضرورت سیکھنا (کہ جس سے گھریلو کام کاج، حساب و کتاب آجائے) جائز ہے رہی دینی تعلیم وہ ہر مسلمان پر، خواہ مرد ہو یا عورت اتنی سیکھنا فرض ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں حلال وحرام، جائز وناجائز، کو پہچان سکے (۴) والدین سے بارگاہ الٰہی میں اولاد کی صحیح تربیت نہ کرنے کی صورت میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۲/۵۸،باب مایلزم الامام من حق الرعیة،طبع رحمانیہ)

الاکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته(الحدیث)

لمافی قوله تعالی:(سورۃ النور،آیت۳۱)

ولایضربن بارجلهن لیعلم مایخفین من زینتهن   الایة

ولمافی قوله تعالی:سورۃ الأحزاب،آیت۳۳)

وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الاولی   الایة

ولمافی سنن ابن ماجة:(ص۲۰،طبع قدیمی)طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة

ولمافی البحر:(۸/۱۹۲،طبع سعید)

والطبیب انما یجوز لهذلک اذالم یوجد امرأة طبیبة فلو وجدت فلایجوزله ان ینظر لان نظرالجنس الی الجنس اخف وینبغی للطبیب ان یعلم امرأة ان امکن

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم:محمد شریف حسین چترالی

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ   فتوی نمبر:۱۷۱

﴿کیا طالب علم کے اخراجات کی ذمہ داری والد پر ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک طالب علم جو دینی علوم میں مشغول رہنے کی بناء پر خود کما نہیں سکتا تو کیا اس کا خرچہ اس کے والد صاحب پر لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ والدین میں خرچہ دینے کی استطاعت بھی ہو؟   مستفتی:عبدالغنی

﴿جواب﴾ علم دین سیکھنا عبادات اور وقت کی ضرورت ہے جو خود طالب علم کی اصلاح کا ذریعہ ہے اور ساتھ ساتھ دوسروں کی رہنمائی کا باعث بھی ہے،لہٰذا جو طالب علم،علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے خود کمانہ سکے تو اس کا خرچہ باپ سے ساقط نہیں ہوتا،باپ اس کے مناسب اور ضروری خرچے کا ذمہ دار ہے بشرطیکہ طالب علم وقت ضائع کئے بغیر پڑھائی میں مشغول رہے اور ضروری علوم حاصل کرے۔

لمافی الهندیة:(۱/ ۵۶۳،طبع رشیدیہ)

وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لایهتدون الیه لاتسقط نفقتهم عن

ابانهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة و هذيان الفلاسفة ولهم رشد والا لاتجب كذا في الوجيز للكردري

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم صلاح الدین چترالی

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۴

﴿تعلیم اور شرعی احکام سے لاپرواہی پر مار پیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ معلم اگر بچے کو شرارت کرنے پر یا سبق یاد نہ ہونے پر بے تحاشا مارے جس سے اس کی کمر پر چھالے پڑ جائیں تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ عام طور پر بعض قراء حضرات کے ہاتھوں اس طرح بچے تشدد کا شکار ہو جاتے ہیں کبھی کبھار ان کے اعضاء تک معطل ہو جاتے ہیں شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۲) کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی کام پر ضرب کر سکتا ہے؟ یا نماز نہ پڑھنے پر مارنے کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی اکبر خان

﴿جواب﴾ (۱) شریعت مطہرہ نے استاد کو بہت بڑا مقام دیا ہے، استاد کے فرائض منصبی میں جہاں بچوں کی تعلیم ہے وہاں ساتھ ساتھ تربیت و تادیب بھی شامل ہے، اس واسطے معلم کو تعلیم کے ساتھ تلامذہ کے اخلاقی تربیت کا بھی مجاز ہے، اس تربیت کے دوران اس کو سزا دینے کا بھی اختیار ہے جس کی ایک صورت ضرب کی بھی ہے، ضرب اس وقت کر سکتا ہے جب تادیب کی کوئی اور صورت کارگر ہوتی ہوئی نظر نہ آئے یا استاذ اس کو بچے کے حق میں مؤثر اور فائدہ مند سمجھے اور ساتھ ساتھ اپنی ذاتی کوئی غرض یا غصہ بھی شامل نہ ہو، تاہم چہرے پر نہ مارا جائے۔

لما في مشكوة المصابيح: (۲/۲۱۶، طبع سعيد)

عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال اذا ضرب احدكم فليتق الوجه رواه ابو داؤد.

نازک اعضاء پر نہ مارا جائے اور اس قدر زور سے بھی نہ مارا جائے کہ جلد سیاہ ہو جائے۔ تین ضرب سے زیادہ نہ مارا جائے۔

لما في الشامي: (۵/۲ مطبع امدادیه)

قوله عليه الصلاة والسلام لمرداس المعلم: "اياك أن تضرب فوق الثلاث، فانك اذا

ضربت فوق الثلاث اقتص الله منک"اھ.

حتیٰ الامکان لکڑی استعمال نہ کرے صرف ہاتھ سے ضرب خفیف کی گنجائش ہے محض شفقت سے کام بنتا ہو تو فبہا بصورت دیگر صرف ڈرانے دھمکانے سے کام لیا جائے کیونکہ تجربے اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ مارنے سے بچوں کی طبیعت بگڑ جاتی ہے پھر وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔

(۲) عام حالات میں کسی شخص کے لئے اپنی بیوی کو مارنا جائز نہیں لیکن اگر وہ نافرمان ہو گئی ہو، راہ راست پر نہ آ رہی ہو دوسرے ذرائع سے سمجھانا بیکار ثابت ہو گیا ہو تو ہلکا مارنے کی گنجائش ہے، ناحق مارنے کی بالکل گنجائش نہیں بصورت دیگر شوہر پر تعزیر جاری کر دی جائے گی نماز کے متعلق مارنے میں اختلاف ہے۔

لمافی الشامی:(۷۹/۴،طبع سعید)

قال فی البحر: وصرحوا بأنه اذا ضربها بغیر حق وجب علیه التعزیراو: ... و ذکر الحاکم: لا یضرب أمرته علی ترک الصلوٰة و یضرب أبنها الخ.

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں"اور بیوی کو تعلیمی کوتاہی پر مارنا جائز نہیں یہ حق باپ کا ہے شوہر کا نہیں اور ترک صلوٰۃ پر مارنے میں اختلاف ہے۔امداد الاحکام: (۱۳۵/۴،طبع دار العلوم کراچی)

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :محمد عزیز چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۶

﴿کیا تبلیغ صرف انبیاء کا کام ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کئی لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا ہمارا نہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ کئی لوگوں کا یہ کہنا کہ "تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا" یہاں تک تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ "ہمارا نہیں" یہ غلط ہے اور بہت خطرے کی بات ہے، بلکہ ہر مسلمان کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں، لہٰذا ہمارے نبی

علیہ ﷺ کی جو ذمہ داری تھی وہی اب امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ کیا میں نے تم تک دین پہنچا دیا؟ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے صرف دین پہنچایا ہی نہیں بلکہ پہنچانے کا حق بھی ادا کر دیا اس پر آپ ﷺ نے اللہ کو تین مرتبہ گواہ بنایا اور پھر آخر میں فرمایا خبردار! جو حاضرین ہیں اب وہ غائبین تک (اس دین کو) پہنچائیں۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ عماد الدین رحمہ اللہ نے چوتھے پارے کی آیت "ولتکن منکم امة الخ" کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ عنقریب تم پر اپنا عذاب نازل کریں گے پھر تم دعا بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہیں کریں گے۔ (۱۱۴/۲، طبع رشیدیہ)

معلوم ہوا کہ تبلیغ کا کام سب کی ذمہ داری ہے اور ہر ایک کو اس میں دلچسپی لینی چاہیے جن حضرات کو اس کام کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں انکے لئے مشورہ ہے کہ کچھ وقت لگا کر دیکھ لیں کہ انکے دل کی دنیا کیسے بدلتی ہے۔

لما فی المظهری:(۱۱۳/۲،طبع رشیدیه)

(ولتكن منكم امة)"من للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية وجاز ان يكون من للتبيين وبكون النهي عن المنكر واجب على كل احد واقله ان ينكر بقلبه.

ولما فی ابن کثیر:(۹۱/۲،طبع دار طیبة،مکتبه شامله)

منتصبة للقيام بأمر الله في الدعوة الى الخير والامر بالمعروف والنهي عن المنكر" ...... والمقصود من هذه الاية أن تكون فرقة من هذه الأمة متصدية لهذا الشان وان كان واجبا على كل فرد من الأمة بحسبه.

ولما فيه ايضا:(۹۲/۲،طبع دار طيبة،مكتبه شامله)

(كنتم خير امة اخرجت للناس) والصحيح ان هذه الاية عامة فى جميع الأمة كل قرن بحسبه.

ولما فى روح المعانى:(۲۲۲/۴،طبع رشيديه)

ومنشا الخلاف فى ذالك ان العلماء اتفقوا على ان الأمر بالمعروف والنهى

عن المذکر من فروض الکفایات

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم عبدالوہاب عفا اللہ عنہ
فتوی نمبر ۲۹

﴿والدین کے حکم پر علم دین کو مؤخر کرنا﴾

﴿سوال﴾ میں عالم دین اور حافظ قرآن بننا چاہتا ہوں لیکن میرے والدین کی خواہش ہے کہ میں پہلے انٹر پاس کرلوں اس وقت میں گیارہویں جماعت میں ہوں اور میری عمر 17 سال ہے، میں سوچتا ہوں کہ جب میں نے عالم دین بننا ہے تو میرا انٹر کرنا فضول ہے کالج کا ماحول بھی ٹھیک نہیں کالج میں طالبات بھی ہیں البتہ ہماری کلاس میں نہیں ہیں، پڑھانے والی استانیاں بھی ہیں اور اگر میں کالج میں آخری پیریڈلوں تو ظہر کی نماز باجماعت نہیں پڑھ سکتا اجازت نہیں ہوتی جبکہ جماعت کالج میں ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

﴿جواب﴾ آپکا جذبہ قابل قدر ہے اللہ تعالیٰ آپکو کامیاب کرے آپ کیلئے مشورہ یہ ہے کہ آپ والدین کی خواہش کے مطابق پہلے انٹر کریں ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے علم دین کے حصول اور اس مقصد میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی دعائیں بھی کرتے رہیں اور والدین کو بھی اسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں انشاء اللہ رب کریم معاملہ آسان کردیگا آپکا انٹر کرنا بے کار نہیں اسکی بھی ضرورت ہے انٹر کے بعد جب آپ عالم دین بنیں گے تو اس صورت میں دین کا کام زیادہ بہتر کرسکیں گے بے پردگی اگر کالجوں میں ہے تو اس مغربی لعنت سے بازار اور عام راستے بھی تو خالی نہیں ہیں آخر آدمی جائے کہاں؟ اس ماحول میں رہتے ہوئے اگر مجاہدہ کریں گے اور بدنظری سے اجتناب کریں گے تو انشاء اللہ حلاوت ایمان نصیب ہوگی، جماعت کیلئے تمام ساتھی اگر کوشش کریں تو امید ہے کہ اجازت مل جائیگی، اسکے باوجود نہ ملے تو بعد میں سب مل کر جماعت ادا کریں، آپکی تحریر کے مطابق والدین علم دین حاصل کرنے کو منع نہیں کررہے ہیں بلکہ مؤخر کررہے ہیں تو ایسی صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ: (سورۃ الاسراء، آیت ۲۳)

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا ... الآیۃ

ولما فی المشکوۃ:(ص ۴۲۱،طبع سعید)

عن ابن عباسؓ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اصبح مطیعا فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من الجنۃ وان کان واحد فواحد ومن امسی عاصیا فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من النار ان کان واحد فواحد۔ قال رجل وان ظلماہ؟ قال: وان ظلماہ،وان ظلماہ،وان ظلماہ۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرہ اللہ

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۸۶۴

﴿کیا تبلیغ امت کا کام نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا ہمارا نہیں کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ تبلیغ کا کام تمام انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی رہا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر امتیوں کے لئے بھی اس اہم کام میں حصہ لینا پسندیدہ رہا ہے، چنانچہ سورہ ''یٰسٓ'' میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعی قال یقوم اتبعوا المرسلین۔۔۔۔الآیۃ.

ترجمہ:اور ایک شخص شہر کے ایک کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ اے قوم رسولوں کی بات مان لو) لیکن اس آخری امت کے تمام افراد پر خصوصیت کے ساتھ تبلیغ کا کام حسب استطاعت واجب اور ضروری ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحن اللہ وما انا من المشرکین۔۔۔۔الآیۃ.

ولما فی المظھری:(۲۰۲/۵،طبع رشیدیہ)

ای من امن بی وصدقنی فھو ایضا یدعو الی اللّٰہ.

ترجمہ:آپ کہہ دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ،لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں حکمت وبصیرت کے ساتھ یہ میرا بھی کام ہے اور جس نے میری اتباع کی ہے اسکا بھی یہی کام ہے) قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جس نے بھی میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اس کا بھی یہی راستہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف حکمت وبصیرت کیساتھ بلاتا رہے سورہ ال عمران میں

ارشاد ربانی ہے:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون ..... الاية.

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلاتی رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی رہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں) معلوم ہوا کہ اس کے لئے ایک منظم جماعت کا ہونا ضروری ہے جو اس فریضۂ تبلیغ کو پورا کرتی رہے اور اسی فریضۂ تبلیغ کی وجہ سے اس امت کو تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله..... الاية.

ترجمہ: تم بہترین امت ہو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: "اے لوگو! جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ اس بہترین امت میں شامل ہو تو چاہئے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں بے شمار ہیں ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں ہیں:

لمافی جامع الترمذی:(۳۹/۲،طبع فاروقی ملتان)

وعن حذيفة بن اليمان ان النبى صلى الله عليه وسلم قال والذى نفسى بيده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اوليوشكن الله تعالى ان يبعث عليكم عذابا منه فتدعونه فلا يستجيب لكم.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم خدا تعالیٰ

سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر ہر فرد پر لازم ہے، دلائل نقلیہ کے علاوہ ایک سلیم الطبع آدمی اس کام کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کر سکتا، جو حضرات اس تبلیغ کی محنت میں شریک ہوتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے گھروں میں دینداری کا ماحول بن جاتا ہے بلکہ عام لوگوں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں اسی محنت کی برکت سے اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کئی غیر مسلم ملکوں میں مدارس، مساجد اور مراکز کا قیام فرمایا، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر آدمی اس دعوت و تبلیغ کے اصول و ضوابط کو سیکھ کر اپنی استطاعت کی بقدر اس محنت میں شریک ہو۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	فتویٰ نمبر: ۶۹۷

﴿تبلیغ میں وقت لگانے کے بعد چھوڑ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغ میں چار مہینے لگانے کے بعد اس کو چھوڑ دینا گناہ ہے؟

﴿جواب﴾ آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کا کام اس امت کے تمام افراد پر حسب استطاعت واجب اور ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني ــــ الأية.

ترجمہ: اے محمد آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں حکمت و بصیرت کے ساتھ میرا یہ کام ہے اور جس نے میری اتباع کی ہے اسکا بھی یہی کام ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: (۲۰۶/۵، طبع رشیدیہ)

اى من امن بى وصدقنى فهو ايضا يدعوا الى الله.

ترجمہ: یعنی جس نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اس کا بھی یہی راستہ ہے کہ حکمت و بصیرت کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے چار مہینے لگانے سے آدمی اس کام سے

سبکدوش نہیں ہوتا بلکہ اس سے تھوڑی سی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے باقی تبلیغ کی محنت حسب استطاعت ساری زندگی کا کام ہے لیکن یہ سوچ کر کہ چار مہینے لگانے کے بعد شاید مزید وقت نہ دے سکوں گا جس کی وجہ سے گنہگار ہوجاؤں گا یہ محض شیطانی وسوسہ ہے، اس اندیشہ کی بناء پر چار مہینے میں نہ نکلنا کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ چارسدوی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۰۵

﴿نماز کے بعد تبلیغی جماعت والوں کی تعلیم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہماری مسجد میں تبلیغی جماعت والے نماز کے بعد تعلیم کرتے ہیں اور اس وقت بعض لوگ نماز بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں، اس تعلیم کی وجہ سے ان نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کیا ایسی صورت میں تبلیغ والوں کا تعلیم کرا نا جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ مساجد شعائرِ اسلام میں سے ہیں، آپ ﷺ مسلمانوں کے اکثر اجتماعی تقاضے مسجد میں پورا فرماتے تھے، فرض نمازوں کے علاوہ تعلیمی حلقے ذکر کے حلقے تبلیغ دین کے لئے جماعتوں کی تشکیل اور اسی طرح آپس کے تنازعات کے فیصلے بھی مسجد میں حل فرماتے تھے، تبلیغی جماعت والے اپنی تعلیم جماعت اور سنتوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ایک طرف بیٹھ کر کرتے ہیں جبکہ اکثر نمازی تقریباً فارغ ہوکر واپس جاچکے ہوتے ہیں اس وقت کوئی نمازی مزید نوافل کا اہتمام کرتا ہے یا کسی کو جماعت نہیں ملی بعد میں آکر فرض نماز پڑھتا ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ بھی اجتماعی عمل میں شریک ہوکر تعلیمی حلقہ سے استفادہ کریں۔

کیونکہ اجتماعی عمل خاص کر تعلیمی حلقے میں شریک ہونا زیادہ افضل اور باعث ثواب ہے، ہاں نماز قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر مسجد میں کسی دوسری جگہ نماز ادا کرے، مسجد نبوی میں آپ ﷺ کے زمانے میں بیک وقت بہت سارے اعمال ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اپنی مسجد میں دو حلقوں پر گزر ہوا۔

ایک حلقہ والے دعائیں اور اللہ سے راز و نیاز کی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور دوسرے حلقہ والے دینی علم سیکھ رہے تھے اور سکھار ہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا دونوں حلقوں والے خیر پر ہیں لیکن ایک حلقے والے دوسرے سے بہتر ہیں یہ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس سے راز و نیاز میں لگے ہوئے ہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کو دے گا اور اگر چاہے گا تو نہیں دے گا۔

یہ دوسرے حلقہ والے سیکھ رہے ہیں اور جسے نہیں آتا اسے سکھار ہے ہیں اور مجھے تو سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے پھر آپ ﷺ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حیاۃ الصحابہ: ۳/۲۳۲، طبع فیضی)

حضرت ابوھریرۃؓ ایک مرتبہ مدینہ کے بازار سے گزرے تو کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا اے بازار والو! تم لوگ کتنے عاجز ہو، بازار والوں نے کہا ابوھریرہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو تو کیا تم لوگ جا کر اس میں سے اپنا حصہ نہیں لے لیتے، لوگوں نے پوچھا کہاں تقسیم ہو رہی ہے، انھوں نے فرمایا مسجد میں چنانچہ بازار والے بہت تیزی سے مسجد گئے اور حضرت ابوھریرۃؓ وہاں ٹھہرے رہے تھوڑی دیر میں وہ لوگ واپس آگئے تو حضرت ابوھریرۃؓ نے ان سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ (کہ جلدی سے واپس آگئے) انہوں نے کہا اے ابوھریرہ ہم مسجد گئے تھے، ہم نے اندر جا کر دیکھا تو ہمیں وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی، حضرت ابوھریرۃؓ نے ان سے پوچھا کیا تم نے مسجد میں کوئی آدمی نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا ہم نے مسجد میں بہت سے آدمی دیکھے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ حلال وحرام کا مذاکرہ کر رہے تھے تو ان سے حضرت ابوھریرۃؓ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہی اعمال مسجد تو حضرت محمد ﷺ کی میراث ہیں۔ حیاۃ الصحابہ: (۳/۱۲۸ طبع فیضی لاہور)

اسی طرح مسجد میں مال بھی تقسیم ہوتا اور بیعت کا سلسلہ بھی رہتا نو مسلموں کا اسلام لانا بھی مسجد میں ہوتا اہل شوریٰ کا مشورہ کیلئے بیٹھنا بھی ہوتا حضرت عمرؓ نمازوں کے بعد لوگوں کی ضرورت کے لئے مسجد میں تشریف رکھتے۔

لمالمی العلمی الکبیر: (ص ۲۱۱، طبع سھیل اکیڈمی)

فالحاصل ان المساجد بنیت لاعمال الآخرۃ ما لیس فیه توھم اہانتھا وتلویثھا مما

ینبغی التنظیف منه (وبعد اسطر قال) ولهذا نهٰی علیه السلام عما لا اتاه من البعض فی المسجد وقسمه فیه لکونه نوع عبادة ولیس فیه امتهان

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۶۲۶

﴿والدین کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں دورہ حدیث کا طالب علم ہوں، امسال سالانہ تعطیلات سے میرا تبلیغ میں سال لگانے کا ارادہ ہے جب کہ والدین کا مطالبہ درس وتدریس میں مشغولیت اور شادی کرنے کا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ بالعموم شادی کے بعد آدمی مصروفیت میں پڑجاتا ہے، لہٰذا تبلیغ میں سال لگانے کے بعد شادی کروں، گھر کی مالی حالت بھی متوسط درجہ کی ہے، اس مسئلہ میں از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تبلیغ میں نکلنے کا اصل مقصد اپنی ذات کی اصلاح ہے اور اس ضمن میں دین کی اشاعت بھی ہوتی ہے اگر اشاعت دین کیلئے نکلنا فرض کفایہ یا اس سے بھی کم درجہ کا حکم رکھتا ہے لیکن اصلاح نفس تو بعض صورتوں میں فرض عین ہے مباح امور میں والدین کا حکم ماننے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی ضرورت ہو کہ بدوں اس کے تکلیف ہوگی تو اس صورت میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اگر آپ کا تبلیغ میں سال لگانے کا مقصد اصلاح نفس ہے تو والدین کی اجازت کے بغیر بھی آپ سال لگا سکتے ہیں کیونکہ دین کے تمام اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا اصلاح نفس پر موقوف ہے۔

اگر آپ کا مقصد صرف اشاعت دین ہے تو پھر اگر آپ کے سال لگانے سے والدین کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے اور آپ کے علاوہ گھر کے دوسرے افراد والدین کا خیال رکھنے والے ہیں تو اس صورت میں بھی آپ سال لگا سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے والدین کو کسی طریقے سے راضی کرلیں۔

اگر آپ کے سال لگانے سے والدین کو کوئی تکلیف ہوتی ہے اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر آپ والدین کی اطاعت کریں، اس لئے کہ ایسی صورت میں ان کا حکم ماننا

ضروری ہے، سوال میں ذکر کردہ صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدین کے پاس سال لگانے سے روکنے کی کوئی شرعی، معقول وجہ نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة الاسراء،آیت ۲۳)

وقضی ربک الاتعبدوا الاایاه وبالوالدین احسانا.....الآیة

لمافی احکام القرآن للجصاص:(۲۹۰/۳،طبع قدیمی)

(قضی ربک)معناه امر ربک وامر بالوالدین احسانا وقیل معناه ولوصی بالوالدین احسانا والمعنی واحد.لان الوصیة امر وقد اوصی الله تعالیٰ ببر الوالدین والاحسان الیهما فی غیر موضع من کتابه وقال (ووصینا الانسان بوالدیه احسانا) وقال (أن أشکرلی ولوالدیک الی المصیر وان جاهداك علی ان تشرك بی مالیس لک به علم فلاتطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا) فامر بمصاحبة الوالدین المشرکین بالمعروف مع النهی عن طاعتهما فی الشرك لانه لأطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق وروی عن النبی ﷺ ان من الکبائر عقوق الوالدین.

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورة ال عمران،آیت ۱۰۴)

ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولٰئک هم المفلحون.....الآیة.

لمافی المظهری:(۱۱۲/۲ طبع رشیدیه)

ولتکن منکم من للتبعیض لان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر من فروض الکفایة.

ولمافی بدائع الصنائع:(۹۸/۷ طبع سعید)

وکذا الولد لایخرج الاباذن والدیه أواحدهما اذاکان الاخر میتا لان بر الوالدین فرض عین فکان مقدما علی فرض الکفایه والاصل ان کل سفر لایؤمن فیه الهلاك ویشتد فیه الخطر لایحل للولد ان یخرج الیه بغیر اذن والدیه لانهما یشفقان علی ولدهما فیتضرران بذلک وکل سفر لایشتد فیه الخطر یحل له ان یخرج الیه بغیر اذنهما اذا لم یضیعهما لانعدام الضرر ومن مشائخنا من رخص فی سفر التعلم بغیر اذنهما لانهما لایتضرران بذلک بل ینتفعان به فلایلحقه سمة العقوق.

ولمافی الدر المختار:(۱۲۲/۴ طبع سعید)

لایفرض (القتال) علی صبی وبالغ له ابوان اواحدهما لان طاعتهما فرض عین وقال ﷺ للعباس بن مرداس لما اراد الجهاد الزم امک فان الجنة تحت رجل امک سراج وفیه لایحل سفر فیه خطر الاباذنهما ومالاخطر فیه یحل بلااذن ومنه السفر فی طلب العلم.

ولما في رد المحتار: (۴/۱۲۲، طبع سعید)

قوله فيه خطر كالجهاد وسفر البحر قوله وما لا خطر كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل له بلا اذن الا ان خيف عليهما الضيعة سرخسي قوله ومنه السفر في طلب العلم لانه اولى من التجارة اذا كان طريقا أمنا ولم يخف عليهما الضيعة سرخسي

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۲

﴿اللہ کی راہ میں پیدل چلنا ایک مستقل فضیلت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جماعتوں کی تشکیل پیدل ہوتی ہے مثلاً اندرون ملک سال پیدل اور پیدل چلہ، یہ جماعتیں گاڑی کی سہولت موجود ہوتے ہوئے بھی گاڑی کو استعمال نہیں کرتے، کیا ہمارے دین اسلام میں بلاوجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا کوئی پسندیدہ امر ہے؟ پیدل چلنا خود تو کوئی مقصودی عمل نہیں ہے، اصل مقصود تک رسائی اگر سہولت سے ہو تو اس سے بلاوجہ اعراض کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ یہ بات تو صحیح ہے کہ "اصل مقصود تک رسائی اگر سہولت سے ہو تو اس سے بلاوجہ اعراض کرنا کوئی سمجھداری نہیں" لیکن دین اسلام کے ہر حکم کو اپنی سمجھ پر پرکھنا بھی کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

سہولت کے مقابلہ میں کوئی عمل محض مشقت ہی مشقت اگر ہے یعنی شارع علیہ السلام نے اس عمل کو کسی بھی درجہ میں مقصودی عبادت کا مقام اگر نہیں دیا ہے تو ایسی صورت میں اپنے کو مشقت میں ڈالنا سمجھداری کے خلاف شمار ہوگا، لیکن مجاہدہ اور عبادت کو محض مشقت قرار دینا لاعلمی اور جہالت ہے، الحمد للہ تبلیغ کا کام خصوصاً جماعتوں کی تشکیل کا کام علماء کرام کی نگرانی میں ہوتا ہے، ان حضرات کا اجتماعی کوئی بھی عمل سنت کے خلاف نہیں ہوتا۔

اس عظیم کام سے دور اور لاتعلق رہنے والے بعض علماء کرام کو اشکالات ہوتے ہیں، یہ حضرات صحابہ کرام کی تاریخ کا خود اگر مطالعہ کرتے یا تعلق رکھنے والے علماء کرام کے حلقوں میں جُوتے تو اس طرح کے اشکالات پیدا نہ ہوتے، یہ مرض عام ہوتا جا رہا ہے کہ "نہ کرو اور نہ کرنے دو"۔

اللہ کے راستہ میں پیدل چلنا دوسری مقصودی عبادت تک رسائی کیلئے اگرچہ وسیلہ ہے لیکن محض وسیلہ نہیں بلکہ شارع علیہ السلام نے اس کو مجاہدہ اور مقصودی عبادت کا مقام بھی دیا ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باقاعدہ عملی طور پر اسکی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ اللہ کے راستہ میں سواری سے اتر کر پیدل چل رہے تھے جماعت کے امیر نے ان سے فرمایا کہ آپ سوار ہو کر کیوں نہیں چلتے؟ اللہ تعالی نے سواری کی نعمت سے نوازا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں، ساتھی آپ سے آگے نکل رہے ہیں، آپ نے جواباً فرمایا، تاکہ اپنی سواری کو سہولت دوں اور آپ علیہ السلام نے پیدل چلنے کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے وہ حاصل کروں، راوی نے بیان کیا ہے کہ اس پر دیگر صحابہ کرام بھی پیدل چلنے کیلئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس روز بہت زیادہ صحابہ کرام پیدل چلنے والے نظر آرہے تھے۔

لما فی الترغیب والترھیب: ۲/۲۴۷، طبع حقانیۃ)

وعن ابی المصبح المقرائی قال بینما نحن نسیر فی ارض الروم فی طائفۃ علیها مالک بن عبدالله الخثعمی اذمر مالک بجابر بن عبد الله وھو یقود بغلا له فقال له مالک ای ابا عبد الله ارکب فقد حملک الله فقال جابر اصلح دابتی واستغنی عن قو می وسمعت رسول الله ﷺ یقول :من اغبرت قدماہ فی سبیل الله حرمه الله علی النار فسار حتی اذا کان حیث یسمعه الصوت نادی باعلی صوته یا اباعبد الله ارکب فقد حملک الله فعرف جابر الذی یرید فقال اصلح دابتی واستغنی عن قومی وسمعت رسول الله ﷺ یقول من اغبرت قدماہ فی سبیل الله حرمه الله علی النار فتواثب الناس عن دوابھم فما رأیت یوما اکثر ماشیا منه .رواہ ابن حبان فی صحیحه.

سنن ابی داؤد میں نماز جمعہ کے لئے پیدل چلنے کی فضیلت میں ایک حدیث مروی ہے، جس میں باقاعدہ صراحت ہے کہ یہ فضیلت سوار ہو کر چلنے والے کے لئے نہیں بلکہ پیدل چلنے والے کے لیے ہے چنانچہ "لم یرکب" کے واضح الفاظ حدیث کے ہیں۔

لما فی سنن ابی داؤد ۱/۶۲، طبع: رحمانیہ لاہور

حدثنی اوس بن اوس الثقفی قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من غسل یوم الجمعة واغتسل ثم بکر وابتکر ومشی ولم یرکب ودنا من الامام فاستمع ولم یلغ کان له بکل خطوۃ عمل سنۃ اجر صیامها وقیامها.

اور فقہاء کرام نے بھی پیدل چلنے کو سوار ہو کر عبادت کے لئے جانے سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ فقہ کی معتبر کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی'' میں امام طحطاوی لکھتے ہیں۔

ویجب)یعنی یفترض (السعی)اراد الذهاب ماشیا بالسکینة والوقار لا الهرولة لانها تذهب بهاء المؤمن ،والمشی افضل لمن یقدر علیه وفی العود منها وانما ذکر بلفظ السعی لمطابقة الامر به فی الآیة وقد نهی النبی ﷺ بقوله :اذا اقیمت الصلاة فلاتأتوها وانتم تسعون وأتوها تمشون وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلو وما فاتکم فأتموا.

امید ہے کہ اطمئنان کے لئے مذکورہ بالا چند حوالے کافی ہونگے جن میں سوار ہو کے چلنے کے مقابلہ میں پیدل چلنے کی افضلیت کا واضح ذکر ہے، اس کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں جن میں پیدل چلنے کی مطلقاً فضیلت وارد ہے، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

لما فی الصحیح البخاری :۳۹۴/۱،طبع قدیمی کراچی

اخبرنی ابو عبس اسمه عبد الرحمن بن جبر ان رسول الله ﷺ قال ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار.

ولما فی عمدة القاری :۱۵۲/۱۴طبع رشیدیه کوئٹه

قال :فسر النبی العمل الصالح ان النار لاتمس من عمل بذلک قال والمراد بسبیل الله جمیع طاعاته وقیل مطابقة الآیة من جهة ان الله اثابهم بخطواتهم وان لم یباشروا قتالا وکذلک دل الحدیث علی ان من اغبرت قدمه فی سبیل الله حرمه الله علی النار سواء باشرو قتالا ام لا .

ولما فی عمدة القاری :۲۹۲/۶ ،طبع رشیدیه کوئٹه

قال یزید بن ابی مریم لحقنی عبایة بن رافع بن خدیج وانا ماش الی الجمعة فقال أبشر فان خطاک هذه فی سبیل الله سمعت اباعبس یقول :قال رسول الله ﷺ من اغبرت قدماه فی سبیل الله فهو حرام علی النار.

وعن ابی امامة عند ابن عساکر

ما من رجل یغبر وجهه فی سبیل الله الا آمن الله وجهه من النار ومامن رجل یغبر قدماه فی سبیل الله الاآمن الله قدمه من النار یوم القیمة .

ولما فی الترغیب والترهیب :۲۸۱/۱،طبع حقانیه

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل فی الجماعة تضعف علی صلاته

فی بیته وفی سوقه خمسا وعشرین درجة وذلک انه اذ توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الی الصلوة لایخرجه الا الصلوة لم یخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطیئة فاذا صلی لم تزل الملائکة تصلی علیه مادام فی مصلاه اللهم صل علیه اللهم ارحمه ولا یزال فی صلاة ما انتظره الصلاة وفی روایة اللهم اغفرله اللهم تب علیه ما لم یؤذ فیه مالم یحدث فیه". رواه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجه باختصاره ومالک فی الموطا ولفظه من توضأفاحسن وضوئه ثم خرج عامدا الی الصلاة فانه فی صلاة ما کان یعمد الی الصلاة وانه یکتب له باحدی خطوتیه حسنة ویمحی عنه بالاخری سیئة فاذا سمع احدکم الاقامة فلا یسعی فان اعظمکم اجرا ابعد کم دارا. قالوا: لم یا اباهریرة؟ قال من اجل کثرة الخطا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۰۱

﴿اصلاح سے اگر فساد کا اندیشہ ہو تو۔۔۔﴾

﴿سوال﴾ کسی کے ساتھ اچھائی کرنے یا اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے بعض اوقات نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے اچھائی چھوڑ دی جائے تاکہ گناہ کبیرہ سے تو آدمی محفوظ رہے؟

﴿جواب﴾ اصلاح وتبلیغ بلاشبہ بڑا اہم کام ہے اور مشکل بھی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جو کہ ہر لحاظ سے کامل ترین انسان تھے اس امت کی طرف یہ ذمہ داری ختم نبوت کی طفیل منتقل ہوئی ہے، لہٰذا یہ اہم کام اگر انبیاء علیہم السلام کے نہج پر ہوگا تو فساد وقتل عام کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور اگر کوئی اپنے طرز وطریقہ پر یہ اہم کام انجام دے گا تو حکمت وبصیرت کا درس چھوٹنے کا قوی اندیشہ ہے جس کے نتیجہ میں فساد وقتال ہوسکتا ہے، لہٰذا اس نہج وترتیب کو باقاعدہ سیکھنا چاہیے اور تبلیغ میں وقت لگانا چاہیے، صحیح نہج وترتیب اپنا کر بھی اگر فساد کا اندیشہ ہو تو پھر اصلاح کے ادنیٰ درجہ پر عمل کرتا رہے یعنی اس منکر کو دل میں برا سمجھتا رہے تو پھر بھی کفایت ہو جائے گی۔

لما فی المسلم:(۱/۵۱، طبع قدیمی)

عن طارق بن شهاب وهذا حدیث ابی بکر قال اول من بدأ بالخطبة... قال ابوسعید...

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان.

قال النووی تحت ھذا الحدیث :(۱/ ۵۱ طبع قدیمی)

قولہ ﷺ فلیغیرہ فھو امر ایجاب باجماع الامۃ وقد تطابق علی وجوب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ وھو ایضا من النصیحۃ التی ھی الدین.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :خضر حیات کمالوی

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر :۷۹۴

﴿دعوت کا کام ہر امتی کا تمغہ امتیاز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں تبلیغی جماعت میں تھا ہماری تشکیل (ضلع اوکاڑہ) ہوئی جماعت میں ایک نومسلم یعنی دس دن قبل عیسائیت سے دائرہ اسلام میں آیا ہے اس نومسلم بھائی کو صرف کلمہ آتا تھا اور کچھ نہیں وہاں پر ایک ڈاکٹر موجود تھا ایک مرتبہ اس کے پاس گشت پر گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ تبلیغ وہ شخص کرے جو کہ متقی پرہیز گار ہوں اور دلیل پیش کی کہ آپ ﷺ نے تبلیغی کام نبوت ملنے کے بعد کیا اور اسی طرح بزرگوں کے حالات دیکھ لو جب کامل ہو جاتے ہیں تب تبلیغی کام سرانجام دیتے ہیں تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسا شخص جو کہ نومسلم ہو تو اس کا لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا یعنی تبلیغ کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ڈاکٹر صاحب کی بات غلط ہے، کامل تو صرف انبیاء علیہم السلام ہیں انکے علاوہ کوئی امتی اپنے کو کامل سمجھے تو عجب سے خالی نہیں ہے جبکہ دعوت کا کام تو اس امت کے ہر عاقل بالغ کا تمغہ امتیاز ہے۔

لما فی المظھری:(۲/ ۱۱۳ طبع رشیدیہ)

(ولتکن منکم) من للتبعیض لان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من فروض الکفایۃ..... وجاز ان یکون من للتبیین ویکون النھی عن المنکر واجب علی کل احد واقلہ ان ینکر بقلبہ.

لما فی تفسیر ابن کثیر:(۲/ ۸۳ طبع رشیدیہ)

(کنتم خیر امۃ اخرجت للناس) والصحیح ان ھذہ الایۃ عامۃ فی جمیع الامۃ کل قرن بحسبہ

لما فی روح المعانی: (۲/۲۲۲، طبع رشیدیہ)

ومنشا الخلاف فی ذالک ان العلماء اتفقوا علی ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من فروض الکفایات

لما فی فضائل اعمال: (ص ۱۲، مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج)

عن انس قال قلنا یارسول اللہ لانامر بالمعروف حتی نعمل بہ کلہ ولاننھی عن المنکر حتی نجتنبہ کلہ فقال ﷺ بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا بہ کلہ وانھوا عن المنکر وان لم تجتنبوہ کلہ (رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب محمد زبیر اکرام

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۶۷۴

﴿تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض کا جواب﴾

﴿سوال﴾ تبلیغی حضرات کلمہ شریف کا مقصد (اللہ سے ہونے کا یقین اور بندہ سے نہ ہونے کا یقین) بیان کرتے ہیں جبکہ ہمارے جنوبی وزیرستان میں ایک شخص حفیظ اللہ جو پشاور والے پیر سیف الرحمٰن کا مرید ہے وہ کہتے ہے کہ کلمہ کا مقصد (اللہ سے پیدا ہونے کا یقین اور بندہ سے ہونے کا یقین ہے) اور تبلیغی حضرات والا مقصد غلط ہے یہ جبریہ کا عقیدہ ہے ورنہ پھر جو انسان چوری زنا وغیرہ کرتا ہے یہ نعوذ باللہ اللہ نے کرایا لازم آئیگا۔

بظاہر اگر کلمہ شریف کا ترجمہ دیکھا جائے تو ترجمہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو یہ اللہ سے ہونے کا یقین اور بندہ سے نہ ہونے کا یقین تبلیغی حضرات نے کہاں سے لیا ہے کلمہ کے یہ دونوں مقصد درست ہیں یا ایک درست دوسرا غلط اور غلط مقصد بیان کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تبلیغی حضرات جو کلمہ شریف کا مقصد بیان کرتے ہیں (کہ مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین اور خالق سے سب کچھ ہونے کا یقین ہمارے دلوں میں آجائے) اسمیں کسب یا اختیار کی کوئی نفی نہیں اور نہ ہی اسمیں انسانوں کے مجبور محض ہونے کا کوئی دعویٰ ہے۔

تبلیغ کا کام اہلسنت والجماعۃ کے بڑے بڑے علماء کرام کی نگرانی میں ہورہا ہے اور اہلسنت

والجماعۃ کا عقیدہ قدریہ اور جبریہ کے درمیان ہے یعنی یہ کہ انسان نہ اپنے افعال کا خالق اور نہ ان پر قادر مطلق ہے اور نہ وہ اپنے افعال میں مجبور محض، بلکہ اپنے افعال میں ایک حد تک مجبور اور ایک حد تک بااختیار ہے اور اسی اختیار کو قرآن کریم میں کسب سے تعبیر کیا ہے (لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت) اور اسی کسب کی بناء پر انسان مکلف ہے۔

لیکن کسب واختیار کیا چیز ہے؟ تو کسب کسی کام کا ارادہ اور اس کام کے واقع ہونے کے درمیان ایک خفیف سی قدرت ہے جو کہ غیر مستقلہ ہے غیر مستقلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قدرت ہمارے افعال کو وجود میں لانے میں دخیل تو ہے لیکن کافی نہیں، اس لیے کہ وہ قدرت اس فعل کو نہ پیدا کرتی ہے اور نہ اس کو وجود میں لانے میں موثر حقیقی ہے موثر حقیقی تو صرف اللہ کا ارادہ اور اسکا خلق ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسان کے تمام افعال اور جن چیزوں کے ذریعہ وہ کسی فعل کا اکتساب کرتا ہے وہ تمام اسباب اور اسباب کی جو تأثیرات ہیں ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے امتحان لینے کیلئے اسکو کسب کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے نیکی یا برائی کا اکتساب کرتا رہے یعنی اسباب کے استعمال میں آزاد تو چھوڑ دیا ہے لیکن اسباب سے کچھ ہونے کا اصل مدار پھر بھی مشیت خداوندی پر رکھا گیا ہے اگر خداوند کریم نہ چاہے تو کوئی مخلوق اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتی، اسلئے کہ اسباب میں قوت تأثیر اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس سے چاہے اسکی قوت کو ختم کرسکتا ہے، جیسے آگ کی تأثیر جلانا ہے لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے آگ سے جلانے کی تأثیر کو ختم کردیا تو آگ ابراہیم علیہ السلام کو کچھ ضرر نہیں دے سکی اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں۔

تبلیغی حضرات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اگرچہ کسب اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن اس کسب پر اثر ونتیجہ مرتب ہونا اسکے اختیار میں نہیں ہے۔

چونکہ اس وقت عام لوگوں کی نظر اسباب ہی پر ہے عہدہ، ڈگری اور دولت کو سب کچھ سمجھتے

ہیں، اس غلط عقیدہ کو درست کرنے کیلئے اس بات کو خوب بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ تمام اسباب اپنے اثر دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کے اثرات مرتب ہوں گے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا تو ان چیزوں سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اسباب کے بغیر بھی اثرات اور نتائج کو وجود دینے پر قادر ہے، بس یہی بات ہے جو کہ تبلیغی حضرات بیان فرماتے ہیں ہاں تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں مقصد سب کا یہی ہوتا ہے۔

چنانچہ تبلیغی حضرات اسباب کو مکمل چھوڑنے کی تعلیم نہیں دیتے، بلکہ ان کو اختیار کرتے ہوئے یقین اللہ تعالیٰ پر رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں اور لوگوں کو یہ تعلیم دینا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس خامی میں مبتلا ہیں۔

باقی جو سیف الرحمٰن وغیرہ کے جملہ کی وضاحت ضروری ہے، اس لئے کچھ کہنا مناسب نہیں ہے لیکن تبلیغی جماعت کے ان جملوں پر رد کرنا صرف لوگوں میں تفرقہ اور اختلافات پیدا کرنے اور تبلیغ کے عظیم کام سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کے مترادف ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں سے پرہیز ضروری ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت سے یہ اشکال کہ گناہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے بھی نہ رہا ہو، یہ اشکال تو تب لازم آتا اگر انسان کو مجبور محض مانتے اور اس کا اختیار بالکلیہ نفی کرتے لیکن اختیار کسب سے کوئی انکار نہیں کرتا، تقدیر کے مسائل مشکل ترین مسائل ہیں عام لوگوں کو اس میں بحث کرنے سے شریعت نے روکا ہے، لہٰذا اس میں الجھنا نہیں چاہیے۔

لمافی قوله تعالیٰ (سورة الدهر ایت ۳۰)

وماتشاءون الا ان یشاء الله ان الله کان علیما حکیما الایة.

ولمافی روح المعانی: (۲۹/۱۶۷ طبع رشیدیه)

ولایمکن للمعتزلة ان ینازعوا اهل الحق فی ذالک لان المشیئة لیست من الافعال الاختیاریة الا لتسلسلت بل المعتزلون بیاسمهافدعوی استقلال العبدمکابرة وکذلک دعوی الجبر المطلق مهاترة والامربین الامرین لاثبات المشیئتین وحاصله ماحققه الکورانیؒ ان العبدمختار فی افعاله وغیرمختار فی اختیاره والثواب والعقاب لحسن الاستعداد النفس الامری وسوءه ولکل یعمل علی شاکلته وسبحان من اعطی کل شی خلقه ثم هدی.

ولما فی شرح الکتاب الفقه الأکبر:(ص۸۹،طبع بیروت)

وجمیع افعال العباد من الحرکة والسکون کسبهم علی الحقیقة والله تعالی خالقها وهی کلها بمشیئته وعلمه وقضائه وقدره والطاعات ما کانت واجبة .. والمعاصی کلها بعلمه وقضائه وتقدیره ومشیئته لا بمحبته ولا ولا برضائه

ولما فی شرح العقیدة الطحاوی:(ص۷۲،طبع الغرباء)

وکل شیء یجری بتقدیره ومشیئته ومشیئته تنفذ لا مشیئة للعباد الا ما شاء لهم فما شاء لهم کان وما لم یشأ لم یکن.

الجواب صحیح :عبدالرحمن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: فرمان اللہ غنی عنہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر:۳۰۷۳

﴿طالب علم کو تعلیم کے ساتھ ساتھ اوراد بھی کرنے چاہئیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران طالبعلمی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا تکرار وغیرہ افضل ہے یا دوسرے نوافل وظائف وغیرہ افضل ہیں؟

﴿جواب﴾ دوران تعلیم جو اوقات تعلیم کے لئے باقاعدہ مقرر ہیں ان میں باقاعدہ کلاس میں حاضر ہونا اور اپنے درسی امور کو اخلاص نیت کے ساتھ پورا کرنا طالب علم کے لئے ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی خوش نصیب طالب علم کو مطالعہ وتکرار میں انہماک کی وجہ سے وقت نہ ملتا ہو تو بلا شبہ نوافل واذکار کو وقت دینے سے ایسی صورت میں اسکو زیادہ ثواب ملے گا اور فقہاء کرام نے اسکی فضیلت جو بیان فرمائی ہے، اس سے ایسا ہی طالب علم مراد ہے آجکل تو طلباء نوافل واذکار سے لاپرواہی کے لئے اس قول کو بطور حجت پیش کرتے ہیں دوسری طرف غیر ضروری بلکہ فضول کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں ایسے طالب علم ہرگز مراد نہیں طالب علم کو عام لوگوں سے نسبتاً زیادہ وقت نوافل واذکار کو دینا چاہیئے، اس لئے کہ وظائف اور نوافل سے بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے، روحانی قوت ملتی ہے جسکی وجہ سے علم میں برکت واخلاص اور شیاطین سے حفاظت رہے گی اور عمل کی توفیق حاصل ہوگی (تجربہ شاہد ہے کہ اس کے بغیر زائد وقت کیا ضروری وقت بھی شیاطین ضائع کرادیتے ہیں!) اور ہمارے اکابر کا یہی معمول رہا ہے۔

لما فی الدر:(۱/۵۸۲،طبع امدادیه)

(رجل تعلم علم الصلاة اونحوه ليعلم الناس وآخر ليعمل به فالاول افضل)لانه متعد ورروى:مذاكرة العلم ساعة خير من أحياء ليلة:

ولما فی الشامی:(۱/۵۸۲،طبع امدادیه)

قوله "وروى"وروى البيهقى عن ابن عمر:"ماعبدالله بشئ افضل من فقه فى دين" وفى البزازيه طلب العلم والفقه اذاصحت النيةافضل من جميع اعمال البروكذا الاشتغال بزيادةالعلم اذاصحت النيةلانه اعم نفعا۔۔۔تعلم بعض القرآن ووجد فراغا فالافضل الاشتغال بالفقه۔۔۔قال فى الخزانةوجميع الفقه لابدمنه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدی

۲۳رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۷۲۷

﴿انماالجهادباذن الوالدين﴾

﴿عام حالات میں جہاد کیلئے والدین کی اجازت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز للولد أن يخرج الى الجهاد بلااذن والديه وليس عندهمامن يقوم بخدمتهماأووجدمن يقوم بخدمتهمامثل اخوةله فى حال كون الجهاد فرض كفاية. مستفتی:محمد سفر

﴿جواب﴾ لايجوزللولدالخروج الى الجهادبدون اذن أبويه سواء وجد من يخدمهماأولم يوجدلأن الولد ما موربحسن صحبتهمافى عامةالأحوال الا أن يكون فرض عين فيجوزللولدأن يخرج بلااذنهما.والله أعلم.

لما فی مشکوۃ المصابیح:(ص/۳۳۱،طبع قدیمی)

جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه فى الجهادفقال:أحى والداك؟ قال نعم قال ففيهمافجاهد."متفق عليه"وفى رواية فارجع الى والديك فاحسن صحبتهما.

ولما فی مرقاۃ المفاتیح:(۷/۲۵۰،طبع رشیدیه)

(فارجع و الى والديك فاحسن صحبتها)فى الشرح السنةهذافى جهاد التطوع لايخرج الاباذن الوالدين اذاكانامسلمين.فان كان الجهادفرضاً متعيناًفلاحاجةالى اذنهما وان منعاه عصاهماوخرج وان كاناكافرين فيخرج بدون اذنهمافرضاًكان الجهاد أوتطوعا

وفي سنن ابي داود عن عبدالله ابن عمرو ابن العاص جآء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال جئت أبايعك على الهجرة وتركت ابوى يبكيان فقال: ارجع اليهما واضحكهما كما ابكيتهما وفيه عن الخدرى أن رجلاً هاجر الى رسول الله ﷺ من اليمن فقال: هل لك أحد باليمن قال أبواى قال: اذنا لك؟ قال لا قال: فارجع فاستاذنهما فان اذنا لك فجاهد والا فبرهما.

ولما في التنوير وشرحه: (۴/۱۲۲ طبع سعيد)

لا يفرض على صبى وبالغ له أبوان أو أحدهما لأن طاعتهما فرض عين وقال عليه الصلاة والسلام للعباس بن مرداس لما اراد الجهاد الزم امك فان الجنة تحت رجل امك.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد سلیم

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۲۲۲

﴿قتال سے پہلے کفار کو دعوت دینا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلامی جہاد میں کفار سے مقابلے سے پہلے کفار کو دعوت (اسلام) دیئے بغیر جہاد ہو جائے گا؟ کیا دعوت جہاد کیلئے شرط ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿جواب﴾ بلاشبہ جہاں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو وہاں جہاد سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے اور جہاں پہنچی ہو وہاں جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے۔

لما في البدائع ۷/۱۰۰ (كتاب السير فصل في بيان ما يجب على الغزاة) طبع سعيد

إن كانت الدعوة قد بلغتهم وإن كانت لم تبلغهم فإن كانت الدعوة لم تبلغهم فعليهم الافتتاح بالدعوة إلى الإسلام باللسان لقول الله تبارك وتعالى "ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" ولا يجوز لهم القتال قبل الدعوة ... وإن كانت قد بلغتهم جاز لهم أن يفتتحوا القتال من غير تجديد الدعوة لما بينا أن الحجة لازمة والعذر في الحقيقة منقطع وشبهة العذر انقطعت بالتبليغ مرة لكن مع هذا الأفضل أن لا يفتتحوا القتال إلا بعد تجديد الدعوة لرجاء الإجابة في الجملة.

ولما فی تنویر الابصار مع الدر المختار: ۲/۱۲۹ طبع سعید

(ولا یحل) لنا أن (نقاتل من لا تبلغه) الدعوة بفتح الدال (الی الاسلام) وهو وان اشتهر فی زماننا شرقا وغربا لکن لا شک أن فی بلاد الله من لا شعور له بذالک ـ (وندعو ندبا من بلغته الا اذا تضمن ذالک ضررا) ولو بغلبة الظن کان یستعدون أو یتحصنون فلا یفعل فتح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفر لہ ولوالدیہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۹۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

﴿ازالۃ الخفاء عن تبلیغ النساء﴾

﴿عورتوں کیلئے تبلیغ میں نکلنے کے جواز پر تفصیلی فتوی﴾

مجیب: استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل عفا اللہ عنہ

جسکی تصدیق مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔

﴿ازالۃ الخفاء عن تبلیغ النساء﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغ دین کیا مردوں کیساتھ خاص ہے یا یہ حکم عورتوں کو بھی شامل ہے؟ اور یہ کہ عورتیں بھی باقاعدہ تبلیغ کے لئے گھر سے نکل سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس مقصد کے لئے سفر بھی کر سکتی ہیں یا نہیں؟

جامعہ بنوری ٹاؤن سے فتویٰ جاری ہوا ہے جس میں عورتوں کو امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے لئے باقاعدہ نکلنا اور خاص طرز پر یہ کام انجام دینا منع فرمادیا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے یہ فتویٰ کس حد تک صحیح ہے؟

فتویٰ مولانا عبدالوحید صاحب نے لکھا ہے اور مفتی عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم جو کہ دارالافتاء کے انچارج ہیں انہوں نے اسکی تصدیق کی ہے۔

﴿جواب﴾ عام حالات میں عورت کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر میں رہتے ہوئے اپنے فرائض منصبیہ انجام دیتی رہے، بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلے، اسی میں اسکی عزت و وقار مضمر ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ جو کہ اہم فریضہ ہے اور نماز باجماعت جیسے پسندیدہ عمل سے وہ سبکدوش ہے اور نان ونفقہ کے بوجھ سے بھی آزاد ہے بلکہ اندرون خانہ درو دیوار کی آڑ میں اسکی تنہائی کی نماز جماعت کے ثواب کا باعث ہے اور دیانتداری اور حسن اسلوبی کیساتھ خانہ داری کے امور بجالانا اس کے لئے جہاد کے برابر قرار دیا گیا ہے تا کہ مرد اندرون خانہ امور سے بے فکر ہو اور باہر کی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکے۔

لیکن اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورت کا گھر ہمارے مذہب اسلام میں اس کے لئے جیل خانہ کے مترادف ہے کہ انسانی ضرورت ہو یا دینی تقاضا ہو کسی بھی صورت میں گھر سے باہر نہ نکلے ہر حالت میں وہ گھر کے اندر ہی رہے بلکہ شریعت اسلام نے جہاں اسکی نزاکت اور جالب النظر صفت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر سے باہر اکثر ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے تو ساتھ ساتھ اس کے بشری تقاضوں اور دینی ضروریات کی بھی رعایت رکھی ہے اور محدود موقعوں پر باہر جانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ تمام فتاویٰ اور کتب فقہیہ میں تصریح ہے کہ عورت علاج ومعالجہ کے لئے،

زیارت والدین اور اپنے محارم رشتہ داروں سے ملنے کے لئے، علم دین کے لئے اور دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

لہٰذا انصاف کی بات یہ ہے کہ عورت نہ تو مرد کی طرح مکمل آزاد ہے کہ جب چاہے جیسے چاہے مغربی یورپی عورتوں کی طرح یا زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بازاروں گلیوں میں بے پردہ گھومتی رہے اور نہ ایسی پابند ہے کہ قیدی کی طرح کسی بھی صورت میں باہر نہ نکلے ہر حالت میں وہ گھر کے اندر ہی رہے انسانی ضرورت ہو خواہ دینی تقاضا وہ باہر نہ جائے اگر چہ پورے پردہ کیساتھ شوہر یا محرم کی معیت میں ہو باہر جانا اس کے لئے ممنوع ہے بلکہ عام حالات میں بلاوجہ بغیر پردہ کے نکلنا منع ہے اور اگر کسی تقاضا سے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے نکلتی ہے تو یہ جائز ہے۔

اس تمہید کے بعد اصل مسئلے کا جواب اس تحقیق پر موقوف رہ جاتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (تبلیغ) جس طرح مردوں کی دینی ضرورت ہے اور بقائے دین اسلام کی خاطر ایک دوسرے کو احکام شرعیہ کی پابندی کی تلقین اور وعظ ونصیحت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے، عورت کو بھی یہ حکم شامل ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسہ میں قرآن مجید اور اس کی تفاسیر، کتب احادیث ،فتاوی اور سلف کی عبارات کیطرف مراجعت کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور دیگر نصوص قطعیہ میں جہاں جہاں یہ حکم (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) وارد ہوا ہے ہماری نظر سے کوئی ایسی عبارت نہیں گذری جس میں عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہو اور یہ ضابطہ تو کسی پر بھی مخفی نہیں ہونا چاہیئے کہ تمام شرعی احکام جن سے مرد مخاطب ہیں عورتوں کو بھی وہ احکام شامل ہیں۔

البتہ جہاں عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہو تو وہ خطاب صرف مردوں کے ساتھ خاص ہو گا عورتوں کو شامل نہ ہو گا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلقہ خطابات اپنے عموم خطاب کیوجہ سے عورتوں کو شامل ہیں جبکہ بعض جگہ تو باقاعدہ عورت کی تصریح موجود ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس حکم خداوندی میں امت کی خواتین بھی مردوں کیساتھ برابر شریک ہیں۔

چنانچہ فخر الاحناف محی السنۃ علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

لسافی أحکام القرآن :(۱/۱۸ طبع ادارۃ القرآن)

قلت والصحیح انہن شقائق الرجال یجب علیہن مایجب علیہم الا ماخص بدلیل ولم یوجد ھنا فالظاھر وجوب ذلک علیہن فیمابینہن نعم لو قیل لایجب علیہن تعلیم الرجال و تبلیغ الاحکام الیہم لکونہن مامورات بالقرار فی البیوت وبالحجاب والتستر عنہم لکان لہ وجہ وقدثبت ان عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرھا من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن یحدثن الرجال من وراء حجاب— ولولا فساد الزمان واستعجال الناس للشر ومسابقتہم الی الفتن لقلنا بوجوب التبلیغ واظہار العلم علی النساء کوجوبھا علی الرجال سواء، والی اللہ المشتکی من فساد الاحوال.

علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ عورتیں بھی مردوں میں سے ہیں کوئی الگ جنس نہیں تمام شرعی احکام جن سے مرد حضرات مخاطب ہیں عورتوں پر بھی واجب ہوں گے، البتہ جہاں عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو تو وہاں وہ خطاب مردوں کیساتھ خاص ہوگا عورتوں کو وہ حکم شامل نہ ہوگا جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (تبلیغ) کے حکم میں عورتوں کو کسی بھی خطاب میں مستثنیٰ نہیں کیا ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے۔

البتہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مردوں کو تبلیغ کرنا یا ان کو تعلیم دینا عام عورتوں کی ذمہ داری نہیں ہے، اس لئے کہ عورت کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے اور (عام و بیشتر اوقات) گھروں میں رہنے کا حکم ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہمن سے ثابت ہے کہ انہوں نے پردہ میں مردوں کو احادیث پڑھائی ہیں اگر فساد زمان نہ ہوتا اور لوگوں کا فساد وفتنہ میں بہت جلدی پڑنا نہ ہوتا تو (اس کام کی اہمیت کیوجہ سے اور دلالت نصوص کیوجہ سے) ہم عورتوں پر بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دوسروں کو تعلیم دینا اس درجہ میں واجب ہونے کا فتویٰ دیتے جس درجہ میں مردوں پر واجب ہے بالکل برابر برابر اور اللہ تعالیٰ کو شکایت کرتے ہیں فساد احوال کی۔

اور جب خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمن عورتوں کا اپنے کلام پاک میں صراحۃ ذکر فرما کر

اس صفت (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) سے متصف ہونے کی ترغیب دی ہے تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہی اور یہ حکم ہر دور اور ہر زمانہ کی عورتوں کے لئے ثابت ہوا۔

لما فی قولہ تعالی:(سورۃ التوبۃ آیت ۷۱)

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض ط یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ ویطیعون اللہ ورسولہ الآیۃ

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مراد کو واضح فرمادیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مظہری: (۲۶۴/۴، طبع رشیدیہ)

(والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض)یؤید بعضھم بعضافی طاعۃاللہ واعلاء دینہ(یأمرون بالمعروف)بالایمان والطاعۃ(وینھون عن المنکر)عن الشرک والنفاق و معصیۃالرسول واتباع الشھوات.

یعنی مؤمن مرد حضرات اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں یعنی اللہ تعالی کی اطاعت اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی تائید اور مدد کرتے ہیں امر بالمعروف کرتے ہیں، ایمان اور اطاعت کا حکم کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں شرک، نفاق حضور علیہ ﷺ کی نافرمانی سے اور شہوات وخواہشات کی تابعداری سے روکتے ہیں۔

اسی مسئلہ کے سلسلہ میں علامہ الدکتور محی الدین عبدالحلیم مذکورہ آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام نے عورت پر احسان فرمایا ہے، کہ اشاعت دین کے ذمہ دار جس طرح مردوں کو قرار دیا ہے عورتوں کو بھی اس شرافت میں مردوں کے بالکل برابر شریک کیا ہے اور ان کو بھی اس اعلی منصب پر فائز فرمادیا ہے۔ چنانچہ شریعت کے حدود کی رعایت رکھتے ہوئے ہر زمانہ کے لحاظ سے مناسب طریقہ پر وہ بھی یہ ذمہ داری انجام دیتی رہیگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بل لقدمنح الاسلام المرأۃحق المشارکۃفی النشاط الثقافی والاعلامی علی ان یلتزمن بماأمربہ اللہ شأنھن فی ذلک شأن الرجل والدلیل علی ذلک قولہ سبحانہ وتعالی "والمؤمنون والمؤمنات بعضھم أولیاء بعض ط یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر الخ.

ومامعنی الأمربالمعروف والنھی عن المنکر الذی حض اللہ النساء کماحض الرجال علی العمل ؟انہ الدعوۃالی اللہ من خلال الوسائل والاسالیب المتاحۃفی کل عصر

فی حدود ما أمر الله به(الاعلام الاسلامی وتطبیقاته العملیة:ص ۳۳۷)

علامہ الدکتور محی الدین عبد الحلیم اپنی معتمد کتاب ''تطور المرأۃ'' میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا خطاب مرد وعورت دونوں کو برابر شامل ہے۔

چنانچہ جن امور کا حکم مرد کو ہے عورت بھی ان کی مکلف ہے،علامہ نے بطور استشہاد کے''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے حکم کو بھی ذکر فرمایا:(تطور المرأۃ عبر التاریخ ص ۷۰)

ولقد کانت دعوة القرآن عامة للرجل والمرأة علی السوآء حیث کلفت المرأة فیه بجمیع الواجبات الایمانیة والتعبدیة المالیة والبدنیة والاجتماعیة الخطیرة کالأمر بالمعروف والنهی عن المنکر وتبادل النصر مع الرجال استثناءات قلیلة معینة

اور تفسیر قرطبی اور احکام القرآن لابن العربی میں صاف وضاحت ہے کہ ''أمر بالاصلاح'' ایسا حکم ہے کہ تمام لوگ مرد ہو خواہ عورت،آزاد ہو خواہ غلام سب اس حکم کے مکلف ہیں۔

والأمر بالاصلاح مخاطب به جمیع الناس من ذکر أو انثی حر او عبد. قرطبی: (۱۸۱/۱۲،طبع بیروت)أحکام القرآن:(۵۷۰/۲،طبع بیروت)

اور علامہ''جصاص'' قدس سرہ''احکام القرآن'' میں آیت " قل هذه سبیلی ادعو الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی " کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت وبصیرت کے ساتھ بلانا ہے اور جو بھی آپ کا اتباع کرے اس کا بھی یہی کام ہے اور اس توضیح میں اس بات پر دلالت ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی یہ ذمہ داری تھی اسی طرح تمام مسلمانوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔چنانچہ لکھتے ہیں:

فیه بیان انه مبعوث بدعاء الناس الی الله عزوجل علی بصیرة من امره کانه یبصره بعینه وان من اتبعه فذلک سبیله فی الدعاء الی الله عزوجل وفیه الدلالة علی ان علی المسلمین دعاء الناس الی الله تعالی کما کان علی النبی صلی الله علیه وسلم ذلک. احکام القرآن للجصاص:(۲۶۳/۳،طبع قدیمی)

اور قاضی صاحب اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے تو اس کی بھی ذمہ داری ہے

کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔

لمافی المظهری:(۲۰۱/۵،طبع رشیدیه)

قل هذه سبیلی ادعوالی الله علی بصیرة أناومن اتبعنی "أی من آمن بی وصدقنی فهوایضایدعوالی الله قال الکلبی وابن زید حق علی من تبعه ان یدعوالی ما دعاالیه ویذکرالقرآن … الخ

اور خاص اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالکریم زیدان نے اپنے "مقالہ" اصول الدعوۃ" میں اس بات کو خوب واضح فرمادیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: (جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے) تمام مسلمانوں کی اصلاح کی فکر کرنا عورت کا حق بنتا ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔

چنانچہ عورتوں کا باہم ایک دوسرے کو ترغیب دینا نیکی کی دعوت دینا برائیوں سے روکنا اور اس مقصد کے لئے باقاعدہ جمع ہونا سب جائز ہے۔

لمافی اصول الدعوة:(ص۱۲۶،طبع بیروت)

أماالاهتمام بأمورالمسلمین العامة ،فهذا من حقها بل من واجبها جآء فی الحدیث من لم یهتم بأمرالمسلمین فلیس منهم ومن أمرالمسلمین شئونهم العامة التی یصلحون بهاأویشقون ومن مظاهرالاهتمام التفکیربشئونهم واشاعة المفاهیم الاسلامیة فیمن یحیط بالمرأة من زوج وأبناء واقارب وجیران

وابداء النصح بالکیفیة المستطاعة والملائمة لطبیعتهامثل الکتابة والتألیف وعقدالاجتماعات للنسآء وتعلیمهن واشاعة الاخلاق الفاضلة فیهن وحثهن علی القیام بواجبهن ونحو ذلک وبنهیهن عن المنکرات قال تعالی والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولیاء بعض یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکرالآیة.

رہا یہ کہ اس مقصد کیلئے کسی خاتون کا اپنے گھر سے نکلنا یا باقاعدہ سفر کرنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس سفر عورت کے لئے جس سے اس کا کوئی غرض ومقصد نہ ہو مباح ہے بشرطیکہ پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے محرم کیساتھ ہو اور فتنہ کا بظاہر کوئی اندیشہ نہ ہو اسی طرح دنیاوی مقاصد کیلئے اس کا گھر سے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے نکلنا خواہ بغیر محرم کے ہو جائز ہے بشرطیکہ مسافت سفر سے کم مسافت کے لئے نکلنا ہو (احناف کے ہاں) تو اگر کوئی عورت مذکورہ شرائط کی

رعایت رکھتے ہوئے یعنی پردہ کا پورا اہتمام کرتے ہوئے اپنے محرم کیساتھ اس غرض ومقصد کے لئے نکلتی ہے کہ دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے کا جزبہ وشوق بیدار ہوا ایمان ویقین کی باتیں بار بار سننے سنانے سے دل میں راسخ ہوں، دوسروں سے اپنی ذات کو دینی فائدہ پہنچنا مطلوب ہو اور اپنی ذات کی دیگر مسلمان خواتین بہنوں کو فائدہ دینیہ پہنچانا مقصود ہو اور اس مقصد کے لئے اپنا مال وقت خرچ کرے تو ایسی عورت کا گھر سے نکلنا اور باقاعدہ سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے بلکہ پسندیدہ اور مستحب ہے، البتہ مذکورہ شرائط کی رعایت رکھنا ضروری اور لازم ہے ورنہ بجائے ثواب کے سخت گناہ ہوگا۔ چنانچہ فخر الاحناف مولانا ظفر احمد عثانی قدس سرہ ''اعلاء السنن'' میں عورت کیلئے شوہر یا محرم کے بغیر مسافت سفر سے کم سفر کے جواز پر دلائل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اعلاء السنن: (۲۶۹/۷، طبع بیروت)

وقد كان السفر مباحاللمرأة قبل النهي مطلقالكون الاباحة هي الاصل، ولان النهي عن الشئ يقتضي اباحته قبله ولاطلاق قوله تعالى (قل سيروافي الارض فانظرواكيف كان عاقبة المجرمين الاية وقوله تعالى ولقدكرمنابني آدم وحملناهم في البر والبحر الآية وقوله تعالى (فانتشروافي الارض الأية والرجال والنسآء في الخطاب بهاسوآء، لم يقل احدباختصاصهابالرجال دون النسآء فلايجوزتقييدهذاالمطلق الابالمتيقن وهوفيماقلنالماقال الطحاوي رحمه الله: اتفقت الاثار التي فيهامدة الثلث كلهاعن النبي صلى الله عليه وسلم في تحريم السفرثلثةايام (بلياليها) على المرأة بغيرمحرم.

عورتوں کے لئے وعظ ونصیحت کی مجالس منعقد کرنا اور وہاں عورتوں کا جمع ہونا سلف صالحین کا بھی معمول رہا ہے اور اس کے استحباب پر باقاعدہ کئی احادیث بطور استشہاد پیش کئے ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح مسلم للنووی'' میں پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو وعظ ونصیحت کرنا مستحب ہے جبکہ ان تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے جو فتنہ کے سد باب کے لئے لگائی گئی ہیں اور یہ حکم شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر دور کے لئے ہے (یہ کہنا کہ خیر القرون میں یا خاص صحابہ کرام کے دور میں تو درست تھا، اس لئے کہ فتنہ کا اس قدر اندیشہ نہیں تھا خیر غالب تھا اور اب چونکہ شر غالب ہے، لہٰذا عورتوں کے اجتماع کو روکنا چاہیئے اور انکو نصیحت کرنے کے لئے وہی طرز نہیں اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے ثابت ہے، وہ طرز یعنی عورتوں کا اجتماع صرف اسی

دور کیساتھ خاص تھا، موجودہ دور میں نہیں کرنا چاہیئے، یہ غلط ہے بلکہ وہی طرز یعنی اجتماعی نصیحت ہر دور کے لئے ہے بشرطیکہ شرائط کا لحاظ رکھا جائے) اور اس سنت صحیحہ سے ہمیں کوئی روکنے والا باز نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: (شرح صحیح مسلم للنووی: (۲۸۹/۱، طبع قدیمی)

وحدثنا اسحق بن ابراهيم ... اخبرني عطاء عن جابر بن عبدالله قال سمعته يقول ان النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى فبدا بالصلوٰة قبل الخطبة ثم خطب الناس فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل فأتى النساء فذكرهن وهو يتوكا على يد بلال .... قلت لعطاء أحقا على الامام الآن ان يأتي النساء حين يفرغ فيذكرهن قال اى لعمرى ان ذلك لحق عليهم ومالهم لايفعلون ذلك.

قال النووي رحمة الله قال القاضي هذا الذي قاله عطاء غير موافق عليه وليس كما قال القاضي بل يستحب اذا لم يسمعن ان يأتيهن بعد فراغه ويعظهن ويذكرهن اذا لم يترتب عليه مفسدة وكذاقاله النبي [illegible] الشروط فالذي قاله عطاء وهو الصواب والسنة الآن وفي كل الأزمان بالشروط المذكورة وأي دافع يدفعنا عن هذه السنة الصحيحة والله اعلم

اشاعت دین اسلام کے لئے خیر القرون میں عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا اور باقاعدہ سفر کرنا بہت سارے واقعات سے ثابت ہے جہاد کے لئے اور انفرادی دعوت دینے کے لئے عورتوں کے نکلنے پر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، ام حکیم بنت الحارث بن ہشام صحابیہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے روز ایمان سے مشرف ہوئیں اور اپنے شوہر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو دعوت اسلام دینے کے لئے حجاز سے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت دیکر اسلام کیطرف مائل کیا۔

لما في موطا الامام مالك: (۷۸۲/۲، برقم الحديث: ۲۰۰۳، طبع مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان)

عن بن هشام ان ام حكيم بنت الحارث بن هشام وكانت تحت "عكرمه بن ابى جهل" فاسلمت يوم الفتح وهرب زوجها عكرمه بن ابى جهل من الاسلام حتى قدم اليمن فارتحلت ام حكيم حتى قدمت عليه باليمن فدعته الى الاسلام فاسلم وقدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اور جہاد کے لئے سفر کرنا کئی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ملاحظہ ہوں: مسلم شریف: (۱۱۶/۲ طبع قدیمی) بخاری شریف: (۴۰۳/۱، طبع قدیمی) وغیرہ اس کے علاوہ تمام کتب فقہ میں تصریح ہے کہ دینی مسائل معلوم کرنے کی غرض سے خواہ کوئی خاص مسئلہ کو معلوم کرنے کی ضرورت

درپیش نہ ہو محض دینی معلومات میں اضافہ کی غرض سے کبھی کبھار نکلنا چاہے تو شوہر کی اجازت سے نکل سکتی ہے اور اگر کسی خاص مسئلہ کے حکم کو معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی اور گھر بیٹھے معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی تو ایسی صورت میں وہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی نکل سکتی ہے بشرطیکہ پردہ کے اہتمام کیساتھ ہو زیب وزینت کا لباس اختیار کئے بغیر نکلے، اسی طرح اگر بیوی کو گھر کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو یا وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہو یا والدین کی مدد کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہو تو ایسی صورتوں میں شوہر کی اجازت کے بغیر بھی گھر سے نکل سکتی ہے۔

لمافی الفتاوی التاتارخانیة:(۱۵۶/۳،طبع قدیمی)

وفی الحجة:ویجوزلهاالخروج بغیراذن الزوج ان خافت انهدام الدار وهلاکهاوالی تعلم علم الفرض ولهاان تخرج لماء التوضیٔ ومسألة العلم واعانة الابوین،فان ارادت ان تخرج الی مجلس العلم لنازلة وقعت لها فان کان الزوج یسأل العالم ویخبرها بذلک فلیس لهاأن تخرج وان امتنع عن السؤال فلهاان تخرج وان لم تقع لهانازلة فارادت ان تخرج الی مجلس العلم لتتعلم بعض مسائل الصلاة والوضوء، فان کان الزوج یحفظ المسائل ویذکر عندهاله ان یمنعهامن الخروج وان کان لایحفظ ولایذکر عندها فالأولی ان یأذن لهابالخروج أحیاناوان لم یأذن لهافلاشئی علیه ولایسعهاان تخرج مالم تقع لهانازلة .وکذافی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:(۴۴۲/۱،طبع رشیدیه)وکذافی البحر:(۱۹۵/۴،طبع سعید)وفی الطحطاوی علی الدر:(۲۲۵/۱،طبع رشیدیه)

ولمافی الشامی:(۶۰۲/۳،طبع سعید)

وتمامه فی الفتح وقال قبله وحیث ابحنالهاالخروج فانمایباح بشرط عدم الزینة وتغییرالهیئة الی مالایکون داعیةلنظرالرجال.

ولمافی البحر:(۱۹۱/۸،کتاب الحظروالاباحة،طبع سعید)

ولان المرأة لایحللهامن الخروج للمعاملة مع الاجانب.

فتاویٰ قاضیخان میں مذکورہ بالا عبارت کی چند سطور کے بعد پھر صراحت فرماتے ہیں کہ عورت کا شوہر کی اجازت سے مجلس علم میں جانا جائز ہے۔

لمافی الخانیة:(۳۸۳/۱،طبع قدیمی)

المرأة اذا کانت قابلة فاستأذنت الزوج لرفع الولد وکذااذا کانت تغسل الموتی والی مجلس العلم.

اسی طرح فتاوی عالمگیریہ میں تصریح فرمائی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسی مجالس وعظ ونصیحت جو بدعات اور خلاف شرع کاموں سے خالی ہوں میں جانے کی اجازت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۱/۵۵۷،طبع رشیدیہ)

ولواذن لھافی الخروج الی مجلس الوعظ الخالی عن البدع لاباس بہ۔

اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض وغایت مفید ہو تو شرعا کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ کفایت المفتی: (۲/۳۹،طبع امدادیہ)

مذکورہ بالا چند حوالے عورتوں کے علم دین کے لئے نکلنے سے متعلق ہیں لیکن واضح رہے کہ تبلیغ میں نکلنے والے مردوں اور عورتوں کی جو تربیت کی جاتی ہے بلاشبہ علم دین میں شامل ہے،الہٰذا کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ علم سے متعلق حوالے تبلیغ کیلئے بطور استشہاد کیسے پیش کئے جاتے ہیں؟

علاوہ ازیں موجودہ دور میں عورتوں کے اندر دین کا جذبہ پیدا کئے بغیر امت کی اکثریت میں احکام شریعت کا اور حضور علیہ کی مٹی ہوئی سنتوں کا دوبارہ زندہ کرنا بظاہر ممکن نہیں افرادی اکثریت تو بلاشبہ عورتوں کی ہے امت میں مرد افراد نسبتا کم ہیں جبکہ اب تو معاشرہ نے انکو مردوں کا مقام دیدیا ہے اور عام طور پر دین سے بے رغبتی اور خواہش پرستی بھی نسبتا ان میں زیادہ پائی جاتی ہے امت کی خواتین کو اصلاح تربیت اور اسلامی تہذیب سے آراستہ کرنے کی انتہائی ضرورت ہے،اس لئے کہ آج کے بچے جو کہ کل کو معاشرہ کے رکن بننے والے ہیں بلکہ معاشرہ انہی سے عبارت ہوگا ان تمام کے لئے سب سے پہلی تربیت گاہ ومدرسہ انکی ماں کی گود ہے،اسکے علاوہ کسی شوہر کو بھی اپنی بیوی کی دینداری کے بغیر دین پر چلنا نہایت دشوار ہے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر جماعت کے اکابرین نے عورتوں میں اجتماعی ترتیب اور منظم انداز سے موجودہ دور کی نزاکتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کام کا طریقہ کار وضع کیا اور اہل علم سے فتوی

کی صورت میں اجازت لیکر شروع کیا، اس سلسلہ میں حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع قدس سرہ اور جامعہ دارالعلوم کے دیگر مفتیان عظام کے فتاویٰ سرفہرست ہیں۔ ملاحظہ ہو:
(تبویب نمبر۲۳۲الف/۶۹،۴۶۹/۳۹،۲۱۲/۳۹ح/۲۵۵۱وغیرہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)

مندرجہ بالا مستند حوالوں سے ثابت ہوا کہ عورت کے لئے تبلیغی جماعت میں نکلنا بلاشبہ جائز بلکہ پسندیدہ عمل ہے بشرطیکہ مذکورہ شرائط کی پابندی ہو یعنی پردہ کا اہتمام ہو سرپرست یا شوہر کی اجازت سے ہو، محرم یا شوہر ساتھ ہو، زیب وزینت کے لباس اور خوشبو سے گریز کرتی ہو دوران تعلیم انکی آواز مرد حضرات نہ سنتے ہوں۔

اہل علم میں سے بعض حضرات کو عورت کے جماعت میں نکلنے پر اشکالات ہیں ہمارے سامنے جو اشکالات آئے ہیں ہر ایک کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

(اشکال نمبر۱) عورتوں کے جماعت میں نکلنے پر بعض اہل علم کی طرف سے ایک اشکال یہ سامنے آرہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا ازواج مطہرات کو صاف ارشاد ہے "وقرن فی بیوتکن ..... الآیۃ تو اس میں ضمنا امت کی تمام عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم ہے، لہٰذا جو بھی عورت جماعت میں نکلے گی اس حکم خداوندی کی مخالفت کریگی۔

(اشکال نمبر۲) آیت کے علاوہ کئی احادیث اور آثار بھی عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے منع پر شاہد ہیں خواہ تبلیغ کے لئے نکلنا ہو۔ ملاحظہ ہو:

(۱) لمافی مجمع الزوائد:(۲/۳۳،رقم الحدیث:۲۱۰۹،مکتبۃ القدسی القاہرۃ)

ان المرأۃ اذا خرجت استشرفها الشیطان

یعنی عورت جب نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔

(۲) لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۲۰،طبع قدیمی)

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل.

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ "اگر حضور

ﷺ یہ حالات پالیتے جو اس وقت کی عورتوں نے پیدا کئے ہیں تو آپ ﷺ عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمالیتے جس طرح کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں"

یہ خیر القرون کے بارے میں ام المؤمنین کا فرمانا ہے اور نماز جیسی اہم عبادت کے بارے میں فرمارہی ہیں جبکہ اس وقت کا فساد اور فتنہ اس دور کی خرابیوں سے نسبتاً کہیں زیادہ ہے، لہٰذا اس دور میں عورت کو تبلیغ کیلئے نکلنا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔

(اشکال نمبر۳) جماعت کی نماز کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں ہے، شروع میں مسلمان مرد وخواتین تمام نماز باجماعت اداء کرنے کیلئے مسجد حاضر ہوتے تھے۔

حضور ﷺ کی موجودگی میں عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت اداء کرنے سے نہیں روکا گیا لیکن بعد میں فتنہ کے اندیشہ سے عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کا فتویٰ دیدیا گیا اور یہی خطرہ تبلیغ میں نکل کر بھی ہے، اس لئے تبلیغ کا کام صرف مردوں کو کرنا چاہیئے، عورت گھر کے اندر رہتے ہوئے اپنے بچوں کو اور زیر تربیت افراد کو تبلیغ کرے اس سے اسکی ذمہ داری پوری ہوجائیگی، باہر نکلنا اس کا فتنہ سے خالی نہیں ہے، ورنہ پھر تو نماز باجماعت اداء کرنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت ہونی چاہیئے، اس لئے کہ نماز کی اہمیت زیادہ ہے۔

(اشکال نمبر۴) بعض لوگ تبلیغ میں عورت کے لئے نکلنے کے جواز پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ جنگ جمل میں حکم خداوندی زندہ کرنے کے لئے نکلی تھیں جس سے جواز معلوم ہوتا ہے لیکن روایات میں صاف موجود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس پر نادم تھیں اور بعد میں جب بھی دوران تلاوت "وقرن فی بیوتکن" آیت کی تلاوت کرتیں تو بہت زیادہ روتی تھیں، لہٰذا اس عمل سے استدلال کرنا غلط ہے۔

(اشکال نمبر۵) بعض لوگ نفس کام کو تو جائز اور ثابت سمجھتے ہیں لیکن ان کو مستورات کی اس ترتیب وطریقہ پر اعتراض ہے کہ عورتوں کا اس اجتماعی انداز اور ترتیب سے دعوت کا کام حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں نہیں تھا، اس لئے یہ بدعت میں شمار ہوگا اور اگر پسندیدہ ہوتا تو حضور ﷺ یا خیر القرون میں ہمارے بزرگ اس انداز وترتیب سے

خواتین کو تبلیغ کی غرض سے گھروں سے نکالتے۔

اب مذکورہ تمام اعتراضات کے جوابات ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

(جواب نمبر۱) مذکورہ آیت "وقرن فی بیوتکن" سے متعلق تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے اپنی سمجھ سے اس کا ایسا مطلب متعین کرنا جو سلف اکابرین کے بتائے ہوئے مطالب کے خلاف ہو بلاشبہ غلطی ہے، لہٰذا چند مستند اور معتمد تفاسیر سے اس آیت کی تفسیر پیش کرتے ہیں جس سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے، چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: مظہری: (۷/ ۳۳۸، طبع رشیدیہ)

أمر بالقرار في البيوت وعدم الخروج بقصد المعصية كما يدل عليه قوله تعالى "ولا تبرجن" فانه عطف تفسيري وتاكيد معنى وليس في الاية نهي عن الخروج من البيت مطلقا وان كان للصلوة او للحج او لحاجة الانسان كما زعمه الذين في قلوبهم مرض من الروافض حتى طعنوا في الصديقة الكبرى.

یعنی آیت کا مقصد مطلقاً ممانعت خروج عن البیوت نہیں ہے بلکہ بقصد المعصیۃ (گناہ کی غرض سے نکلنا) خروج ممنوع ہے، چنانچہ نماز، حج اور حاجت (اپنی ہو خواہ دوسروں کی) کے لئے عورت کا نکلنا جائز ہے اور مطلقاً نکلنے کو ممنوع مراد لینا ان لوگوں کا خیال وگمان ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جیسے شیعہ لوگ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرتے ہیں کہ واقعہ جمل میں نکل کر اس آیت کے خلاف کا ارتکاب کیا۔

اسی طرح علامہ سید محمود آلوسی قدس سرہ "روح المعانی" جو کہ نہایت معتبر اور مستند تفسیر ہے، اس آیت کے ذیل میں بڑی تفصیل کیساتھ لکھتے ہیں: روح المعانی: (ج ۲۲ ص ۲۵۸، رشیدیہ)

وأجيب بأن الامر بالاستقرار في البيوت والنهي عن الخروج ليس مطلقا والالما أخرجهن صلى الله عليه وسلم بعد نزول الآية للحج والعمرة ولما ذهب بهن في الغزوات ولما رخصهن لزيارة الوالدين وعيادة المرضى وتعزية الاقارب وقد وقع كل ذلك كما تشهد به الاخبار وقد صح انهن كلهن يحججن بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم الابنت زمعة وفي رواية عن احمد عن ابي هريرة رضي الله عنه الازينب بنت جحش وسودة رضي الله عنهن ولم ينكر عليهن احد من الصحابة رضي الله تعالى عنهم والأمير كرم الله وجهه وغيره وقد جاء في الحديث الصحيح

انه عليه الصلوة والسلام قال لهن بعد نزول الآية اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن" فعلم ان المراد الامر بالاستقرار الذى يحصل به وقارهن وامتيازهن على سائر النساء بان يلازمن البيوت في اغلب اوقاتهن ولايكن خراجات ولاجات طوافات فى الطرق والاسواق وبيوت الناس وهذا لاينافى خروجهن للحج او لمافيه مصلحة دينية مع التستر وعدم الابتذال.

یعنی (شیعہ لوگوں کو اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ جمل میں مدینہ منورہ سے نکل کر بصرہ تک سفر کیا جبکہ آیت میں قرار فی البیوت کا حکم ہے) کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس آیت میں مطلقاً ممانعت خروج عن البیوت نہیں ہے۔

اگر اس حکم خداوند تعالیٰ کا یہی مطلب ہوتا (جس طرح تم روافض لوگ مطلب نکالتے ہو) تو خود حضور ﷺ ازواج مطہرات کو اس آیت کے نزول کے بعد حج (نفلی) اور عمرہ کے لئے اور اسی طرح غزوات میں بھی نہ لے جاتے اور انکے والدین کی زیارت کرنے مریضوں کی بیمار پرسی کرنے اور رشتہ داروں میں تعزیت کے لئے باہر جانے کی اجازت نہ فرماتے جبکہ یہ سب کچھ آپ ﷺ کی اجازت سے ہوا اور اخبار و احادیث اس پر شاہد ہیں اور یہ بات بالکل صحیح ہے (صحیح احادیث سے ثابت ہے) کہ سوائے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور ایک روایت میں ہے کہ سوائے حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات آپ صلی اللہ کی وفات کے بعد (نفلی) حج کیلئے جاتی تھیں جبکہ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اور خود امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس پر کوئی نکیر نہیں کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تمہیں اپنی حاجات کے لئے نکلنے کی اجازت ہوئی ہے اور یہ ارشاد آیت نازل ہونے کے بعد ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حکم باری تعالیٰ کا مراد یہ ہے کہ ایسا قرار فی البیوت اختیار کریں جس سے ازواج مطہرات کو عزت و وقار ملے اور عام عورتوں سے ان کو امتیاز ملے اور عام اوقات میں گھروں میں رہیں (زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ ہوں کہ) بازاروں میں، گلی کوچوں میں اور لوگوں کے گھروں میں آنے جانے اور گھومنے والی نہ ہوں اور ایسا حکم حج کے لئے نکلنا یا کسی بھی ایسے کام کے لئے نکلنا جس میں کوئی دینی مصلحت ہو منافی نہیں ہے بشرطیکہ پردہ کا اہتمام ہو اور بناؤ سنگار سے پرہیز ہو۔

علامہ آلوسیؒ کا بیان آپ کے سامنے ہے انہوں نے صاف فرمادیا کہ عورت پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے ایسے کام کیلئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے جس میں کوئی دینی مصلحت ہو .....

موجودہ دور میں حدود شرعیہ کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کا جماعت میں جانا بے شمار مصالح دینیہ اور دنیویہ رکھتا ہے اور یہ مشاہدہ ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا بلاشبہ ہزاروں عورتیں اس محنت کی برکت سے نمازی بن گئی ہیں بے شمار خواتین جو شرعی پردہ کو آزادی میں آڑ سمجھ کر اسلام کے اس عظیم حکم پر طعنے کستی تھیں اب وہ نہ صرف خود شرعی پردہ کی پابندی کرنے والی بن گئیں بلکہ دوسری خواتین کو بھی اس حکم کو زندہ کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔

عام طور پر عورتوں میں جہالت زیادہ ہوتی ہے، پاکی وناپاکی اور دیگر فرائض اسلامیہ سے غافل رہتی ہیں نماز جیسے عظیم حکم الٰہی میں بے انتہاء غفلت برتی جارہی ہے، عام عورتیں پڑھتی نہیں اور جو پڑھتی ہیں تو وہ صحیح نہیں پڑھ پاتی الحمدللہ جماعت کی محنت سے اور مستورات کے تعلیمی حلقوں کی برکت سے بے شمار عورتوں کی نمازیں درست ہوئیں، کلمہ طیبہ کے الفاظ کی ادائیگی کے علاوہ اس کا مفہوم بھی بہت ساری عورتیں سمجھ گئیں، روزمرہ کے ضروری مسائل سے آگاہی اور انہیں معلوم کرنے کی سچی طلب پیدا ہورہی ہے، اس لئے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت کا کام خواہ مستورات کا ہو بے شمار مصالح دینیہ اور فوائد دنیویہ پر مشتمل ہے۔

تفسیر قرطبی میں اس بات سے متعلق تفصیل فرماتے ہوئے صاف وضاحت ہے کہ عورت امر بالمعروف واصلاح بین الناس کے لئے نکل سکتی ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: (۱۴/۱۸۱، طبع دار الکتب المصریۃ، بیروت)

وأما خروجها الى حرب الجمل فما خرجت لحرب ،ولكن تعلق الناس بها فخرجت مقتدية بالله فى قوله:لاخير فى كثير من نجواهم الا من أمر بصدقة او معروف أو اصلاح بين الناس "وقوله تعالى "وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما" والأمر بالاصلاح مخاطب به جميع الناس من ذكر أو انثى ،حر او عبد.

بلکہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں صریح قول صحیح سند کیساتھ منقول ہے جو کہ امت کی تمام عورتوں کے لئے اس مسئلہ میں حجت تامہ ہے آپ کی

فقاہت واجتہاد اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ واقعہ جمل میں جب آپ رضی اللہ عنہا سے آنے کی وجہ معلوم کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے یہی جواب دیا کہ میرے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں (امر بالمعروف کریں) اور اچھائی کی ترغیب دیں اور تمہیں برائی سے روک لیں اور اسکو چھوڑنے پر آمادہ کریں نہی عن المنکر کریں اور بطور حوالہ قرآن مجید کی ایک آیت پیش فرمائی جو کہ ذیل کے حوالہ میں مذکور ہے اور فرمایا اس کام کو انجام دینے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر ایک کو ہے چھوٹا ہو یا بڑا مرد ہو خواہ عورت۔

لما فی اعلام النساء للعلامة الكحالة: (۲/۴۲)

ولما سئلت عائشه رضى الله عنها عن مسيرتها فى وقعة الجمل فقالت رضى الله تعالى عنها والله ما مثلى يسير بالامر المكتوم . فخرجت فى المسلمين اعلمهم ما اتى هولاء القوم..... وقرأت لاخير فى كثير من نجواهم الامن أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بين الناس ننهض من أمر الله عزوجل وأمر رسول الله صلى عليه وسلم الصغير والكبير والذكر والانثى فهذا شأننا الى معروف نأمركم به ونحضكم عليه ومنكر ننهاكم عنه ونحثكم على تغييره.

(جواب نمبر۲) قرآن کریم کی کسی آیت کی تشریح ہو یا حدیث کی، اکابرین کی تفسیر وتشریح سے موازنہ کرنا ضروری ہے اگر سلف کی تفسیر وتشریح کے برعکس ہم کسی آیت یا حدیث کا مطلب بیان کریں گے تو بلاشبہ وہ غلط اور رد کرنے کے قابل ہوگا (اشکال نمبر۲) میں دو حدیثوں کا حوالہ دیکر عورتوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کے عدم جواز پر دلیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن محدثین حضرات کی تشریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر حدیث کا مطلب مطلقا ممانعت خروج نہیں ہے جس طرح آیت مذکورہ کا مطلب مطلقا قرار فی البیوت کا حکم نہیں تھا بلکہ بقصد المعصیۃ نکلنا ممنوع تھا، اسی طرح حدیث کا مصداق وہ عورت ہوگی جو بغیر پردہ زینت وسنگار کیساتھ نکلتی ہو، تبلیغ میں کوئی بھی عورت نکلتی ہے تو پورے پردہ کا اہتمام کرتی ہے اور شوہر یا محرم ساتھ لیکر نکلتی ہے، اس لئے حدیث کا مصداق نہیں بنتی، چنانچہ جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الأحوذی'' میں اسی حدیث کی تشریح ملاحظہ ہو: (۲/ ۲۰۸، طبع قدیمی)

اذا خرجت استشرفها الشيطن . والمعنى ان المرأة بروزها وظهورها.

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا ظہور و بروز'' کھلا ظاہر ہونا یعنی بغیر پردہ وحجاب نکلنا برا ہے'' لہٰذا جو عورت پورے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنی اور دوسری خواتین مسلمانوں کی اصلاح کی غرض سے نکلتی ہے، وہ اس زمرہ میں نہیں آتی اور نہ اس حدیث مبارک کا مصداق بنتی ہے، اس کام کے لئے عورت کا نکلنا اپنے ساتھ ساتھ دوسری خواتین کو بھی پردہ میں لانا مقصود ہوتا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی صحیح حدیث ملاحظہ ہو: (۱/۱۲۰، طبع قدیمی)

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا استأذنت امرأة احدکم فلا یمنعها

یعنی جب کوئی عورت تم سے باہر نکلنے کی اجازت طلب کرے بشرطیکہ جائز کام کے لئے ہو تو منع نہ کرے۔

معلوم ہوا جہاں بھی ممانعت وارد ہوئی مقید پر محمول ہوگی ورنہ تعارض ہوگا، چنانچہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے شارح بخاری علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری'' میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں عموم اور اطلاق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت کو مطلقا اجازت دینے کا حکم ہے کہ شوہر وغیرہ اجازت دیں تو ایسے کاموں کیلئے جو ان پر فرض ہیں یا ان کے لئے مستحب ہیں اگر اجازت لیں تو شوہر کو بطریق اولی اجازت دینا چاہیئے، جیسے گواہی دینے کے لئے حج کے لئے والدین اور عزیز و اقارب کی زیارت کیلئے نکلنا ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری شرح بخاری: (۶/۲۳۰، طبع رشیدیہ)

حدثنا یزید بن زریع عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا استأذنت امرأة احدکم فلا یمنعها (الحدیث) واذا کان حق علیهن ان یأذنوا فیما هو مطلق لهن الخروج فیه فالاذن لهن فیما هو فرض علیهن او یندب الخروج الیه اولی کخروجهن لا داء شهادة له منهن ولاداء فرض الحج وشبهه من الفرائض اولزیارة آباء هن وامهاتهن وذوی امحارمهن.

اسکے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے ممانعت پر استشہاد کیا ہے کہ حضور ﷺ یہ حالات پا لیتے تو منع فرما دیتے، اس حدیث کے سلسلہ میں بھی محدثین حضرات کی تشریحات کی طرف مراجعت کریں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کا مطلب کیا ہے؟

ذیل میں پہلے حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد بخاری شریف کی معروف شروحات عمدۃ القاری اور فتح الباری سے اسی حدیث کی تشریح کریں گے۔

حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن یحی بن سعید عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشه رضی الله عنها قالت لو ادرك رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن کما منعت نساء بنی اسرائیل قلت لعمرة او منعن قالت نعم.

اس حدیث کے ذیل میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: عمدۃ القاری: ۶/ ۲۲۷-۲۲۸ طبع رشیدیہ)

وبهذا يمنع استدلال بعضهم في المنع مطلقا في قول عائشه رضي الله عنها لانها علقته على شرط لم يوجد، فقالت "لو رأى لمنع فيقال عليه لم يرولم يمنع" على ان عائشه رضي الله عنها لم تصرح بالمنع وان كان ظاهر كلامها يقتضي انها ترى المنع ،وايضا فلاحداث لم يقع من الكل بل من بعضهن فان تعين المنع فيكون في حق من أحدث لا في حق الكل.

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خروج المرأۃ کی ممانعت مطلقہ پر عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منع کی تصریح نہیں فرمائی، البتہ آپکے کلام سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہا کی رائے بھی مطلقا نہیں ہے بلکہ ممانعت خروج معلول بالعلۃ ہے یعنی عورتوں کی بد احتیاطی پردہ میں کوتاہی زیب وزینت کا اختیار کرنا وغیرہ۔

لہٰذا جو عورت ایسا کریگی تو مذکورہ حکم بھی اسی سے متعلق ہوگا اور جو پردہ وغیرہ کا پورا اہتمام کریگی تو اس سے متعلق نہ ہوگا، اسی طرح علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح البخاری میں اسی حدیث کے ذیل میں اس استدلال پر تفصیلا رد کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: (۲/ ۳۴۹، طبع دار المعرفۃ)

وتمسك بعضهم بقول عائشةؓ في منع النساء مطلقا وفيه نظر اذ لا يترتب على ذلك تغيير الحكم لانها علقته على شرط لم يوجد بناء على ظن ظنت فقالت، لو رأى لمنع، فيقال عليه لم يرولم يمنع فاستمر الحكم حتى ان عائشه لم تصرح بالمنع وان كان كلامها يشعر بانها كانت ترى المنع وأيضا فقد علم الله سبحانه ما سيحدثن فما أوحى الى نبيه بمنعهن ولو كان ما احدثن يستلزم منعهن من المساجد لكان منعهن من غيرها كالأسواق أولى وأيضا فالأحداث انما وقع من بعض النساء لا من جميعهن فان تعين المنع فليكن لمن أحدثت والأولى ان ينظر الى ما يخشى منه الفساد فيجتنب لاشارته عليه الصلوة والسلام الى ذلك بمنع التطييب والزينة وكذلك التقييد بالليل.

یعنی بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس قول سے عورت کے لئے مطلقاً ممانعت خروج پر استدلال کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تو منع کرنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ بتاتی ہیں سو اگر وہ وجہ کسی میں پائی جاتی ہے تو اس کو منع کرنا چاہیئے (تمام عورتوں کو نہیں) جبکہ عائشہ صدیقہ نے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ اگر حضور ﷺ یہ حالت دیکھتے تو منع فرما دیتے لیکن جب دیکھا نہیں اور منع نہیں فرمایا تو حکم جوں کا توں رہا۔

البتہ یہ کہنا زیادہ اولیٰ ہے کہ جس طرز و انداز سے فتنہ کا اور فساد کا قوی اندیشہ ہو تو اس طرز و طریقہ کو روکنے کا حکم دینا چاہیئے تا کہ اس سے بچیں جیسا کہ دوسری احادیث میں خوشبو لگانے اور زیب و زینت اختیار کرنے کو منع فرمایا، اسی طرح رات کے وقت کیساتھ خاص کرنے کا حکم ہے۔

الحمد للہ ہمارے اکابر حضرات قدس اللہ سرہم نے عورتوں کو تبلیغ میں جانے کے استحباب کا فتویٰ دیا ہے اور فتنہ و فساد کے سد باب کے لئے کڑی شرائط لگائی ہیں کہ محرم یا شوہر ساتھ ہو پردہ کا پورا اہتمام ہو، مرد و عورت کی اقامت ایک مکان میں نہ ہو عورتوں کی اقامت کے لئے الگ مکان یا علیحدہ کمرہ ہو، مردوں تک دوران تعلیم آواز نہ پہنچتی ہو وغیرہ ان شرائط کی پابندی کا اہتمام کر دیا جائے تو فتنہ کا اندیشہ نہیں رہ سکتا صرف احتمال کے درجہ میں رہ جاتا ہے اور احتمال کے درجہ میں اندیشہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

(جواب نمبر ۳) تیسرا اشکال کہ وہ عورتوں کو مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے تو تبلیغ میں جانے سے بطریق اولیٰ منع کرنا چاہیئے۔

دراصل اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے دونوں خروج یعنی جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کے لئے عورت کا نکلنا اور تبلیغی جماعت میں نکلنے کو برابر سمجھا ہے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کے لئے عورت کے نکلنے کو ممنوع قرار دیا ہے یہ حکم مصلحت پر مبنی ہے یعنی فتنہ کا قوی اندیشہ تھا، اس لئے منع کیا لیکن تبلیغی جماعت میں نکلنے کی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ نہیں رہتا مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کے

لئے نکلنے میں فتنہ کا جو اندیشہ ہے تبلیغی جماعت میں عورت کے جانے میں وہ اندیشہ کہاں ہے؟ دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے تبلیغ کے لئے نکلنے کو مسجد کیلئے نکلنے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ ذیل میں وجوہ فرق ملاحظہ ہوں:

عورت کو اگر جماعت کی نماز میں شرکت کی عام اجازت مل گئی تو ظاہر ہے پانچ وقت محلہ کی مسجد میں آئیگی دن میں گھر سے نکلے گی اور رات میں بھی نکلے گی سات سال کی عمر سے لیکر آخری عمر تک نکلے گی اتنے لمبے عرصے میں عمر کے مختلف مراحل سے گزرے گی اور جانے پہچانے لوگوں کے سامنے روز جانا ہوگا بعض مراحل میں تو پردہ بھی نہیں ہوگا اور بچپن میں ہم عمروں سے بے تکلفی بھی ہوتی ہے جو کہ جوانی میں تعلق بننے کا سبب بن سکتا ہے اور روزانہ پانچ مرتبہ گھر سے نکل کر مسجد میں اور راستہ میں بھی بار بار غیر محرم لوگوں کے سامنے عورتوں کا آنا جانا فتنہ کا تقریباً یقینی درجہ میں سبب اور ذریعہ ہے۔

اسکے علاوہ مرد حضرات اس بات کا اہتمام نہیں کر سکتے کہ اپنی بیوی یا جوان لڑکی کو پانچ وقت گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک خود لے آئیں اور لے جائیں اس لئے کہ مرد کے ذمہ بیوی بچوں کا خرچہ بھی ہے جس کیلئے اسے آزاد رہنے کی ضرورت ہے ہر شخص کیلئے گھر کے قریب، معاشی مسائل کیلئے کاروبار کا بندوبست کرنا ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا مرد مسجد تک آنے جانے میں عورت کا ساتھ نہیں دے سکتا، وہ تنہا روزانہ مسجد میں آئیگی اور جائیگی اور ظاہر ہے ایسی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے۔

بخلاف اس حکم کے یعنی عورت کا تبلیغ میں نکلنا ایسا نہیں ہے، تبلیغ میں عورت روزانہ نہیں نکل سکتی اور نہ اسے اس کی اجازت ملتی ہے بلکہ ہر دو ماہ کے وقفے سے ''سہ روزہ'' لگا سکتی ہے اور بغیر شوہر یا محرم کے بھی نہیں نکل سکتی اور ہر مرتبہ جانے میں عموماً ان جانے لوگوں کے سامنے نکلنے کی نوبت آتی ہے جانے پہچانے لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا اور ایسی صورت میں فتنہ کا اندیشہ تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تبلیغ میں نکلنے کو جماعت کی نماز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، ہمارے اکابر نے جماعت کی

نماز میں عورت کے لئے شرکت پر ممانعت کا فتوی جو دیا ہے وہ اپنی جگہ درست اور تبلیغ کے لئے نکلنے کے جواز واستحباب کا فتوی اپنی جگہ درست وصحیح ہے۔

رہا یہ کہ عورت اپنے بچوں اور زیر تربیت افراد کو تبلیغ کرے جس سے اس کی ذمہ داری پوری ہو جائیگی یہ مسئلہ اپنی جگہ الگ تحقیق طلب ہے کہ اس سے اسکی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے یا نہیں اور در صورت تسلیم یعنی بالفرض اسکی ذمہ داری ایسی صورت میں پوری ہو جاتی ہے یا سرے سے اسکی ذمہ داری ہے نہیں لیکن ہماری بات تو اس سے متعلق ہے کہ مذکورہ تمام شرائط کی پابندی کرتے ہوئے نفس خروج پر ممانعت کی کوئی دلیل ہے؟

پھر خاص کر دین کے کام کے لیے جس کے فوائد کا مشاہدہ ہو رہا ہے، پس اگر مذکورہ شرائط کی پابندی کرتے ہوئے نفس خروج پر ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے تو دین کے کام کے لیے نکلنا بطریق اولی جائز اور مستحسن ہوگا، اس کے علاوہ ایسی لاکھوں مسلمان خواتین ہیں جن کو دینداری کیطرف مائل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے انکے گھروں میں نماز اور دین کی دوسری باتوں کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا مردوں پر محنت کرنے کیلئے تو مرد حضرات ہیں لیکن خواتین پر محنت کرنے کی کیا ترتیب ہوسکتی ہے؟

بالفرض ایسے گھرانوں کے مرد حضرات ضدی اور ہٹ دھرم ہیں اور سوء مزاج کیوجہ سے اچھی بات سے متاثر نہیں ہو رہے دین کیطرف خود مائل نہیں ہو رہے چہ جائیکہ اپنی عورتوں کو دیندار بنانے کی فکر کریں کیا ایسی عورتوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے یا غیر محرم مرد حضرات جا کر نکو ترغیب دیں جبکہ یہ تو ممکن نہیں ہے تو ایسی عورتوں کا کون فکر کرے؟ حالانکہ اس وقت عورت معاشرہ کا بہت بڑا حصہ ہے اور اس کے بگاڑ و اصلاح کا بڑا سبب ہے صرف ایک ہی صورت ہے کہ دیندار عورتیں جا کر ان کو دعوت دیں اور دین کی طرف مائل کریں ورنہ معاشرہ کا بہت بڑا حصہ صرف نام کا مسلمان رہ جائیگا بلکہ رہ گیا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہی غفلت اور کوتاہی ہے کہ دینداروں نے دوسروں کی فکر نہیں کی واللہ اعلم۔

(جواب نمبر ۴) بلاشبہ یہ توضیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کی تلاوت

کرتیں یا ویسے واقعہ جمل یاد آجاتا تو بہت زیادہ روتیں لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اس عمل یعنی اصلاح کی غرض سے نکلنے پر نادم تھیں بالکل غلط ہے، چنانچہ ''روح المعانی'' میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا اس بات پر نہیں تھا کہ اس نے "وقرن فی بیوتکن " آیت میں جو حکم ہے اس کو سمجھا نہیں تھا، اس لئے پریشان ہوتی تھیں یا اس آیت کے حکم کو بھول گئی تھیں جب نکلی تھیں، اس لئے پریشان و نادم ہوتی تھیں رونے کا یہ مطلب لینا سراسر وہم ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس نقصان پر روتی تھیں جو ہوگیا. جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی واقعہ کے بعد بہت زیادہ غمگین ہوئے اور افسوس سے اپنے ران مبارک کو مارتے میدان میں گھوم رہے تھے اور کہتے تھے کاش اس سے پہلے موت آتی اور میں نسیا منسیا ہوتا، چنانچہ روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو: (ج ۲۲ص ۲۶۰، رشیدیہ)

وماترتب عليه لم يكن في حسابها ولم يسربها لهاترتبه، ولهذا لما رقع ما وقع وترتب ماترب ندمت غاية الندم، فقدروى انها كلما كانت تذكريوم الجمل تبكي حتى يبتل معجرها بل اخرج عبدالله بن احمد في زوائد الزهد وابن المنذر وابن ابى شيبة وابن سعد عن مسروق قال كانت عائشه رضي الله عنها اذا قرأت (وقرن في بيوتكن)بكت حتى تبل خمارها وما ذاك الالان قرأتها تذكرها الواقعة التي قتل فيها كثير من المسلمين وهذا كما ان الأمير كرم الله وجهه احزنه ذلك فقد صح انه رضي الله تعالى عنه لما وقع الانهزام على من مع ام المؤمنين و قتل من قتل من الجمعين طاف في مقتل القتلى فكان يضرب على فخذيه ويقول ياليتني مت قبل هذا وكنت نسيا منسيا وليس بكاءها عند قرائة الاية لعلمها بانها اخطأت في فهم معناها او انها نسيتها يوم خرجت كما توهم

(جواب نمبر ۵) یہ اشکال عام لوگ تو کر سکتے ہیں جو بدعت کے مفہوم سے ناواقف ہوں علماء سے اس کی توقع نہیں، اس لئے کہ جب نفس حکم ثابت ہے اور نصوص قطعیہ اس پر شاہد ہیں تو ترتیب اور طرز عمل ہر دور اور زمانہ کیساتھ بدلتا رہتا ہے، لہٰذا یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے جس کی وضاحت کی ضرورت ہو۔

لہٰذا عورت مذکورہ شرائط کی پابندی کرتے ہوئے بلاشبہ جماعت میں جاسکتی ہے اور مذکورہ شرائط کی پابندی کا اہتمام کرتے ہوئے بھی اگر کوئی کہے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے تو اس بات کو وہم اور

وسوسہ سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاسکتی اور محض اس خیال وگمان کو بنیاد بنا کر دین کے اس قدر اہم کام کونہیں روکا جاسکتا جسکی وجہ سے لاکھوں عورتیں نمازی بن گئیں شرعی پردہ کا اہتمام کرنے والی پرہیزگار متقی بن گئیں اور بن رہی ہیں، چنانچہ فقیہ العصر مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''معلم الفقہ'' میں اس قسم کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمارہے ہیں۔

''اور یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا لکھنا سیکھنا چونکہ مفاسد کیطرف مفضی ہے، اس لئے ضرور مکروہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک غالب گمان مفضی الی المفاسد نہ ہو، مباح شیٔ حرام نہیں ہوتی، ہاں جب غالب گمان ہوتو اس سے احتراز اولیٰ ہوتا ہے، حرمت اس وقت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ معلم الفقہ: (ص ۱۵۱)

هذا ما ظهر للعبد الضعيف من عباراتهم فان كان حقا وصوابا عند الله فمنه وله الحمد والا فمن العبد لقلة فهمه وعلمه ونقصان عقله فاستغفر الله الرحمن الرحيم والله تعالى اعلم بالصواب وعلمه أتم واكمل.

بندہ: عبدالرحمٰن ملاخیل عفا اللہ عنہ

دارالافتاء اشرف العلوم بیت المکرّم کورنگی

اس فتویٰ کی تصویب حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے بھی فرمائی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

بلا شبہ اللہ کے راستے میں نکل کر ہر عمل کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ثابت ہے

الجواب صحیح: سحبان محمود رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ مراقب درجہ تخصص فی الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: بندہ عبد الرؤف سکھروی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ نائب مفتی دار الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: محمد عبد المنان عفی عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی عفی عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی

مجیب: بندہ عبد الرحمٰن ڈیروی عفا اللہ عنہ

﴿بلاشبہ اللہ کے راستے میں نکل کر ہر عمل کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ (1) تبلیغی جماعت والے اللہ کی راہ و تبلیغ میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا اجر وثواب انچاس کروڑ بتلاتے ہیں کیا قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے! از راہ کرم تعین حدیث فرما دیجئے اگر حدیث سے ثابت ہے تو کیا وہ اس قابل ہے کہ فضائل میں بیان کی جائے۔

(2) کہتے ہیں کہ بعض احادیث کے ضرب دینے سے حاصل یہ تعداد بنتی ہے اگر اسطرح ضرب دینا درست ہے تو سلف صالحین سے یہ ضرب دینا ثابت ہے۔

(3) اگر یہ ضرب دینا درست ہے تو پھر اگر ایک شخص مسواک استعمال کر کے گھر کے بجائے مسجد میں نماز جماعت کیساتھ ادا کرے تو مسواک سے ستر گنا اجر بڑھا اور مسجد میں جماعت کیساتھ آدئیگی کا 25 گنا اجر بڑھا تو ستر (70) کو پچیس (25) میں ضرب کا حاصل تقریبا ستر لاکھ پچاس ہزار (70,50,000) بنتا ہے اور اگر رمضان میں ادا کرے جو ایک فرض کی ادائیگی کے برابر ہے تو حاصل ضرب ایک کروڑ بائیس لاکھ پچاس ہزار (1,22,50,000) بنے، اب اگر کوئی شخص یہ تعبیر کرے کہ رمضان کے مہینے میں مسواک استعمال کر کے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا ثواب ایک کروڑ بائیس لاکھ پچاس ہزار (1,22,50,000) نمازوں کا ملیگا نیز مذکورہ بالا قیودات کو سامنے رکھ کر نماز بیت اللہ میں ادا کرے۔

(4) یہ حضرات آجکل خروج فی سبیل اللہ اس مخصوص کیفیت کے ساتھ نکلنے کو کہتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے، مدارس عربیہ میں تعلیم پانے والے طلباء فی سبیل اللہ کے زمرے میں داخل ہیں یا نہیں؟ (5) افغانستان کے جہاد کا کیا حکم ہے؟

(6) افغانستان وکشمیر میں جہاد (بالسیف) عملی میں شرکت اور خروج فی سبیل اللہ مروجہ میں افضل کونسا ہے؟ (7) اگر ایک عالم دین اس انچاس کروڑ کے ثواب کا قائل نہ ہو یہ کہے کہ یہ ضرب وتحدید صحیح نہیں بلکہ (واللہ یضاعف لمن یشآء) کا قائل ہو (8) نیز چلہ کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو کہ قرآنی چلہ (وواعدنا موسی ثلثین لیلۃ واتممنھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین

لیلۃ) سے مراد اعتکاف ہے اور بوریہ بستر لیکر گھومنے پھرنے کا نام چلہ نہیں تو ایسے عالم کا کیا حکم ہے؟ بینوا بمایشفی الصدور توجروا یوم البعث والنشور.

مستفتی: حافظ غنی الرحمٰن جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نوٹ: مستفتی نے جیسے سوال میں لکھا ویسے ہی نقل کیا گیا۔

﴿جواب﴾ (۱) بعض روایات کے ظاہر سے یہ سمجھنا درست ہے کہ راہ خدا میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا ثواب دوسری عام نمازوں سے انچاس کروڑ گنا ہے، چنانچہ خلیفہ رابع سیدنا حضرت علیؓ بن ابی طالب اسی طرح بعض دوسرے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچہ بھیجے اور خود اپنے گھر میں مقیم رہے تو اسکو ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم (صدقہ کرنے کا ثواب) ملیگا اور جو شخص اللہ کے راستہ میں خود جہاد کرنے کے لئے جائے اور اس میں خرچ کرے تو اسے ہر درھم کے بدلے سات لاکھ درہم (صدقہ کرنے کا ثواب) ملیگا پھر یہ آیت پڑھی "واللہ یضاعف لمن یشآء" اللہ جس کے لئے چاہتا ہے دوچند کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ) وتفسیر ابن کثیر وغیرہ۔

اور حضرت معاذؓ بن انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے راستہ میں نماز، روزہ اور اللہ کا ذکر کرنے کا ثواب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے ثواب سے سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

لمافی ابن ماجۃ:(ص ۱۹۸ طبع قدیمی)

عن الحسن عن علی بن ابی طالب وابی الدرداء وابی ھریرۃ وابی امامۃ الباھلی وعبداللہ بن عمرو وجابر بن عبداللہ وعمران بن حصین کلھم یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: من أرسل بنفقۃ فی سبیل اللہ وأقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ درھم، ومن غزا بنفسہ فی سبیل اللہ وأنفق فی جھۃ ذالک فلہ بکل درھم سبع مائۃ ألف درھم ثم تلا ھذہ الآیۃ واللہ یضاعف لمن یشآء.

ولمافی مصباح الزجاجۃ:(۱۵۳/۳ طبع دار العربیۃ)

ھذا اسناد ضعیف، الخلیل بن عبداللہ لایعرف قالہ الذھبی وابن عبدالھاد قلت قال عبدالعظیم المنذری فی کتاب الترغیب فی النفقۃ فی سبیل اللہ ان الحسن لم یسمع

عن عبدالله بن عمرو ولا من أبي هريرة ولا من عمران بن الحصين وسمع من غير هم والله اعلم واصله في صحيح مسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه من حديث ثوبان وفي الترمذي من حديث خريم بن فاتك. وفي الترغيب والترهيب:(۲/۲۱۲، طبع حقانيه) وفي ابن كثير:(۱/۲۹۳، طبع دار طيبة للنشر والتوزيع)

رواه ابن كثير عن ابن ابي حاتم وقال في أخره "وهذا حديث غريب. (أقول) وقد تقدم حديث ابي عثمان النهدي عن ابي هريرة في تضعيف الحسنة الى ألفي ألف حسنة عند قوله تعالى من ذالذي يقرض الله قرضا حسنا الاية

ولما في سنن أبي داؤد:(۱/۳۶۰، باب تضعيف الذكر، طبع رحمانيه)

عن معاذ بن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر يضاعف على النفقة في سبيل الله عزوجل بسبع مائة ضعف.

شارح علامہ خلیل احمدؒ نے بذل المجہود میں فرمایا ہے:(۱۱/۴۰۳، طبع الشیخ)

وللفظ أحمد في مسنده: قال ان الذكر في سبيل الله تعالى يضعف فوق النفقة بسبع مائة ضعف، قال يحيى في حديثه: بسبعمائة ألف والحديث ضعيف لان في سنده زبان بن فائد وسهل بن معاذ رواه الحافظ منذريؒ في (الترغيب والترهيب:(۲/ ۲۶۸)

یہاں حدیث ثانی میں "یضاعف علی النفقۃ" کہا گیا ہے اور نفقہ کا ثواب حدیث اول میں بتلایا گیا ہے لہٰذا دونوں حدیثوں میں مذکورہ ثواب کو باہم ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب انچاس کروڑ نکل آتا ہے اور ضرب دینے کے بعد ہی حدیث ثانی کے خط کشیدہ الفاظ کا مطلب واضح ہوجاتا ہے، اس کے بغیر معنی ہی نہیں بنتا۔

اب رہی یہ بات کیا مذکورہ دونوں حدیثیں اس قابل ہیں کہ ان سے یہ مدعیٰ ثابت کیا جائے تو جہاں تک حدیث اول کا تعلق ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی خلیل بن عبداللہ بھی ہیں جن کو بعض کتابوں میں غیر معروف کہا گیا ہے تاہم کسی راوی کے مجہول یا ضعیف ہونے سے حدیث میں ضعف اس درجہ کا نہیں آتا جس طرح کہ راوی متہم بالکذب والفسق وغیرہ کی حدیث میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث بالکل مردود و متروک ہوجاتی ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التقریب" میں فرماتے ہیں کہ جس راوی کے

بارے میں محدثین کرام ضعیف، مجہول وغیرہ الفاظ کہدیں تو بذات خود اس راوی کی حدیث بالکل مردود و متروک نہیں ہوگی بلکہ قابل استشہاد قرار پائی گی۔

لما فی تدریب الراوی فی شرح النواوی:(ص۳۰۰-۳۰۱،طبع قدیمی)

وأما ألفاظ الجرح فمراتب فاذاقالو البين الحديث كتب حديثه وينظر اعتبارا ... وقولهم ليس بقوى يكتب حديثه..وهودون لين,واذاقالوا ضعيف الحديث فدون ليس بقوى ولايطرح بل يعتبربه ....ومن الفاظهم فلان روى عنه الناس,وسط,مقارب الحديث, مضطرب,لايحتج به,مجهول لاشئى... ويستدل على معانيهابما تقدم.قال السيوطى رحمه الله فى التدريب(مضطرب لا يحتج به مجهول,وهذه الالفاظ الثلاثة فى المرتبة التى فيها:ضعيف الحديث,وهى الثالث: من مراتب الترجيح. (تدريب الراوى: ص۳۰۱,طبع قديمى)

قال العبدا لضعيف.وهى المرتبة التى قدمت حكمهاأنفامن التقريب اعنى قوله "ولايطرح بل يعتبر به"

نیز اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی آیت اور ایک دوسری صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

وهذاحديث غريب وقدتقدم حديث أبى عثمان النهدى عن أبى هريره فى تضعيف الحسنة الى ألفى ألف حسنة عندقوله تعالى:من ذاالذى يقرض الله قرضاحسنا الاية.

قال العبد الضعيف:فراجعت اليه فوجدت مؤيدالهذاالحديث حيث قال :

لكن رواه ابن أبى حاتم من وجه أخرفقال حدثناابوخلاد. قال فتحملت أريدان الحقه فوجدته قدانطلق حاجافانطلقت الى الحج ان القاه فى هذاالحديث فلقيته لهذا فقلت باأباهريرة ماحديث,سمعت أهل البصرة يأثرون عنك ؟قال وماهوقلت زعمواأنك تقول ان الله يضاعف الحسنة ألف ألف حسنة قال ياأباعثمان وماتعجب من ذاوالله يقول :من ذاالذى يقرض الله قرضاحسنافيضاعف له أضعافاكثيرة.الاية ويقول:ماامتاع الحيوة الدنيافى الاخرةالاقليل. الآية .. والذى نفسى بيده لقدسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :ان الله يضاعف الحسنة ألفى ألف حسنة (تفسيرابن كثير:(۱/۲۹۹)

اور جہاں تک حدیث ثانی کا تعلق ہے تو اس کے راویوں میں سے سہل بن معاذ اور زبان بن فائد بھی ہیں ان دونوں حضرات پر محدثین کرام نے جرح کی ہے لیکن سہل بن معاذ کو جہاں

بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے وہاں بعض نے انکی توثیق بھی کی ہے۔

جیسا کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔(۳۲۱/۴) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سھل بن معاذ کے بارے فرمایا ہے: تقریب التھذیب: (ص۲۵۸)

سهل بن معاذ الجهني: نزل مصر لا بأس به الا في روايات زبان بن فائد عنه من الرابعة.

یعنی سہل بن معاذ سے حدیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ ان سے زبان بن فائد روایت کرے اور انکا تعلق محدثین کے طبقہ رابعہ سے ہے، البتہ زبان بن فائد کے بارے بھی حافظؒ لکھتے ہیں: تقریب: (ص۲۱۳)

زبان بن فائد: هو ضعيف الحديث مع صلاحه وعبادته.

یعنی زبان بن فائد اپنی ورع وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق دونوں حضرات میں سے صرف زبان بن فائد زیادہ ضعیف ہیں لیکن ان کو نہ تو اتہام بالکذب کیوجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی فسق کیوجہ سے، لہٰذا یہ ضعف شدید نہیں ہے اس لئے حدیث مذکور کو بالکلیہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

لما في رد المحتار: (۱۲۸/۱ طبع سعيد)

(قوله عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذي لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب قاله ابن حجر.

علاوہ ازیں اس حدیث کے متابع بھی مسند احمد میں مذکور ہیں: (۴۳۸/۳ طبع دار الکتب العلمیۃ) اس لئے اب یہ حدیث ضعف سے نکل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے۔

(۱) قال الامام احمد رحمه الله: حدثنا حسن حدثنا ابن لهيعه قال وحدثنا يحيى ابن غيلان قال حدثنا رشدين عن سهل بن معاذ عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الذكر في سبيل الله تعالى يضعف فوق النفقة بسبعمائة ضعف قال يحيى في حديثه بسبعمائة ألف ضعف.

(۲) قال الامام احمد رحمه الله حدثنا اسحق بن عيسى ثنا ابن لهيعه عن خير بن نعيم الحضرمي عن سهل بن معاذ بن انس الجهني عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يفضل الذكر على النفقة في سبيل الله تعالى بسبعمائة ألف ضعف (وفي

لفظ بسبعمانة ضعف)مسنداحمد:(۳/۴۴۰)الفتح الربانی:(۱۴/۲۰۲)

قال الساعاتی رحمه الله فی شرحه"بلوغ الأمانی ":أخرجه الطبرانی۔وفی اسناده ابن لهیعه فیه کلام۔(الفتح الربانی:۱۴/۲۰۲)

قال الحافظ رحمه الله :رقم۳۵۶۳: عبدالله بن لهیعه : بفتح اللام وکسرالهاابن عقبة الحضرمی ابوعبدالرحمن المصری القاضی صدوق من السابعة ۔خلط بعداحتراق کتب ... (تقریب:۱/۴۴۴)

یقول العبدالضعیف ان العلماء المحدثین:قالوا:اذا روی الحدیث من وجوه ضعیفة لا یلزم ان یحصل من مجموعها حسن بل ماکان ضعفه لضعف حفظ راویه الصدوق الأمین زال بمجیئه من وجه اٰخروصارحسنا وکذااذاکان ضعفهالأرسال زال بمجیئه من وجه أخروأماالضعیف لفسق الراوی فلایؤثرفیه موافقه غیره۔

قال السیوطی رحمه الله قوله:(وأماالضعیف لفسق الراوی)أوکذبه فلایؤثرفیه موافقة غیره له اذاکان الاخرمثله لقوة الضعیف وتقاعدهذاالجابرنعم یرتقی بمجموع طرقه عن کونه منکراأولاأصل له صرح به شیخ الاسلام۔(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۷ وعلوم الحدیث لابن صلاح:(ص۳۰)

واضح رہے کہ اس سے پہلے اسی قسم کے سوال کے جواب میں جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتوی صادر ہوا ہے (تبویب ۲۲۶/۴۱) جس میں ضعیف حدیث کو اس کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا مطلقا ناجائز قرار دیا تھا سو یہ درست نہیں ہے، لہٰذا اس سے رجوع کیا جاتا ہے اور اب صحیح تحقیق یہ ہے کہ حدیث میں اگر شدید درجہ کا ضعف نہ ہو اور وہ موضوع بھی نہ ہو تو اس کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر اسے بیان کرنا درست ہے۔

البتہ حدیث ضعیف کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر اور دیگر صیغ جزم سے بیان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ روی، جاء، نقل عنہ، وغیرہ صیغ سے بیان کرنا چاہیئے لیکن اگر حدیث موضوع ہو تو اسکے موضوع ہونے پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۱۲۸،طبع سعید)

واماالموضوع فلایجوزالعمل به بحال ولاروایته الااذاقرن ببیانه۔

وفی الشامیة:(قوله بحال) ای ولوفی فضائل الأعمال قال ط أی حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة واماالوکان داخلا فی اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حد یثابل

لدخوله تحت الأصل العا م تأمل(قوله الاذ اقرن) ای ذالک الحدیث المروی(ببیانه) ای ببیان وضعه، اما الضعیف فتجوز روایته بلابیان ضعفه.لکن اذاأردت روایته بغیر اسناد فلاتقل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذاو ماأشبه من صیغ الجزم بل قل روی کذاأوجاء أونقل عنه وماأشبه من صیغ التمریض وکذاماشک فی صحته وضعفه کمافی التقریب.

وذکر الخطیب البغدادی کثیرامن أقوال العلماء المتعلقة ببیان الحدیث الضعیف فی باب التشدید فی أحادیث الأحکام والتجوز فی فضائل الأعمال "منهاقوله "

(۷)أخبرنامحمد بن احمد بن یعقوب قال أنامحمدبن نعیم قال سمعت أبازکریاالعنبری یقول ألخبراذاوردلم یحرم حلالا ولم یحل حراماولم یوجب حکماوکان فی تر غیب أوترعیب أوتشدیدأوترخیص وجب الاغماض عنه والتساهل فی رواته(کتاب الکفایة:ص ۱۳۳)

ولمافی علوم الحدیث لابن صلاحؒ فی مقدمته:(ص ۹۳ مطبع فاروقی)

یجوزعندأهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الأسانیدوروایة ما سوی الموضوع من أنواع الحدیث الضعیفةمن غیراهتمام بیان ضعفهافی ماسوی صفات الله تعالی وأحکام الشریعة من الحلال والحرام وغیرهماوذلک کالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائرفنون الترغیب والترهیب وسائرمالاتعلق له بالأحکام والعقائد وممن روینا عنه التنصیص علی التساهل فی نحوذلک عبدالرحمن بن مهدی وأحمد بن حنبل رضی الله عنهما.

ولمافی تدریب الراوی:(ص ۲۹۹ مکتبه شامله)

والضعیف مردودمالم یقتض ترغیباوترهیباوتعددطرقه ولم یکن المتابع منحطا عنه وقیل لایقبل مطلقاوقیل یقبل ان شهدله أصل واندرج تحت عموم.انتهی.ویعمل بالضعیف أیضافی الأحکام اذاکان فیه احتیاط.

قال عبد الوهاب عبد اللطیف فی تعلیقه علی التدریب .نص علی قبول الضعیف فی فضائل الاعمال أحمدبن حنبل وابن سید الناس والنووی،العراقی.والسخاوی،وشیخ زکریاوابن حجرالعسقلانی، والسیوطی وعلی القاری،بل ذهب ابن الهمام الی انه یثبت به الاستحباب وأشارالی ذالک النووی وابن حجرالمکی والجلال الدوانی وممن منع العمل به (لا ببیانه) الشهاب الخفاجی،والجلال الدوانی وتوسع فی القول فیه والعمل اللکنوی فی ظفر الامانی.

مذکورہ عبارات سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ فضائل اعمال سے متعلق احادیث ضعیفہ کو بیان ضعف کے بغیر ذکر کرنا درست ہے۔

واضح رہے کہ تبلیغ کے بعض اصحاب کیطرف اس بات کی نسبت کی جاتی ہے کہ یہ اصحاب ثواب موعود بیان کرتے ہوئے بعض اوقات یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ بیت اللہ میں یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے کہ تبلیغ میں نکل کر نماز پڑھی جائے کیونکہ وہاں پر ایک لاکھ یا پچاس ہزار کا ثواب ہے جبکہ تبلیغ میں نکل کر ثواب انچاس کروڑ ہو جاتا ہے اگر یہ نسبت درست ہے تو یہ بعض اصحاب کی اپنی غلطی ہے، اس محنت کے ذمے دار بزرگ حضرات اس قسم کی بے بنیاد بات کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

لہٰذا اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ انچاس کروڑ کا ثواب احادیث میں صراحتاً منقول نہیں ہے بلکہ احادیث سے مستنبط ہے علاوہ ازیں حج فرض ہو یا نفل ہو اس طرح عمرہ یا صرف نماز کے ثواب مضاعف کی غرض سے بیت اللہ یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا بھی سبیل اللہ میں داخل ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لہٰذا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ثواب سبیل اللہ اور خصوصیت مقام دونوں کا ثواب شمار کیا جائیگا، اس طرح اس نسبت سے تبلیغ میں جا کر نماز پڑھنے کے مقابلے میں بیت اللہ یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کا ثواب بہت ہی زیادہ ہو جائیگا، واللہ اعلم۔

(۲) اس طرح ضرب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ جواب نمبر ا میں گزرا ہے کیونکہ حدیث ثانی کی موعود مقدار ثواب کو حدیث اول کی مقدار ثواب میں ضرب دیئے بغیر "یضاعف علی النفقة" کا مطلب واضح نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی معنی بن سکتا ہے۔

(۳) اللہ جل شانہ کی رحمت بے پایاں ہے کہ وہ بندوں کے حساب اور گنتی سے زیادہ دینے پر قادر ہے اسکے یہاں کوئی کمی نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی حق تعالی کے بے اندازہ رحمت کے پیش نظر معتبر احادیث سے ثابت ہونے والی فضیلتوں کو ضرب دیکر حساب لگائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ بعض علمائے کرام کے نزدیک قرآن وسنت کے اشارات سے یہ بات نکلتی ہے کہ ضرب کا اصول وہاں جاری ہوگا جہاں نصوص میں یضاعف، أضعاف اور تضعیف وغیرہ کے

الفاظ موجود ہوں اور جہاں مذکورہ الفاظ موجود نہ ہوں وہاں ضرب کا اصول جاری نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ان میں بھی حساب لگالے تو بھی ممانعت نہیں، اس لئے کہ اسکی ممانعت صراحۃ منقول نہیں۔

(واضح رہے کہ ضرب دینے میں سائل سے غلطی ہوئی ہے۔)

(۴) تبلیغی جماعت کے اکابر خروج فی سبیل اللہ کو تبلیغی جماعت کے مخصوص طریقہ سے نکلنے کیساتھ خاص نہیں کرتے، البتہ اگر بعض لوگ ناسمجھی سے ایسا کہیں تو یہ انکی اپنی غلطی ہے، تاہم خروج فی سبیل اللہ عام ہے اور تبلیغی جماعت کے مخصوص طریقہ سے نکلنے کیساتھ خاص نہیں ہے۔

(۵) مدارس عربیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی سبیل اللہ میں داخل ہیں بلکہ اسلامی سرحدات کی حفاظت، خانقاہیں اور تبلیغ واشاعت کا کام خواہ وہ تبلیغی جماعت کی شکل میں ہو یا اور کسی صورت میں یہ تمام سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: (۱/۳۷۴، طبع رشیدیہ)

مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله" الجهاد أو غیر ذلک من ابواب الخیر.

"الذین أحصروا فی سبیل الله" فی تحصیل العلوم الظاهرة والباطنة والجهاد (التفسیر المظهری: (ص ۳۹۱، طبع رشیدیه)

مولانا قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد تحصیل علم اور دیگر طرق خیر کو سبیل اللہ میں داخل فرمایا ہے، اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبیل اللہ میں طلب علم اور اشاعت دین کی ہر محنت کو داخل کیا ہے: الدر المختار مع رد المحتار: (۲/۳۴۳، طبع سعید)

قوله وقیل طلبة العلم ... فالتفسیر بطالب العلم وجیه خصوصاً وقد قال فی البدائع "فی سبیل الله جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله تعالی وسبیل الخیرات اذا کان محتاجاً.

سوال نمبر ۵، ۶، ۷، ۸ کے لئے مستقل استفتاء تحریر کر کے فتوی طلب فرمائیں۔

الجواب صحیح: سحبان محمود (رحمہ اللہ) شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ مراقب درجہ تخصص فی الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: بندہ عبدالرؤف سکھروی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ نائب مفتی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی عفی عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب مجیب: بندہ عبدالرحمٰن ڈیروی عفا اللہ عنہ

﴿ایسے گناہ جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (گناہ کبیرہ)﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دین اسلام میں کبیرہ گناہ کون کونسے ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: شاہد حنیف صاحب

﴿جواب﴾ کبائر کی کوئی متعین تعداد قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہے، احادیث مبارکہ میں مختلف مقامات پر مختلف گناہوں کو کبیرہ قرار دیا گیا ہے، تاہم علماء کرام نے غور وخوض کے بعد قرآن وحدیث سے ثابت شدہ کبائر کی فہرست بنائی ہے، چنانچہ علامہ حافظ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں پچھتر (۷۵) تک کبائر کی تعداد ذکر کی ہے ذیل میں مع دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) شرک: پھر شرک کی دو قسمیں ہیں شرک جلی، شرک خفی،

(الف) شرک جلی (شرک اکبر): اللہ کے ساتھ ذات یا صفات مختصہ میں کسی کو شریک کرنا شرک اکبر کہلاتا ہے. قال تعالی: ''ان الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذالک'' (ب) شرک خفی (شرک اصغر): اعمال صالحہ میں ریا کاری اور دکھاوے کو کہتے ہیں. قال الله تعالی: ''فويل للمصلين'' الذين هم عن صلاتهم ساهون ''الذين هم يراؤن ويمنعون الماعون''. (۲) ناحق قتل کرنا: قال الله تعالی ''ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا'' (۳) بغیر عذر شرعی کے نماز چھوڑنا: قال تعالی: ''فخلف من بعدهم خلف أضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا'' (۴) سحر یعنی جادوگری کرنا یا کروانا: قال تعالی: ''ولكن الشيطين كفروا يعلمون الناس السحر'' (۵) زکوٰۃ نہ دینا: قال تعالی: ''وويل للمشركين الذين لا يؤتون الزكوة وهم بالآخرة هم كفرون'' (۶) جائز امور میں والدین کی نافرمانی کرنا: قال تعالی: ''وقضى ربك أن

لا تعبدوا الاایاہ وبالوالدین احسانا "وقال النبی ﷺ :ألا أنبئکم بأکبر الکبائر ؟وذکر منها عقوق الوالدین .(۷) سود کھانا،قال تعالی :"یاأیها الذین امنو اتقو الله وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مؤمنین ،فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله "(۸) ناحق یتیم کا مال کھانا :قال تعالی :"ان الذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا" (۹) نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا:قال النبی ﷺ ان کذبا علی لیس ککذبا علی غیری،من کذب علی متعمد فلیتبوء مقعده من النار "،رواه البخاری (۱۰) بغیر عذر کے رمضان کا روزہ توڑنا، من افطر یوما من رمضان من غیر عذر ولا رخصة لم یقضه صیام الدهر ،ولو صامه" (۱۱) میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا:قال تعالی :"ومن یولهم یومئذ دبره الا متحرفا لقتال أو متحیزا الی فئة فقد باء بغضب من الله ومأواه جهنم وبئس المصیر" (۱۲) زنا کرنا،قال تعالی: "ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا" (۱۳) بادشاہ کا اپنی رعیت کے ساتھ ظلم وستم کا معاملہ کرنا،قال تعالی :انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیر الحق أولئک لهم عذاب ألیم "[شوری] (۱۴) شراب پینا،قال تعالی :"یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس" (۱۵) فخر،تکبر،غرور،خود پسندی .قال تعالی :"وقال موسی انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب "وقال تعالی :"انه لا یحب المستکبرین " (۱۶) جھوٹی گواہی دینا،قال تعالی :"والذین لا یشهدون الزور"[الفرقان]وقال تعالی :"فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور" (۱۷) لواطت،یعنی مرد یا عورت کے دبر میں مباشرت کرنا،قال تعالی :"أتأتون الذکران من العلمین وتذرون ما خلق لکم ربکم من أزواجکم بل أنتم قوم عادون" (۱۸) پاک دامن عورت پر تہمت لگانا،قال تعالی :"ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والأخرة ولهم عذاب ألیم " (۱۹) مال غنیمت،بیت المال،اور مال زکوۃ میں خیانت کرنا،قال تعالی :"ما کان لنبیٔ ان یغل ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامة" (۲۰) ظلم کر کے ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال لینا،قال تعالی: "یاأیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام ....."وقال النبیؐ "من ظلم شبرا من الأرض طوقه الی سبعین أرضین یوم القیامة " (۲۱) چوری کرنا،قال تعالی:

"السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم (۲۲) ڈاکہ ڈالنا، قال تعالى: "انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا " (۲۳) جھوٹی قسم کھانا، عن عبدالله بن عمرؓ عن النبي ﷺ: "الكبائر: الاشراك بالله، وعقوق الوالدين، ... واليمين الغموس " (۲۴) جھوٹ بولنا، قال تعالى: "ان الله لا يهدي من هو مسرف كذاب " وقال تعالى: " قتل الخراصون " وقال تعالى: "ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكذبين (۲۵) خودکشی کرنا، قال تعالى: " ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم (۲۶) حق سے ہٹ کر فیصلہ کرنا، قال تعالى: "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظلمون " وقال تعالى: 'أفحكم الجاهلية يبغون (۲۷) دیوث صفت (بے غیرت) ہونا، دیوث اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ بے حیائی اور زنا کاری وغیرہ کو (نعوذ باللہ) جانتے یا دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہے یا اسے روشن خیالی سمجھے: قال النبي ﷺ: ثلاثة لا يدخلون الجنة: العاق لوالديه، والديوث، ورجلة النساء، (۲۸) مرد کا اپنے کو عورت یا عورت کا اپنے کو مرد ظاہر کرنا. قال ابن عباسؓ "لعن رسول الله ﷺ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء" البخاری (۲۹) شرعی داعیہ کے بغیر حلالہ کرنا یا کرانا. قال ابن مسعودؓ: " لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له" (۳۰) خون (اگر چہ حلال جانور کا ہو) اسی طرح مردار کا گوشت اور خنزیر کا گوشت وغیرہ کھانا، قال تعالى: "قل لا أجد فيما أوحي الي محرما على طاعم يطعمه الا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فانه رجس أو فسق (۳۱) پیشاب سے بچنے میں لاپرواہی کرنا، قال تعالى: "وثيابك فطهر" وقال النبي ﷺ: "تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (۳۲) ظالمانہ ٹیکس وصول کرنا، قال تعالى: "انما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض بغير الحق (۳۳) منافقت اور ریاکاری کرنا، قال تعالى "يراء ون الناس ولا يذكرون الله (۳۴) خیانت کرنا، قال تعالى: "يا أيها الذين امنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتكم وأنتم تعلمون (۳۵) علم دین دنیا کیلئے حاصل کرنا اور حق بات چھپانا، قال تعالى: "ان الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى من بعد ما بيناه للناس في الكتاب أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون (۳۶) احسان جتلانا. قال تعالى: "لا تبطلوا صدقتكم بالمن والاذى "

وقال النبی ﷺ " ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم " وذکر منهم المنان (۳۷) قضاء وقدر کا انکار کرنا قال تعالیٰ: " انا کل شیء خلقناه بقدر " وقال تعالیٰ !" والله خلقکم وماتعملون " وقال تعالیٰ !" واضله الله علی علم (۳۸) تجسس، یعنی چوری چھپے لوگوں کی ایسی باتیں سننا جن کا سننا وہ دوسروں کیلئے پسند نہ کرتے ہوں، البتہ اخلاق کے نگران ذمہ دار افراد کیلئے اپنے زیر تربیت افراد کا تجسس جائز ہے، قال تعالیٰ !" ولاتجسسو (۳۹) لعن طعن کرنا، قال النبی ﷺ "لعن المؤمن کقتله "بخاری، مسلم وقال "لایکون اللعانون شنعاء ولاشهداء یوم القیامة (۴۰) غداری اور بے وفائی کرنا " قال تعالیٰ: " واوفوابالعهد ان العهد کان مسؤلا (۴۱) کاہنوں اور نجومیوں کی تصدیق کرنا، قال تعالیٰ: " ولاتقف مالیس لک به علم " وقال تعالیٰ !" ان بعض الظن اثم (۴۲) بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا، قال تعالیٰ: " واللّٰتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربو اهن (۴۳) اپنوں سے قطع رحمی کرنا، قال تعالیٰ: " واتقوا الله الذی تساءلون به (۴۴) کپڑوں، دیواروں اور پتھروں پر تصویریں بنانا: قال النبی ﷺ: " من صور صورة کلف ان ینفخ فیه الروح ولیس وقال ایضا: " اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون. یقال لهم احیوا ماخلقتم (۴۵) چغل خوری کرنا، قال تعالیٰ: " ولا تطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم (۴۶) مصیبت کے وقت نوحہ گری اور سینا کوبی کرنا، قال النبی ﷺ: " ثنتان هما بالناس کفر: الطعن فی النسب، والنیاحة علی المیت (۴۷) سرکشی کرنا، قال تعالیٰ: " انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیر الحق (۴۸) کسی مسلمان کو کافر کہنا، قال النبی ﷺ: " من قال لأخیه یا کافر فقدباء بها أحدهما " (۴۹) مسلمان کو اذیت دینا، خصوصا اسکی عزت نفس کو مجروح کرنا، قال تعالیٰ: " والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر مااکتسبوا فقداحتملوا بهتانا وانما مبینا " وقال النبی ﷺ: " کل المسلم علی المسلم حرام: عرضه ودمه، وماله، التقوی ههنا بحسب امرء من الشرّ أن یحقر أخاه المسلم " (۵۰) اولیاء اللہ سے دشمنی کرنا اور انہیں کسی بھی قسم کی اذیت پہنچانا، قال تعالیٰ: " ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة ولهم عذاب ألیم " وقال النبی ﷺ: " یقول الله عزوجل: من عادی لی ولیاً فقدآذنته بالحرب (۵۱) شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، قال النبی ﷺ:

"ما أسفل من الكعبين من الازار ففی النار" وقال: "لا ينظر الله الى من يجر ازاره (۵۲) مردوں کا ریشمی لباس اور سونے کی بنی اشیا استعمال کرنا، قال النبی ﷺ: "من لبس الحرير فی الدنيا لم يلبسه فی الآخرة (۵۳) غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا، قال النبی ﷺ: "اذا أبق العبد من مولاه لم تقبل له صلوة (۵۴) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، قال تعالی: "ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق" وقال النبی ﷺ: "لعن الله من ذبح لغير الله (۵۵) رہنمائی کیلئے لگائے گئے نشانات ہٹانا، قال النبی ﷺ: "لعن الله من غير تخوم (۵۶) صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا، قال النبی ﷺ: "لا تسبوا أصحابی، فوالذی نفس محمد بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما بلغ مُدّ أحدهم (۵۷) انصار صحابہ کو برا بھلا کہنا، قال النبی ﷺ: "آية الايمان حُبّ الأنصار، وآية النفاق بغض الأنصار." وقال النبی ﷺ: "لا يحبهم الا مؤمن ولا يبغضهم الا منافق (۵۸) بری عادت کا ایجاد کرنا، نیز برائی کی دعوت دینا، قال النبی ﷺ: "من دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه، لا ينقص ذالک من آثامهم شيئاً" وقال النبی ﷺ: "من سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شيئا (۵۹) بال میں بال ملانا، اور جسم گودنا اور گدوانا، قال النبی ﷺ "لعن الله الواصلة والمستوصلة، والواشمة والمستوشمة، والنامصة والمتنمصة والمتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله (۶۰) کسی مسلمان کو اسلحہ دکھا کر دھمکانا۔ قال النبی ﷺ "من اشار الى اخيه بحديدة، فان الملائكة تلعنه، وان كان اخاه لابيه وامه" رواه مسلم (۶۱) جان بوجھ کر اپنی نسبت باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرنا۔ قال النبی ﷺ "من ادعى الى غير ابيه - وهو يعلم أنه غير أبيه - فالجنة عليه حرام" متفق عليه (۶۲) فال نکلوانا، قال النبی ﷺ "الطيرة شرك، - وما منا - ولكن الله يذهبه بالتوكل" وقال النبی ﷺ "لا عدوى ولا طيرة واحب الفال (۶۳) سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا، قال النبی ﷺ "لا تلبسوا الحرير ولا الديباج، ولا تشربوا فی آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنيا ولكم فی (۶۴) فضول بحث و مباحثہ کرنا، قال الله تعالى "ما ضربوه لک الا جدلا بل هم قوم خصمون، وقال النبی ﷺ "ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل (۶۵) غلاموں اور ملازمین پر ظلم کرنا، قال النبی ﷺ "من قتل عبده قتلناه ومن جدع

جدعناہ " رواہ احمد (۶۶) ناپ تول میں کمی کرنا، قال اللہ تعالی "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم (۶۷) تدبیر الٰہی سے بے خوف رہنا، قال تعالی :"أفأمنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون "وقال تعالی :"حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ " (۶۸) مایوسی، یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوجانا، قال تعالی:"انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون "وقال النبی ﷺ :"لایموتن أحدکم الا وھو یحسن الظن باللہ (۶۹) احسان فراموشی، قال تعالی :"ان اشکر لی و لوالدیک "و قال النبی ﷺ :"لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس (۷۰) زائد پانی روک کر رکھنا، قال النبی ﷺ "لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا بہ الکلأ "وقال ایضا :"لا تبیعوا فضل (۷۱) جانور کے چہرے کو داغنا، قال النبی ﷺ: "أما بلغکم أنی لعنتُ من وسم البھیمۃ فی وجھھا ،أوضربھا فی وجھھا" (۷۲) جوابازی کرنا، قال تعالی :"انما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل (۷۳) حدود حرم میں ملحدانہ کام کرنا، قال تعالی :"ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب ألیم "وقال النبی ﷺ:"ان أعتی الناس علی اللہ من قتل فی الحرم (۷۴) شرعی عذر کے بغیر جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا، عن ابن مسعودؓ أن النبی ﷺ قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ:"لقد ھممت أن آمر رجلا یصلی بالناس ،ثم أحرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم (۷۵) مسلمانوں کی جاسوسی کرنا، اور انکے خفیہ امور پر دشمن کو اطلاع کرنا، لما ورد فی حدیث حاطب بن أبی بلتعۃؓ ،وأن عمرؓ أراد قتلہ فمنعہ النبی ﷺ من قتلہ لکونہ شھد بدرا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ أعلم بالصواب :سیف اللہ

۴ر جب المرجب ۱۴۳۳ھ   فتوی نمبر: ۳۳۰۲

﴿توبہ کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گناہوں سے توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ گناہوں سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ پاک وصاف ہو کر دو رکعت "نماز توبہ" کی نیت سے پڑھے، اسکے بعد انتہائی ندامت کے ساتھ یہ کہے کہ: اے اللہ! اب تک

مجھ سے جتنے گناہ ہوئے ہیں، جتنی غلطیاں ہوئی ہیں، جتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اے اللہ! میں ان سب کے بارے میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ واستغفار کرتا ہوں، اور پکا عزم کرتا ہوں کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ جب یہ تین چیزیں (پچھلے گناہ پر ندامت، ترک گناہ، اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم) توبہ میں پائی جائنگی تو یہ سچی توبہ کہلائے گی اور اس سے گناہ معاف ہوجائنگے، البتہ حقوق اگر باقی ہیں تو وہ ذمہ رہ جاتے ہیں، پس اگر کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہو تو اسکو ادا کردے یا صاحب حق سے معاف کرالے، اور اگر غیر مالی حق ہو (جیسے کسی کو مارنا، گالی دینا، غیبت کرنا وغیرہ) تو اس کی زندگی میں اس سے معاف کرائے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا واستغفار کرتا رہے، انشاء اللہ معافی ہوجائے گی۔

لما أورده الامام مسلمؒ في صحيحه (۳۵۵/۲)

عن أبي أيوب أنه قال حين حضرته الوفاة: كنت كتمت عنكم شيئا سمعته من رسول الله ﷺ يقول: لولا أنكم تذنبون لخلق الله خلقا يذنبون يغفر لهم.

ولما جاء في جامع الترمذي تحت (۵۴/۱) طبع فاروق كتب خانه

عن أسماء بن الحكم الفزاري قال: سمعت علياً يقول: اني كنت رجلا اذا سمعت من رسول الله ﷺ حديثا نفعني الله منه بما شاء أن ينفعني به، واذا حدثني رجل من أصحابه استحلفته فاذا حلف لي صدقته، وانه حدثني أبوبكرؓ وصدق أبوبكرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من رجل يذنب ذنبا ثم يقوم فيتطهر ثم يصلي ثم يستغفر الله الا غفر الله

ولما في الترغيب والترهيب (۱۲/۴) طبع حقانيه

۴۱۰۲ وعن حميد الطويل قال: قلت لأنس بن مالكؓ: أقال النبي ﷺ: "الندم التوبة" قال نعم.

ولما في الشامية (۱۸۲/۶) سعيد

(قوله ويجب رد عين المغصوب) لقوله ﷺ: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله ﷺ: "لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعبا ولا جادا، وان أخذه فليرده عليه".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ | واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ | فتوی نمبر: ۳۳۰۴

﴿كتاب حقوق المعاشرة وآدابها﴾

﴿معاشرت کے حقوق وآداب﴾

﴿یوم عاشوراء کو اہل وعیال پر کھانے میں وسعت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ہماری مسجد میں ایک مولوی صاحب نے جمعہ کے بیان میں فرمایا جو آدمی دس محرم یعنی عاشوراء والے دن اپنے گھر والوں کے کھانے پینے میں وسعت کرے گا تو پورا سال اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں وسعت کریں گے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ حدیث ہے اگر ہے تو صحیح ہے یا ضعیف وضاحت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ مولوی صاحب نے عاشوراء کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے احادیث میں اس کا ذکر ہے اور سند کے اعتبار سے اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن کثرت اسانید کی وجہ سے وہ ضعف باقی نہیں رہتا، حدیث میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حدیث کی اسانید زیادہ ہیں لہذا مولوی صاحب کی بیان کردہ فضیلت درست ہے قابل عمل ہے۔

لما في الترغيب والترهيب: (۲/۴۸، مكتبه: حقانيه)

عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال: من اوسع على عياله واهله يوم عاشوراء اوسع الله عليه سائر سنته، رواه البيهقي وغيره من طرق، وعن جماعة من الصحابة، وقال البيهقي هذه الاسانيد وان كانت ضعيفة فهي اذا ضم بعضها الى بعض اخذت قوة. والله اعلم

ولما في اوجز المسالك: (۵/۱۳۲، طبع: بيروت)

فيه عدة ابحاث: ــــ البحث الثالث: في اعمال ذلك اليوم غير الصوم، ففي الروض المربع يسن فيه التوسعة على العيال وكذا في الشرح الكبير للدردير

ولما في الرد المحتار: (۲/۴۱۸، طبع سعيد)

وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح وحديث الاكتحال فيه ضعيفة لا موضوعة كما زعمه ابن عبد العزيز

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۹۷

﴿والدین کی فرمانبرداری کیلئے بھی حدود ہیں﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ شریعت میں والد کے اختیارات کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ کیا والد جب چاہے اور جیسا چاہے بیٹے کو حکم دے سکتا ہے؟ اور کیا بیٹے کے اوپر باپ کی ہر بات ماننا ضروری ہے؟ اگر باپ بلاوجہ یا کسی چھوٹی سی بات پر بیٹے کو کہے کہ بیوی کو طلاق دے تو کیا بیٹے پر لازم ہے کہ بیوی کو طلاق دیدے؟ اگر باپ یہ ظلم کرے کہ باقی بیٹوں کو ساری جائیداد تقسیم کر دے اور ایک بیٹے کو کچھ بھی نہ دے تو کیا باپ گنہگار نہیں ہوگا؟ اگر باپ ظلم کرے تو کیا بیٹا برداشت کرتا رہے؟ کیا باپ کو یہ سب کچھ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا؟

﴿جواب﴾ بلا شبہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کی خدمت کے بارے میں بہت سخت تاکیدیں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ذکر ہیں یہاں تک کہ اگر والدین نعوذ باللہ کافر بھی ہوں تب بھی دنیا میں ان سے حسن سلوک کا معاملہ ضروری ہے لیکن یہ بات غلط ہے کہ والدین کی ہر جائز اور ناجائز بات ماننے کا حکم ہے بلکہ والدین کی فرمانبرداری کی بھی حدود ہیں جس کو شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے لکھا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: (۷/۱۹۹-۲۰۰ طبع لدھیانوی)

والدین خواہ کیسے ہی برے ہوں ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کی جائے بلکہ ادب اور نرمی کیساتھ سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن لب ولہجہ گستاخانہ نہ ہو اور اگر سمجھانے پر بھی نہ سمجھیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اگر والدین کسی جائز بات کا حکم کریں تو اسکی تعمیل ضروری ہے بشرطیکہ آدمی اسکی طاقت بھی رکھتا ہو اور اس سے دوسروں کے حقوق تلف نہ ہوتے ہوں اگر ان کے حکم کی تعمیل اسکے بس کی بات نہیں یا اس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے تو تعمیل ضروری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں جائز بھی نہیں۔ اگر والدین کسی ایسی بات کا حکم کریں جو شرعاً ناجائز ہے تب بھی انکے حکم کی تعمیل جائز نہیں ماں باپ تو ایسا حکم دے کر گناہ گار ہونگے اور اولاد انکے ناجائز حکم کی تعمیل کر کے گنہگار ہوگی، مشہور حدیث ہے: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" یعنی جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اسمیں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

اگر والدین یہ کہیں کہ بیوی کو طلاق دو تو دیکھنا چاہیئے کہ بیوی قصوروار ہے یا نہیں؟ اگر بیوی بے قصور ہو تو محض والدین کے کہنے سے طلاق دینا جائز نہیں اگر والدین کہیں کہ بیوی کو الگ مکان میں مت رکھو تو اسمیں انکی تعمیل روا نہیں، والدین اگر ماریں پیٹیں، گالی گلوچ کریں، برا بھلا کہیں یا طعن و تشنیع کرتے رہیں تو انکی ایذاؤں کو برداشت کیا جائے اور انکو پلٹ کر جواب نہ دیا جائے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں: ماں باپ کی نافرمانی اور انکو ایذاء رسانی پر جہنم کی وعید ہے خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر ظلم کیا ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی انکی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (۴۶۴/۵، طبع معارف القرآن)

اگر بعض اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا انکے فسق وفجور کیوجہ سے ہو تو اسکی گنجائش ہے اور باپ ایسا کرنے سے گنہگار بھی نہیں ہوگا لیکن یہ طریقہ اختیار کرنے میں جنکو حصہ دیا ہے انکو قبضہ کرانا بھی ضروری ہے، البتہ جسکو محروم کیا ہے اگر وہ فرمانبردار اور نیک سیرت ہو تو اسکو محروم کرنا صحیح نہیں اور اس صورت میں باپ گنہگار ہوگا۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة العنكبوت، ایت ۸)

ووصينا الانسان بوالديه حسنا وان جاهداك لتشرك بى ماليس لک به علم فلاتطعهما ۔ الاية.

ولما فی المظہری:(۱۹۲/۷، طبع رشيديه)

فی ذلک قال رسول الله ﷺ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق.

ولما فی المشكوة:(۴۲۱، طبع سعيد) وكذافی المظهری:(۴۳۲/۵، طبع رشيديه)

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من اصبح لله مطيعا فی والديه اصبح له بابان مفتوحان من الجنة وان كان واحدا فواحدا ومن امسى عاصيا لله فی والديه اصبح له بابان مفتوحان من النار وان كان واحدا فواحدا فقال رجل وان ظلماه قال وان ظلماه وان ظلماه وان ظلماه.

ولما فی سنن أبی داؤد:(۳۵۸/۲، طبع رحمانيه)

عن ابن عمرؓ قال كانت تحتی امرأة وكنت احبها وكان عمرؓ يكرهها فقال لی طلقها فابيت

فاتی عمر النبی ﷺ فذکر ذلک له فقال النبی ﷺ طلقها.

ولما فی مرقاة المفاتیح:(۱۵۸/۹،طبع رشیدیه)

"طلقها" امر ندب او وجوب ان کان هناك باعث اخر.

ولما فی خلاصة الفتاوی:(۴۰۰/۴،طبع رشیدیه)

ولو اعطی بعض ولده شیئادون البعض لزیادة رشده لابأس به .وان کاناسواء لاینبغی ان یفضل،ولو کان ولده فاسقافاراد ان یصرف ماله الی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث هذاخیرمن ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ولو کان ولده فاسقالا یعطی له اکثرمن قوته.وهکذا فی الهندیة:(۳۹۱/۴،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفر لہ اللہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۶۸۹

﴿ گھرانے کے مشترک حقوق ایک فرد سے معاف کرانا کافی نہیں ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر کسی گھرانے کے کچھ مالی حقوق ہیں، تو میں نے مؤذن صاحب سے مسئلہ پوچھا، تو وہ کہہ رہا تھا، کہ ایک کے معاف کرنے سے آپ بری الذمہ ہو جاؤ گے، سب سے معافی مانگنا ضروری نہیں ہے، لیکن پھر میں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا، تو اس نے کہا کہ سب سے معاف کروانا ضروری ہے، تو اس میں کون سی بات صحیح ہے۔ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿جواب﴾ کسی گھرانے کے مالی حقوق آپکے ذمہ اگر ہوں، تو ہر ایک کو اس کا حق ادا کر دینا ضروری ہے، صرف ایک سے معاف کرانا کافی نہیں ہے، تمام اصحاب حق معاف کردیں یا انکو اپنا حق ادا کردیں تو آپ بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

لما فی الشامی :۵۷/۳ طبع سعید

(فرضا البعض) من الأولیاء قبل العقد أو بعده (کالکل) لثبوته لکل کملا کولایة أمان قود لأنه حق واحد لا یتجزأ لانه ثبت بسبب لا یتجزأ.بحر

ولما فی سنن الدارمی:(۵۶/۱ باب الفتیا وما فیه من الشدة)طبع دار الحدیث القاهرہ

أخبرنا ابراهیم بن موسی حدثنا ابن المبارك عن سعید بن أبی ایوب عن عبید

الله بن أبي جعفر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "أجرؤكم على الفتيا أجرؤكم على النار".

والله اعلم بالصواب محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۴۲۶

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

﴿یتیم بچوں کی مدد کے لئے ان کے کاروبار کو سنبھالنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست قضائے الٰہی سے شہید ہو گئے ہیں پسماندگان میں انکا ایک بالغ لڑکا ہے، ایک نابالغ، دو بیٹیاں اور ایک انکی اہلیہ بیوہ ہے۔ بچے زیر تعلیم ہیں اور خاندان میں کاروبار سنبھالنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ پسماندگان کی خواہش ہے کہ مرحوم کے کاروبار کو میں سنبھال لوں اور وہ لوگ فرماتے ہیں کہ آپ جیسے مناسب سمجھیں یہ معاملہ خود طے کرلیں لیکن معاملہ دنیا و آخرت کے اعتبار سے نازک اور احتیاط طلب ہے اس لئے از خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل بتادیں؟

مستفتی: محمد شاہد حنیف

﴿جواب﴾ یتیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنا بلا شبہ بڑا نازک اور احتیاط طلب امر ہے، لیکن کوئی متقی قابل بھروسہ آدمی اچھی نیت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہوئے اگر سنبھال لے تاکہ یتیم بچوں کی مدد ہو یعنی یکسوئی سے وہ دینی تعلیم حاصل کریں اور اس کاروبار سے انکی ضروریات پوری ہوں تو بہت بڑے اجر وثواب کا بھی باعث ہے۔ کوئی بھی معاملہ متعاقدین کے باہمی رضامندی سے طے ہوتا ہے از خود ایک جانب سے کوئی طے نہیں کر سکتا، آپ مندرجہ ذیل تجاویز میں سے جو مناسب سمجھیں مرحوم کے بالغ لڑکے کے سامنے پیش کریں چونکہ دیگر یتیم بھائی اور بہنوں کا بھی وہی اب شرعا ولی (ذمہ دار) ہے، اس لئے اسی کا فیصلہ معتبر ہوگا، لیکن اتنا بڑا بوجھ وہ اکیلے اور از خود نہ لے بلکہ اپنی والدہ اور خاندان کے دیگر بزرگوں کیساتھ بھی مشورہ کرے، تجربہ کار لوگوں سے رہنمائی حاصل کرے اس کے بعد آپکی تجویز کردہ صورت کو کاروبار اور اپنے یتیم بھائی بہن وغیرہ کے حق میں اگر مفید سمجھے تو خاندان کے چند بزرگوں کی موجودگی میں معاملہ کو تحریری صورت دیکر باضابطہ معاہدہ کریں۔

یتیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے ایک تجویز تو یہ ہے کہ آپ بطور ملازمت یہ کام سنبھال لیں، کام کی نوعیت، اپنی ضروریات اور یتیم بچوں کی ضروریات کے علاوہ کاروبار کا فائدہ بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ایک خاص مقدار کا مشاہرہ انکو بتادیں اور اپنی ڈیوٹی کے اوقات بھی ان پر واضح کریں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ بطور شراکت آپ یہ کاروبار سنبھال لیں۔ شراکت کی صورت اس طرح ہوسکتی ہے کہ آپ باقاعدہ اس کاروبار میں حصہ دار بنیں مثلا کاروبار اگر ہارڈ ویئز کی دوکان ہی ہے اور ہارڈ ویئر سامان ہے، تو موجود سامان کا تجربہ کار لوگ صحیح اندازہ لگائیں کہ کتنی مالیت کا کل سامان ہے، بالفرض نو لاکھ کا سامان ہے، آپ نے تین لاکھ کا حصہ خرید لیا تو چھ حصوں کے مالک مرحوم کے بچے وغیرہ ہیں، اور تین حصوں کے آپ مالک ہوجائیں گے، پھر باہمی رضامندی سے منافع کی شرح بھی مقرر کریں، چونکہ آپ اپنے حصوں کے تو مالک ہیں اور انکے چھ حصوں کی محنت پوری آپ کی ہوگی، تو منافع کی شرح پچاس فی صد بھی طے کرسکتے ہیں یا مرحوم کے بچوں کیلئے ساٹھ فی صد اور اپنے لئے چالیس فیصد بھی طے کرسکتے ہیں یعنی محنت کیوجہ سے اپنے سرمایہ کی نسبت سے زیادہ منافع کا آپ مطالبہ کرسکتے ہیں، پھر اگر وہ منظور کرلیں تو یہ جائز صورت ہوگی۔

اور ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ خدانخواستہ کبھی نقصان ہوا تو پہلے منافع سے وہ نقصان پورا کیا جائیگا، اور ہر ایک فریق اپنے نفع کی شرح کی نسبت نفع واپس کریگا تاکہ اس نقصان کا ازالہ ہوسکے۔ لیکن اس سے بھی خدانخواستہ نقصان اگر زیادہ ہوا یعنی تمام منافع واپس کرنے کے بعد بھی اصل سرمایہ میں کمی رہی تو مزید نقصان ہر ایک کو سرمایہ کی نسبت سے ہوگا۔ اور دوکان کی بلڈنگ، فرنیچر وغیرہ مرحوم کی بچوں کی اگر ملکیت ہے کرایہ کی نہیں ہے تو اس کیلئے بھی مناسب کرایہ مقرر کریں اور اپنے حصوں کا کرایہ الگ سے آپ ادا کرتے رہیں اور کرایہ کا نفع ونقصان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لما فی التنویر مع الدر :(۲/۶۹،طبع سعید)

(والثانی) هو الاجير (الخاص) يسمى اجير وحد (وهو من يعمل لواحد عملا

مؤقتا بتخصيص ويستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استؤجر شهرا للخدمة).

ولما في التنوير مع الرد:(٣١٢/٤ طبع سعيد)

(قوله:ومع التفاضل في المال دون الربح)أي بان يكون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلا و اشترطا التساوي في الربح ،وقوله:وعكسه اي بان يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح لكن هذا مقيد بان يشترط الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملا فلا يجوز.

ولما في الهندية:(٣٢٠/٢،طبع رشيديه)

لو كان المال منهما في شركة العنان والعمل على احدهما ان شرطا الربح على قدر رؤس اموالهما جاز ويكون ربحه له ووضيعته عليه وان شرطا الربح للعامل أكثر من راس ماله جاز على الشرط ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة.

ولما في الشامية:(٤٧٥/٦طبع امداديه)

ثم يقول:فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤس اموالهما ،وما كان من وضيعة او تبعة فكذلك، ولاخلاف أن اشتراط الوضيعة بخلاف قدر رأس المال باطل ،واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح.

ولما في البحر الرائق :(١٤٢/٥،طبع :سعيد)

وقوله ولاتصح مفاوضة عنان بغير النقدين والتبر والفلوس .

ولما في الشامي :(١٣٣/٦طبع :امداديه)

قلت: ذكروا مثل هذا في وصي اليتيم ،وانه لو تصرف في ماله احد من اهل السكة من بيع او شراء جاز في زماننا للضرورة .وفي الخانية :انه استحسان ،وبه يفتى .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ غفرلہ ولوالدیہ

١٧ ربیع الثانی ١٤٣٤ھ — فتویٰ نمبر: ٣٦٧٦

﴿حکومتی نرخنامہ سے مہنگا بیچنا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا پٹرول پمپ ہے، پٹرول کی قیمت فروخت حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ وضاحت طلب امر یہ ہے کہ

کیا حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے مہنگا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حکومت کی طرف سے بعض چیزوں کی قیمت فروخت مقرر کی جاتی ہے تا کہ عام لوگوں کی مجبوری سے کاروباری لوگ غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے،انتظامی امور کی بہتری کیلئے انتظامیہ کا ساتھ دیناواجب ہے بشرطیکہ ان کا فیصلہ شریعت مطہرہ کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو۔اس لئے مہنگا بیچنا گناہ ہے،تاہم بیع ہو جاتی ہے۔

لمافی البحر الرائق :(۲۰۲/۸،طبع:سعید،کراچی)

ولو باع شیأ بثمن زائد علی ماقدرہ الامام فلیس علی الامام ان ینقضہ.

ولمافی المحیط :(۲۷۴/۱۰،طبع:ادارۃ القرآن)

وان کان ارباب الطعام یتحملون علی المسلمین ،ویتعدون عن القیمۃ تعدیا فاحشا،وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتعسیر ،فلا باس بمشورۃ اھل الرأی والبصیرۃ،فاذافعل ذلک ،ثم تعدی رجل عن ذلک القدر فباعہ بثمن فوق اجازۃ القاضی یعنی امضاہ ولم یبطلہ.

ولمافی الدر مع الرد:(۴۰۰/۶،طبع:سعید کراچی)

وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری وحیلتہ ان یقول لہ:بعنی بما تحب (قولہ بما تحب)فحینئذ بأی شیئ باعہ یحل زیلعی:وظاہرہ انہ لو باعہ باکثر یحل وینفذ البیع ولاینافی ذلک ماذکرہ الزیلعی وغیرہ انہ لو تعدی رجل وباع باکثر اجازہ القاضی لان المراد ان القاضی یمضیہ ولایفسخہ ولذاقال القہستانی :جاز وامضاہ القاضی ،خلافالمافہمہ ابو السعود من انہ لاینفذ مالم یجزہ القاضی.

ولما فی تقریرات الرافعی:(۲۱۰/۶،طبع:سعید کراچی)

(قولہ فحینئذ بأی شیئ باعہ یحل)لانہ قد اخذہ بطیب نفسہ ورضاہ ثم ان ماذکرہ الزیلعی وغیرہ من انہ لو تعدی رجل وباع باکثر اجازہ القاضی موضوعہ فیما اذا لم توجد ھذہ الحیلۃ فلاتتوھم المنافاۃ بینھما اصلا.

واللہ اعلم بالصواب :عمران الحق غفرلہ ولوالدیہ
الجواب صحیح :مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۴۰۴۷
ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿انتظامی امور کے ذمہ دار حضرات کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی مرکز رائیونڈ میں علماء کرام کے لیے ایک جگہ کھانے کے لیے متعین ہے، جہاں عام مہمانوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی، خدمت والوں کو بھی یہی ہدایات دی جاتی ہیں کہ عام مہمانوں کو یہاں نہ آنے دیں، یہاں علماء کو کم قیمت پر چائے بھی دی جاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ عام مہمانوں کو یہاں چائے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر خرید کر پی لے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر خدمت والوں کو پتہ چل جائے پھر بھی چائے دے تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تبلیغی مرکز ہو یا اس طرح کا دوسرا کوئی ادارہ انتظامی امور کے ذمہ دار حضرات کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنے میں امیر کی نافرمانی ہے جو کہ سخت گناہ ہے، اس لیے عام مہمانوں کے لیے یہاں کے مطبخ سے چائے وغیرہ لینا جائز نہیں ہے، خدمت والوں کو علم ہو کہ لینے والا غیر عالم ہے تو لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، غلطی سے خرید کر پی لی ہے تو رعایتی قیمت کے علاوہ عام مارکیٹ کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی الشامی:(۶/۱۳۱-۱۳۲،طبع سعید)

وهذا العقد فاسد لان من شروط الصحة الرضا وهو هنا مفقود.

ولما فی العناية مع فتح القدير:(۹/۲۲۲،طبع رشيديه)

(وان هلک المبيع فی يد المشتری وهو غير مكره والبائع مكره ضمن قيمته للبائع) لانه مضمون عليه بحكم عقد فاسد لعدم الرضا كما تقدم وما هو كذلک فهو مضمون بالقيمة

ولما فی الحموی علی الاشباه:(۲/۲۴۸-۲۴۹ طبع ادارة القرآن)

الاصل أن الموكل اذا قيد على وكيله فان كان مفيدا اعتبر مطلقا قوله بعه من فلان فباعه من غيره كذلک ای لم ينفذ . فانه قيد فيه فينبغی ان لا يجوز بيعه من غير كماله قال لاتبع الامن فلان فباعه من غير لا يجوز.

ولما فی محيط البرهانی:(۱۵/۹۷ ،طبع ادارة القرآن كراچی)

فاذا صار ضامنا الغالم يكن هذا البيع داخلا تحت التوكيل فصار الوكيل فی هذا البيع كما قبل الوكالة فلو مات فی يد المشتری كان للآمر الخيار ان شاء اخذ القيمة من المشتری

وان شاء من الوكيل فان أخذ القيمة من المشترى لم يرجع على غيره وان ضمن الوكيل رجع بما ضمن وهو القيمة على المشترى

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عبد الرحمٰن کوہائی

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۵۵

﴿مباح امور میں والدین کی اطاعت واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ مفتی صاحب میں نسوار کا عادی ہوں میرے والد صاحب مجھے اس کے چھوڑنے کا حکم کرتے ہیں اور نہ چھوڑنے کی صورت میں شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن میں چھوڑ نہیں سکتا، پوچھنا یہ ہے کہ نہ چھوڑنے کی صورت میں مَیں گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوں یا نہیں؟ نیز چھوڑنے کیلئے میں کیا تدبیر اختیار کروں؟　　　　مستفتی: ادریس شاہ وزیرستانی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپ پر والد صاحب کی بات ماننا واجب اور ضروری ہے اور نہ ماننے کی صورت میں آپ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مباح امور میں والدین کے حکم کی اطاعت واجب ہے اور نسوار تو ویسے ہی ایک خلافِ اولیٰ امر ہے تو اس میں والدین کی نافرمانی اور بھی شدید اور گناہ کا باعث ہے اگر والدین کے احسانات اور قرآنی آیات واحادیث سامنے رکھیں تو آپ کیلئے نسوار کا چھوڑنا انتہائی آسان ہو جائے گا اور دوسری تدبیر وہ ہے جس کو علامہ شامیؒ نے آفیون کے عادی شخص کیلئے تجویز فرمائی ہے کہ آپ نسوار کے استعمال میں تھوڑی تھوڑی کمی لانا شروع کریں یہاں تک کہ آپ کا شوق ختم ہو جائے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلے، نیز روزہ رکھنا اور دعا کرنا بھی اس کا بہترین علاج ہے۔

لما في قوله تعالى: (بني اسرائيل آيت ۲۳-۲۴)

وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا اما يبلغن عندك الكبر احدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربيني صغيرا الاية.

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اف (ہوں) بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات

کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعاء کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیں جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔

لمافی روح المعانی:(۱۵-۱۲/۶۳،طبع رشیدیہ)

(فلاتقل لهماأف)ومحصل المعنى لاتلضجر ممايستقذر منهما وتستثقل من مؤنهما، والنهي عن ذلك يدل على المنع من سائر أنواع الايذاء قياساجليالانه يفهم بطريق الاولى.

لمافی روح المعانی:(۱۵-۱۲/۷۷،طبع رشیدیہ)

وصح عدالعقوق من أكبر الكبائر وكونه منهاهومااتفقواعليه وظاهر كلام الاكثرين بل صريحه انه لافرق في ذلك بين أن يكون الوالدان كافرين وأن يكونامسلمين

ولمافی صحیح المسلم:(۱/۶۴،طبع قدیمی)

عن سعيد الجريري قال حدثنا عبدالرحمن بن أبي بكرة عن أبيه قال كناعند رسول الله ﷺ فقال:ألاانبئكم باكبر الكبائر ثلاثاالاشراك بالله وعقوق الوالدين وشهادة الزور الخ.وشرح النووي لمسلم:(ص۶۵)وفتح الملهم:(۲/۱۰۵،طبع دارالعلوم)

ولمافی الهندیۃ:(۵/۳۶۵،طبع رشدیہ)

الابن البالغ يعمل عملالاضررفيه دينا ولادنيا بوالديه وهمايكرهانه فلابدمن الاستئذان فيه اذاكان له منه بدالخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بلال شاہ جنوبی وزیرستان

۳صفرالمظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۳۵

صلہ رحمی اور قطع رحمی کے درمیان حد فاصل

سوال: صلہ رحمی اور قطع رحمی کی حد فاصل کیا ہے؟ بعض رشتہ داروں سے دور رہنے میں بچت ہوتی ہے، ورنہ انکی بدکلامی اور غیر محتاط رویہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ ہم سے بھی صبر کی حدود ٹوٹ جائیں گی اور "صل من قطعک" کیا یہ امر برائے وجوب ہے؟

جواب: صلہ رحمی کے بارے میں احادیث میں بہت زیادہ تاکید ہے اور قطع رحمی پر بہت سخت وعیدیں ہیں یہاں تک فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی کے درمیان حد فاصل سلام اور بوقت ضرورت کلام ہے یعنی صلہ رحمی کا

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سلام کے موقع پر سلام اور ضرورت کے موقع پر مختصر کلام پر اکتفاء کیا جائے اس طرح تعلق قائم رکھنے والا شخص قطع رحمی کے زمرہ میں نہیں آیگا۔

والدین کے علاوہ اور کسی رشتہ دار سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے اگر کوئی دینی مضرت لاحق ہو رہی ہو یا کوئی دنیاوی نقصان ہو رہا ہو تو ان سے دور رہنے کی گنجائش ہے۔

"صل من قطعک" والی حدیث اعلیٰ اخلاق پر ابھارنے کیلئے ہے، یہ امر برائے وجوب نہیں ہے۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۲۱/۹،طبع رشیدیہ)

ولاخلاف ان صلۃ الرحم واجبۃ فی الجملۃ وقطعیتہا معصیۃ کبیرۃ وللصلۃ درجات بعضہا ارفع من بعضہا وادناہا ترک المھاجرۃ وصلتہا بالکلام ولو بالسلام ویختلف ذلک باختلاف القدرۃ والحاجۃ فمنہا واجب ومنہا مستحب ولو وصل بعض الصلۃ ولم یصل غایتہا لایسمی قاطعا ولو قصر عما یقدر علیہ وینبغی لہ ان یفعلہ لایسمی واصلا۔

ولمافی تکملۃ فتح الملھم:(۲۵۲/۵،طبع دارالعلوم کراچی)

والذی یظہر لھذا العبد الضعیف عفا اللّٰہ عنہ،ان الھجران الممنوع ھو ترک السلام والکلام جمیعا،فلو سلم ثم اھتم بترک الکلام معہ حتی فی مواضع الضرورۃ اولم یجبہ حینما خاطبہ بشی کان ذلک من الھجران الممنوع ومجرد الاکتفاء بالسلام لایخرجہ من الھجران لان الاھتمام بترک الکلام بعد السلام مما یوذی صاحبہ،ومقصود الحدیث التجنب عن ایذائہ ... نعم لایلزم من ترک الھجران ان ینبسط لہ انبساطہ للاصدقاء فان الانبساط من الامور التی ھی خارجۃ عن اختیار الانسان ،فلو کلمہ عند الحاجۃ ولو مع الانقباض خرج من اثم الھجران ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

ولما تکملۃ فتح الملھم:(۲۵٦/۵،طبع دارالعلوم کراچی)

قال:واجمع العلماء علی ان من خاف من مکالمۃ احد وصلتہ مایفسد علیہ دینہ او یدخل مضرۃ فی دنیاہ یجوز لہ مجانبتہ وبعدہ ورب صرم جمیل خیر من مخالطۃ توذیہ۔

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۲۲/۹-۱۲۳،طبع رشیدیہ)

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا(رواہ البخاری)

قال العلامۃ القاریؒ:(وصلہا)ای قرابتہ التی تقطع عنہ،وھذا من باب الحث علی المکارم الاخلاق،کقولہ تعالیٰ(ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ) ... ومنہ قولہ علیہ

السلام ما رواه البخاری عن علیؓ (صل من قطعک واحسن الی من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۶۲

﴿مزاح کرنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کے پیٹھ پیچھے مزاح کرنا بھی غیبت ہے؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ مزاح اگر استہزاء وتمسخر کی صورت میں ہو تو ایسا مزاح سامنے اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں کرنا حرام ہے، البتہ ایسا مزاح جس سے کسی کی اہانت اور تمسخر مقصود نہ ہو اور اس شخص کی موجودگی میں اس کو ناگوار نہیں گزرتا تو وہ غیبت میں داخل نہیں، تاہم اس سے بھی احتراز اولیٰ ہے۔

لما فی قوله تعالى: (سورة الحجرات، آیت ۱۱) یاایها الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم ... الآیة.

ولما فی أحكام القرآن للجصاص: (۳/۱۰۲، طبع قدیمی)

نهى الله بهذه الاية عن عيب من لا يستحق أن يعاب على وجه الاحتقار له لان ذلك هو معنى السخرية واخبرانه وان كان ارفع حالا منه فى الدنيا فعسى ان يكون المسخور منه خيرا عند الله.

ولما فی صحيح المسلم: (۲/۳۲۲، طبع قدیمی)

عن ابى هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال اتدرون ما الغيبة قالوا الله ورسوله اعلم قال ذكرك اخاك بما يكره قيل افرأيت ان كان فى اخى ما اقول قال ان كان فيه ما تقول فقد اغتبته وان لم يكن فيه فقد بهته.

ولما فی التنویر مع الدر: (۹/۵۸۷، طبع امدادیه)

(وكما تكون الغيبة باللسان) صريحا (تكون) ايضا بالفعل وبالتعريض وبالكتابة وبالحركة وبالرمز (وبغمز العين والاشارة باليد) وكل مايفهم منه المقصود فهو داخل فى الغيبة وهو حرام ومن ذلك ماقالت عائشةؓ دخلت علينا امرأة فلما ولت اومأت بيدى اى قصيرة فقال عليه الصلوة والسلام اغتبتيها ومن ذلك المحاكاة كأن يمشى متعارجا اوكما يمشى فهو غيبة بل أقبح لانه اعظم فى التصوير والتفهيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ولی اللہ ڈیروی

۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۶۳

﴿بھائیوں کی مشترک کمائی سے طالب علم بیٹے پر باپ کا خرچ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم چار بھائی ہیں تین شادی شدہ ہیں اور ایک غیر شادی شدہ ہے اور ان میں سے تین ملازم ہیں اور ایک طالب علم ہے اور سب اکٹھے رہتے ہیں اور والد صاحب کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں ملازم بھائی اپنی تنخواہ والد صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں اور والد صاحب اس مشترک پیسے سے گھر کا نظام چلاتے ہیں اور والد صاحب نے اس مشترک مال سے ہر بیٹے کا گھر بنایا ہے اور قبضہ بھی دیدیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ طالب علم بھائی کے لئے مکان کا مالک بننا اور مشترک پیسے سے اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا خرچ لینا جائز ہے جب کہ وہ کوئی کمائی بھی نہیں کرتا اور بھائیوں نے بھی کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا ہے اور والد صاحب کا اس پر اور اس کے بیوی بچوں پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ باپ اور بیٹے اگر ایک ہی قسم کا کام مل کر کرتے ہیں اور سب باپ کے عیال ہیں تو ساری کمائی باپ کی ہے اور بیٹے باپ کیساتھ معاون شمار ہوں گے اور اگر سب الگ الگ کام کرتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا خود مالک ہوگا لیکن اگر سب اکٹھے رہتے ہیں اور پورے گھرانے کا نظام چلانے کیلئے اپنی اپنی کمائی والد صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ پورے گھر کا نظام چلتا رہے تو اس صورت میں بھی والد صاحب اس رقم کے مالک بن جائینگے بشرطیکہ ہر ایک کی کمائی اور اس کے بچوں کا خرچہ ممتاز اور معلوم نہ ہو۔

مذکورہ صورت میں طالب علم بھائی پر اور اس کے اہل وعیال پر خرچ کرنا اور اس کیلئے الگ گھر بنانا یہ اس کے ساتھ احسان ہے اور اس کے دینی تعلیم جاری رکھنے میں ایک قسم کی معاونت ہے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی ہے، جو دنیا وآخرت میں بڑے نفع واجر وثواب کا باعث ہے، لہٰذا طالب علم بھائی کیلئے اگر آپ کے والد صاحب نے الگ گھر بنایا ہے اور اس پر قبضہ بھی دے دیا تو وہ اس کا مالک ہوگا دیگر بھائیوں کی طرف سے اعتراض نہ ہونا رضامندی کی دلیل ہے۔

لما فی شرح المجلة:(۲/۳۱۹،طبع رشیدیه)

(اذا عمل شخص فی صنعة هو وابنه الذی فی عیاله فجمیع الکسب لذلک الشخص

وولده بعدمعيناله كمااذااعان شخصاولده الذى فى عياله حال غرسه شجرةفتلك الشجرةللشخص ولايكون ولده مشاركاله فيها)

الجوب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۴۲۸ھ   فتوی نمبر: ۸۹۷

﴿اشارۃً دوسرے پر طنز کرنا غیبت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) بعض لوگ دوسروں کی خامیوں کو صراحۃً ذکر نہیں کرتے بلکہ اشارۃً یا تعریض کے طور پر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجلس والوں کو پتا چل جاتا ہے کہ کس کے متعلق بات ہو رہی ہے اسی طرح بعض لوگ زبان سے تو کچھ نہیں کہتے لیکن دوسرے اعضاء سے اشارہ کر کے دوسرے کو نشانہ بناتے ہیں مثلاً لنگڑے یا اندھے شخص کی طرح چلنا وغیرہ، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا بھی غیبت میں شامل ہے یا نہیں؟

(۲) کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو غیبت سننے والا بھی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے وہ گناہ سے بچ جائے۔   مستفتی: محمد امتیاز خان

﴿جواب﴾ (۱) مخاطب کے سامنے دوسرے کی برائی اس طور پر کرنا کہ مخاطب اسے پہچان لے غیبت ہے چاہے اس کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے۔لہٰذا غیبت زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دیگر اعضاء مثلاً آنکھ، ہاتھ، پاؤں سے اشارہ کرنا جس سے دوسرے پر طنز مقصود ہو یا بول چال میں دوسرے کی نقالی کرنا بھی غیبت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) غیبت کی بات کو خوشی سے سننا یا منع پر قدرت کے باوجود غیبت پر سکوت اختیار کرنا گناہ ہے، لہٰذا اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو سننے والا اگر زبان سے منع کرنے پر قادر ہو تو اسے غیبت سے روک دے، یا اسکی بات کو دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کرے، اگر یہ نہ کر سکے تو خود مجلس سے اٹھ کر چلا جائے اس پر بھی قادر نہ ہو تو گناہ سے بچنے کا آخری درجہ یہ ہے کہ اسکی بات کو اپنے دل میں برا سمجھے۔

لمافى الدر المختار:(۶/۴۱۰،طبع سعيد)

وكماتكون الغيبةباللسان صريحاتكون ايضا بالفعل وبالتعريض وبالكتابةوبالحركة

وبالرمز وبغمز العين والاشارة باليد وكل مايفهم منه المقصود فهو داخل في الغيبة وهو حرام، ومن ذلك ماقالت عائشة رضي الله عنها دخلت امرأة فلما ولت أومأت بيدي اى قصيرة فقال عليه السلام اغتبتيها ومن ذلك المحاكاة كان يمشي متعارجا او كما يمشي فهو غيبة بل اقبح لانه اعظم في التصوير والتفهيم ومن الغيبة ان يقول بعض من مر بنا اليوم او بعض من رأيناه اذا كان المخاطب يفهم شخصا معينا..... وفيها الغيبة ان تصف اخاك حال كونه غائبا بوصف يكرهه اذا سمعه.

ولما في الشامي:(۶/۴۱۰،طبع سعيد)

وفيه ان المستمع لايخرج من اثم الغيبة الابان ينكر بلسانه فان خاف فبقلبه وان كان قادرا على القيام او قطع الكلام بكلام آخر فلم يفعله لزمه، كذا في الاحياء، وقد ورد بان المستمع احد المغتابين وورد من ذب عن عرض اخيه بالغيبة كان حقا على الله تعالى ان يعتقه من النار (رواه احمد باسناد حسن)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۵ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۶۹

﴿برے القاب کے ساتھ کسی کو پکارنا بدترین گالی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب ان کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہوتا ہے تو جھگڑے کے دوران وہ اپنے مدمقابل شخص کو کبھی خبیث، منافق ہندو، سکھ، فاجر فاسق، وغیرہ وغیرہ جیسے بدترین الفاظ کے ساتھ برا بھلا کہتا ہے جبکہ وہ دوسرا شخص ان صفات رزیلہ کے ساتھ متصف بھی نہیں ہوتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کی شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایسے شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو بلا وجہ اپنے مدمقابل پر جھوٹے الزامات لگا کر اسکو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ برہ کرام جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی عبداللہ ضلع سوات

﴿جواب﴾ شریعت مقدسہ میں کسی کو برے القاب کے ساتھ پکارنا ایمان لانے کے بعد بدترین گالی ہے، لہذا اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو برے القاب کے ساتھ متصف کرتا ہے (خواہ یہ متصف کرنا غصہ وجھگڑے کی حالت میں ہو یا مزاق کی صورت میں ہو) بہت بری اور غلیظ ترین عادت ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کیلئے انتہائی ضروری ہے اور توبہ بھی، چونکہ اس

کا تعلق بندوں سے ہے اس لئے اس شخص سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔

(قال الله تعالى ولاتنابزوا بالالقاب) آية ۱۱، پاره ۲۶.

لمافي احكام القرآن للجصاص: ۱۰۳/۳ (قديمی)

(ولاتنابزوا بالالقاب) وهذا يدل على أن اللقب المكروه هو مايكره صاحبه ويفيد ذماللموصوف به، لأنه بمنزلة السباب والشتيمة.

ولمافي تفسير المظهري: ۸۲/۹ (رشيديه)

(ولاتنابزوابالالقاب) وفي القاموس التنابز التعاير والتداعي بالالقاب يعني لاتدع بعضكم بلقب السوء، قال البغوي قال عكرمة هوقول الرجل للرجل يافاسق يامنافق يافاجر.

ولمافي البخاري: ۲/۸۹۱ (رحمانيه)

عن ابي ذر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم: لايرمي رجل رجلابالفسوق ولايرميه بالكفر الاارتدت عليه ان لم يكن صاحبه كذالك ـــ عن أنس بن مالك قال لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحشاولالعاناولاسباباًكان يقول عندالمعتبة ماله ترب جبينه.

لمافي التنوير مع الدر: ج۴/۶۹ (سعيد)

(ياخبيث . ياسارق . يافاجر يامخنث . ياخائن) ياسفيه يابليد يا أحمق يامباحي ياعواني يالوطي . والصحيح تعزيره لوفي غضب أوهزل.

ولمافي البحر: ج۵/۴۱ (سعيد)

وصرح السرخسي ليس في التعزير شئي مقدر بل هو مفوض الى رأى الامام لأن المقصود منه الزجر وأحوال الناس مختلفةفيه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیز اروی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۹۱

﴿صلہ رحمی جہاں تک ممکن ہو کرنی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ قریب کے رشتہ دار ہیں طبیعت کے کچھ تلخ ہیں میرے ساتھ کبھی تو قطع تعلق کر دیتے ہیں، باتیں کرنا بند کر دیتے ہیں، منانے کی کوشش کروں تو بھی برا بھلا کہہ دیتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی میرے لئے رشتہ داری وتعلقات برقرار رکھنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کی انتہائی ترغیب وتاکید اور قطع

رحمی پر وعیدات وارد ہیں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسکو اپنی رحمت سے جوڑے رکھونگا اور تیرے قطع کرنے والے کو اپنی رحمت سے دور کر دونگا، چونکہ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دینا اور قطع تعلقی کو جوڑنا صلہ رحمی کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لئے جہاں تک ہو سکے جوڑنے کی کوشش کرتے رہیں، نہیں تو کم از کم ملاقات کے وقت سلام وغیرہ یا صرف خوشی، غمی کے موقع پر حاضری پر اکتفاء کرلیا کریں تو اس طرح کرنے سے بھی صلہ رحمی سے متعلق حکم پر عمل ہو جاتا ہے آپ گنہگار نہیں ہونگے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورۃ حم السجدۃ، آیت ۳۴)

ولاتستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم..... الآیة.

ولما فی قوله تعالیٰ:(سورۃ حم السجدۃ، آیت ۳۵)

وما یلقّٰها الا الذین صبروا وما یلقّٰها الا ذو حظ عظیم.

ولما فی مرقاۃ المصابیح:(۹/۱۴۰-۱۴۲، طبع رشیدیه)

وعن ابی هریرۃ رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "الرحم شجنة من الرحمن. فقال الله: من وصلک وصلته ومن قطعک قطعته(رواه البخاری)

عن أبی هریرۃ رضی الله عنه، أن رجلا قال: یارسول الله ﷺ! ان لی قرابة اصلهم ویقطعونی، واحسن الیهم ویسیئون الی، واحلم عنهم ویجهلون علی. فقال: "لان کنت کما قلت فکأنما تسفهم المل ولا یزال معک من الله ظهیر علیهم مادمت علی ذالک" رواه مسلم. وعن عائشة رضی الله عنها، قالت: قال رسول الله ﷺ "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصله الله، ومن قطعنی قطعه الله" متفق علیه. وعن ابن عمرو رضی الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ "لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها" رواه البخاری.

ولما فی الدر المختار:(۶/۴۱۱، طبع سعید)

وصلة الرحم واجبة ولو "کانت" بسلام وتحیة وهدیة" ومعاونة ومجالسة...... الخ.

وفی الشامیة: اعلم انه لیس المراد بصلة الرحم ان تصلهم اذا وصلوك لان هذا مكافأة بل أن تصلهم وان قطعوك فقد روی البخاری وغیره "لیس الواصل بالمكافی ولكن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر: ۱۷۰۰

غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ کریں قطع تعلق نہ کریں

سوال کیا فرماتے مفتیان عظام در پیش مسئلہ کے بارے کہ ایک حافظ صاحب اپنی زمین مسجد کیلئے وقف کر دی، اہل محلہ نے باہمی تعاون سے وہاں ایک مسجد بنوائی، مگر چند سال بیت جانے کے بعد انہوں نے لوگوں کو مسجد سے روک دیا اور اس وقت سے اس مسجد کی جگہ کو اپنی ذاتی کاموں میں استعمال کر رہا ہے۔ اب پوچھنا یہ کہ اس رویہ کے بعد حافظ صاحب سے صلہ رحمی اور رشتہ داری کا تعلق برقرار رکھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام میں ایسے آدمی کی خوشی وغمی میں شرکت کی اجازت ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عبدالصمد صاحب

جواب حافظ صاحب اس مسجد کو اب بھی اپنی جائیداد کا حصہ جانتے ہیں، حالانکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، اگر چہ زمین کا یہ حصہ پہلے اسکی ملکیت تھا۔ بہر حال یہ حافظ صاحب کی غلطی ہے اور گناہ بھی، تاہم غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی غلطی ہوئی ہے اس لئے بجائے قطع تعلق کے اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ البتہ مسئلہ پوری طرح واضح ہونے کے باوجود حافظ صاحب اگر بضد ہیں اور لوگوں کو مسجد میں آنے سے روک رہے ہیں یا مسجد کو نماز کے علاوہ دیگر کاموں کیلئے استعمال کر رہے ہیں تو اس سے قطع تعلق کرنا نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے۔

لما فی فتح الباری: ۱۰/۲۰۱ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

"باب مایجوز من الهجران لمن عصى" اراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز، لان عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سبب مشروع فتبين هنا السبب المسوغ للهجر وهولمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجرة ليكف عنها.

لما فی مرقاۃ المفاتیح: ۹/۲۲۰ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

فان هجرة اهل الهواء والبدع راجبة على مر الاوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع الى الحق.

لما فی تکملہ فتح الملهم: ۵/۳۵۵ (دار العلوم کراتشی)

ثم ان الهجران الممنوع انما هو ماكان لسبب دنيوى. أما اذاكان بسبب السر أو عصيانه فاكثر العلماء على جوازه...وحاصل ذالك أن الهجران انما يحرم اذاكان من جهة غضب نفساني، اما اذاكان على المعصية والفسق، أو على وجه التاديب كما وقع مع كعب بن مالك وصاحبيه أو كما وقع رسول الله ﷺ مع ازواجه أو لعائشةؓ مع ابن زبير

فانه ليس من الهجران الممنوع .والله سبحانه اعلم .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۱۰

﴿حكم عدم معاشرة تارك الصلوٰة﴾

﴿بے نمازی کے ساتھ قطع تعلق کرنا﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز ترك تكلم تارك الصلوة وترك النزول في بيته؟

﴿جواب﴾ من ترك الصلوة متعمدا تكاسلا يحبس حتى يصلي او يموت وقيل يضرب شديدا هذا هو اصل المذهب ولا يرى العمل به من الحكام فيلزم المسلمين ان ينصحوه ويدعوه الى الصلوة فان راوا ان هجره زجراً له يتركوه ولا يبسطوا في الكلام معه كي يحزن ويتوب.

لما في التنوير وشرحه:(۳۵۲/۱،طبع سعيد)

(وتاركها عمدا مجانة)اى تكاسلا فاسق(يحبس حتى يصلي)لانه يحبس لحق العبدفحق الحق أحق.وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم.

ولما في الاشباه والنظائر:(ص ۲۸۱،طبع قديمی)

يكره معاشرة من لايصلي ولو كانت زوجته الااذا كان الزوج لايصلي لم يكره للمرأة معاشرته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۶ صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۸۰

﴿کسی سے دین کی بنیاد پر قطع تعلق کرنا گناہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوہ ہمشیرہ کی بیٹی ہماری نگرانی میں زندگی بسر کررہی تھی کہ اس کے میرے بھانجے کیساتھ غلط تعلقات بن گئے جس کی وجہ سے میں نے مجبوراً ان کی آپس میں شادی کرائی لیکن اب میرا دل نہیں چاہتا کہ بھانجے اور بھانجی کیساتھ تعلق رکھوں اس بات کا اظہار میں نے اپنی بہن یعنی بھانجے کی والدہ سے بھی کردیا ہے جسکی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے اور ہمارے گھر آنا جانا چھوڑ دیا ہے اگر چہ میں ان کے دروازے

پر جا کر بہن سے ملتا ہوں لیکن بھانجے اور بھانجی کی وجہ سے ان کے گھر جانا پسند نہیں کرتا تو کیا یہ قطع رحمی میں آتا ہے یا نہیں؟ نیز ہمارے گھر میں شرعی پردہ ہے جسکی وجہ سے ویسے بھی بھانجہ ہمارے گھر نہیں آسکتا جبکہ انکی والدہ یہی کہتی ہے کہ میں تب راضی ہونگی اور آپ کے گھر آؤں گی جب میں انکے بیٹے کے ساتھ تعلق رکھوں تو کیا میرے لئے بھانجے کیساتھ تعلق رکھنا لازم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب آپ نے ان کا نکاح آپس میں کرالیا تو اب ان کے درمیان صحیح تعلق قائم ہوگیا، لہٰذا ماضی کی غلط کاریوں کی وجہ سے تلخی کو طول دینا مناسب نہیں ہے، البتہ انکے رویے سے اگر یہ ظاہر ہو کہ انہیں اپنی غلط کاریوں پر کوئی ندامت نہیں ہے اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے کی نہی عن المنکر کے مقابلے میں زیادہ اہمیت جانتے ہوں جس کی وجہ سے آپکی ناراضگی کو الٹا آپ کا جرم قرار دیتے ہوں تو ایسی صورت میں آپ اپنے موقف پر قائم رہیں بہن کی ناراضگی بے جا ناراضگی ہوگی اور آپ سے جتنا ہو سکے بہن کے ساتھ تعلق کو بہتر رکھنے کی کوشش کریں بھانجے کی خوشامد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورة محمد،آیت ۲۲-۲۳)

فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک لعنہم الله فأصمہم واعمیٰ ابصارهم ..... الاية.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲/۳۱۵،طبع قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنی وصله الله ومن قطعنی قطعه الله

ولمافی صحیح المسلم:(۱/۵۱،طبع قدیمی)

قال أبو سعید الخدری سمعت رسول الله ﷺ قال من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان.

ولمافی جامع الترمذی:لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

ولمافی الترغیب والترهیب:(۴/۱۱،رقم الحدیث:۴۶۰۲،طبع حقانیه پشاور)

التائب من الذنب کمن لا ذنب له.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۰۴۲

(الجواب)نعم واذابنی فی الارض المشترکة بغیراذن الشریک له ان ینقض بناءه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی نانکوی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۳۹۹۳

﴿کتاب التصوف والسلوک﴾

﴿اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ اور ان کا جو عرس منایا جاتا ہے، اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر والدین کہیں کہ فلاں ولی کے مزار پر چلو ان کا عرس ہے غریبوں میں کھانا تقسیم کرنا ہے کیا میرے لئے فقیروں میں کھانا تقسیم کرنے کی غرض سے وہاں جانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: مقبول احمد صدہ کھوہ

﴿جواب﴾ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کیلئے گزارتے ہیں اور فرائض وواجبات کے علاوہ سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور خالص اللہ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ مزار والے اولیاء ہیں یا نہیں؟ تو ان کو اس پر پرکھ لیا جائے کہ ان کی زندگی کس طرح گزری، نیز عرس ایک بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ کھانا ان لوگوں میں تقسیم کریں جو دیندار ہوں یا کم از کم شریعت کے مخالف کاموں سے اجتناب کرتے ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تیرا کھانا نیک لوگ کھائیں'' اور عموماً مزارات پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو نماز وغیرہ جیسے فرائض بھی ادا نہیں کرتے۔

البتہ اگر والدین کی ناراضگی کا اندیشہ ہو تو آپ مزار پر یہ نیت کر کے جا سکتے ہیں کہ میں والدین کے حکم پر فقیروں میں کھانا تقسیم کرونگا، عرس میں شرکت کیلئے نہیں جا رہا۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة یونس، آیت ٦٢)

ألا إن اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون......الایة.

ولما فی المظهری: (٢/٦٥ طبع رشیدیه)

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد علیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسا.

ولسائی جامع الترمذی:(۲/۶۲،طبع فاروقی ملتان)

عن سعیدٌ انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لاتصاحب الامؤمناولایاکل طعامک الاتقی۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاءالدین

۲۲جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۱۰۱۰

﴿تصوف کے رائج چاروں سلسلے صحیح ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فی الوقت تصوف کے رائج چار سلسلوں کا ثبوت ہے یانہیں؟بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاروں سلسلے صحابہ تک پہنچتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟ مستفتی:ولی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ نفس کورذائل سے پاک کرنے اور صفاتِ محمودہ سے آراستہ کرنے کے لئے مشائخ نے ذکرواذکار،عبادت ومجاہدوں اور مراقبوں ومحاسبوں کومرتب کیاہے،جس کوتصوف کہتے ہیں، یہ تمام اعمال بلاشبہ قرآن وحدیث سے ثابت اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے ماخوذ ہیں،مشائخ حضرات نے اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی ہے، البتہ ہرایک نے اپنے اپنے تجربہ کی بنیاد پر مقصود تک جلدی اور آسانی سے رسائی کیلئے ثابت شدہ اعمال کوصرف ترتیب دی ہے چنانچہ حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ نے اپنے شاگردوں اور مریدین میں جوترتیب رائج فرمائی اس کو''سلسلہ نقشبندیہ'' کے نام سے موسوم کیاجاتاہے،حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے طریقہ کو''سلسلہ چشتیہ'' کہاجاتاہے،''سلسلہ قادریہ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور''سلسلہ سہروردیہ''حضرت خواجہ شہاب الدین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیاجاتاہے، بلاشبہ دینِ اسلام پورامنقول ہے، ہرہرعمل کیلئے اوپر تک نسبت اورسند حاصل ہے،ایساکوئی عمل جس کیلئے خیرالقرون میں کوئی اصل وبنیادنہ ہوہمیشہ کیلئے مردود ہے،لیکن افادیت کیلئے ترتیب وطریقہ ہردورمیں مختلف ہوتاہے اوریہ شرعاًبلاشبہ پسندیدہ ہے،جس طرح دینی ظاہری علوم اورعصری تعلیمات کیلئے طریقے وضع کیے جاتے ہیں اس کوکوئی برُانہیں کہہ سکتا،توتصوف کے مذکورہ چاروں سلسلے بھی بلاشبہ اس خاص ترتیب کے ساتھ بعدمیں

وضع ہوئے ہیں اور مفید ثابت ہوئے ہیں ان کو کوئی صاحب علم غلط یا بُرا نہیں کہہ سکتا لہذا اس مرتب انداز کے ساتھ چاروں سلسلوں کی سند خلفاء راشدین تک اگر نہیں پہنچتی تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے ہاں ہر ایک شیخ کو حضور ﷺ سے فیض کی نسبت وسند صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، کے توسط سے ضرور حاصل ہے، اور یہ الگ بات ہے کہ ہمارے پاس ایسی کتب وشواہد نہیں ہیں جن سے اس نسبت وسند کا حوالہ دے سکیں، اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ کسی چیز کو صحیح ثابت قرار دینے کیلئے حوالہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ یہ تمام طریقے جن جن اعمال پر مشتمل ہیں وہ تمام اعمال قرآن وسنت سے ثابت ہیں ترتیب وطریقہ تو صرف اس لئے ہے تاکہ مقصود تک پہنچنے میں اور ان اعمال کو اپنانے میں آسانی ہو۔

لما فی قوله تعالی :سورة الممتحنة ،آیت ۱۲)

یاایها النبی اذاجاءك المؤمنات یبایعنک علی ان لایشرکن بالله شیئاولایسرقن ولایزنین ولایقتلن اولادهن ـــ الخ

ولما فی احکام القرآن للتهانوی :۵/۵۵ طبع:ادارة القرآن)

اعلم ان الله تعالی اجری سنة ان یضبط الامور الخفية المضمرة فی النفوس بافعال واقوال ظاهرة ینصبهامقامها ،کمان التصدیق بالله ورسوله والیوم الآخرخفی فاقیم الاقرارمقامه ،فکذالک التوبة والعزیمة علی ترک المعاصی والتمسک بحبل التقوی خفی فاقیمت البیعة مقامها.

ولمافیه ایضاً۵/۵۸ طبع:ادارة القرآن)

ولابأس ان یلقنه فیقول :اخترت الطریقة النقشبندیه ،او القادریه او الجشتیه المنسوبة :الی الشیخ الاعظم والقطب الافخم خواجه نقشبند،اوالشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانی ،اوالشیخ محی الدین السنجری.

ولمافی انتباه فی سلاسل اولیاء الله :۹ ،طبع:دارالعلوم کراچی)

طریقه قادریه مشهورترین طریق است درعرب وهندوستان ونقشبندیه درهندوستان وماوراء النهرشهرت تمام داردرحرمین نیزشائع شده وچشتیه درهندوستان بسیارمشهوراست وسهروردیه نواحی خراسان وکشمیروسنده.

ولمافی قطب الارشاد:۵۲۲)

قال العلامة الشکارپوری:قال الشیخ العارف بالله ابواسحق ابراهیم ان الطرق الی

﴿عورت کا اجنبی مرد کے کپڑے دھونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تبلیغ جماعت میں جاتے ہیں تو مقامی لوگ اکراماً ہمارے کپڑے اپنے گھر لے جانے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم گھر میں دھلوا دیں گے۔ تو کیا اجنبی شخص کے کپڑے کوئی عورت دھو سکتی ہے؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ تبلیغی جماعت کے لوگوں کی خدمت کرنا بڑی سعادت ہے اور دینِ اسلام کی نصرت کا حصہ ہے۔ مقامی لوگ اگر خود اس طرح کی خدمت کی پیشکش کریں تو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے مہمانوں کے اکرام کے جذبہ سے عورتیں بھی ایسی خدمت انجام دیں گی تو ان کا بھی اس کام میں عند اللہ حصہ شمار ہوگا۔

لقوله تعالیٰ:

وتعاونوا على البر والتقوى

ولما جاء فی الصحیح لمسلم کتاب الحج: (۱/۴۳۴، طبع قدیمی)

عن ابی معبد قال سمعت ابن عباس يقول قال سمعت رسول الله ﷺ يخطب يقول: لا يخلون رجل بامرأة الا و معها ذو محرم۔۔الخ

ولما فی المحیط البرهانی کتاب الاجارة: (۱۱/۳۰۱، طبع ادارة القرآن کراتشی)

ويكره للرجل ان يستخدم امرأة حرة يستخدمها ويخلو بها لان الخلوة بالاجنبية قبل الاجارة مكروه كيلا تصير سبب الوقوع فی الفتنة وهذا المعنى موجود بعد الاجارة لكن الاجارة جائزة لانها عقدت على الاستخدام وانه مباح

ولما فی المحیط البرهانی کتاب الاجارة: (۱۱/۳۰۱، طبع ادارة القرآن کراتشی)

وفی النوازل: حرة اجرت نفسها من رجل ذی عیال فلا بأس به ولكن يكره ان يخلو بها لما فيه من احتمال الوقوع فی الفساد

ولما فی الهندیة کتاب الاجارة: (۴/۴۳۴، طبع المکتبة الرشیدیة کوئته)

حرة اجرت نفسها ذا عيال لا بأس به و كره ان يخلو بها

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفر لہ ولوالدیہ
الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۹۵۴
۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۴ھ

﴿مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی خلیل بحیثیت ملازم ایک ہوٹل میں ماہانہ پندرہ ہزار روپیہ کے عوض ہوٹل کے کاونٹر پر ڈیوٹی انجام دیتا ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خلیل ملازم کے دوست یا جان پہچان والیں ہوٹل میں کھانا کھا کر جب کاونٹر پر روپیہ ادا کرنے کیلئے آتے ہیں تو خلیل نامی ملازم ان سے کھانے کا روپیہ وصول نہیں کرتا جبکہ ہوٹل کے مالک کو خلیل نامی ملازم کے اس حرکت کا علم نہیں ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہوٹل کے ملازم کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو ہوٹل کے مالک کی اجازت کے بغیر مفت میں کھانا کھلا دیں؟ اور کیا خلیل نامی ملازم کے دوستوں کیلئے یہ کھانا حلال ہے کہ نہیں؟

مستفتی: ذاکر الرحمٰن ضلع شانگلہ

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں ہوٹل کے ملازم کو قطعا اس کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ ہوٹل کے مالک کی مرضی کے بغیر اپنے دوستوں یا جان پہچان والیں دوستوں کو بغیر بل ادا کئے کھانا کھلا دیں اور نہ ان کے دوستوں کیلئے جائز ہے وہ اس طرح کھانا کھائیں، ہوٹل کے ملازم اور اس کے دوست گناہ میں برابر کے شریک ہونگے البتہ خلیل نامی ملازم بعد میں دوستوں کے کھانے کا بل اپنی تنخواہ میں سے کاٹ لیں تو اس صورت میں وہ کھانا خلیل کے دوستوں کیلئے حلال ہوگا۔

لمافی المشکوۃ المصابیح :۱/۲۵۵(طبع :سعید)

وعن ابی حرۃ لرقاشی عن عمہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا لاتظلموا ألا لایحل مال امرء ی الا بطیب نفس منہ .

ولما فی الدر :۶/۲۰۰طبع :سعید)

لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنہ ولا ولایتہ .

ولمافی الشامیۃ :۴/۶۱(طبع :سعید)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی.

ولمافی شرح المجلۃ:۱/۲۳۱(طبع :رشیدیہ)کل یتصرف فی ملکہ کیف یشاء.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

واللہ اعلم بالصواب :فضل حق زیزاروی
فتویٰ نمبر:۳۰۷۷

﴿مشترک رقم سے مشترک کھانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی جماعت میں ساتھی خرچہ کے لیے رقم جمع کرتے ہیں لیکن چونکہ کھانے میں ساتھی مختلف ہوتے ہیں کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ لیکن تمام ساتھی یہ رقم دل کی خوشی سے جمع کرتے ہیں، تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ جب ساتھی اپنی خوشی اور رضامندی کے ساتھ رقم جمع کرتے ہیں تو اگر چہ کھانے میں کوئی ساتھی کم کھائے یا زیادہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ طریقہ درست اور باعث برکت ہے۔

لما فی مشکوۃ المصابیح:(۲۵۵/۱،باب الغصب والعاریۃ،طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا لا تظلموا،لایحل مال امری الا بطیب نفسہ منہ،رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

ولما فی مرقاۃ المصابیح تحت ھذا الحدیث:(۱۳۵/۶،طبع رشیدیہ)

(لایحل مال امری)ای مسلم اوذمی(الا بطیب نفس)ای بامر أو رضا

ولما فی الھندیہ:(۳۴۱/۵،الباب الحادی عشر فی الکراھۃ فی الأکل وما یتصل بہ)

المسافرون اذا خلطوا ازوادھم او اخرج کل واحد منھم درھما علی عدد الرفقۃ واشتروابہ طعاماًواکلوا فانہ یجوز وان تفاوتوا فی الاکل کذا فی الوجیز للکردی۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر:۳۷۶۱

﴿مشترک راستے میں تعمیر کرنا بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔کہ آمنے سامنے دو پڑوسی ہیں درمیان میں کشادہ راستہ ہے ایک کا نام افضل ہے اور دوسرے کا نام محمود ہے راستے کے جس طرف افضل کا گھر ہے اس طرف ایک نالہ بھی ہے اور نالہ سے تقریبا آدھا گز دور اسکے گھر کی دیوار ہے لیکن اس نے آدھا گز دیوار آگے کر کے راستہ اپنے گھر میں شامل کرلیا اور دیوار بالکل نالہ کے کنارے تعمیر کی ہے۔

جبکہ دوسرے پڑوسی محمود نے اپنے گھر کی طرف سے راستے میں غسل خانے تعمیر کئے، یعنی

راستے کو گھر میں شامل کرلیا۔اب دونوں کا آپس میں تنازعہ چل رہا ہے افضل کہتا ہے کہ غسل خانوں کو پیچھے کرلو اور محمود کہتا ہے کہ آپ دیوار کو پیچھے کرلو۔واضح رہے کہ راستے میں اور پڑوسی بھی شریک ہیں اور وہ اس سے ناخوش ہیں۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا دونوں کا مطالبہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے۔تو افضل کو دیوار کہاں تک گرانا ہوگا پوری دیوار یا اسلم کے گھر کے بالمقابل اور کیا محمود دونوں غسل خانے گرائے گا؟

﴿جواب﴾ راستہ میں اور لوگ بھی اگر شریک ہیں تو افضل اور محمود دونوں نے مشترکہ راستے کے ایک حصہ پر ناجائز قبضہ کرکے غصب کیا ہے لھذا دونوں پر واجب ہے کہ دیوار اور غسل خانے گرا کر دوسروں کے حق پر ناجائز قبضہ ختم کردیں مشترکہ راستہ پر قبضہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

لمافی الشامی (۲۶۴،۲۶۳/۹ طبع ایچ ایم سعید)

(اختلفوافی مقدارعرض الطريق جعل)عرضها(قدرعرض باب الدار)واما فی الارض فبقدر ممر الثورزيلعي(بطوله)ای ارتفاعه حتى يخرج كل واحدمنهم جناحافی نصيبه ،ان فوق الباب لافيمادونه لان قدرطول الباب من الهواء مشترك والبناء على الهواء المشترك لايجوزالابرضاالشركاء جلالية.

(قوله ای ارتفاعه)افاد ان المرادهوالطول من حيث الاعلى لامن حيث المشي وهوضدالعرض ،لانه انمايكون الى حيث ينتهون بهاالى الطريق الاعظم،افاده فى الكفاية وغيرهامن شروح الهداية ،وافادوانه يقسم بينهم مافوق الباب من الاعلى ويبقى قدرطول الباب من الهواء مشترك بينهم.(قوله ان فوق الباب)ای له ذالک ان كان فيمافوق طول الباب لانه مقسوم بينهم كماعلمت،فصاربانياعلى خالص حقه لافيمادونه لبقاءه مشتركا،وماقررناه اندفع مابحثه الحموی.

لمافی تنقیح الحامدیہ (۲/۱۰۶ طبع مکتبہ حقانیہ پشاور)

(سئل)فی حائط بين اثنين يريداحدهماان يزيدفی البناء عليه بدون اذن الآخرولارضاه فهل ليس له ذلک؟

(الجواب)نعم جداربين رجلين اراداحدهماان يزيدفی البناء عليه لايكون له ذالک الاباذن الشريک اضرالشريک بذالک اولم يضرخانيه.

(سئل)فيمااذابنى قصربماله بنفسه فی دارمشتركة بينه وبين اخوته بدون اذنهم فهل يكون البناء ملكاله؟

﴿بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دعا بغیر ہاتھ اٹھائے مانگی جاسکتی ہے؟ اور اسی طرح دل میں بھی دعا مانگی جاسکتی ہے؟ جبکہ زبان کو حرکت نہ دی جائے۔

مستفتی: محمد دین وزیرستانی

﴿جواب﴾ دعا بڑی اہم عبادت ہے اور انسان جب کوئی عبادت کرتا ہے خواہ اجتماعی کرے یا انفرادی اسکے بعد دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے، البتہ بعض موقعوں پر دعا دل میں کرنے کی ترغیب دی گئی ہے مثلاً جماع کے وقت انزال کے بعد صرف دل دل میں مسنون دعا مانگنا۔

لما فی مرقاۃ المفاتیح:(۲۲/۳،طبع رشیدیہ کوئٹہ)

الاکثرون علی استحباب الدعاء مطلقا وقیل السکوت عن الدعاء افضل رضاء بما سبق به القضاء وقیل یدعو بلسانه ویرضی بجنانه قال القشیری الاوقات مختلفة ففی بعض الدعاء افضل بان یجد فی قلبه اشارة الیه وهو الادب ایضا وفی بعض السکوت افضل بان یجد ذلک وهو الادب ایضا.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص۱۷۳،طبع قدیمی)

من الادب فی الدعاء ان یدعو بخشوع وتذلل وخفض صوت ای بان یکون بین المخافتة والجهر کما فی الاذکار عن الاحیاء لیکون اقرب الی الاجابة.

لما فی البحر الرائق:(۲۰۷/۸،طبع ایچ ایم سعید کراچی)

قال السغناقی ان الخفیة بان الدعاء اربعة دعاء رغبة ودعاء رهبة ودعاء تضرع ودعاء خفیة ففی دعاء الرغبة یجعل بطون کفیه الی السماء وفی دعاء الرهبة یجعل ظهورها الی وجهه کالمستغیث من الشیء وفی دعاء التضرع یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الابهام والوسطی ویشیر بالسبابة وفی دعاء الخفیة یفعل ما یفعل المرء فی نفسه.

الجواب صحیح: حمید الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۶۸۰

﴿نماز کے بعد جہراً ذکر کا کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ پانچوں نمازوں کے بعد

ہمیشہ اجتماعی طور پر بآواز بلند تین دفعہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ طریقہ سے ذکر کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں:

لما في قوله تعالى:(سورة الانعام، آیت ۵۵) ادعوا ربكم تضرعا وخفية ..... الآية.

ولما في المظهري:(۲/۲۶۱، طبع رشيديه كوئٹه)

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الافضل والجهر بالذكر بدعة الا في مواضع مخصوصة مست الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان..... ويدل على كون ذكر السر افضل ومجمعا عليه من الصحابةؓ من تبعهم قول الحسن ان بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفا..... وايضا يدل على فضل الذكر الخفي حديث سعد بن أبي وقاص قال رسول الله ﷺ خير الذكر الخفي وخير الرزق ما يكفي رواه احمد وابن حبان في صحيحه والبيهقي في شعب الايمان.

ولما في فتح القدير:(۲/۴۱، طبع رشيديه كوئٹه)

فقال ابو حنيفة رفع الصوت بالذكر بدعة يخالف الامر من قوله تعالى واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول.

ولما في مجموعة الفتاوى:(۴/۳۳۳، طبع رشيديه)

عن المدخل ليحذروا جميعا من الجهر بالذكر والدعاء عند الفراغ من الصلاة ان كان في جماعة فانه ذلك من البدع .....

ذکر جہری بعد نماز سوائے ایام تشریق وغیرہ اگر احیانا باشد ہیچ مضائقہ نیست بشرطیکہ جہر مفرط نباشد و ہمچنیں اگر مقصود از جہر تعلیم باشد و بدون ایں غرض التزام اہتمام آں کردن۔ چنانکہ در سوال مذکور خلاف طریقہ نبویہ و طریقہ سلف است (مجموعہ بر حاشیہ خلاصہ: ۴/۳۳۳، طبع رشیدیہ)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۵۲

﴿آئینہ میں چہرہ دیکھنے کی دعا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ آئینہ میں چہرہ کو دیکھتے وقت

کون سی دعا پڑھی جاتی ہے؟ نیز وہ دعا چہرہ دیکھ کر پڑھنی چاہیئے یا دیکھنے سے پہلے پڑھنی چاہیئے؟

﴿جواب﴾ جب آئینے میں آپ اپنا چہرہ دیکھیں تو دیکھتے ہی یا دیکھنے کے بعد مذکورہ دعاؤں میں سے کوئی ایک یا سب دعائیں پڑھیں، جیسا کہ حصن حصین میں مذکور ہے:

واذانظر وجهه في المرأة:

(۱) اَللّٰهُمَّ أَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ. (بحواله ابن حبان والدارمی)

(۲) اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ وَحَرِّمْ وَجْهِيْ عَلَى النَّارِ. (بزاز عن عائشه)

(۳) اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَاشَانَ مِنْ غَيْرِيْ.

(۴) اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ فَعَدَّلَهٗ وَصَوَّرَ صُوْرَةَ وَجْهِيْ فَاَحْسَنَهَا وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (بحواله طبرانی فی الصغیر)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۵۹

﴿ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کہ بارے میں کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے کا کیا حکم ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ وقت کا ضیاع ہے کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت کو اگر چہ تلاوت کا حکم حاصل نہیں ہے چنانچہ اس سے سجدۂ تلاوت کی آیت سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا تاہم سننا جائز ہے، البتہ ایسی مجلسوں میں جہاں لوگ اس کی طرف دھیان نہ دیں اس کا احترام نہ کریں، تلاوت کی کیسٹ لگانا مناسب نہیں ہے، رہا یہ کہنا کہ اس سے تلاوت کا سننا وقت کا ضیاع ہے سو یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اگر چہ تلاوت نہیں لیکن تلاوت کے مشابہ ضرور ہے اور ایک نسبت حاصل ہے۔

وما احسن ما قال: امر علی الديار ديار ليلى ☆ أقبل ذاالجدار وذاالجدار

وماشغلنني حب الديار ☆ ولكن حب من سكن الديار

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۳۳

﴿عربی تحریر والی بوری اور بوسیدہ جائے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ہر پیکٹ پر اردو اور عربی لکھی ہوتی ہے تو کیا یہ پیکٹ گرا سکتے ہیں یا جمع کر کے جلا دیا کریں؟ اور اسی طرح پرانی جائے نماز کا کیا کیا جائے اور اسی طرح آٹے کی بوریاں بہت جمع ہو جاتی ہیں، اس پر بھی اردو بھی لکھی ہوتی ہے، اگر ہم وہ بیچ دیں اور خریدنے والا دکاندار ان کو نیچے گرائے یا بے ادبی کرے یا زمین پر رکھے تو ہمیں گناہ تو نہیں ملے گا؟ آپ سے راہنمائی مطلوب ہے اگر ان کو جلا دیں تو یہ اسراف تو نہیں ہے؟ مستفتی: فرید اللہ جان لکی مروت

﴿جواب﴾ ایسی بوری، پیکٹ وغیرہ جن پر عربی اردو کی کوئی تحریر ہو بیچنا منع نہیں ہے، ہاں تحریر میں اللہ تعالی یا نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی بھی ہوں یا کوئی آیت وغیرہ اور بے حرمتی کا اندیشہ ہو تو خاص ان کو مٹا دینا چاہیے۔ اور جائے نماز کو احتراماً دفنایا جائے تو زیادہ بہتر ہے، تاہم جلانے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۵/۲۲۷، طبع سعید کراچی)

الکتب الشیئ لا ینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ وملائکتہ ورسولہ ویحرق الباقی۔

ولما فی الدر المختار: (۱/۱۷۸، طبع سعید کراچی)

ولا یجوز لف شیئ فی کاغذ فیہ فقہ وفی کتب الطب یجوز، ولو فیہ اسم اللہ او الرسول فیجوز محوہ لیلف فیہ شیئ ومحو بعض الکتابۃ بالریق یجوز وقد ورد النھی فی محو اسم اللہ بالبزاق۔

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۴۰۵۹

﴿تلاوت ترتیب سے کرنی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک ترتیب سے پڑھنا افضل ہے یا درمیان درمیان سے بلا ترتیب؟ کیا ترتیب سے پڑھنے کا اجر بلا ترتیب پڑھنے سے افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ قرآن کریم ترتیب سے پڑھنا افضل ہے، بلا ترتیب پڑھنا بھی جائز ہے البتہ

الله کثیرة کالشاذلیة والسهروردیه والقادریه الی غیر ذالک۔

ولمافی انتباه :۵،طبع:دار العلوم)

فالسید عبدالله عن الشیخ آدم البنوری عن الشیخ احمدالسهرندی عن خواجه محمدباقی وخواجه خوردعن الشیخ احمدالسهرندی وعن خواجه حسام الدین وشیخ الهدادکلهم عن خواجه محمدباقی بالسندالمذکورفی سلسلة الصحبة ــ عن مولانانظام الدین خاموش عن خواجه علاؤالدین العطاء عن خواجه بهاؤالدین نقشبندــــ والامام جعفرالصادق اخذمن جهتین الاولی جهة آبانه رضی الله عنهم وقدذکرناوالثانیة انه اخذالطریقة عن ابی امه القاسم بن محمدبن ابی بکرالصدیقؓ والقاسم اخذهاعن سلمان الفارسیؓ عن سیدناابی بکرالصدیقؓ عن النبی ﷺ.

ولمافی انتباه :۱۵ طبع:دار العلوم کراچی)

عن الشیخ آدم البنوری عن الشیخ احمدالسهرندی عن ابیه الشیخ عبدالاحد عن شاه کمال ــ عن ابیه امام الطریقة ابی محمدالشیخ عبدالقادرجیلانی الی آخرالسندالمذکورفی سلسلة الصحبة الاان الصوفیة اتفقواعلی ان الحسن البصری اخذعن سیدناعلی رضی الله عنه .

ولمافی انتباه ــ طبع:دارالعلوم کراچی)

پس ارتباط این فقیرباوالد خودست شیخ عبدالرحیم قدس سره عن الشیخ عظمة الله الاکبرآبادی عن ابیه عن جده عن الشیخ عبدالعزیزــ عن الفرغانی شیخ الشیوخ شیخ شهاب الدین سهروردی نسبت خرقة راتاابوالقاسم جنیدپیش اثبات نکرده وازجنیدتامصطفی ﷺ بصحبت نسبت داده است نه بخرقه اماشیخ مجدالدین بغدادی درکتاب تحفه البررة آورده است که نسبت خرقة هامتصل است به پیغامبر ﷺ بحدیث درست متصل منیض ،اقول والحق ماقاله السهروردی .

ولمافی انتباه :۵۸،طبع:دار العلوم کراچی)

شیخ عبدالرحیم قدس سره وایشان راخرقة واجازت از شیخ عظمت الله اکبرآبادی ست عن ابیه عن جده عن الشیخ عبدالعزیزوایضا وصیت واجازت اشغال ازجدابوالام خویش است شیخ رفیع الدین محمدــ عن الشیخ عبدالواحدبن زیدعن الحسن البصری عن سیدناعلی کرم الله وجهه.

والله اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۳۷۷۱

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿ذکر، دعا، تعویذات اور آداب تلاوت کا بیان﴾

﴿نماز کے بعد سراً دعا افضل ہے یا جہراً؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے متعلق کہ امام صاحب کا فرض نماز کے بعد سراً دعا کرانا افضل ہے یا جہراً؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ دونوں جائز ہیں بشرطیکہ جہر میں ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ بعض حالات اخفاء کے مقتضی ہوتے ہیں اور بعض حالات جہر کے، لہٰذا بعض حالات میں اخفاء افضل ہے اور بعض میں جہر افضل ہے۔

لما فی مرقاۃ المفاتیح: (۳۱/۳، طبع رشیدیہ)

وعن عبدالله بن الزبير قال: كان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلوته يقول بصوته الاعلى "لااله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لاحول ولاقوة الا بالله لااله الا الله ولانعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لااله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون" رواه مسلم قال العلامة ملاعلى قارى تحت هذا الحديث (كان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلاته يقول بصوته الاعلى) تعليما لمن حضر معه من الملا.

ولما فی الهندية: (۳۱۸/۵، طبع رشیدیہ)

اذا دعا بالدعاء المأثور جهرا ومعه القوم ايضا ليتعلموا الدعاء فلابأس به واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة. كذا فى الوجيز للكردى.

ولما فی رد المحتار: (۵۷۰/۱، طبع امدادیہ)

... ما رفع الصوت بالذكر فجائز كما فى الاذان والخطبة والجمعة والحج..... وقال ان هناك احاديث اقتضت طلب الجهر واحاديث طلب الاسرار والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فالاسرار افضل حيث خيف الرياء وتاذى المسلمين او النيام والجهر افضل حيث خلا مما ذكر لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد النشاط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ولی اللہ ڈیروی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱۷

﴿فرض نماز کے بعد پہلے سنت ادا کریں پھر اذکار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے بعد متصل مسنون اذکار کیے جائیں یا جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں ادا کرنے کے بعد اذکار کیے جائیں یعنی "اللهم انت السلام وغیرہ کے علاوہ۔

﴿جواب﴾ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں تو ان کے متصل بعد اذکار مسنونہ کا اہتمام کرنا چاہیئے اور جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں تو پہلے سنتیں ادا کرنا اولی ہے بعد میں اذکار پڑھے جائیں۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص۱۱۶،طبع قدیمی)

وقال الكمال عن شمس الائمة الحلواني انه قال لاباس بقرائة الاوراد بين الفريضة والسنة فالاولى تاخير الاوراد عن السنة. وكذافي الهندية:(۱/۷۷،طبع رشيديه)

ولمافي الدر المختار:(۲/۲۴۶طبع امداديه)

ويكره تاخير السنة الابقدر اللهم انت السلام قال الحلوانيؒ لاباس بالفصل بالاوراد واختاره الكمال قال الحلبي ان اريدبالكراهة التنزهية ارتفع الخلاف.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد ولی اللہ ڈیروی

۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۶۵۵

﴿ذکر اللہ کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذکر میں کونسی چیز داخل ہے احادیث میں ذکر کے بہت زیادہ فضائل آئے ہیں نیز تلاوت بہتر ہے یا ذکر بہتر ہے، نفل نماز بہتر ہے یا تلاوت بہتر ہے، نیز جن اوقات میں نماز مکروہ ہے، ان اوقات میں تلاوت کرنا بہتر ہے یا ذکر کرنا؟

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ ہو اور جس سے اللہ کا دھیان نصیب ہو ذکر میں داخل ہے خواہ وہ تعلیم وتعلم کے ذریعے ہو یا وظائف اور دوسری عبادات کے ذریعے۔

لما فی قواعد الفقه:(ص۲۹۹،طبع میر محمد)

الذکر ضد النسیان وھو بالکسر اذا کان باللسان وبالضم مایکون بالجنان وایضا الذکر التلفظ بالشیء واحضاره فی الذھن بحیث لایغیب عنه ویطلق علی الصیت والثناء.

عام ذکر کرنے سے قرآن مجید کی تلاوت بہتر ہے۔

لما فی اعلاء السنن:(۲۹۵/۱۸،طبع بیروت)

ولا یخفی علی مسلم ان افضل الذکر تلاوة القرآن فانه ھو الضیاء والنور به النجاة من الغرور وفیه شفاء لما فی الصدور.

نماز ایسی جامع عبادت ہے کہ وہ تلاوت قرآن مجید وتسبیح وتکبیر کے علاوہ بھی عبادات پر مشتمل ہوتی ہے، اسلئے افضل ترین عبادت ہے اور تلاوت سے بھی افضل قرار دی گئی ہے۔

عن عائشةؓ ان النبی ﷺ قال قراءة القرآن فی الصلاة افضل من قراءة القرآن فی غیر الصلاة وقراءة القرآن فی غیر الصلاة افضل من التسبیح والتکبیر والتسبیح افضل من الصدقة والصدقة افضل من الصوم والصوم جنة من النار رواہ البیھقی فی شعب الایمان .(بحوالہ فضائل قرآن:(ص۲۵،طبع خلیل لاہور)

اوقات مکروہ میں تلاوت قرآن کرنے سے عام اذکار کرنا اولیٰ ہے، یہی اسلاف کا معمول ہے۔

لما فی الھندیة:(۳۱۶/۵،طبع رشیدیه)

سئل البقالی عن قراءة القرآن اھی افضل ام الصلاة علی النبی ﷺ فقال اما عند طلوع الشمس وفی الاوقات التی نھی عن الصلاة فیھا فالصلاة علی النبی ﷺ والدعاء والتسبیح اولی من قراءة القرآن وکان السلف یسبحون فی ھذہ الاوقات ولا یقرءون القرآن کذا فی الغرائب.

لما فی الدر المختار:(۴۰۶/۹،طبع امدادیه ملتان)

ذکر الله من طلوع الفجر الی طلوع الشمس اولی من قراءة القرآن وتستحب القراءة عند الطلوع او الغروب.

ولما فی الشامی:(۴۰۶/۹،طبع امدادیه ملتان)

کذا ذکر فی المجتبی المسالة الاولی ثم ذکر ھذہ رامزا لبعض المشایخ فالظاھر انھما قولان فان الأولی تفید استحباب الذکر دون القراءة وھو الذی تقدم فی کتاب الصلاة واقتصر علیه فی القنیة حیث قال الصلاة علی النبی ﷺ والدعاء والتسبیح افضل من قراءة القرآن فی الأوقات التی نھی عن الصلاة فیھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۸۵۴

خلاف اولیٰ ہے یعنی ایک ہی مجلس میں اگر مختلف جگہوں سے خلاف ترتیب پڑھتا ہے تو خلاف اولیٰ ہے، ترتیب سے پڑھنے کا اجر و ثواب بلاشبہ بلا ترتیب پڑھنے سے زیادہ ہے۔

لمافی علوم القرآن للسیوطی:(۱/۲۲۱،طبع قدیمی)

الاولیٰ ان یقرأعلی ترتیب المصحف قال فی شرح المهذب لان ترتیبه لحکمة. ..... فلوفرق السوراوعکسهاجازوترك الافضل.....واماخلط سورة بسورة:فعد الحلیمی ترکه من الآداب.....عن سعیدبن المسیب:ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مربهلال وهو یقرأمن هذه السورة ومن هذه السورة قال:اخلط الطیب بالطیب. فقال"اقرأالسورة علی وجهها"او قال "علی نحوها".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۵ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۵۷

﴿دوران تلاوت اذان کے جواب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے اذان شروع ہوجائے تو جواب دینا ضروری ہے یا تلاوت جاری رکھے؟

﴿جواب﴾ اگر تعلیم و تعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں تو قرات جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کررہے ہوں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دے دیں اور فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کریں۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱/۱۵۵،طبع سعید)

واما بیان مایجب علی السامعین عندالأذان فالواجب علیهم الاجابة.....ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی حال الآذان والاقامة ویشتغل بقراة القرآن ولابشیء من الاعمال سوی الاجابة ولوکان فی القراة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة کذافی الفتاوی.

ولمافی الشامی:(۲/۶۵-۶۶،طبع امدادیه)

(ویجیب)وجوباوقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابة بالقدم(من سمع الآذان)ولوجنبا لاحائضا ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ومستراح واکل وتعلیم علم وتعلمه بخلاف قرآن(قوله:بخلاف قرآن)لانه لایفوت جوهرة.ولعله لان تکرار القراة انما هو للاجر فلایفوت بالاجابة بخلاف التعلم فعلی هذالویقرا تعلیما او تعلما لایقطع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۲۰

﴿قرآن مجید کو بوسہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ قرآن مجید کو کھولنے سے پہلے اس کو بوسہ دیتے ہیں اس کا کسی کتاب سے ثبوت ہے یا نہیں ہے؟ مستفتی: محمد عظیم لکی مروت

﴿جواب﴾ قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے خواہ کھولنے سے پہلے ہو یا بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ عمل ثابت ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۶/۳۸۴،طبع ایچ ایم سعید)

روی عن ابن عمرؓ انه كان ياخذالمصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربی ومنشورربی عزوجل وكان عثمانؓ يقبل المصحف ويمسحه على وجهه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کتبہ خضر حیات کمالوی

۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۴۲

﴿دم، تعویذ لکھنے لکھوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ دم، تعویذ لکھنا یا کسی پرہیزگار آدمی سے لکھوانے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد دین وزیرستان

﴿جواب﴾ جائز مقاصد کیلئے دم کرنا تعویذ لکھنا لکھوانا جائز ہے بشرطیکہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہو۔ قرآنی کلمات احادیث سے منقول ادعیہ یا صحیح مفہوم والے کلمات پر مشتمل ہو، تو جائز ہے، ہاں تعویذ کو موثر حقیقی سمجھنا غلط ہے، موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

لمافی احکام القرآن:(۵/۵۱،طبع ادارۃ المعارف)

الرقية اذا كانت لغرض مباح بادعية ماثورة او آيات قرآنية او بما يشبههامن الكلمات المنقولة من الصلحاء والمشائخ فهى ممالاباس بها بل يثاب عليها اذا كانت ب اوردعن النبى ﷺ انه كان يرقىٰ بها، وكان الغرض اتباع السنة او نفع اخوانه المسلمين لاغير.

ولمافی تکملہ فتح الملهم:(۲/۳۲۶،طبع دارالعلوم کراچی)

عن عوف بن مالك الاشجعیؓ قال: كنا نرقى فى الجاهلية فقلنا يارسول الله: كيف ترى ذلك؟ فقال: اعرضوا على رقاكم لاباس بالرقىٰ مالم يكن فيه شرك (رواه مسلم) هذا هو الاصل فى هذا الباب ومن هنا منع من الرقى التى لايفهم معناها.

ولمافی ردالمحتار:(۳۶۳/۶،طبع سعید)

ولاباس بالمعاذات اذاکتب فیھاالقرآن اواسماء اللہ تعالیٰ وانماتکرہ العوذۃ اذاکانت بغیرلسان العرب ولایدری ماھو.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:راحت اللہ عفی عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۷۹۹

﴿اورادواذکار سنتوں کی ادائیگی کے بعد پڑھنا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے بعد جو مسنون اذکار و اوراد منقول ہیں کیا ان کا پڑھنا فرض نماز کے بعد ثابت ہے یا سنتوں کی ادائیگی کے بعد؟

﴿جواب﴾ نماز کے بعد مسنون اذکار و اوراد جو احادیث میں منقول ہیں انکو سنتوں کے بعد پڑھنا مستحب ہے، فرض نماز کے بعد صرف اللھم انت السلام یا اسکی مقدار سے زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہیئے احادیث میں ان اذکار وغیرہ کی فضیلت بیشک وارد ہوئی ہے لیکن کسی ایک حدیث میں بھی ایسا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ان اذکار کا فوراً متصل اہتمام کرنا چاہیئے جبکہ سنتوں کو متصل بلاتاخیر اہتمام کرنے کا باقاعدہ ذکر آیا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض اور سنتوں کے درمیان صرف اللھم انت السلام کی بقدر فصل فرماتے تھے اس سے زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے، اسلئے فقہاء کرام نے امام کے حق میں تاخیر کو مکروہ قرار دیا ہے اور مقتدی کیلئے بھی یہی حکم ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلاتاخیر سنت ادا کرے بعد میں اذکار کا اہتمام کرے اور اس سے مذکورہ فضائل میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے اتصال کو ضروری سمجھنا فقہاء کرام کے فتویٰ کے مقابلہ میں متضاد سوچ ہے، اس سے احتراز ضروری ہے۔

لمافی شرح المنیۃ:(ص ۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳ طبع سھیل اکیڈمی)

(فان کان بعدھا) ای بعد المکتوبۃ (تطوع یقوم الی التطوع) بلافصل الاسقدار مایقول اللھم انت السلام ... (ویکرہ عن حال اداء الفریضۃ) باکثر من نحوذلک القدر ... واماما وردمن الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوۃ فلادلالۃ فیھا علی الاتیان بھا عقیب الفرض قبل السنۃ بل تحمل علی الاتیان بھابعدالسنۃ الی قولہ ..... فالحاصل ان

المستحب فی حق الکل وصل السنة بالمکتوبة من غیر تاخیر الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یودی تاخیره الی الکراهة لحدیث عائشه بخلاف المقتدی والمنفرد..... فعلم به ان مراتب الاستحباب متفاوتة کمراتب السنة والواجب والفرض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۳۴

﴿تسبیح پر ذکر کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض عرب لوگ کہتے ہیں کہ تسبیح پر ذکر کرنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ثابت بھی نہیں انگلیوں پر شمار کرنا ثابت ہے نیز بعض لوگ باتیں بھی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ تسبیح بھی گھماتے ہیں تو کیا یہ ذکر ہے؟

﴿جواب﴾ بلا شبہ ذکر دین اسلام میں اہم عبادت ہے انگلیوں پر کرے، تسبیح پر کرے، یا یوں ہی کرنے کی عادت بنائے ،البتہ تسبیح کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہاتھ یا جیب میں رکھنے سے ذکر کی طرف دھیان ہو جاتا ہے اس لیئے اس کو ''مذکرہ'' یعنی یاد دلانے والی چیز بھی نام دیتے ہیں شریعت نے اس کو منع نہیں کیا ہے بلکہ امام ابوداوُدؒ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے جو ''تسبیح بالحصاة'' سے معنون ہے اور اس میں سعد ابن ابی وقاصؓ کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ وہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک عورت کے پاس گئے جو گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی حضور ﷺ نے اس عورت پر نکیر نہیں فرمائی اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کنکریوں اور گٹھلیوں پر تسبیح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ورنہ حضور ﷺ اس عورت کو ضرور منع فرماتے تو آپ ﷺ کا سکوت کرنا اور نکیر نہ فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذکر کرتے وقت گٹھلیوں ،کنکریوں اور تسبیح وغیرہ پر شمار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ بات کرتے ہوئے بھی کوئی اگر تسبیح گھماتا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اسکے اس عمل کو اسکی عادت پر محمول کریں یعنی چونکہ اسکی انگلیاں عادی ہوگئی ہیں، اس لیے بات کرتے دوران بھی اسکی انگلیوں کا عمل جاری ہے اور یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے تسبیح یا تسبیح استعمال کرنے والے کو اچھا نہ سمجھا جائے۔

لما فی الدر المختار:(۲/ ۲۲۱ مطبع امدادیہ)

لا بأس باتخاذ المسبحة لغیر ریاء کما بسط فی البحر.

ولما في الشامية:

(لابأس باتخاذ المسبحة بكسر الميم آلة التسبيح......قال في المصباح حزرات منظومة وهو يقتضي كونها عربية ودليل الجواز مارواه ابوداود والترمذي والنسائي وابن حبان والحاكم وقال صحيح الاسناد(عن سعدبن ابي وقاص انه دخل مع رسول الله ﷺ على امرأة وبين يديها نوىٰ اوحصاتسبح به فقال اخبرك بماهوايسر عليك من هذ اوافضل؟فقال سبحان الله عددماخلق في السماء ......ولا حول ولاقوة الابالله)فلم ينههاوانماارشدهاالى ماهوايسروافضل ولوكان مكروها لبين لهاذلك ولايزيدالسبحة على مضمون هذاالحديث الابضم النوى في خيط و مثل ذلك لايظهر تاثيره في المنع فلاجرم ان نقل اتخاذهاوالعمل بهاعن جماعة من الصوفية الأخيار وغيرهم،اللهم الاذاترتب عليه رياء وسمعة فلاكلام لنافيه وهذا الحديث ايضايشهدلأفضلية هذاالذكر......

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :عزیزالرحمٰن چارسدوی

۱۳جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۵۶۶

﴿فرض نمازوں کے بعد رفع یدین کیساتھ دُعا کرنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں ،علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی ہیئت میں رفع یدین کے ساتھ دعا کرنا کیسا ہے؟ آجکل اس مسئلہ میں لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں بعض لوگ سرے سے اس دعا کی نفی کرتے ہیں جبکہ دیگر بعض اس کے اہتمام کے قائل ہیں ۔ازراہ کرم مفصل جواب عنایت فرمائیں بینواتوجروا۔

﴿جواب﴾ فرض نمازوں کے بعد نفس دعا نہ صرف ثابت ہے بلکہ باقاعدہ اسکی ترغیب دی گئی ہے اوراس کو قبولیت دعا کے مواقع میں سے قرار دیا گیا ہے۔

لمافي سنن ابي داود:(۱/۲۲۳،طبع رحمانيه)

عن معاذبن جبلؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذبيده وقال:يامعاذوالله انى لاحبك فقال اوصيك يامعاذلاتدعن في دبركل صلوٰة تقول اللهم اعني علىٰ ذكرك و شكرك وحسن عبادتك.

ولمافي اعلاء السنن:(۳/۱۹۵،طبع دارالكتب العلمية)

عن ابي امامةؓ قال قيل يارسول الله:أيّ الدعاء أسمع؟قال جوف الليل الأخير ودبر

الصلوات المکتوبات(رواہ الترمذی)

قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ تحت ھذا الحدیث،قلت قد ثبت ذالک عنہ ﷺ قولاً و فعلاً،فھذا حدیث امامۃ فیہ ارشاد الامۃ بالدعاء بعد الصلوٰت المکتوبات.

رہا فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا اور اس کا التزام کرنا یہ باتیں قابل تحقیق ہیں، سو ہاتھ اٹھانا تو دعا کے آداب میں سے ہے،لہذا ہر دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا جائز اور مستحسن ہے،البتہ جہاں صراحت کے ساتھ شریعت میں ممانعت ہو یا کسی خاص وجہ سے علماء منع کریں تو ایسی صورت بلاشبہ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

لما فی اعلاء السنن:(۲/۲۱۱،طبع دارالکتب العلمیۃ)

عن ابی بکرۃؓ مرفوعاً"سلوا اللّٰہ ببطون اکفکم ولاتسألوہ بظھورھا"(رواہ الطبرانی)

قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ دلالتہ علی اداب الدعاء ظاھرۃ،وقولہ"ولاتسألوہ بظھورھا"قد خصصت منہ الاستعاذۃ المذکورۃ فی حدیث سائب بن الخلاد الاتی قریباً وبقیۃ الاحادیث دلالۃ بعضھا علی الدعاء وبعضھا علی ... ظاھرہ واما ما رواہ البخاری فی صحیحہ عن أنس بن مالکؓ قال کان رسول اللہ ﷺ لایرفع یدیہ فی شئ من دعائہ الافی الاستسقاء وأنہ یرفع حتی یری بیاض أبطیہ فأجاب عنہ الحافظ فی الفتح بان ظاھرہ نفی الرفع فی کل دعاء غیر الاستسقاء،وھو معارض بالاحادیث الثابتۃ بالرفع ... اما الرفع البلیغ فیدل علیہ قولہ حتی یری بیاض ابطیہ ویؤیدہ أن الغالب الاحادیث التی وردت فی رفع الیدین فی الدعاء انما المراد بہ مد الیدین وبسطھما عند الدعاء(الخ)

نمازوں کے بعد دعا کے بارے میں اجتماعی طور پر مانگنے کی صراحت حدیث میں نہ ملنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اجتماعی طور پر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے،ظاہر ہے کہ سارے لوگ نماز سے ایک ساتھ فارغ ہو جاتے ہیں اور دعا مانگنے میں اجتماعی ہیئت خود بخود بن جاتی ہے لہذا یوں کہنا بے جا ہوگا کہ فرض نمازوں کے بعد دعا جو ثابت ہے وہ انفرادی ہے اجتماعی دعا کے ثبوت کیلئے الگ سے حوالہ کی ضرورت ہے،البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہوں تو دعا مختصر کرنی چاہیئے، اس طرح اس کا التزام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ عقیدۃً اس کو ضروری نہ سمجھا جائے۔

لہذا اس مسئلہ میں اعتدال کا پہلو یہ ہے کہ اس دعا کے اہتمام کرنے والوں پر نکیر نہ کی جائے اور اس کے چھوڑنے والوں پر بھی اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ عمل مستحب ہے۔

لمافی الدر المختار:(۱/ ۵۳۰،طبع سعید)

ویکره تاخیر السنة الا بقدر اللهم أنت السلام (الخ)

وفی الشامیة:"الا بقدر اللهم انت "لما رواه مسلم والترمذی عن عائشةؓ قالت کان رسول الله ﷺ لا یقعد الا بمقدار مایقول اللهم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰة فلا دلالة فیه علی الاتیان بها قبل السنة بل یحمل علی الاتیان بها بعدها،لان السنة من لواحق الفریضة وتوابعها ومکملاتها فلم تکن اجنبیة عنها وقول عائشةؓ بمقدار "لایفید انه کان یقول ذالک بعینه بل کان یقعد بقدر مایسعه ونحوه من القول تقریبا فلا ینافی مافی الصحیحین من انه ﷺ کان یقول فی دبر کل صلاة مکتوبة لااله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر.(الخ)

ولمافی اعلاء السنن:(۳/ ۱۹۹-۲۰۰،طبع دار الکتب العلمیة)

عن ابی ذرؓ ان رسول الله ﷺ قال:من قال فی دبر صلاة الفجر وهو ثان رجلیه قبل أن یتکلم:لااله الا الله وحده(الخ)عشر مرات کتب الله له عشر حسنات ومحی عنه عشر سیئات قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ:قلت والحاصل ان ماجری به العرف فی دیارنا من ان الامام یدعوا فی کل دبر بعض الصلوات مستقبلا للقبلة لیس ببدعة،بل له اصل فی السنة.

ولمافی اعلاء السنن:(۳/ ۲۰۳طبع دار الکتب العلمیة)

وفیه ایضا:عن الفضل بن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ الصلاة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ..... وتقول یارب یارب:من لم یفعل ذلک فهی کذا

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ:فثبت ان الدعاء مستحب بعد کل صلاة مکتوبة متصلا بها برفع الیدین،کما هو شائع فی دیارنا ودیار المسلمین.(۳/ ۲۰۵،طبع دار الکتب العلمیة

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ   فتوی نمبر:۱۰۶۰

﴿قومہ اور جلسہ کا معیاری وقت اور اس میں ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے اندر قومہ اور جلسہ وغیرہ کا معیاری وقت کیا ہے؟ اور ان اوقات میں اگر کوئی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ادعیہ ماثورہ کا بھی اہتمام کرتا ہے تو کیا حکم ہے؟ نیز ان موقعوں پر اگر تھوڑی سی تاخیر

ہو جائے تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ مستفتی: عبدالقادر کراچی

﴿جواب﴾ (۱) قومہ اور جلسہ کی حالت میں ایک تسبیح یعنی ایک بار "سبحان ربی الاعلی" پڑھنے کی بقدر رکنا واجب ہے جسمیں سارے اعضاء اپنی اپنی جگہ قرار پکڑیں (۲) ان اوقات میں امام کے علاوہ کے لئے ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا ہی بہتر ہے (۳) نیز ان مواقع میں تھوڑی سی تاخیر سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لمافی الدرالمختار: (۱۵۷/۲، طبع امدادیہ)

وتعديل الاركان أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود وكذا في الرفع منهما على مااختاره الكمال.

ولمافی الهندية: (۷۱/۱، طبع رشیدیہ)

وتعديل الاركان هو تسكين الجوارح حتى يطمئن مفاصله وأدناه قدر تسبيحة.

ولمافی ردالمحتار: (۲۱۲/۲، طبع امدادیہ)

وصرّح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة وقال على أنه ان ثبت في المكتوبة فليكن حالة الانفراد او الجماعة والماموموں محصورون لايتثقلون بذلك كمانص عليه الشافعية ولاضرر في التزامه وان لم يصرّح به مشائخنا فان القواعد الشرعية لاتنبو اعنه، كيف و الصلاة والتسبيح والتكبير والقرأة كما ثبت بالسنة.

ولمافی مراقی الفلاح: (ص ۱۷۸، طبع قدیمی)

ولا يسجد في العمد للسهو وقيل الا في ثلاثة ترك القعود الاول او تأخيره سجدة من الركعة الاولى الى اخر الصلاة وتفكره عمداحتى شغله عن ركن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵

﴿فرائض ونوافل میں ادعیہ ماثورہ پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندے کا نوافل میں ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول ہے، مثلاً دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کی حالت میں دعا " اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واهدنی وارزقنی"، پوچھنا یہ ہے کہ بسا اوقات فرائض

میں بھی یہ دعائیں بلا اختیار زبان سے جاری ہو جاتی ہیں، کیا ایسی صورت میں نماز پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟

مستفتی حاجی ابراہیم ڈیرہ اسماعیل

﴿جواب﴾ فرض نمازوں میں بھی ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا کوئی منع نہیں ہے اکیلے نماز پڑھنے والے کو پڑھنا ہی چاہیئے اور مقتدی بھی امام کی اتباع کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھ سکے تو زیادہ بہتر ہے، البتہ امام کے لئے ان ادعیہ ماثورہ کا چھوڑنا ہی بہتر ہے تاکہ مقتدیوں کے لئے بوجھ کا باعث نہ ہوں۔

لما فی مرقاة المفاتیح:(۱۸۸/۳ طبع رشیدیه)

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا صلّی أحدکم للناس فلیخفف فأن فیهم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلّی احدکم لنفسه فلیطول ماشاء

ولما فی التنویر:(۵۰۵/۱ طبع سعید)(ولیس بینهما ذکر مسنون)

وفی الشامیة:(ولیس بینهما ذکر مسنون) قال ابو یوسفؒ سألت الامام أیقول الرجل اذا رفع رأسه من الرکوع والسجود اللّٰهم اغفرلی؟ قال یقول: ربنا لک الحمد وسکت، وقد أحسن فی الجواب اذلم ینه عن الاستغفار اقول فیه اشارة الی انه غیر مکروه اذلو کان مکروها لنهی عنه کما ینهی عن القرأة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنونا لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلاة بترکه عامدا ولم أر من صرح بذلک عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف ..... وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال علی أنه ان ثبت فی المکتوبة فلیکن حالة الانفراد أو الجماعة والماموموں محصورون لایتثقلون بذلک کما نص علیه الشافعیة ولاضرر فی التزامه وان لم یصرح به مشائخنا فان القواعد الشرعیة لاتنبوا عنه کیف والصلاة والتسبیح والتکبیر والقراءة کما ثبت فی السنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۵

﴿دوران تلاوت کسی کے آنے پر کھڑے ہونیکا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ درسگاہ

میں بچوں کی تلاوت کے دوران استاد یا کوئی بزرگ آجائے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے قرآن مجید کی تلاوت بند کر کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے؟ مستفتی: لطیف الرحمٰن

﴿جواب﴾ جی ہاں! دوران تلاوت کسی عالم یا استاذ یا والد کے تشریف لانے پر تلاوت بند کر کے کھڑے ہونے کی اجازت ہے، البتہ انکے علاوہ کسی اور کے آنے پر تلاوت بند کر کے کھڑا ہونا درست نہیں ہے۔

لمافی ردالمحتار: (۳۸۴/۶، طبع سعید)

(قوله يجوز بل يندب القيام تعظيما) أى ان كان ممن يستحق التعظيم.....وقيام قارى القران لمن يجيء تعظيما لايكره اذاكان ممن يستحق التعظيم.

ولمافى الهندية: (۳۱۶/۵، طبع رشيديه)

قوم يقرؤن القران من المصاحف أويقرء رجل واحد فدخل عليه واحد من الاجلّة أومن الاشراف فقام القارى لاجله قالوا ان دخل عالم أوأبوه أوأستاذه الذى علمه العلم جاز له أن يقوم لاجله وماسوى ذلك لايجوز كذافى فتاوى قاضيخان.

ولمافى حلبى كبير: (ص۴۹۷، طبع سهيل اكيڈمى)

ولايكره قيام القارى للقادم تعظيما اذاكان مستحقا للتعظيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۸۱

﴿قرآن کریم کو بوسہ دینا اور چہرہ سے مس کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن کریم کو بوسہ دینے کے ساتھ ساتھ چہرہ سے بھی مَس کرتے ہیں اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز روٹی کا پڑا ہوا ٹکڑا اُٹھا کر چومنا اور پیشانی سے لگا کر محفوظ جگہ میں ڈالنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن کریم کیساتھ محبت وعقیدت ظاہر بات ہے ایمان کا حصّہ ہے محبت و عقیدت دل کی پوشیدہ کیفیت کا نام ہے لیکن موقع اور محل کی مناسبت سے جذبات میں منتقل ہو کر

عملی ظاہری صورت اختیار کر لیتی ہے جس کیلئے شرعی نہ کوئی خاص طریقہ ہے نہ معیار بلکہ مزاج اور علاقہ کے رواج پر منحصر ہوتا ہے، پاک وہند میں ایسے جذبات کا اظہار بوسہ اور آنکھوں سے لگانا عام ہے یہ شریعت کے کسی اصول کے منافی نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے، روٹی بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس کا احترام کرنا اور مذکورہ انداز میں اس کی قدر کرنا کوئی منع نہیں ہے بلکہ کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں اسطرح کا عمل سنت سے بھی ثابت ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسم کے نئے پھل کو بوسہ دیتے اور آنکھوں سے لگاتے پھر یہ دعا "اللهم كما اطعمتنا اوّله فاطعمنا اخره" پڑھتے پھر کسی بچے کو عنایت فرماتے (شمائل کبریٰ ۱/۹۷)

لمافی الدر المختار:(۶/۳۸۴،طبع سعید)

وفی القنية فی باب مایتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعة لكن روی عن عمرؓ انه كان یاخذ المصحف كل غداة ویقبله ویقول عهد ربی ومنشور ربی عزوجل وكان عثمانؓ یقبل المصحف ویمسحه علی وجهه واما تقبیل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة وقیل حسنة وقالوا یكره دوسه لا بوسه ذكر ابن قاسم فی حاشیته علی شرح المنهاج لابن حجر فی بحث الولیمة وقواعدنا لاتاباه وجاء لاتقطعوا الخبز بالسكین واكرموه فان الله اكرمه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۲۸

﴿خارج صلوٰۃ تلاوت قرآن کریم سننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تلاوت قرآن کریم کا سننا صرف نماز کی حالت میں واجب ہے یا خارج صلوۃ (نماز سے باہر) بھی؟ براہ کرم مدلل جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قرآن کریم کی تلاوت کو ادب سے سننا نماز میں واجب ہے اور نماز سے باہر مطلقاً واجب اگر چہ نہیں ہے لیکن اسکی اہمیت ضرور ہے، فقہاء کرام نے حالات اور مواقع کے اعتبار سے تلاوت کرنے والے اور جن تک تلاوت کی آواز پہنچتی ہے دونوں کو الگ الگ اس حکم کی رعایت کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، قاری صاحب کو چاہیئے کہ جہاں لوگ دینی یا دنیاوی

کاموں میں مشغول ہوں تو وہاں تلاوت نہ کریں یا کم از کم بلند آواز سے نہ کریں خلاف کرنے کی صورت میں گناہ قاری صاحب پر ہوگا اور کہیں قاری صاحب تلاوت میں پہلے سے مشغول ہیں اور جگہ بھی تلاوت کے لئے موزوں ہے تو وہاں پر بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ اس کا احترام کریں، بلاضرورت باتوں میں یا کسی کام میں مشغول ہونگے تو وہ گنہگار ہونگے اور بعض موقعوں پر کسی پر بھی گناہ نہ ہوگا مثلاً گھر میں حفظ کے لئے کوئی تکرار کرتا ہے جس کے بغیر یاد نہیں ہوتا اور گھر والے اپنے کاموں میں مصروف ہیں تو ایسی صورت میں کسی پر گناہ نہیں ہے، دونوں معذور ہیں، البتہ مستحب تو بہر حال ہے۔

لما في روح المعاني:(۱۵۰/۹ طبع رشیدیه)

واذاقرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون......الآية.

قال العلامة الالوسيؒ:(لعلكم ترحمون)أى لكى تفوزوا بالرحمة التى هى اقصى ثمراته، والاية دليل لابى حنيفةؒ فى ان المأموم لايقرأ فى سرية ولا جهرية لانها تقتضى وجوب الاستماع عند قراءة القرآن فى الصلاة وغيرها وقد قام الدليل فى غيرها على جواز الاستماع وتركه فبقى فيها على حاله فى الانصات للجهر وكذا فى الاخفاء لعلمنا بانه يقرء.

ولما فى حلبى كبير:(ص۴۹۶-۴۹۷ طبع سهيل اكيڈمى)

رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرء القرآن ولايمكن الكاتب الاستماع فالاثم على القارى لقراءته جهرا فى موضع اشتغال الناس باعمالهم ولاشئى على الكاتب وعلى هذا الوقرء على السطح فى الليل جهرا والناس نيام باثم كذا فى الخلاصة ولايخلو عن نظر صبى يقرء فى البيت واهله مشغولون بالعمل يعذرون فى ترك الاستماع ان افتتحوا العمل قبل القراءة والا لا وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن......وكذا لوقرء عند من يشتغل بالتدريس أو بتكرار الفقه لانه اذا ابيح ترك الاستماع لضرورة المعاش الدنيوى فلأن يباح لضرورة الامر الدينى اولٰى فيكون الاثم على القارى هذا اذا سبق الدرس على القراءة اما اذا كان قد ابتدأ القراءة قبل الدرس فالاثم على المتاخر فرق بين هذا و بين مواضع الاشتغال حيث يكون الاثم على القارى فان ابتدأ قبل الاخذ باعمالهم بان كانت تلك المواضع معدة لهم بان كانت الانتقال عنها بخلاف الدرس.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر:۱۶۳۰

﴿تعویذ لکھنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعویذ لکھ کر کسی کو دینا کیسا ہے؟ اور بعض تعویذ میں "یابدوح" کا لفظ لکھا جاتا ہے، اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

مستفتی: محمد صابر خان

﴿جواب﴾ تعویذ لکھ کر دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مضمون خلاف شرع نہ ہو، ''بدوح'' عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اگر عربی قرار دیا جائے تو اس کے معنی عاجز کرنے والے کے ہیں، بہرحال خدا کا نام ہونا ثابت ہے تو ''یابدوح'' کا وظیفہ بلاتأمل جائز ہے۔ (امداد المفتیین: ۲/۲۱۵)

لما فی رد المحتار: (۶ / ۳۶۳-۳۶۴، طبع ایچ، ایم، سعید)

ولاباس بالمعاذات اذاكتب فيها القران أو اسماء الله تعالى ... وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر اوكفر أو غير ذلك، وأما ماكان من القرآن أو شئى من الدعوات فلا بأس به. وفى المجتبى، اختلف فى الاستشفاء بالقران بان يقرء على المريض او الملدوغ الفاتحة او يكتب فى ورق ويعلق عليه او فى طست ويغسل ويسقى وعن النبى ﷺ انه كان يعوذ نفسه. قال رضى الله عنه وعلى الجواز عمل الناس اليوم وبه وردت الاثار ولا باس بان يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد اذا كانت ملفوفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۳۶۹

﴿اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کسی دوسرے مقصد کیلئے آلہ بنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رائیونڈ مرکز میں آنے جانے کے راستے ہیں ان راستوں میں اکثر بھیڑ ہوتی ہے جس میں نکلنا کافی مشکل ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لئے راستہ نکالنے کی غرض سے اللہ اکبر کہتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اللہ اکبر کہنے والوں کا مقصد واقعی اگر اپنے لئے راستہ نکالنا ہی ہو تو یہ جائز نہیں ہے اللہ کے ذکر کو بطور آلہ استعمال کرنا بے ادبی ہے اس سے احتراز ضروری ہے۔

لمافی التنویروشرحہ:(۱/۶۶۱،طبع سعید)

وقدکرھواوالله اعلم ونحوہ لاعلام ختم الدرس ر.

وفی الشامیة:قولہ لاعلام ختم الدرس اماذالم یکن اعلامابانتھانہ لایکرہ لانہ ذکروتفویض بخلاف الاول فانہ استعملہ ألةللاعلام اذاقال الداخل یاالله مثلاًلیعلم الجلاس بمجیئہ لیھیؤالہ محلاًویوقروہ واذاقال الحارس لاالہ الاالله ونحوہ لیعلم باستیقاظہ فلم یکن المقصودالذکرأمااذااجتمع القصدان یعتبرالغالب کما اعتبر فی نظائرہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

یکم جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۸۸

﴿ذکر بالجہر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام مفتیان شرح متین اس مسئلہ کے بارے میں مسجد میں اجتماعی طور پر باآواز بلندذکرکیا جاتا ہے جسمیں امام بھی شریک ہوتے ہیں اورانہی کے توسط سے مسجد میں ذکر کی محفل کا اہتمام ہوتا ہےاور یہ محفل ہر شب جمعہ کو ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح ذکر بالجھر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ جہراً(بلندآواز سے)ذکرکرنا حضورعلیہ السلام سے ثابت ہے کئی مواقع پرآپ علیہ السلام نے بلندآواز سے ذکرفرمایا ہے،لہٰذااگرکسی پابندشریعت مجاز مرشد نے حالات کے پیش نظر محفل ذکرکا اہتمام کیا ہوتو جائز ہے امام صاحب کی اجازت اورانکی معیت میں یہ اجتماعی عمل چونکہ ہورہا ہےتو ظاہر ہے نمازیوں کی رعایت رکھتے ہوئے اس نیک عمل کا اہتمام ہوگا۔

البتہ مسجد میں ذکر بالجہر یاکوئی بھی دوسرا ایساعمل جونمازیوں کی نماز میں یا تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل کا باعث ہوجائز نہیں ہے،لہٰذا ایساعمل دیگرخاموش عبادت گزاروں سے کچھ دورہٹ کرکرنا چاہیئے،ہاں ذکر یا تلاوت بالجھر کرنے والا پہلے سے اس قسم کی عبادت میں مشغول ہے یااجتماعی عمل مثلاًتعلیم وغیرہ کا اہتمام ہورہا ہےتو منفردنمازی وغیرہ کو چاہیئے کہ وہ دور جاکرنماز پڑھے تاکہ اسکی عبادت میں خلل نہ آئے اوراستماع تلاوت جوکہ واجب ہے کے خلاف کاارتکاب بھی لازم نہ آئے۔

لمافی الشامی:(۳۹۸/۶،طبع سعید کمپنی)

وأمارفع الصوت بالذکرفجائزکمافی الاذان والخطبة والجمعة والحج وقدحررالمسئلة فی الخیریة وحمل فی فتاوی القاضی علی الجهرالمضروقال:ان هناک احادیث اقتضت طلب الجهرواحادیث طلب الاسراروالجمع بینهمابأن ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال،فالاسرارأفضل حیث خیف الریاء أوتأذی المصلین أوالنیام والجهرأفضل حیث خلامماذکرلأنه أکثرعملاًولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکرفیجمع همه الی الفکرویصرف سمعه الیه ویطردالنوم ویزید النشاط.

وقال العلامة العمری:(۱۹۱/۳،القول فی احکام المسجد،طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیة)

وقدذکرالشیخ عبدالوهاب الشعرانیؒ فی کتابه المسمی "ب بیان ذکرالذاکرللمذکور والشاکرللمشکور"مانصه واجمع العلماء سلفاًوخلفاًعلی استحباب ذکرالله تعالی جماعةفی المساجدوغیرهامن غیرنکیرالاأن یشوش جهرهم بالذکرعلی نائم أو مصل أوقاری کماهومقررفی کتب الفقه

ولمافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص ۱۷۴،طبع قدیمی)

فروع:اختلف أهل الاسرارفی الذکرأفضل؟فقیل نعم لأحادیث کثیرةتدل علیه منها خیرالذکرالخفی ... وقیل الجهرأفضل لأحادیث کثیرة،منهامارواه ابن الزبیرؓکان رسول الله ﷺ اذاسلم من صلوته قال بصوته الأعلی:لااله الاالله وحده لاشریک له، وتقدم وقدکان ﷺ یأمرمن یقرأالقران فی المسجدأن یسمع قراءته وکان ابن عمرؓیأمر من یقرأعلیه وعلی أصحابه وهم یستمعون ولانه أکثرعملاًوأبلغ فی التدبرونفعه متعدلایقاظ قلوب الغافلین وجمع بین الاحادیث الواردةبأن ذلک یختلف بحسب الأشخاص والأحوال فمتی خاف الریاء أوتأذی به احدکان الاسرارأفضل ومتی فقدماذکرکان الجهرأفضل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:علی خان

۱۹ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۶۳۶

﴿تعویذ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا ایسے تعویذ جن میں قرآنی آیات کے علاوہ کوئی اور کلمات وغیرہ لکھے ہوں انکا استعمال شرعادرست ہے؟ — مستفتی:صغیرحسین

﴿جواب﴾ تعویذ میں صرف قرآنی آیات درج کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ اگرایسے کلمات

درج ہوں جن کے معنی معلوم ہوں اور ان میں کوئی مشرکانہ اور خلاف شرع بات نہ ہو تو انکے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

لمافی الشامی:(۶/ ۳۶۳،طبع ایچ ایم سعید)

ولابأس بالمعاذات اذاکتب فیہا القرآن،أو أسماء اللہ تعالیٰ......وانماتکرہ العوذۃ اذاکانت بغیرلسان العرب،ولایدری ماھوولعلہ یدخلہ سحرأوکفر أوغیرذلک، وأماماکان من القرآن أوشئی من الدعوات فلابأس بہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۴۴۲

﴿کتاب الطهارت﴾

﴿فصل فی احکام المیاہ﴾

﴿پانی کے مسائل﴾

﴿بڑا تالاب وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے پورے محلے کیلئے ایک حوض نما تالاب بنایا جسکی لمبائی بیس ۲۰ گز اور چوڑائی پندرہ ۱۵ گز ہے، ایک دن اس تالاب میں بیل نے پیشاب کیا، اب محلے والوں کا آپس میں پاک اور ناپاک ہونے میں اختلاف ہوگیا برائے مہربانی شریعت میں اس تالاب کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: موسیٰ کلیم (کوئٹہ)

﴿جواب﴾ اس تالاب کی لمبائی بیس ۲۰ گز اور چوڑائی پندرہ ۱۵ گز ہے تو یہ بڑا تالاب ہے بیل کے پیشاب سے اس کا پانی ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اتنی نجاست اس میں گرے کہ اس کا اثر مثلا رنگ، بو یا ذائقہ ظاہر ہو تو پانی اگر چہ زیادہ ہو ناپاک شمار ہوگا۔

لما فی کتاب التجنیس والمزید: (۱/۲۰۲)

الحوض اذاکان عشر أفی عشر فوقعت فیه النجاسة لاتجنس الأان یتغیر طعمه أو ریحه أو لونه لأن العشرة أدنی ماینتهی الیه نوع عدد، هذابیان الطول والعرض، وأما العمق اذاکان الماء بحال لو رفع الانسان بکفه ...... لاینحسر ماتحته فلاباس بالوضوء منه .

ولما فی غنیة المستملی: (۱/۸۵تا۸۶،طبع:نعمانیه)

واذاکان الحوض عشرأفی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسة مطلقا لا موضع الوقوع ولا غیره اذالم یرلها أثر اذاکانت النجاسة مرئیة، والصواب أن لفظة" غیر"سقطت من قلم الکاتب وانماهو اذاکانت النجاسة غیر مرئیة قال فی الخلاصة فی المرئیة یتنجس موضع وقوع النجاسة بالاجماع، ویترک من موضع النجاسة قدرالحوض الصغیر .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا

۱۶محرم الحرام ۱۴۳۳ھ   فتوی نمبر:

﴿پتوں کے گرنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں اکثر حوض کی شکل میں پانی کھڑا ہوتا ہے جو کہ اگرچہ حوض کبیر کے حکم میں ہوتا ہے لیکن درختوں کے پتوں یا زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کیوجہ سے اس میں بدبو آجاتی ہے تو کیا ایسے پانی سے وضوء یا غسل کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: عبداللہ

﴿جواب﴾ جہاں پانی زیادہ مقدار میں کھڑا ہو اور زیادہ ٹھرنے یا درخت کے پتے گرنے سے اس میں بدبو پیدا ہو جائے، ایسے پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بدبو کسی نجس چیز کے گرنے سے پیدا ہوئی ہے۔

لما فی الدر المختار :(۱/۱۸۵طبع سعید)

(وبتغير احد اوصافه)من لون او طعم او ريح (ينجس)الكثير ولو جاريا اجماعا ،اما القليل فينجس وان لم يتغير خلافا لمالك (لالو تغير)بطول (مكث)فلو علم نتنه بنجاسة لم يجز ولو شك فالاصل الطهارة والتوضؤ من الحوض افضل من النهر رغما للمعتزلة وكذا يجوز بماء خالطه طاهر جامدمطلقا (كاشنان وزعفران)لكن في البحر عن القنية :ان امكن الصبغ به لم يجز كنبيذتمر(وفاكهة وورق شجر) وان غير كل اوصافه (الاصح ان بقيت رقته)اى واسمه.

ولما فی البحر الرائق :(۱/۸۶طبع سعید)

فى الخلاصة معزيا الى الاصل:يتوضأمن الحوض الذى يخاف فيه ولا يتيقنه ولايجب ان يسأل الى الحاجة اليه عند عدم الدليل ــــ وكذا اذاوجده متغيراللون والريح مالم يعلم انه من نجاسة لان التغير قد يكون بطاهر وقد ينتن الماء للمكث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۰۶۹

﴿ماء مستعمل کی چھینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حالت جنابت میں غسل کرتے ہوئے استعمال شدہ پانی کی چھینٹیں برتن میں گرتی ہیں اس سے بچنا بھی مشکل ہے

کیا اس صورت میں پانی پاک ہے یا ناپاک؟ مستفتی: عباد الرحمٰن

﴿جواب﴾ غسل کرتے ہوئے استعمال شدہ پانی کی چھینٹیں برتن میں گرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، پانی پاک رہتا ہے۔

ولما فی الهندیة: (۱/۲۳ طبع رشیدیه)

جنب اغتسل فانتضح من غسله شئ فی انائه لم یفسد علیه الماء.

ولما فی الدر المختار: (۱/۵۳۲، طبع سعید)

وانتضاح غسالة لاتظهر مواقع قطرها فی الاناء عفو. (ومثله فی البحر: (۲/۲۰۰ سعید)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۵

﴿کلی کے پانی کو گرانا چاہئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا دوران وضوء کلی کے پانی کو گرانا ضروری ہے؟ اگر کوئی آدمی کلی کے پانی کو پی لے تو کیا اس کی کلی ہو جائیگی؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایک حلم

﴿جواب﴾ کلی کے پانی کو گرانا چاہئے، پینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ "ماء مستعمل" ہے، لیکن کوئی پی لے تو بھی کلی ہو جائیگی۔

لما فی الشامی: (۱/۱۱۶ طبع سعید)

فان المضمضة ادارة الماء فی الفم ثم مجه والغسل لایدل علی ذالک ،واجاب فی النهر بان کون المج شرطا فیهاهو روایة عن الثانی ،والاصح انه لیس بشرط ،لما فی الفتح :لو شرب الماء عباأجزاه عن المضمضة ،وقیل لا ،ومصالا یجزیه هذا.

ولما فی البحر: (۱/۲۱ طبع سعید)

وفی الخلاصة هی فی المضمضة أن یصل الی رأس الحلق وقال شمس الائمه هی فی المضمضة أن یدیر الماء فی فیه من جانب الی جانب والاولیٰ مافی فتح القدیر ذکره بعضهم ولو تمضمض وابتلع الماء ولم یمجه أجزاه لان المج لیس من حقیقتها والافضل ان یلقیه لانه ماء مستعمل.

ولما فی فتح القدیر:(۲۲/۱طبع رشیدیه)

ولو شرب الماء عبا اجزاه عن المضمضة وهو يفيد أن مجه ليس من حقيقتها وقيل لايجزيه ،ومصا لايجزيه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۴۰۸۶

﴿ٹینکی میں مرا ہوا چوہا گرے تو پانی ناپاک ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پائپ کے ذریعے ٹینکی میں پانی بھر رہا تھا پائپ میں مرا ہوا چوہا خشک ہو گیا تھا پھر پانی کے پریشر سے نکلا اور ٹینکی میں گرا تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پائپ سے نہ نکلتا اور ٹینکی میں نہ گرتا اور پائپ کے پانی کا اس پر سے گزر ہوتا تو پھر پانی کا کیا حکم ہوتا؟ مستفتی: مولوی نور محمد عبدل خیل

﴿جواب﴾ دونوں صورتوں میں ٹینکی کا پانی نجس ہے۔ اس لئے کہ مرا ہوا چوہا مردار ہے اور مردار چیز ناپاک اور نجس ہوا کرتی ہے لہذا اس کے گرنے سے ٹینکی کا پانی نجس اور ناپاک ہو جائیگا۔ اور دوسری صورت میں جبکہ وہ پائپ میں رہتا اور ٹینکی میں نہ گرتا اور پانی کا اس پر سے گزر ہوتا تو بھی پانی نجس ہی ہوتا۔ کیونکہ پائپ میں مرا ہوا چوہا ہوتا تو پانی کا اکثر حصہ نجس کو لگتا ہوا گزرتا تو ایسی صورت میں پانی نجس ہی شمار ہوتا ہے۔

لما فی العالمگیریة(۲۲/۱/قدیمی کتب خانه)

اذا ماتت فارة او عصفورة فاخرجت حين ماتت قبل ان تنتفخ فانه ينزح منها عشرون دلوا الى ثلاثين بعد اخراج الفارة ولا فرق بين ان تموت الفارة فى البئر او خارجها و تلقى فيها وكذا سائر الحيوانات.

ولما فی التنویر مع الدر المختار (۳۶۶/۱/مکتبه امدادیه)

اذا وقعت نجاسته فى بئر دون القدر الكثير او مات فيها حيوان دموى (او مات فيها) او خارجها والقى فيها ولو فارة يابسة على المعتمد.

ولما فی الشامیه (۳۳٦/۱/مکتبه امدادیه)

وعلى هذا ماء المطر اذا جرى فى الميزاب وعلى السطح عذرة فالماء طاهر وان كانت

العذرة عند الميزاب او كان الماء كله او نصفه او اكثره يلاقي العذرة فهو نجس والا فطاهر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محتشم خان عبدل خیل

۴صفر ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۳۰۱۴

﴿چوہا زندہ نکالنے کے بعد تالاب کے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک چھوٹے تالاب میں اگر چوہا گر جائے اور اس کو فوراً زندہ نکال لیا جائے تو اس سے تالاب کا پانی نجس ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ چوہا زندہ نکالنے کی صورت میں پانی مکروہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس علاقے میں پانی کی تنگی نہ ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے بشرطیکہ چوہے کے جسم پر بظاہر کوئی نجاست نہ ہو، ظاہری نجاست ہو تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور پورا پانی نکالنا ضروری ہو جاتا ہے۔

(لما في الدر المختار ۱/۲۱۳، طبع: سعید)

لو اخرج حيا وليس بنجس العين ولا به حدث لم ينزح شئي الا ان يدخل فمه الماء فيعتبر بسؤره، فان نجسا نزح الكل والا لا هو الصحيح، نعم يندب عشرة في المشكوك لاجل الطهورية كذا في الخانية، زاد في التاتارخانية: وعشرين في الفأرة واربعين في سنور.

(ولما في قاضي خان ۱/۱۷، طبع: قديمي)

وكذلك سكان البيت كالفأرة والهرة والحية اذا وقعت وخرجت حية عند ابي حنيفة رحمه الله ينزح منها دلاء عشرة او اكثر لكراهة السؤر وان لم ينزح و توضأ جاز.

(ولما في الولوالجية ۱/۳۱، طبع: فاروقيه محله جنگی پشاور)

الحوض الصغير اذا صار نجسا فدخل الماء من جانب وخرج من جانب آخر يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه؛ لان الماء الجاري لما اتصل به وخرج صار في حكم الماء الجاري والماء الجاري طاهر الا ان تتبين فيه النجاسة على ما يذكر.

(ولما في التاتارخانية ۱/۱۴۳، طبع: قديمي)

ولو وقع في البئر او الجب سنور وفأرة ان اخرجا حيين ينزح منها دلاء احتياطا ويهراق ماء الجب. وهو لعب الصبي وان توضؤا به اجزاهم وهو قول ابي حنيفة فان كانت بها جراحة او هربت الفأرة من الهرة او الهرة من الكلب ينزح جميع الماء سواء اخرجت من البئر حية او ميتة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر ۳۱۸۲

﴿کنویں سے مری ہوئی بلی کے اگر اجزاء کا نکالنا مشکل ہو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے کنویں سے ایک بلی ملی جو بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی ہم نے اسکے سب اجزاء نکال دیئے یعنی گوشت، چمڑا اور بال وغیرہ اور ایک ہفتہ تک ہم مسلسل پانی نکالتے رہے لیکن ابھی تک کنویں کی تہہ میں کچھ ہڈیاں موجود ہیں جن کا نکالنا مشکل ہے، اب کنویں کو کس طرح پاک کیا جا سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ بلی کے تمام اجزاء نکالے بغیر کنواں پاک نہیں ہوسکتا، لہٰذا بلی کی ہڈیاں نکالنا بھی ضروری ہے، البتہ ہڈیاں نکالنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس کنویں کا پانی استعمال نہ کریں، اور جب یقین ہو جائے کہ ہڈیاں وغیرہ، اب مٹی میں تبدیل ہوگئی ہیں اور پانی میں کوئی اثر بو، ذائقہ، وغیرہ بھی محسوس نہ ہو تو استعمال کریں بعض علماء نے اس کیلئے چھ ماہ کی مدت بتائی ہے۔

لمافی تنویر الابصار:(۲۱۱/۱،طبع سعید)

اذا وقعت نجاسة في بئر..... أو مات فيها حيوان دموی وانتفخ أو تفسخ ينزح كل مائها بعد اخراجه.

ولمافی الهداية:(۲۲/۱،طبع رحمانيه)

فان انتفخ الحيوان فيها او تفسخ نزح جميع ما فيها صغر الحيوان او كبر لانتشار البلة في اجزاء الماء.

ولمافی تنویر الابصار:(۲۱۹/۱،طبع سعید)

ومذ ثلاثة أيام قال علاؤ الدين الحصكفي" بلياليها ان انتفخ أو تفسخ.

ولمافی الهداية:(۲۱۹/۱،طبع رحمانيه)

وان كانت قد انتفخت او تفسخت اعادوا صلوة ثلثة ايام ولياليها.

وكذا في المبسوط:(۵۹/۱،طبع بيروت)

ولمافی الشامی:(۲۱۲/۱،طبع سعید)

فلو تعذر أيضا ففي القهستاني عن الجواهر: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم أنه استحال وصار حماة، وقيل مدة ستة أشهر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　والله اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۱۲

﴿نجاست کو چھو کر گزرنے والے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مکان کی چھت پر نجاستیں پڑی تھیں اچانک بارش ہوگئی اور چھت کا پانی پرنالے کے ذریعے سے نیچے زمین پر گرنا شروع ہوگیا اب گزرنے والوں کے کپڑوں پر یہ چھینٹیں پڑتی ہیں تو کیا یہ نجس ہیں؟ کپڑے اس سے ناپاک ہونگے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نجاستیں اگر پرنالے کے قریب ہوں اور گرنے والے پانی کا اکثر یا آدھا حصہ بھی نجاست سے لگتا ہوا اگر گرتا ہو تو اس صورت میں وہ پانی نجس ہے کپڑوں کو لگے تو کپڑے بھی ناپاک ہونگے لیکن گندگی اگر چھت کے پرنالے پر نہ ہو بلکہ چھت کے مختلف حصوں پر ہو تو گرنے والا پانی نجس نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم ماء جاری کا ہوگا، اس کی چھینٹیں کپڑوں کو لگیں تو کپڑے ناپاک نہیں ہونگے، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک بارش برس رہی ہے، اس وقت اس کا حکم ماء جاری کا ہے اگر بارش کا یہ پانی گندگی کو لگے پھر کپڑوں کو لگے تو بھی کپڑے ناپاک نہ ہونگے الا یہ کہ پانی اس گندگی کی وجہ سے متغیر ہو۔

لما فی الهندية:(۱/۱۷ طبع رشیدیه)

ولو كان على السطح عذرة فوقع عليه المطر فسال الميزاب ان كانت النجاسة عند الميزاب وكان الماء كله يلاقي العذرة أو اكثره أو نصفه فهو نجس والا فهو طاهر وان كانت العذرة على السطح في مواضع متفرقه. ولم تكن على رأس الميزاب لا يكون نجسا وحكمه حكم الماء الجاري كذا في سراج الوهاج. وفي بعض الفتاوى قال مشائخنا المطر مادام يمطر فله حكم الجريان حتى لو أصاب العذرات على السطح ثم أصاب ثوبا لا يتنجس الا أن يتغيره.

(ومثله في البحر الرائق:(۲/۲۰۰ طبع ایچ ایم سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم: محمد عزیز فیض آبادی
فتویٰ نمبر: ۳۳۰

﴿اجتماع رائیونڈ میں نالی نما حوض ماء جاری کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رائیونڈ اجتماع گاہ میں ٹیوب ویل سے پانی نکل کر نالی نما حوض میں گرتا ہے جس سے لوگ وضوء بناتے ہیں اور اس نالی

سے بعض لوگ استنجاء خانوں والے لوٹوں میں استنجاء کیلئے پانی لیتے ہیں جن پر نجاست کا قوی امکان ہوتا ہے تو آیا ان لوٹوں کے ڈالنے سے پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد عامر پنڈوی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں چونکہ لوگ ان نالی نما حوضوں سے وضوء کرتے رہتے ہیں تو پانی مسلسل لینے کی وجہ سے ماء جاری کے حکم میں ہے، لہٰذا ناپاک لوٹا یا ناپاک ہاتھ ڈالنے سے یہ پانی ناپاک نہیں ہوتا الا یہ کہ نجاست پانی میں نظر آئے یا اس کی وجہ سے پانی ذائقہ، بو وغیرہ بدل جائے۔

لمافی ردالمحتار: (۱/۱۹۵، طبع سعید)

قوله: (وألحقوا بالجاری حوض الحمام) أی فی انه لا ینجس الا بظهور اثر النجاسة أقول: وکذا حوض غیر الحمام لانه فی الظهیریة ذکر هذا الحکم فی حوض اقل من عشر فی عشر ثم قال وکذالک حوض الحمام.

ولمافی فتح القدیر: (۱/۶۹ طبع رشیدیه)

وألحقوا بالجاری حوض الحمام اذا کان الماء ینزل من أعلاه حتی لو أدخلت القصعة النجسة والید النجسة فیه لا ینجس.

ولمافی الهندیة: (۱/۱۷، طبع رشیدیه)

وان دخل الماء ولم یخرج ولکن الناس یغترفون منه اغترافا متدارکا طهر کذا فی الظهیریة وتفسیر الغرف المتدارک أن لا یسکن وجه الماء فیما بین الغرفتین.

ولمافی خلاصة الفتاوی: (۱/۵ طبع رشیدیه)

حوض الماء اذا اغترف رجل منه وبیده نجاسة وکان الماء یدخل من انبوبه فی الحوض والناس یغترفون من الحوض غرفا متدارکا لم یتنجس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴

﴿بارش کے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ سڑک پر بارش کے دوران گندے نالے اور بارش کا پانی ایک ساتھ بہتا ہے کیا اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں؟

﴿جواب﴾ سڑکوں پر بارش کا جو پانی بہتا ہے وہ پاک ہے کیونکہ وہ جاری پانی کے حکم میں

ہے، ہاں اگر یہ یقین ہو کہ اسکے ساتھ گندے نالے یا گٹر کا بدبودار اور نجس پانی شامل ہوا ہے اور اسکے تین اوصاف یعنی رنگ، بو اور مزہ اس میں سے کوئی وصف متغیر بھی ہے تو پھر بارش کا پانی بھی ناپاک ہے اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اسکا دھونا ضروری ہے اسکو دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی۔

لمافی الھدایۃ وحاشیتھا:(۱/۷۶طبع رحمانیہ)

وعن محمد انہ لما دخل الری ورای البلوی افتی ان الکثیر الفاحش لایمنع ایضا وقاسوا علیھا طین بخارا (یعنی ان المشایخ قالوا لایکون الکثیر الفاحش منہ مانعا ان کان مختلطا بالعذرات)

ولمافی الھندیۃ:(۱/۱۷طبع رشیدیہ)

وفی بعض الفتاوی قال مشایخنا المطر مادام یمطر فلہ حکم الجریان حتی لواصاب العذرات علی السطح ثم اصاب ثوبا لاینتجس الا ان یتغیرہ.

ولمافی الشامی:(۱/۱۸۰طبع سعید)

لان کمال الامتنان فی العموم ویستدل بالآیۃ ایضا علی طھارتہ اذ لامنۃ بالنجس.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :اسرار عزیز دیروی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتوی نمبر:۶۷۹

﴿سورج کی حرارت سے گرم شدہ پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دھوپ کی حرارت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟ اور اس سے کونسا پانی مراد ہے؟ کیا ٹینکی کا پانی بھی اسکے تحت داخل ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں!

﴿جواب﴾ دھوپ کی حرارت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو کرنا مکروہ (تنزیہی) ہے، اور یہ کراہت تب ہے کہ گرم علاقہ میں اور گرم وقت میں ہو اور سونے چاندی کے سوا کسی دوسری دھات کے برتن میں ہو اور گرم ہونے کی حالت ہی میں استعمال کرے، ٹینکی اگر سیمنٹ وغیرہ کی بنی ہوئی ہے تو اسکا پانی اس حکم سے خارج ہے۔

لمافی الشامیۃ (۱/۱۸۰)سعید

(قولہ :وکراھتہ .....)أقول :المصرح بہ فی شرحی ابن حجرؒ والرملی علی المنھاج

أنها شرعية تنزيهية لا طبّية ثم قال ابن حجرؒ: واستعماله يخشى منه البرص كما صح عن عمرؓ واعتمده بعض محققي الأطبّاء لقبض زهومته على مسامّ البدن فتحبس الدم، وذكر شروط كراهته عند هم، وهي: أن يكون بتطر حار وقت الحرّ في اناء منطبع غير نقد، وأن يستعمل وهو حار.

أقول: وقدمنا في مندوبات الوضوء عن الامداد أن منها أن لايكون بماء مشمّس، وبه صرح في الحلية مستدلا بما صح عن عمرؓ من النهى عنه، ولذا صرح في الفتح بكراهته، ومثله في البحر: قال في المعراج الدراية وفي القنية: وتكره الطهارة المشمّس لقوله ﷺ لعائشةؓ حين سخّنت الماء بالشمس: "لاتفعلي ياحميراء! فانه يورث البرص". وفي رواية لايكره، وبه قال أحمدؒ ومالكؒ. والشافعيؒ يكره ان قصد تشميسه. وفي الغاية: وكره بالمشمس في قطر حار في أوان منطعة، واعتبار القصد ضعيف وعدمه غير مؤثر مافي المعراج.

قد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر وأن عدمها رواية. والظاهر أنها تنزيهية عندنا أيضا بدليل عدّه في المندوبات، فلا فرق حينئذ بين مذهبنا ومذهب الشافعيؒ فاغتنم هذا التحرير.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ بلگرامی

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:

﴿پانی کی ٹینکی میں مردہ چھپکلی اگر ملے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسجد کی ٹینکی میں چھپکلی گر کر مرجائے، اور لوگوں نے اس ٹینکی کے پانی سے وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو اب ٹینکی کے پانی اور وضو کی صورت میں اس سے اداشدہ نمازوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ چھپکلی اگر چھوٹی ہے جس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور اگر بڑی ہے اور اس میں بہنے والا خون ہے تو اس طرح کی چھپکلی سے چھوٹی ٹینکی کا پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور پوری ٹینکی کو خالی کرنا ضروری ہوجاتا ہے ایسے پانی سے اداشدہ نماز اور دھلے ہوئے کپڑوں وغیرہ کے بارے میں دوقول ہیں ایک یہ کہ اگر چھپکلی پھولی یا پھٹی ہوئی پائی جائے تو اسکو تین دن کا سمجھا جائے گا اور تین دن کی نمازیں لوٹائی جائیں گی اس طرح اس دوران جو کپڑے وغیرہ دھوئے گئے ہوں ان کا دوبارہ دھونا لازم ہے اور اگر پھولی پھٹی نہیں تو ایک دن

ورات کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت علم ہوا اسی وقت سے نجاست کا حکم لگایا جائے گا، پہلے قول میں احتیاط ہے اور دوسرے میں آسانی۔

لما فی کبیری:(ص ۱۶۶،طبع سہیل اکیڈمی)

وکذالوذغة اذكانت كبيرة ای بحیث یکون لهادم فانهاتفسدالماء.

ولما فی الهندية:(۲۰/۱،طبع رشیدیه)

اذاوقع فی البیرسام أبرص ومات ینزح منهاعشرون دلوافی ظاهرالرواية......قال واذا وجدفی البیرفارةاوغیرهـاولایدری متی وقعت ولم تنتفخ اعـادوا صلاة یوم ولیلة اذا كانوا توضؤامنهاوغسلواكل شيء اصابه ماؤهاوان كانت قدانتفخت اوتفسخت اعادوا صلاة ثلاثة ايام ولياليهاوهذاعندابی حنیفةؒ وقالالیس علیهم اعادة شئی حتی یتحققوا متی وقعت.

كذافی الهداية:(۲۰/۱،طبع رحمانیه)

ولما فی الشامی:(۱/۱۸۵،۱۸۶،طبع سعید)الوزغة لوكبيرة لهادم سائل.

ولما فی الشامی:(۲۱۸/۱،طبع سعید)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع ان علم والا فمذ يوم وليلة ان لم ينتفخ ولم ينفسخ وهذافی حق الوضوء والغسل ای من حيث اعادة الصلاة يعنی المكتوبة والمنذورة والواجبة وسنة الفجر ..... ومنذ ثلاثة ايام بلياليها ان انتفخ اوتفسخ استحسانا وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شئی قبله قيل وبه يفتی.

وفی الشامية:قوله:(قيل وبه يفتی)قائله صاحب الجوهرة،وقال العلامة قاسم فی تصحيح القدوری:قال فی فتاوی العتابی قولهماهوالمختارقلت لم يرافق علی ذلك فقداعتمدقول الامام البرهانی والنسفی والموصلی وصدرالشريعة ورجح دليله فی جميع المصنفات،وصرح فی البدائع بان قولهما قياس وقوله استحسان وهوالاحوط فی العبادات.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ولی اللہ ڈیروی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۶۴۱

﴿پانی کی پاکی ناپاکی کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ اگر چھوٹا بچہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو کیا پانی ناپاک ہوجائے گا؟

﴿جواب﴾ بچے کے ہاتھ ڈالنے سے پانی نجس نہیں ہوتا،البتہ اگر معلوم ہوجائے کہ اسکے

ہاتھ میں نجاست لگی تھی تو ناپاک ہو جائے گا، چونکہ چھوٹے بچوں کا اعتبار نہیں، اس لئے دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس پانی سے وضوء نہ کرنا بہتر ہے بشرطیکہ دوسرا پانی بآسانی میسر ہو۔

لمافی حلبی کبیر:(۹۰ مطبع نعمانیہ کوئٹہ)

(ولو ادخل الکفار او الصبیان ایدیھم لا یتنجس اذا لم یکن علی ایدیھم نجاسۃ حقیقۃ) .....(ولو ادخل الصبی یدہ فی الاناء) ان علم انھا طاھرۃ بان کان معہ من یراقبہ جاز التوضی بذلک الماء وان علم ان فیھا نجاسۃ لم یجز وان حصل الشک (لا یتوضاء بہ استحسانا) ای لاجل التنزہ والاحتیاط (ولو توضاء بہ جاز) لانہ لا یتنجس بالشک لکن المستحب التوضوء بغیرہ للاحتمال کمافی سؤر الجلالۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۸۸

﴿مرغی کا جوٹھا پاک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک ٹب سے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر دو دن بعد ایک دوسرے آدمی نے اسکو بتایا کہ جس ٹب سے آپ نے وضو کیا تھا اس سے مرغی نے پانی پیا تھا، غرض سوال یہ ہے کہ مرغی کے پانی پینے سے اس ٹب کا پانی کیا ناپاک ہو گیا تھا؟ مستفتی: مہر الدین از تاجکستان

﴿جواب﴾ مرغی پاک ہے اور اس کا جوٹھا بھی پاک ہے البتہ اسکو گندگی اور نجاست کھانے کی عادت ہوتی ہے اس لئے فقہاء کرام نے گندے ماحول میں آزاد گھومنے والے مرغی کے جوٹھے کو مکروہ لکھا ہے لہٰذا ایسے ماحول میں رہنے والی مرغی نے ٹب سے اگر پانی پی لیا تھا اور اسکی چونچ پر نجاست لگنے کا بھی علم نہیں تھا تو نماز ہو گئی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولما فی الفتاوی التاتارخانیۃ:(۱/۱۶۴-۱۶۵، کتاب الطھارۃ، بیان حکم الآسار، طبع قدیمی)

و أما الطاھر الذی ھو مکروہ فھو سور الدجاجۃ المخلاۃ لأنھا تفتش الجیف و الاقذار فمنقارھا لا یخلو عن نجاسۃ، مع ھذا اذا توضأ بہ أجزاہ لأن منقارھا فی الاصل طاھر..... وذکر فی صلاۃ الأثر: المستحب أن لا یتوضأ بسور الھرۃ وان توضأ بہ أجزاہ.

ولما فی الفتاوی القاضیخان:(۱/۲۵، کتاب الطھارۃ، فصل فی الآسار، طبع قدیمی)

فان استعمل الماء المکروہ مع القدرۃ علی الماء المطلق صحت طھارتہ و یکرہ.

وایضا فی التاتارخانیۃ: (۱/۱۵۱، کتاب الطهارة، طبع قدیمی)

و فی الأصل ایضا: اذا أدخل الصبی یده فی کوز ماء أو رجله فان علم أن یده طاهرة بیقین یجوز التوضو بهذا الماء، وان علم أن یده نجسة بیقین لایجوز التوضو به، وان کان لایعلم أنها طاهرة أو نجسة فالمستحب أن یتوضأ بغیره لأن الصبی لا یتوقی عن النجاسات عادة، و مع هذا لو توضأ به أجزاه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۴۳

﴿اس پانی کا حکم جس کو بکری منہ لگادے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ہمارے گھر میں بہت ساری بکریاں ہیں، جو کبھی کبھار پانی کے برتن کو منہ لگا لیتی ہے تو ہم اس پانی کو ناپاک سمجھ کر گرا دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ بکری کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

مستفتی: شاہ نظر سواتی

﴿جواب﴾ بکری کا جھوٹا پاک ہے، لہٰذا بکری کے منہ لگانے سے پانی گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولما فی القدوری: (ص ۲۲، طبع قدیمی): وسؤر الادمی ومایؤکل لحمه طاهر.

ولما فی الهدایة: (۱/۲۵، طبع رحمانیه)

(وسؤر الادمی ومایؤکل لحمه) لان المختلط به اللعاب وقدتولد من لحم طاهر ویدخل فی هذا الجواب الجنب والحائض والکافر.

ولما فی حلبی کبیر: (ص ۱۶۶، ۱۶۷، طبع سهیل آکیڈمی)

(وسؤر الآدمی طاهر)(سواء کان مسلما او کافرا او جنبا)(و) کذا (سؤر مایؤکل لحمه) من الحیوان (طاهر) بالاتفاق (کالابل والبقر والغنم) لتولد اللعاب من لحم طاهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۰

﴿کتے کا جھوٹا (پانی) حلال جانور کو پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ کتے کا جھوٹا (پانی) کسی حلال

جانور کو پلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسا پانی کسی جانور کو پلایا جائے تو اسکے دودھ کا کیا حکم ہوگا؟ اور جس برتن میں کتا منہ ڈال کر پانی پئے اس سے دوسرے حلال جانور کو پانی پلانا کیسا ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: رضوان اللہ بونیری

﴿جواب﴾ پانی میں نجاست کا اثر اگر ظاہر نہ ہو تو جانوروں کو پلانے کی گنجائش ہے، البتہ کتے کا جھوٹا نہ صرف نجس ہے بلکہ اس کا زہریلا ہونا بھی مسلم ہے، اس لئے جانوروں کو پلانے میں اگر چہ گنجائش ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پلایا جائے رہا یہ کہ کتے کا جھوٹا اگر دودھ والا جانور پی لے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟ سو دودھ بلاشبہ پاک ہے، نجس چیز کھانے پینے سے حلال جانور کے دودھ میں فرق نہیں آتا۔

لما في الهنديه(۵/ ۴۲۳ قديمی)

واذا تنجس الخبز أو الطعام لا يجوز ان يطعم الصغير أو المعتوه أو الحيوان الماكول اللحم، وقال اصحابنا: لا يجوز الانتفاع بالميتة على اى وجه ولا يطعمها الكلاب والجورح.

ولما في منية المصلى(۱۳۴طبع نعمانيه)

ويكره شرب الماء المستعمل ويجوز الانتفاع وبالماء النجس في تحويل الطين وسقى الدواب.

ولمافي الشامية(۱/ ۲۰۱)سعيد

[فرع] الماء اذا وقعت فيه نجاسة فان تغير وصفه لم يجز الانتفاع به بحال، والاجاز كبلّ الطين وسقي الدواب، بحر عن الخلاصة.

ولما في الدر المختار ۲/ ۳۴۰-۳۴۱سعيد

(وكره) اى لحم الجلالة والرمكة......وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها ..... ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدى غذّى بلبن خنزير، لأن اللحم لا يتغير، وما غذّى به يصير مستهلكا لا يبقىٰ له أثر.

ولمافي فتح الملهم ۲/ ۵۰تحت باب حكم ولوغ الكلب

وقالت الحنفية: يغسل ثلاثا، و لهم قوله ﷺ: "يغسل الاناء من ولوغ الكلب" روى عن أبي هريرةؓ فعلا، وقولا، و مرفوعا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۳۰۷

﴿مٹی کے تیل سے نجاست حقیقی دور ہوسکتی ہے نجاست حکمی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مٹی کے تیل سے ناپاک کپڑا دھولیا جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ مٹی کے تیل سے وضو کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مٹی کے تیل اور تمام وہ سیال اشیاء جن میں صفائی کی صلاحیت ہے مثلاً سرکہ، پیٹرول، تارپین وغیرہ سے اگر ناپاک کپڑا دھولیا جائے تو پاک ہوجاتا ہے، البتہ نجاست حکمیہ زائل کرنے کے لئے یعنی وضو اور غسل کرنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہے، مذکورہ اشیاء سے وضو وغیرہ نہیں ہوسکتا۔

لمافی ردالمحتار:(۱/۳۰۹،طبع سعید)

(ویجوز رفع نجاسة حقیقة عن محلها) ولو اناء او ماکولا علم محلها اولا (بماء ولو مستعملا) به یفتی (وبکل ماء طاهر قالع للنجاسة ینعصر بالعصر (کخل وماء ورد)

ولمافی مختصر القدوری:(ص:۲۲،طبع قدیمی)

یجوز تطهیر النجاسة بالماء وبکل مائع طاهر یمکن ازالتها به کالخل وماء الورد.

ولمافی کنز الدقائق:(ص:۱۵)

یطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزیل کالخل وماء الورد.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/۹،طبع رشیدیه)

ولا یجوز التوضی بماء الفواکه ولا بما اعتصر من الشجر.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۱۸۰،طبع سعید)

ولا (بعصیر نبات) ای معتصر من شجر او ثمر لانه مقید.

ولمافی البحر الرائق:(۱/۶۹،طبع سعید)

قوله (او اعتصر من شجر او ثمر) عطف علی قوله تغیر ای لا یتوضأ بما اعتصر من شجر کالریباس او ثمر کالعنب لان هذا ماء مقید ولیس بمطلق فلا یجوز الوضوء به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵

﴿پیشاب کے ایک قطرے سے پانی کا پورا ڈرم ناپاک ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر پانی کے ایک ڈرم میں پیشاب کا قطرہ گر جائے تو اس پانی کا کیا حکم ہے۔ مستفتی محمد تواب سواتی

﴿جواب﴾ زیادہ پانی یعنی کم از کم دہ دردہ ہو یا جاری ہو، تو وہ پانی تھوڑی سی نجاست کیوجہ سے نجس نہیں ہوتا، لیکن ڈرم کا پانی زیادہ نہیں ہے اور نہ وہ جاری ہے، اس لئے معمولی سی نجاست گرنے سے بھی وہ نجس ہو جائے گا۔

لمافی القدوری:(ص ۲۱ طبع قدیمی)

وکل ماء اذا وقعت فیه النجاسة لم یجز به قلیلا کان او کثیرا لان النبی ﷺ امر بحفظ الماء من النجاسة.

ولمافی الجوهرة النیرة:(ص۱۶ طبع میر محمد)

(وقوله وکل ماء وقعت فیه النجاسة لم یجز الوضوء به وکذا اذا غلب علی ظنه ذلک واراد به غیر الجاری اومافی معناه کالغدیر المعظم.

ولمافی حلبی کبیری:(ص۹۸-۹۹ طبع سهیل اکیڈمی)

لکثرة وقوع مثله وایضاهو مغلوب باول الملاقات والحکم للغالب ولیس کالنجاسة اذ لم تعتبر فیها الغلبة بل قطرة تنجس دنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　فتوی نمبر: ۱۶۷۲

﴿بیت الخلاء کے گڑھے سے کنواں کتنے فاصلے پر کھودا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بیت الخلاء کی گندگی کیلئے ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا ہے اور پاخانہ وغیرہ پائپ کے ذریعہ وہاں جاتا ہے تو اگر وہاں آس پاس کنواں کھودنے کا ارادہ ہو تو کنویں اور اس بیت الخلاء کے گڑھے کے درمیان شرعاً کتنا فاصلہ ضروری ہے؟ تاکہ آمیزش نہ ہو۔ حبیب الرحمٰن سواتی

﴿جواب﴾ شرعاً اس کیلئے کوئی حد مقرر نہیں ہے اگرچہ بعض نے پانچ ہاتھ اور بعض نے

سات ہاتھ فاصلے کا ذکر کیا ہے مگر راجح یہ ہے کہ اتنا فاصلہ ہو کہ رنگ، بو، مزہ پہنچنے سے مانع ہو اور یہ زمین کے سختی اور نرم ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے، لہٰذا اہل تجربہ اپنی اپنی زمین کے اعتبار سے اندازہ کر کے فاصلہ چھوڑیں۔

لما فی ردالمحتار:(۲۲۱/۱،طبع سعید)

اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الی البئر ففی رواية خمسة اذرع وفی رواية سبعة وقال الحلوانی المعتبر الطعم أو اللون أو الريح فان لم يتغير جاز والا لا ولو كان عشرة اذرع وفی الخلاصة والخانية والتعويل عليه وصححه فی المحيط بحر والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال أرضه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۲۵

﴿باب السواک﴾

﴿مسواک کا بیان﴾

﴿مسواک کے بغیر وضو مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو آدمی وضو میں بغیر کسی عذر کے نہ مسواک استعمال کرے اور نہ انگلی، تو شریعت کی رو سے اس آدمی کے وضو کا کیا حکم ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ وضو میں مسواک استعمال کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کا قائم مقام انگلی ہے اور کسی بھی عمل کی سنت مؤکدہ کو بلا عذر چھوڑنے سے وہ عمل مکروہ ہو جاتا ہے لہٰذا وضو میں بغیر کسی خاص وجہ کے مسواک چھوڑنا اور اسکا قائم مقام انگلی بھی استعمال نہ کرنا باعث اسائۃ (برائی) وکراہت ہے، بلاشبہ اس سے وضو مکروہ ہو جاتا ہے۔

ولما فی الشامی:(۱۰۵/۱، طبع: سعید)

قال فی البحر: والذی ظهر للعبد الضعيف ان السنة ما واظب عليه النبی صلی الله عليه وسلم لكن ان كانت لا مع الترك فهی دليل السنة المؤكدة، وان كانت مع الترك أحيانا فهی دليل غير المؤكدة، وان اقترنت بالانكار علی من لا يفعله فهی دليل الوجوب.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۱۳، طبع: سعید)

والسواک سنۃ مؤکدۃ کما فی الجوھرۃ عند المضمضۃ،وفی الشامی تحت(قولہ سنۃ مؤکدۃ)وقـ عدہ القدوری والاکثرون من السنن وھو الاصح قلت:وعلیہ المتون.

ولما فی الشامی:(۱/۱۰۳، طبع: سعید)

والسنۃ نوعان :سنۃ الھدی وترکھا یوجب اساءۃ وکراھیۃ کالجماعۃ والاذان والاقامۃ ونحوھا.

وفیہ أیضا:(۱/۱۰۳، طبع: سعید)

لکن فی التلویح ترک السنۃ المؤکدۃ قریب من الحرام ویستحق حرمان الشفاعۃ ،لقولہ علیہ السلام من ترک سنتی لم ینل شفاعتی.

وفیہ أیضا:(۱/۶۵۳، طبع: سعید)

ألحاصل ان السنۃ ان کانت مؤکدۃ قویۃ لا یبعد کون ترکھا مکروھا تحریما،وان کانت غیر مؤکدۃ فترکھا مکروہ تنزیھا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۳محرم الحرام ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۵۱۱

﴿مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسواک کی لمبائی اور موٹائی کتنی ہونی چاہیئے ، نیز یہ کہ مسواک کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اسکے کیا فوائد ہیں؟

﴿جواب﴾ مسواک نرم ہونا چاہیے لمبائی میں ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، موٹائی میں ہاتھ کی چھنگلی کی مقدار ہونا چاہیئے گرہ دار نہ ہو بلکہ سیدھی اور صاف ہو۔

مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک عرضاً (چوڑائی میں) کرنا چاہئے نہ کہ طولاً (لمبائی میں)مسواک کرنے کے بہت فوائد ہیں فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے اور موت کے وقت کلمہ نصیب ہونے کا بھی سبب ہے بعض نے لکھا ہے کہ مسواک کے تمیں سے زیادہ فائدے ہیں سب سے چھوٹا یہ کہ اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔

نسئل الله أن يرزقنا المواظبة على الاستياك وأن لا يحرمنا فوائده الدينية والدنيوية.

لمافي الدر المختار:(۱/۱۱۴-۱۱۵ طبع سعيد)

(وندب) امساكه (بيمناه) وكونه لينا مستويا بلا عقد في غلظ الخنصر وطول شبر ويستاك عرضا لا طولا وبعد سطر لا يزاد على الشبر والا فالشيطان يركب عليه ومن منافعه أنه شفاء لما دون الموت وتذكير الشهادة عنده. وفي الشامية: قال في النهر ومنافعه وصلت الى نيف وثلثين منفعة أدناها اماطة الاذى واعلاها تذكير الشهادة عند الموت رزقنا الله ذلك بمنه وكرمه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ   فتوی نمبر ۲۳۰۲

﴿ایک بالشت سے کم مسواک کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بالشت سے کم مسواک استعمال کرنا کیسا ہے اور اگر استعمال کرتے ہوئے کم رہ جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ایک بالشت سے کم نئی مسواک استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہے، استعمال کرتے ہوئے ایک بالشت سے کم رہ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لمافي التنوير وشرحه:(۱/۱۱۴ طبع سعيد)

وندب امساكه بيمناه وكونه لينا مستويا بلا عقد في غلظ الخنصر وطول شبر. وفي الشامية: (وطول شبر) الظاهر أنه في ابتداء استعماله فلا يضر نقصه بعد ذلك بالقطع منه لتسويته.

ولمافي فتح القدير:(۱/۲۲ طبع رشيديه)

ويستحب فيه ثلاث بثلاث مياه وأن يكون السواك لينا في غلظ الاصبع وطول شبر من الاشجار المرة ويستاك عرضا لا طولا.

ولمافي حاشية الطحطاوي:(۱/۳۷ طبع قديمي)

وينبغي أن يكون لينا في غلظ الأصبع طول شبر مستويا.

ولمافي مراقي الفلاح:(ص۳۷ طبع قديمي)

والمستحب بله ان كان يابسا وغسله بعد الاستياك لئلا يستاك به الشيطان وان يكون

من شجر مر ليكون اقطع للبلغم وأنقى للصدر ..... وأن يكون طول شبر مستعمله لأن الزائد يركب عليه الشيطان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۰ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۳

﴿ٹوتھ پیسٹ اور منجن کا مسواک جیسا حکم نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسواک سے منہ کی صفائی مطلوب ہوتی ہے کیا ٹوتھ پیسٹ یا منجن کا بھی مسواک جیسا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مسواک سے صرف منہ کی صفائی مطلوب نہیں ہوتی، یہ تو ایک سنت عمل ہے، بہت بڑی عبادت ہے. جس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے اور یہی اس عمل سے اصل مقصود ومطلوب ہے، ہاں منہ کی صفائی بھی اسکا ایک فائدہ ہے، البتہ ٹوتھ پیسٹ یا منجن سے بھی چونکہ منہ کی صفائی ہوجاتی ہے، اس لئے مسواک کی غیر موجودگی کی صورت میں ٹوتھ پیسٹ یا منجن بھی کسی نہ کسی درجہ میں مسواک کے قائم مقام ہوجائیگا لیکن جو ثواب اور فوائد اصل مسواک میں ہیں ٹوتھ پیسٹ یا منجن میں وہ کہاں؟

ٹوتھ پیسٹ صرف دانتوں کی صفائی کیلئے ہے. جبکہ مسواک سے نہ صرف دانتوں کی بلکہ زبان اور پورے حلق کی بھی صفائی حاصل ہوتی ہے، مسواک سے زبان وحلق کا ریشہ ختم ہوجاتا ہے اور ٹوتھ پیسٹ سے مسوڑھوں اور دانتوں کی صفائی اگرچہ ہوجاتی ہے لیکن زبان وحلق سے اس کی وجہ سے ریشہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ بڑھ جاتا ہے مسواک کی رگڑ سے نہ صرف صفائی بلکہ مسوڑھوں اور دانتوں میں مضبوطی بھی آتی ہے. ٹوتھ پیسٹ سے یہ فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا مسواک سے آواز صاف ہوجاتی ہے، نزلہ، زکام کیلئے بھی مفید ہے ٹوتھ پیسٹ میں ایسا کوئی فائدہ نہیں ہے مسواک میں کوئی مصنوعی ذائقہ نہیں ہے. ٹوتھ پیسٹ کا مصنوعی ذائقہ بعض طبیعتوں کیلئے الرجی کا باعث ہوتا ہے، نیز مسواک دانتوں اور بغیر دانتوں والے دونوں کر سکتے ہیں جبکہ ٹوتھ پیسٹ صرف دانتوں والے کر سکتے ہیں۔

مذکورہ فائدوں کے علاوہ بھی مسواک کے فوائد ہیں جو کہ ٹوتھ پیسٹ میں نہیں ہیں اسلئے ٹوتھ

پیسٹ یا منجن کو مسواک کے برابر سمجھنا ہرگز درست نہیں ہے۔

لما فی الکفایۃ مع فتح القدیر:(۲۱/۱،طبع رشیدیہ)

"والسواك" أى استعماله لان السواك والمسواك اسم للخشبة المعينة للاستياك وذكر في المحيط انه ينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة".

ولما فی الھندیۃ:(۷/۱،طبع رشیدیہ)

"ومنها السواك وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة".

ولما فی فتح الملھم:(۱۸۷/۲،طبع دار العلوم کراچی)

"بالسواك الخ، قال ابن الملك السواك يطلق على الفعل وعلى العود الذى يستاك به وقال فى النهاية" السواك بالكسر والمسواك مايدلك به الاسنان من العيدان ـــ وقال بعضهم السواك بالكسر اسم للاستياك وللعود الذى يستاك به"

ولما فی حلبی کبیر:(ص۲۹،طبع نعمانیہ)

"ثم المستحب ان يكون السواك من شجرة مرة لزيادة ازالة تغير الفم قالوا ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراك ثم الزيتون".

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۵ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۸۵

﴿عورت کے لئے مسواک کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بوقت وضو عورت کے لئے مسواک سنت ہے یا نہیں ہے عورتوں کے لئے ایک خاص مسواک ہوتی ہے جس کو دندا سہ کہتے ہیں اس سے سنت ادا ہو جائے گی؟

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے بھی مسواک سنت ہے اگر سخت لکڑی سے تکلیف ہو تو دنداسہ سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

ولما فی الھندیۃ:(۷/۱،طبع رشیدیہ)

وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لأنه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة وليكن رطبا فى غلظ الخنصر وطول الشبر ولا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة كذا فى المحيط والظهيرية

والعلک یقوم مقامه للمراة کذافی البحر الرائق:(۱/۲۱،طبع سعید)

ولمافی الدرمع الرد:(۱/۱۱۵،طبع سعید)

وعند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة او الاصبع مقامه کما یقوم العلک مقامه للمراة مع القدرة علیه (قوله: کما یقوم العلک) ای فی الثواب اذا وجدت النیة وذلک ان المواظبة علیه تضعف اسنانها فیستحب لها فعله ،بحر.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:خضر حیات کماوی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۷۰۷

﴿مسواک کو پھینکنا صحیح نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں: کہ مسواک استعمال کرنے کے بعد کسی جگہ پھینکی جاسکتی ہے ؟ میرے ایک دوست نے مجھے مسواک پھینکنے سے منع کیا،اور کہا کہ مسواک کواستعمال کر کے پاک جگہ کھڑی کرنا چاہئے! پوچھنا یہ ہےکہ کیا انکا یہ کہنا درست ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ آپ کے دوست کا کہنا درست صحیح ہے کہ مسواک پھینکنا نہیں چاہئے بلکہ پاک جگہ کھڑی کرنا چاہئے،مسواک کولٹا کر رکھنا صحیح نہیں ہے،حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار(۱/۱۱۵)طبع رشیدیة

فلایضعه بل ینصبه وإلا فخطر الجنون(قهستانی).(قوله والافخطر الجنون)فانه یروی عن سعید بن جبیرقال :من وضع سواکه بالأرض فجنّ ذلک فلا یلومنّ الا نفسه

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اَعلم بالصواب:سیف اللہ

۲ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:۳۱۴۷

﴿باب الوضوء﴾

﴿وضوء کے مسائل﴾

﴿فرائض وضو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں کتنے فرض

ہیں؟ اور کون کونسے ہیں؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں!

﴿جواب﴾ وضو میں چار فرض ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا:
(۱) چہرے کا دھونا، (پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک)، (۲) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا، (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا، (۴) دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

لمافی قوله تعالیٰ:

(یاأیها الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم وأیدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وأرجلکم الی الکعبین)۔

ولمافی التنویر مع الدر (ج ۱ ص ۹۳ تا ۱۰۰) ط س

أرکان الوضوء أربعة: (غسل الوجه) أی اسالة الماء مع التقاطر، ولو قطرة (وهو من مبدأ أسفل ذقنه) أی منبت أسنانه (طولاً ومابین العذار والأذن)۔

وغسل الیدین والرجلین) البادیتین السلیمتین (مرة) لما مر (مع المرفقین والکعبین ومسح ربع الرأس مرة فوق الأذنین) ولو باصابة مطر أو بلل۔

ولمافی الهندیة (ج ۱ ص ۳) رشیدیه

(الفصل الأول فی فرض الوضوء) قال تعالیٰ: (یاأیها الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم وأیدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وأرجلکم الی الکعبین)۔

(وهی أربع) الأول الوجه، والثانی غسل الیدین، والثالث غسل الرجلین، والرابع مسح الرأس) والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیة۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۳ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۹۹

﴿وضو کی سنتیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں کتنی سنتیں ہیں اور کون کونسی ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ وضو میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں: وضو شروع کرنے سے پہلے وضو کی نیت

کرنا یعنی دل میں وضو کا ارادہ کرنا، پھر بسم اللہ پڑھنا، دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا، مسواک کرنا، اگر مسواک نہ ہو تو انگلی یا کسی دوسری چیز مثلاً برش وغیرہ سے دانتوں کی صفائی کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی چھڑا کر صاف کرنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا، مسح کے علاوہ دھونے والے تمام اعضاء کو تین بار دھونا، ایک بار تمام سر کا مسح کرنا، کانوں کا مسح کرنا، ترتیب سے وضو کرنا، پے در پے وضو کرنا، (یعنی ایک عضو کے خشک ہونے سے قبل دوسرے عضو کا دھونا)۔

لما فی التنویر مع الدر (ج۱/۱۰۵،۱۲۲)طبع سعید

اوسننه (البداءة بالنية)(و)البداءة (بالتسمية)قولاً(و)البداءة(بغسل اليدين)الطاهرتين قبل الاستنجاء وبعده .(والسواك)سنة مؤكدة كما في الجوهرة عند المضمضة(وغسل الفم بمياه والأنف بمياه وتخليل اللحية)وتخليل(الأصابع)اليدين والرجلين(وتثليث الغسل .ومسح كل رأسه مرة.وأذنيه)بمائه(والترتيب والولاء)

ولما في النهرالفائق (ج۱/ص۳۵)طبع قديمى

وسننه:غسل يديه الى رسغيه ابتداءً كالتسمية (أى:كماأن التسمية سنة فى الابتداء مطلقا)والسواك وغسل فمه(ثلثاًبمياه)وأذنيه(كذلك)وتخليل لحيته(وهوتفريق شعرهامن أسفل الى فوق وهوسنة لغير المحرم)وأصابعه(أى :كلهاادخال بعضهافى بعض بماء متقاطر)وتثليث الغسل(أى جعله ثلاثاقيد به لأنه فى المسح غيرمسنون بل هو مكروه كمافى المحيط والتحفة)ونيته......(أى نية المتوضئ رفعَ الحدث أواقامة الصلاة)ومسح كل رأسه مرةً(مستوعبة لرواية الترمذى :أن علياتوضأفغسل أعضائه ثلاثاثم قال:هذاوضوء رسول الله ﷺ)والتثليث بدعة وقيل ......لابأس به)والترتيب (بين الفرائض وهوأن يبدأبمابدأ الله به)والوَلاء(بكسرالواو......وعرّفه الشارح بغسل العضوالثانى قبل جفاف الأول .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ
۲ صفرالخیر ۱۴۳۳ھ

واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ
فتویٰ نمبر: ۳۱۶۳

﴿مستحبات وضو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مستحبات وضو کونسے ہیں؟

﴿جواب﴾ وضوء میں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱: نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا ۲: مٹی کے لوٹے سے وضو کرنا ۳: وضو کا کام خود کرنا،

دوسروں کی مدد نہ لینا۔۴: قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھنا۔۵ پاک وصاف اور اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا۔۶: دائیں طرف سے شروع کرنا۔۷: ہر عضو کے دھوتے وقت کلمہ شہادت، درود شریف یا وضو کی دعا پڑھنا۔۸: ہر عضو کے دھونے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا۔۹: ہر عضو کے دھوتے یا مسح کرتے وقت وضو کی نیت کا حاضر رکھنا۔۱۰: اعضاء وضو کو دھوتے وقت انکو ہاتھ سے ملنا۔ ۱۱: اطمینان سے وضو کرنا۔۱۲: بدن، کپڑوں اور مسجد کو ٹپکتے قطروں سے محفوظ رکھنا۔۱۳: وضو کا برتن اگر لوٹے کی قسم کا ہو تو اس کو بائیں طرف رکھنا۔۱۴: وضو کا برتن اگر طشت کی قسم کا ہو تو اسکو دائیں جانب رکھنا۔۱۵: بائیں ہاتھ کی انگلی ناک میں ڈال کر بائیں ہاتھ سے صاف کرنا۔۱۶: انگوٹھی یا چھلا یا تنگ پہنے ہوئے ہو تو اسکو ہلانا۔۱۷: دونوں کانوں کا ایک ساتھ مسح کرنا۔۱۸: گردن کا مسح کرنا۔۱۹ دونوں ہاتوں کی چھوٹی انگلیوں کو بھگو کر دونوں کانوں کے سراخوں میں داخل کرنا۔۲۰: پاؤں دھونے میں انگلیوں سے شروع کرنا۔۲۱ پاؤں کو بائیں ہاتھ سے مل کر دھونا۔۲۲: چہرے اور ہاتھ پاؤں کی روشنی وسیع کرنا، یعنی جتنی جگہوں پر پانی بہانا فرض ہے اس کے اطراف میں کچھ بڑھا کر دھونا مثلاً نصف بازوں اور نصف پنڈلی تک پانی بہانا۔۲۳: وضو کے بعد کلمہ شہادت مع دعا اور درود کا پڑھنا۔۲۴: وضو کرنے کے بعد جو پانی بچا ہے اسے کھڑے ہو کر پینا۔۲۵: اعضاء وضو کو پونچھتے وقت بالکل خشک نہ کرنا بلکہ کچھ نمی باقی رکھنا۔۲۶: دوسرے وضو کیلئے پانی رکھ چھوڑنا۔۲۷: وضو پر وضو کرنا۔۲۸: وضو کے بعد تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت نفل نماز پڑھنا، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو۔۲۹: آنکھوں کے گوشوں کو مل کر پانی پہنچانا۔۳۰: لوٹے وغیرہ کی ٹونٹی کو تین بار دھونا۔۳۱: وضو کرتے وقت ہاتھ برتن کے اوپر نہ رکھنا بلکہ دستے وغیرہ پر رکھنا۔۳۲ وضو کا پانی ایک مُدّ (۹۶۰۶۸ ۷گرام) سے کم نہ ہونا۔۳۳: منہ اور ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی ڈالنا۔۳۴: مکروہات وضو کے ضمن میں جو امور ذکر کیے گئے ہیں ان سب سے اجتناب کرنا۔

لما فی غنیۃ المستملی ۲۵ نعمانیہ

باب فی آداب وضوء: اما آدابہ فھو أن یتأھب للصلوٰۃ قبل دخول الوقت ،ومن الأداب أن یتولی أی یباشر أمر الوضوء بنفسہ .... ومن الآداب أن یجلس المتوضی، مستقبل القبلۃ عند سائر الأعضاء ...... ومن الاداب أن یکون جلوسہ علی مکان مرتفع وأن یغسل عروۃ الابریق ثلثا وأن یضعہ علیٰ یسارہ ، وان کان اناء یغترف عنہ فعن

یمینه ، وأن یضع یده حالة الغسل علی عروته لا رأسه ......ومن الآداب أن یشهد أی یأتی بالشهادتین عند غسل کل عضو ،وأن یدعو بدعوات بماجاء فی الآثار ....ومن الآداب أن یمضمض ویستنشق بیده الیمنی .... وأن یتمخط ویستنثر بیده الیسری لما ورد فی الحدیث ....ومن الآداب أن یبالغ فی المضمضة والاستنشاق ......ومن الآداب أن یدخل اصبعیه الخنصرین فی صماخ أذنیه عند المسح .... ومن الآداب أن یحرك خاتمه ان کان واسعاً وان کان ضیقاً لابد من تحریکه أو نزعه .....ومن الآداب أن لا یسرف فی الماء .... ومن الآداب أن لا یقتر فی الماء بأن یقرب الیٰ حد الدهن ویکون التقاطر غیر ظاهر .....ومن الآداب أن یقول عند تمامه أو فی خلاله : اللهم اجعلنی من التوابین .... الخ ومن الآداب ان یملأ اناءه بعد الوضوء ثانیاً تهیئاً للعبادة .... ومن الآداب أن یشرب فضل وضوءه قائماً ......ومن الآداب أن یصله أی الوضوء بسبحة أی نافلة أی یصلی عقیبه نافلة ولو رکعتین .... ومن الآداب أن یتوضأ علی الوضوء......ومن الآداب أیضاً استصحاب النیة الی آخر الوضوء وتعاهد ماق العین .

ولما فی التنویر مع الدر المختار (۱/ ۱۲۲، ۱۳۱)سعید

(ومستحبه التیامن ومسح الرقبة)بظهر یدیه(لاالحلقوم)لأنه بدعة(ومن آدابه) استقبال القبلة وبلک أعضائه وادخال خنصره)المبلولة (صماخ أذنیه)عندمسحهما(وتقدیمه علی الوقت لغیرالمعذور)وتحریک خاتمه الواسع) ومثله القرط وکذاالضیق ان علم وصول الماء ،والافرض (وعدم الاستعانةبغیره)وعدم التکلم بکلام الناس ،والجلوس فی مکان مرتفع ،والجمع بین القلب وفعل اللسان (والتسمیة عندغسل کل عضو)وکذاالممسوح (والدعاء بالوارد عنده)أی عند کل عضو،والصلاة والسلام علی النبی ﷺ بعده)أی بعدالوضوء وأن یقول بعده:اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین وأن یشرب بعده من فضل وضوئه مستقبل القبلة قائما)أوقاعدا.

ومن الآداب تعاهدموقیه، وکعبیه، وعرقوبیه، وأخمصیه ،واطالة غرته، وتحجیله، وغسل رجلیه بیساره، وبلهما عند ابتداء الوضوء فی الشتاء ،والتمسح بمندیل ، وعدم نفض یده و قراءة سورة القدر وصلاة رکعتین فی غیر وقت کراهة .

قال ابن عابدین ؒ : واعلم أن المذکور منها هنا متناً وشرحاً نیف وعشرون ،ومنها کذا فی الفتح ترک الاسراف والتقتیر وترک التمسح بخرقة یمسح بها واستقائه الماء بنفسه والمبادرة الی ستر العورة ،وکون آنیته من خزف، وأن یغسل عروة الابریق ثلاثاً، ووضعه علی یساره وان کان اناء یغترف منه فعن یمینه ووضع یده حالة الغسل علی عروته وذکر شهادتین عند کل عضو واستصحاب النیة فی جمیع أفعاله ومن آتیٍ : استعداداً ،والامتخاط بالیسری ،والتأنی، وامرار الید علی الاعضاء المغسولة والدلک

زادفي البحر: وغسل ما تحت الحاجب الشارب، والتوضؤ في مكان طاهر والبدء بأعلى الوجه وأطراف الأصابع ومقدم الرأس، والفراغ الماء بيمينه، وقدمنا أن ترك المندوب مكروه تنزيها فيزاد ترك مايكره فعله، وأن لا يتقص [illegible] أى الماء عن مُدّ، وغسل الفم والأنف باليمنى وزاد في المنية: الوضوء على الوضوء، وعدم نضحه في الماء حال غسل، والتشهد عند غسل كل عضو.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿وضو کے پانی میں اسراف کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ وضو کے پانی میں اسراف کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص وضو کے پانی میں اسراف کرے تو اسکا وضو صحیح ہوگا یا نہیں؟ نیز اس وضو سے پڑھی جانے والی نماز کا کیا حکم ہے؟　　　　مستفتی: محمد عبیداللہ

﴿جواب﴾ اسراف کو نہ صرف وضو کے پانی میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی بھی نعمت میں گناہ قرار دیا گیا ہے وضو کے پانی میں اس سے بچنے کی خاص تاکید آئی ہے، اس لئے وقف کے پانی سے وضو کرتے ہوئے تو اسراف حرام ہے جیسا کہ آجکل مساجد اور مدارس کے پانی میں اسراف سے کام لیا جاتا ہے، اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

لمافی المشکوٰۃ (۱/۴۷، طبع سعید)

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال: جاء أعرابى الى النبى ﷺ يسئله عن الوضوء، فأراه ثلاثاثلاثاثم قال هكذاالوضوء فمن زادعلى هذافقدأساء وتعدى وظلم.

ولمافی الدرالمختار: (۱/۱۳۲، طبع سعید)

(والاسراف) ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لو بماء النهر والمملوك له اماالموقوف على من يتطهربه ومنه ماء المدارس فحرام.

اسی طرح عام پانی سے وضوء کرتے ہوئے اسراف سے بچنا سنت موکدہ کے حکم میں ہے، لہٰذا خلاف ورزی کرنے کی صورت میں وضوء مکروہ تحریمی ہوگا اور نماز پر بھی بلاشبہ اثر انداز ہوگا بلکہ بعض احادیث میں ایسے وضو کا پوری جماعت پر اثر انداز ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔

لمافی الشامی:(۱۲۲/۱-۱۲۳،طبع سعید)

(قولہ والاسراف)أی بأن یستعمل منہ فوق الحاجۃ الشرعیۃ..... فحینئذیکون منھیاعنہ ویکون ترکہ سنۃ موکدۃ.

ولمافی المشکوۃ:(۴۱/۱،طبع سعید)

عن شبیب بن أبی روح عن رجل من اصحاب النبی ﷺ أن رسول اللہ ﷺ صلی صلوۃ الصبح فقرأ الروم فالتبس علیہ فلماصلی قال:ما بال اقوام یصلون معنا لایحسنون الطھور،وانما یلبس علینا القرآن أولئک.

ولمافی الدرمع الرد:(۱۲۳/۱،طبع سعید)

ومن السنن الدلک وترک الاسراف.(قولہ وترک الاسراف) عدہ فی الفتح من المندوبات ولم یتابع ایضابل صرح فی النھربضعفہ وقال:انہ سنۃ موکدۃ لاطلاق النھی عن الاسراف.

ولمافی بدائع الصنائع:(۳۵/۱،طبع سعید)

والدلیل علیہ ماروی.....ان رسول اللہ ﷺ مرعلی سعدبن ابی وقاص وھو یتوضا ویصب صبافاحشاوقال:ایاک والسرف،فقال:اوفی الوضوء سرف؟قال نعم ،ولوکنت علی ضفۃنھرجاروفی روایۃولوکنت علی شط بحر.

البتہ اگرکوئی اسراف نہیں کرتا،لیکن مطلوبہ مقدار پانی پر کفایت کرنے سے اسے اطمینان نہیں ہوتاتواس کے لیے سخت وعیدنہیں ہے اگر چہ کھلی اجازت اس کو بھی نہیں ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱۱۸/۱-۱۲۰طبع سعید)

ولوزادلطمانیۃ القلب اولقصدالوضوء علی الوضوء لاباس بہ.....ویمکن التوفیق بما قدمنا من انہ اذافعل ذلک مرۃ لایکرہ مالم یعتقدسنۃ،وان اعتادہ واصرّعلیہ یکرہ،وان اعتقدسنیۃ الثلاث الااذاکان لغرض صحیح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری

۷محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۰۸۷

﴿پیپسی(Pepsi)سیون اپ(7up)وغیرہ سے وضوء کرنا درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

پیپسی (pepsi) یا سیون اپ (7up) سے وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عابداللہ

﴿جواب﴾ وضوء اور غسل جیسی چیزوں میں طہارت حاصل کرنے کے لئے خالص پانی کا استعمال ضروری ہے، پیپسی (pepsi) سیون اپ (7up) وغیرہ خالص پانی نہیں ہے اسلئے ایسے مشروبات سے وضوء و غسل نہیں ہوسکتا۔

لمافی الهداية:(۱/۲۳-۲۴ طبع رحمانیه)

الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والأودية والعيون والابار والبحار ولايجوز بما اعتصر من الشجر والثمر ولايجوز بماء غلب عليه فاخرجه عن طبع الماء كالاشربة والخل وماء الورد وماء الباقلى والمرق وماء الزردج.

ولمافی الكفاية:(۱/۲۴ طبع رشيديه)

فيه اشارة الى انه اذاغير الاثنين أوالثلاثة من الاوصاف لايجوز التوضوء به...... ولكن يجوز شربه وغسل الاشياء به...... فلانه طاهر واماعدم جواز التوضى به لانه لما غلب عليه لون الأزرق صار ماء مقيدا كماء الباقلى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۰۴۷

﴿تیل لگے اعضاء پر وضو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ پاؤں پر تیل لگانے کے بعد وضو کا پانی اعضاء تک اچھی طرح نہیں پہنچتا، کیا اس طرح وضو ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا تو ابھی تک جو نمازیں اس طرح کے وضو سے پڑھیں ہیں اسکا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبدالمالک

﴿جواب﴾ تیل لگے اعضاء پر پانی ڈالنے سے پانی اعضاء تک پہنچ جاتا ہے، البتہ خشک جلد میں جسطرح پانی جذب ہوتا ہے، تیل لگے اعضاء میں ایسا جذب نہیں ہوتا لیکن اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں آتا، وضو ایسی صورت میں بھی درست ہو جاتا ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۱۵۴ طبع ایچ ایم سعید)

قال فی الشرنبلالية قال المقدسی: وفی الفتاویٰ دهن رجليه ثم توضأ وأمر الماء على

رجليه،ولم يقبل الماء للدسومة جازلوجودغسل الرجلين.

ولمافي التاتارخانية:(۱/۷۰،طبع قديمی)

"الذخيرة"واذادهن رجله وتوضأوأمرالماء على رجله فلم يقبل الماء لمكان الدسومة جازالوضوء.

ولمافي الهندية:(۱/۵،طبع رشيديه)

واذادهن رجليه ثم توضأوأمرالماء على رجليه فلم يقبل الماء لمكان الدسومة جاز الوضوء،كذافي "الذخيرة".

ولمافي الهندية :(۱/۱۴،رشيديه)

واذادهن فأمرالماء فلم يصل يجزىء،كذافي شرح الوقاية.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :عباداللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۲صفرالخیر۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۸۹۰

﴿جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہوتو وضو میں سنتیں چھوڑنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر جماعت فوت ہوجانے کا خطرہ ہوتو وضو میں سنتیں چھوڑکر فرائض پر اکتفاء کرنا جائز ہے یانہیں؟　　　محمدامین

﴿جواب﴾ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہےاور شعائر اسلام میں سے ہےاور کامل نماز وہی ہے جو باجماعت ادا کی جائے انفرادی نماز ناقص ادا شمار ہوتی ہےتو جماعت کی اہمیت کی خاطر ایسی صورت میں صرف فرائضِ وضو پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

لمافي الشامي:(۱/۵۵۷،طبع سعيد)

وهوأن صلاة الجماعة واجبة على الراجح في المذهب أوسنة مؤكدة في حكم الواجب كمافي البحر.......الخ

ولمافي الشامي:(۲/۱۵،طبع سعيد)

أنه ليس له ترك الجماعة لأنهامن الشعائر.

ولمافي الشامي:(۲/۵۶،طبع سعيد)

لكون الجماعة اكمل لأنهاتفضل الفردمتردأبسبع وعشرين ضعفالاتبلغ ركعتا الفجر

ضعفنا واحامنها..... والوعيد على الترك للجماعة الزم منه على ركعتي الفجر.

ولما في فتح القدير:(۱/۴۹۳،طبع رشيديه)

والحاصل أنه اذالم يمكن الجمع بين الفضيلتين ارتكب الأرجح وفضيلة الفرض بجماعة اعظم من فضيلة ركعتي الفجر.

ولما في الكبيري:(ص۲۳،طبع نعمانيه)

وهو يفيد أن تجديد الوضوء على أثر الوضوء من غير أن يؤدي بالأول عبادة غير مكروه وفيه اشكال لاطباقهم على أن الوضوء عبادة غير مقصودة لذاتها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن کوہائی

۱۳ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر:۳۰۵۴

﴿دوران وضوء بے خبری میں پاؤں پر اسٹیکر لگے رہ جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاؤں پر بے خبری میں اسٹیکر لگا رہ گیا اور اس شخص نے اسی حالت میں وضوء کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں اسے بتلایا گیا کہ آپ کے پاؤں پر اسٹیکر لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے وضوء اور نماز نہیں ہوئی، لہٰذا دوبارہ وضوء کر کے نماز دہرالیں ان صاحب نے فرمایا کہ "بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں وہ معاف ہے، لہٰذا مجھے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں"۔

(۱) کیا ان کا وضوء ہوگیا؟ (۲) نماز دہرانی ہوگی یا نہیں؟ (۳) ان صاحب کا یہ فرمانا کہ "بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں" درست ہے؟ (۴) ان کو بتلانا چاہئے تھا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) اسٹیکر کی وجہ سے اگر پانی عضو تک نہیں پہنچا تو وضوء نہیں ہوا، البتہ اسی جگہ پانی بہادینا کافی ہے، وضوء دہرانے کی ضرورت نہیں ہے (۲) اس جگہ پر پانی ڈالے بغیر اگر اسی وضوء سے نماز پڑھی ہے تو ایسی نماز کا دہرانا ضروری ہے (۳) "بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں" اس سے مراد یہ نہیں کہ فرض بھی ادا ہوجائیگا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس غلطی کا گناہ اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا لیکن فرض کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا (۴) بتلانا چاہیئے تھا لیکن حکمت اور بصیرت کے ساتھ تاکہ بتانے کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو بتانے کا انداز حکمت اور

بصیرت سے اگر خالی ہوگا تو ضد پر اتر آنے میں شیطان کو موقع ملیگا۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۲۰/۱،طبع رحمانیه)

قال رسول الله ﷺ:مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.....الخ.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۲۵،طبع قدیمی)

(وشرط صحته)ای الوضوء (ثلاثة)الاول(عموم البشرة بالماء الطهور)حتى لوبقى مقدار مغرز ابرة لم يصبه الماء من المفروض غسله لم يصح الوضوء.....الخ.

ولمافی البحر:(۱۳/۱،طبع سعید)

ولولصق باصل ظفره طين يابس وبقى قدر رأس ابرة من موضع الغسل لم يجز.....الخ.

ولمافی التنویر مع الدر:(۱۵۹/۱،طبع سعید)

(صح نقل بلة عضو الى)عضو(آخر فيه)بشرط التقاطر(لافي الوضوء)لما مران البدن كله كعضو واحد.....الخ.

ولمافی المرقاة:(۲۹۲/۲،طبع رشیدیه)

"رفع أمتي الخطاوالنسيان ومااستكرهواعليه"......والاجماع على ان حكم الآخرة وهوالمواخذة مراد فلايرد الآخر معه والاعم.....الخ.

ولمافی الشامی:(۳۱۵/۲،طبع سعید)

(قوله ويذكره)أي لزوماكمافي الولوالجية فيكره تركه تحريمابحر.....ثم هذا التفصيل جرى عليه غير واحد،وفي السراج عن الواقعات المختار انه يذكره مطلقانهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۷۲۱

﴿بارش میں بھیگنے والے شخص کے کپڑے اور پاکی بدن کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی بازار سے گھر جا رہا تھا اتنے میں زبردست موسلا دھار بارش شروع ہوگئی وہ شخص گھر پہنچتے پہنچتے سرتاپا پانی میں بالکل بھیگ گیا کیا اس کا وضو ہوگیا؟ کیا انہی کپڑوں میں وہ نماز ادا کرسکتا ہے؟

﴿جواب﴾ اس شخص کا وضو ہوگیا، اگر وضو کی نیت بھی اس نے کی تھی تو وضو کا ثواب بھی اس

کو مل گیا اگر نیت نہیں کی تھی تو وضو کا ثواب اسے نہیں ملے گا، البتہ اس وضو سے نماز ادا کر سکتا ہے رہے، اس کے کپڑے اگر وہ پہلے سے پاک تھے تو بیشک ان میں نماز ادا کر سکتا ہے اگر ناپاک تھے تو دیکھا جائے گا کہ اگر بارش خوب موسلا دھار تھی اور مذکورہ شخص اس میں بالکل نہا گیا اور اس کو یقین یا غالب گمان بھی ہو گیا کہ اس کے کپڑوں سے نجاست نکل گئی ہے تو وہ پاک شمار ہوں گے اور ان میں نماز ادا کر سکتا ہے لیکن اگر بارش تیز نہ تھی بلکہ دھیمی دھیمی تھی جس میں وہ محض بھیگ گیا تو اس کے کپڑے پاک نہیں قرار پائیں گے، لہٰذا ان میں نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔

لمافی الشامی:(۱/۵۴۲،طبع امدادیہ)

ولاشک ان الغسل بالماء الجاری اومافی حکمه من الغدیراوالصب الکثیر الذی یذهب بالنجاسة اصلا ویخلفه غیره مرارابالجریات اقوی من الغسل..... (اوصب علیه ماء کثیر)ای بحیث یخرج الماء ویخلفه غیره ثلاثاالخ.....اقول لکن قد علمت ان المعتبرفی تطهیرالنجاسة المرئیة زوال عینهاولوبغسله واحدة.....فلا یشترط فیهاتثلیث غسل لا عصر،وان المعتبرغلبة الظن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۲

﴿نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لیے وضو کیا تو فرض بھی پڑھ سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لیے جو وضو کیا گیا ہو اس سے پانچ وقتی فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ وضو کسی عمل کے لیے کیا ہو یا ویسے ہی بنایا ہو پانچ وقتی فرائض بھی اس سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

لمافی العالمگیریة:(۱/۲۶،الفصل الأول فی امورلابدمنهافی التیمم،طبع رشیدیه)

لو تیمم لصلاة الجنازة أولسجدة التلاوة أجزاه ان یصلی به المکتوبة بلاخلاف.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۲۴۵،طبع سعید)

(قوله بخلاف صلاة جنازة)أی فان تیممها تجوز به سائرالصلوات لکن عند فقدالماء،واما عندوجوده اذاخاف فوتهافانماتجوزبه الصلوة علی جنازةأخری اذالم یکن بینهمافاصل.

ولما فی رد المختار:(۱/۲۴۵،طبع سعید)

(قوله أو سجدة تلاوة)أی فتصح الصلاة بالتیمم لها عند عدم الماء،واما عند وجوده فلا یصح التیمم لها لما علمت من انها تفوت الی بدل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۵۲

﴿وضو کے بعد تھوڑی سی جگہ خشک رہ جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ میں وضو کر کے جماعت میں شامل ہونے کے لئے صف میں پہنچا تو مجھے یاد آیا کے میں نے جو انگوٹھی پہنی ہے وہ خاصی تنگ ہے اور دوران وضو میں نے اسکو ہلا کر پانی نہیں پہنچایا تو میں نے انگلی کے اردگرد لگی ہوئی تری اس پر مل دی اور جماعت میں شریک ہو گیا،سوال یہ ہے کہ اسطرح کرنے سے میرا وضو ہو گیا؟اور اس وضو سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی:محمد نبیل

﴿جواب﴾ وضو میں اعضاء وضو پر اسطرح پانی بہانا کہ بال برابر جگہ خشک نہ رہے یہ ضروری ہے،آپ نے اسی عضو کی تری کو باقی ماندہ خشک جگہ پر مل دیا تو وضو کی کمی پوری ہو گئی بشرطیکہ تری پانی کی صورت میں تھی صرف گیلا پن کافی نہیں ہے اس وضو سے پڑھی ہوئی نماز بھی درست ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۵۹ طبع سعید)

(صح نقل بلة عضو الی)عضو(آخر فیه)بشرط التقاطر(لا فی الوضوء)ان البدن کله کعضو واحد.

وفی الشامیة:(قوله الی عضو آخر)مفاده انه لو اتحد العضو صح فی الوضوء ایضا کما صرح به القهستانی.

ولما فی القهستانیج:(۱/۴۰،طبع سعید)

واعلم ان نقل البلل من عضو الی عضو عند ارسال الماء یجوز فی الغسل لا فی الوضوء ویجوز نقله من عضو الیه فی کلیهما.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۵۴۱

﴿گردن سمیت گلے پر مسح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ وضو کرتے ہوئے گردن پر مسح کرنے کے ساتھ گلے پر بھی مسح کرجاتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ گلے پر مسح کرنے کو فقہاء کرام نے بدعت لکھا ہے، لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۲۸،طبع امدادیه)

ومسح رقبة بظهر يديه لاالحلقوم لانه بدعة.وفي الشامية:(قوله لانه بدعة)اذلم يرد في السنة.

ولمافی الهندية:(۱/۸،طبع رشيديه)

(والثاني مسح الرقبة)وهوبظهراليدين وأمامسح الحلقوم فبدعة كذافي البحرالرائق)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۹ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۸

﴿پاؤں کی پھٹن میں دوا بھرنے کے بعد وضو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سردی یا بیماری کی وجہ سے پاؤں کی پھٹن میں دوائی بھر دی ہے وضو کرتے ہوئے پانی پاؤں کی پھٹن میں نہیں پہنچتا اب وضو کا کیا حکم ہے؟ دوائی ہٹا کر وضو کرے یا بغیر ہٹائے؟

مستفتی: عبدالعزیز

﴿جواب﴾ پھٹن میں دوا بھرنے کے بعد وضو کرتے ہوئے اس پر پانی بہانا کافی ہے دوا ہٹا کر وضو کرنے کی ضرورت نہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد دوا لگائی جائے۔

لمافی الدرالمختارمع رد المحتار:(۱/۲۱۷،طبع امدادیه)

في أعضائه شقاق غسله ان قدر والا مسحه والا تركه ولوبيده. وفي الشامية:ولوكان في رجله شقاق فجعل فيه الدواء يكفيه امرار الماء فوقه ولا يكفيه المسح.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/۲۳،طبع رشیدیه)

لوجعل الشحم في شقاق الرجل وغسل رجله ولم يصل الماء اليه جازان كان يضره ايصال الماء اليه وان خرزه جاربكل حال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۵ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۶

﴿آنکھوں کے اندر لینسز وضواور غسل کیلئے مانع نہیں﴾

﴿سوال﴾ لینسز (نظر وغیرہ کے شیشے جو بجائے عینک کے آنکھوں کے اندر ڈالے جاتے ہیں) کے ہوتے ہوئے وضوء غسل وغیرہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ ضرورت کی وجہ سے اگر جسم میں کوئی چیز لگائی ہے اور اسکے اتارنے میں حرج ہو (مثلاً مصنوعی دانت یا دانت پر چاندی کا خول وغیرہ لگایا ہو) تو اس جگہ پانی پہنچانا وضوء، غسل وغیرہ میں ضروری نہیں ہوتا جبکہ آنکھوں میں تو ویسے بھی غسل اور وضوء میں پانی پہنچانا ضروری نہیں، لہٰذا لینسز کی وجہ سے وضوء اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لما في الجوهرة النيرة: (١٠/١، طبع مير محمد)

(قوله يلحقه حكم التطهير) يعني يجب تطهيره في الحدث أو الجنابة حتى لو سال الدم الى ما لان من الانف نقض الوضوء بخلاف ما اذا نزل البول الى قصبة الذكر لانه لا يلحقه حكم التطهير واحترز بقوله حكم التطهير عن داخل العينين وباطن الجرح و قصبة الانف وانما لم يقل يلحقه التطهير لانه لو قال ذلك دخل تحته باطن العين و باطن الجرح لانه لا يستحيل تطهيره لان حقيقة التطهير فيه ممكنة واما حكمه فقد رفعه الشارع للضرورة.

ولما في التنوير مع الدر: (١٥٢/١، طبع سعيد) (لا) يجب (غسل ما فيه حرج كعين)

وفي الشامي: (قوله كعين) لان في غسلها من الحرج ما لا يخفى لانها شحم لا تقبل الماء. الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　والله اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۴۵۷

﴿وضوء کی تری کو خشک کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ وضوء کے بعد وضو کی تری کو رومال وغیرہ سے صاف کرنے کو مکروہ کہتے ہیں کیا انکا یہ کہنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ وضوء کے بعد وضوء کی تری کو رومال وغیرہ سے صاف کرنا جائز ہے ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''رومال وغیرہ سے صاف کرنا مکروہ ہے'' درست نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶/۲۶۳،طبع سعید)

(لا)یکرہ(خرقۃ لوضوء)بالفتح بقیۃ بللہ.

وفی الشامیۃ:(قولہ لایکرہ خرقۃ الخ)ھذا ھو ما صححہ المتأخرون لتعامل المسلمین،وذکر فی غایۃ البیان عن أبی عیسی الترمذی أنہ لم یصح فی ھذا الباب شیء أی من کراھۃ أو غیرھا وقد رخص قوم من الصحابۃ ومن بعدھم التمندل بعد الوضوء،وتمامہ فیہ ثم ھذا فی خارج الصلاۃ لما فی البزازیۃ،وتکرہ الصلاۃ مع الخرقۃ التی یمسح بھا العرق،ویؤخذ بھا المخاط لا لأنھا نجسۃ،بل لأن المصلی معظم والصلاۃ علیھا لا تعظیم فیھا.

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۴

﴿وضوء پر وضوء کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی باوضو ہے دوبارہ وضو کرنا چاہتا ہے تو یہ عمل اسراف تو نہ ہوگا؟

﴿جواب﴾ باوضو آدمی کے لئے دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایسے شخص کو دس نیکیاں ملتی ہیں لیکن اگر دوسری مرتبہ کے بعد تیسری مرتبہ پھر وضو کرتا ہے تو یہ عمل اسراف ہوگا،ہاں اگر دوسرے وضو سے کوئی عبادت مقصودہ کیا ہو تو پھر تیسری بار وضو کرنا بھی مستحب ہوگا۔

لما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۱،طبع امدادیہ)

لکن یرد ما فی شرح المنیۃ الکبیر حیث قال ... لکن ذکر سیدی عبدالغنی النابلسی ان المفھوم من اطلاق الحدیث مشروعیتہ،ولو بلا فصل بصلاۃ او مجلس آخر ولا اسراف فیما ھو مشروع،اما لو کررہ ثالثا او رابعا فیشترط لمشروعیتہ الفصل بما ذکر،والا کان اسرافا محضاً.

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد قذافی

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۶

﴿وضوء کے بچے ہوئے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کیا وضوء کے آداب میں سے یہ آتا ہے کہ وضوء کا بچا

ہوا پانی پیا جائے اسی طرح کیا ٹونٹی سے وضوء کرتے ہوئے بھی باقی پانی پینا وضوء کے آداب کو شامل ہے؟ مستفتی: محمد اسحاق صاحب نارتھ کراچی

﴿جواب﴾ وضوء کے بعد کھڑے ہوکر پانی پینا سنت سے ثابت ہے لہذا یہ مستحب عمل ہے، وضوء لوٹے سے ہو، ٹونٹی سے یا حوض وغیرہ سے اسکے بعد اتباع سنت کے ارادہ سے جو شخص پانی پیئے گا بلاشبہ، اسکی فضیلت بھی پائیگا۔

لما فی سنن النسائی:(۱/۳۳، طبع قدیمی)

عن ابی حية قال رأيت علياً توضأ ثلاثاثلاثاثم قام فشرب فضل وضونه وقال صنع رسول الله ﷺ كما صنعت.

ولما فی الشامی:(۱/۱۲۹، طبع سعید)

(قوله وان يشرب بعده من فضل وضونه) بقى شئ وهو أن الشرب من فضل الوضوء فيما لو توضامن اناء كابريق مثلا، امالو توضا من نحو حوض فهل يسمى مافيه فضل الوضوء فيشرب منه اولا؟ فليحرر هذا وفى الذخيرة عن فتاوى أبى الليث الماء الموضوع للشرب لا يتوضابه مالم يكن كثيراً، والموضوع للوضوء يجوز الشرب منه ثم نقل عن ابن الفضل انه كان يقول با لعكس، فعلى هذا هل له الشرب من فضل الوضوء لا نه من توابعه ام لا؟ والظاهر الأول. تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۱ جمادالثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۲۷۶

﴿حضور ﷺ ایک ’’مد‘‘ ۷۹۶.۰۶۸ گرام‘‘ پانی سے وضو فرماتے تھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور ﷺ عام طور پر وضو میں کتنا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے؟ مستفتی حاجی ابراہیم صاحب شاہ حسن خیل

﴿جواب﴾ حضور ﷺ عام طور پر وضو میں ایک مد پانی استعمال فرماتے تھے، جو کہ (۲۶۰ درھم) کے برابر ہے، جس کا وزن بحساب تولہ (۶۸ تولہ اور ۳ ماشہ) ہے اور رائج الوقت اوزان کے مطابق (۷۹۶.۰۶۸ گرام) بنتا ہے۔

لما فی صحیح البخاری:(۱/۳۳،طبع قدیمی)

حد ثنا ابو نعیم قال حد ثنا مسعر قال حد ثنی ابن جبیر قال سمعت انسا یقول کان النبی صلی الله علیه وسلم یغسل او کان یغتسل بالصاع الی خمسة امداد ویتوضا بالمد.

واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی
فتویٰ نمبر:۲۰۷۹

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿دورانِ وضو گفتگو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران وضو بات چیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: شیر احمد

﴿جواب﴾ دوران وضو بلا ضرورت کے گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ کوئی ضروری بات ہو تو اسکی گنجائش ہے۔

لما فی حاشیة الطحطاوی:(۱/۳۵،طبع قدیمی)

ویکره التکلم بکلام الناس مالم یکن لحاجة تفوته بترکه قاله ابن امیرحاج لانه یشغله عن الادعیة ولاجل تخلیص الوضوء من شوائب الدنیالانه مقدمة العبادة وذکر بعض العارفین أن الاستحضار فی الصلاة یتبع الاستحضار فی الوضوء وعدمه فی عدمه.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/۲۵۰،طبع امدادیه)

وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجة تفوته.

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی
فتویٰ نمبر:۳۶۲

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿کانوں کے مسح کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کانوں کا مسح شہادت کی انگلیوں سے کرنا چاہیئے یا چنگلیوں سے کرنا چاہیئے؟

مستفتی: شہروز صاحب

﴿جواب﴾ ابن ماجہ نے حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے کانوں کا مسح فرمایا اس طور

پر کہ شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے اندر کا مسح فرمایا اور انگوٹھوں سے کانوں کے باہر کا مسح فرمایا اسی طرح حلوائیؒ اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ چھنگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں داخل کرے اور حرکت دے اور فرمایا کہ اسی طرح حضور پاک ﷺ نے کیا ہے فقہاء نے پہلی حدیث کو سنت پر محمول کیا ہے اور دوسری کو استحباب پر۔

لمافي فتح القدير:(۲۷/۱،طبع رشيديه)

(قوله ومسح الاذنين)عن الحلواني وشيخ الاسلام يدخل الخنصر في اذنيه ويحركهما كذا فعل رسول الله ﷺ انتهى.والذي في ابن ماجه باسناد صحيح عن ابن عباسؓ انه ﷺ مسح اذنيه فادخلهما السبابتين وخالف ابهاميه الى ظاهر اذنيه فمسح ظاهرهما وباطنهما.

ولمافي ردالمحتار:(۲۲۳/۱-۲۲۹،طبع امداديه)

قوله(واذنيه)اى باطنهما بباطن السبابتين وظاهرهما بباطن الابهامين قهستاني...... ومن آدابه ادخال خنصره المبلولة صماخ اذنيه عندمسحهما.

ولمافي الهندية:(۷/۱،طبع رشيديه)

ويمسح ظاهر الاذنين بباطن الابهامين وباطن الاذنين بباطن السبابتين كذافي السراج الوهاج.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصوب: محمد عبداللہ چارسدوی

۱۶محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۶۳۲

﴿پلاسٹک سرجری کروانے سے وضوء اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض عورتیں چہرے کی پلاسٹک سرجری کرواتی ہیں، بتاتے ہیں کہ چہرہ پر ایک زائد چیز جلد نما جیلی لگاتے ہیں تو ایسی صورت میں وضوء اور غسل کا کیا حکم ہے؟ مستفتیہ: معلمہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ پلاسٹک سرجری میں ہماری معلومات کے مطابق کوئی زائد چیز نہیں لگائی جاتی، اور اگر لگائی بھی جاتی ہے جیسا کہ آپکے علم میں ہے تو بھی غسل اور وضوء کیلئے مانع نہیں ہے، اسلئے کہ جو چیز جسم کیساتھ پوری طرح پیوست ہو کر اس کا حصہ بن جائے اور اسکا دور کرنا مشکل ہو جیسے دانت کا خول وغیرہ تو وضوء اور غسل میں اسی کے اوپر پانی بہانا کافی ہوتا ہے دور کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

لما فی الشامی:(۱/۱۵۲،طبع سعید)

ویجب أی یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلا حرج مرۃ کاذن وسرۃ وشارب وحاجب واثناء لحیۃ وشعر رأس......لایجب غسل مافیہ حرج کعین وان اکتحل بکحل نجس وثقب انضم(وان انضم الثقب بعدنزع القرط وصاربحال ان أمر علیہ الماء یدخلہ وان غفل لا،فلابدمن امرارہ ولایتکلف لغیرالامرارمن ادخال عود ونحوہ فان الحرج مدفوع)

ولمافی حلبی کبیر:(ص۴۸،طبع سہیل اکیڈمی)

امرأۃ اغتسلت هل تتكلف فی ایصال الماء الی ثقب القراط ام لا،قال تتكلف فیه كما تتكلف فی تحریک الخاتم،ان كان ضیقا،والمعتبرفیه غلبة الظن بالوصول ان غلب علی ظنها ان الماء لایدخله الابتكلف تتكلف وان غلب انه وصله لاتتكلف سواء كان القرط فیه ام لا...... الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد ادریس چارسدوی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۵۰۰

﴿بیسن سے وضو کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں آج کل گھروں میں بیسن لگے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے ہوکر بیسن سے وضو کر لیتے ہیں کیا اس طرح وضو ہو جاتا ہے، نیز اس وضو کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ بیسن سے کھڑے ہوکر وضو کیا جاتا ہے اور کھڑے ہوکر وضو کرنا آداب وضو کے خلاف ہے، اس لئے کہ آداب وضو میں سے ہے کہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرے اور وضو میں آداب کی رعایت نہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، پس بیسن سے وضو ہو جاتا ہے لیکن ادب کی رعایت نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اس کا معمول نہیں بنانا چاہیئے، ہاں بعض لوگوں کیلئے بیٹھ کر وضو کرنا دشوار ہوتا ہے ایسے لوگ معذور کے حکم میں ہیں ان کا وضو مکروہ نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۲۵۰،طبع امدادیہ)

ومن آدابہ......الجلوس فی مکان مرتفع تحرزاعن الماء المستعمل وعبارۃ الکمال وحفظ ثیابہ من المتقاطر وھی اشمل.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص۳۱،طبع قدیمی)

من آداب الوضوء......الجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الغسالۃ.

ولما فی الشامی:(۱/۲۴۶-۲۴۸،طبع امدادیہ)

وھو المختار من عدم الفرق بین المستحب والمندوب والادب کما فی حاشیۃ نوح أفندی علی الدر......وقدمنا ان ترک المندوب مکروہ تنزیھا.

وکذا فی النھر الفائق:(۱/۵۰،طبع قدیمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق غفرلہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:

﴿ کیا وضوء اور غسل میں مصنوعی دانتوں کے نیچے پانی پہنچانا ضروری ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مصنوعی دانت لگوائے تو وضو اور غسل کے دوران انکے نیچے پانی پہنچانا ضروری ہے؟ مستفتی: رشید صاحب

﴿جواب﴾ مصنوعی دانت اگر مستقل طور پر لگوائے جائے اور انکا ہٹانا متعذر ہو یا آسانی نہ ہٹائے جاسکتے ہوں تو وضو اور غسل کے دوران انکے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۴،طبع سعید)

(ولا یمنع) الطھارۃ (ونیم) ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ (وحناء) ولو جرمہ (بہ یفتی)

وفی الشامیۃ:(قولہ بہ یفتی) صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطین والدرن معللا بالضرورۃ والظاھر ان ھذہ الاشیاء تمنع الاسالۃ فالاظھر التعلیل بالضرورۃ.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۴۶،طبع سھیل اکیڈمی)

واما فرائض الغسل فالمضمضۃ والاستنشاق وغسل سائر البدن الی ان قال الا ما تعذر ایصال الماء الیہ حقیقۃ او حکما للحرج.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۳،طبع رشیدیہ)

ومواضع الضرورۃ مستثناۃ عن قواعد الشرع کذا فی الظھیریۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱

﴿جس کے ہاتھ، پاؤں کٹے ہوئے ہوں وہ وضوء کیسے کرے؟﴾

﴿سوال﴾ اگر کسی شخص کا ہاتھ سرے سے کٹا ہوا ہو یا پاؤں کٹا ہوا ہو تو وہ وضوء کیسے کرے؟

﴿جواب﴾ ہاتھ یا پاؤں سرے سے کٹا ہوا ہے تو اس کے دھونے کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے، باقی اعضاء دھونے سے اس کا وضو مکمل ہو جائے گا، البتہ اگر ہاتھ کہنی تک، پاؤں ٹخنے تک کٹ گیا ہو تو اس کٹی ہوئی جگہ کا دھونا بھی ضروری ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۱۰۲،طبع سعید)

(ولو قطع الخ)قال فی البحر:ولوقطعت یده اورجله فلم یبق من المرفق والکعب شئ سقط الغسل،ولوبقی وجب.اه.وهکذافی الفتح:(۱/۱۳،طبع رشیدیه)

ولمافی البحر:(۱/۱۳،طبع سعید)

ولوقطعت یده اورجله فلم یبق من المرفق والکعب شئ سقط الغسل ولوبقی وجب ملخصاوهکذافی الهندیة:(۱/۵،طبع رشیدیه)

ولمافی التاتارخانية:(۱/۷۰،طبع قدیمی)

ولوقطعت رجله من الکعب وبقی النصف من الکعب یفترض علیه غسل مابقی من الکعب اوموضع القطع ،وان کان القطع فوق الکعب اوفوق المرفق لم یجب غسل موضع القطع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد حسن

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۶۵

﴿وضوء میں اعضاء کو تین مرتبہ سے زائد دھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت وضوء کرتے وقت اپنے اعضاء کو آٹھ آٹھ مرتبہ دھوتی ہے، عورتوں نے انکو منع کیا کہ وضو میں اعضاء کو تین مرتبہ سے زائد دھونا جائز نہیں ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ میں زیادہ اس لئے دھوتی ہوں تاکہ مجھے زیادہ ثواب مل جائے آپ سے درخواست ہے کہ اس عورت کا یہ نظریہ کس حد تک درست ہے؟

﴿جواب﴾ وضو میں صرف تین مرتبہ اعضاء کو دھونا سنت ہے، مذکورہ نظریہ کہ زیادہ دھونے

میں ثواب ہے خلاف سنت اور گناہ ہے، البتہ اگر اس نظریہ سے نہ ہو صرف اطمینان کیلئے تین مرتبہ سے زیادہ دھولیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الهداية:(۲۱/۱،طبع رحمانيه)

وتكرار الغسل الى الثلث لان النبى ﷺ توضأمرة مرة وقال هذا وضوء لايقبل الله تعالى الصلاة الا به وتوضاء مرتين مرتين وقال هذا وضوء من يضاعف الله له الاجر مرتين وتوضاء ثلاثا ثلاثا وقال هذا وضوئى ووضوء الانبياء من قبلى فمن زاد على هذا أونقص فقد تعدى وظلم والوعيد لعدم رويته سنة.وفتح القدير:(۲۷/۱،طبع رشيديه)

ولما فى حلبى كبير:(ص۲۶،طبع سهيل اكيڈمى)

ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا ثم قال هكذا الوضوء فمن زاد على هذا او نقص فقد اساء وظلم وفى لفظ لابن ماجة تعدى وظلم وللنسائى اساء وتعدى وظلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۴۹

﴿وضوء کے لئے واٹر پروف میک اپ کا اتارنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسا میک اپ جو پانی کا اعضائے وضو تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو کیا ایسا میک اپ اتارے بغیر وضو کرنے سے وضو ہو جائے گا؟

مستفتیہ: متعلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ جو میک اپ وضو کے اعضاء تک پانی پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اسے اتارے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے۔

لمافى التاتارخانية ۲۷/۱،طبع: قديمى

"وهل يجب ايصال الماء الى ماتحت الاظافير؟ قال الفقيه ابوبكر: يجب ايصال الماء الى ماتحته حتى ان الخباز اذاتوضأوفى اظفاره عجين".

ولمافى الهندية ۴/۱،طبع: رشيديه

"وماتحت الاظافير من اعضاء الوضوء حتى لوكان فيه عجين يجب ايصال الماء الى ماتحته كذافى الخلاصة والخضاب اذاتجسد ويبس يمنع تمام الوضوء.

والغسل كذافي السراج الوهاج ناقلاعن الوجيز".

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین کلکتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۶۳۹

﴿ناخن پالش کے ساتھ وضوء اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے ملک میں اکثر مستورات ناخن پالش استعمال کرتی ہیں ناخنوں پر پالش ہوتے ہوئے وضوء اور غسل ہو جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ہماری معلومات کے مطابق ناخن پالش دو طرح کی استعمال ہوتی ہے ایک تو صرف رنگ چھوڑنے والی پالش ہے اس کا کوئی استر نہیں ہوتا چونکہ صرف رنگ پانی کی سرایت کیلئے مانع نہیں ہے، اس لیے ایسی پالش کے ساتھ وضوء اور غسل ہو جائے گا جبکہ دوسری قسم وہ ہے، جسکا باقاعدہ استر ہوتا ہے اور وہ پانی کی سرایت کیلئے مانع ہوتا ہے، ظاہر بات ہے جب پانی نہیں پہنچے گا تو وضوء اور غسل درست نہیں ہوگا، لہٰذا ایسی پالش استعمال نہ کریں یا وضوء اور غسل سے پہلے اس کے استر کو دور کرنے کا بندوبست کریں، رنگ خواہ باقی رہے لیکن استر دور کرنا ضروری ہے۔

لمافي الهندية:(۱/۴،طبع رشيديه)

في فتاوى ماوراء النهران بقي من موضع الوضوء قدررأس ابرة اولزق بأصل ظفره طين يابس اورطب لم يجز.

ولمافي الفتاوى التاتارخانية:(۱/۶۷،طبع قديمي)

وهل يجب ، ايصال الماء الى ماتحت الأظافير؟قال الفقيه ابوبكر:يجب ، ايصال الماء الى ماتحته حتى ان الخبازاذاتوضأوفي اظفاره عجين اوالطيان اذاتوضأوفي اظفاره طين يجب ، ايصال الماء الى ماتحته.

ولمافي نورالايضاح:(ص۳۱،طبع قديمي)

ولو انضمت الاصابع اوطال الظفر فغطى الأنملة او كان فيه مايمنع الماء كعجين وجب غسل ماتحته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث وادی سواتی

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر ۱۰۶۷

﴿پٹی پر مسح کرنے کیلئے جراب اتارنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاؤں کے تلوے میں زخم تھا جس پر اس نے پٹی باندھی اور اس پر جراب پہنا اب چونکہ جراب نکالنے میں اسکو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس صورت میں یہ شخص کیا کرے جراب پر مسح کرے یا مسح ہی چھوڑ دے؟ جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: مولانا صابر صاحب

﴿جواب﴾ زخم کیوجہ سے پانی ڈالنا اگر منع ہے تو مسح کرنے کا حکم ہے اور مسح کرنے میں بھی زخم کو نقصان پہنچنے کا اگر اندیشہ ہو تو زخم پر پٹی باندھکر پٹی کے اوپر مسح کرنے کا حکم ہے۔ پٹی کے اوپر جراب پہننے کی ضرورت نہیں ہوتی اگر پہن لیا ہے تو مسح کیلئے جراب نکالنا ضروری ہے۔ البتہ جراب پہننا بھی اگر ضروری ہو اور نکالنے میں سخت دشواری ہو تو ایسی صورت میں جراب بھی پٹی کا حصہ شمار ہوگا اس لئے جراب کے اوپر مسح کرنا کافی ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر والرد(۱/۲۸۰۔۲۸۱ سعید)

(ويمسح)نحو(مفتصد وجريح على كل عصابة)مع فرجتها فى الاصح(ان ضره)الماء (اوحلها)ومنه ان لا يمكنه ربطها بنفسه ولا يجد من يربطها(قوله ان ضره الماء)اى الغسل به اوالمسح على المحل (قوله اوحلها)اى ولو كان بعد البرء بأن التصقت بالمحل بحيث يعسر نزعها،لكن حينئذ على الملتصق ويغسل ماقدر على غسله من الجوانب كمامر، ثم المسألة رباعية كمااشار اليه فى الخزائن،لانه ان ضره الحل يمسح ،سواء ضره ايضا المسح على ماتحتها اولا،وان لم يضره الحل،فاماأن لايضره المسح ايضافيحلها ويغسل مالايضره ويمسح مايضره ،واماأن يضره المسح فيحلها ويغسل كذلك ثم يمسح الجرح على العصابة ،اذالثابت بالضرورة يتقدر بقدرها.

ولما فى فتح القدير(۱/۱۲۱ مطبع رشيدية)

واذازادت الجبيرة على نفس الجراحة فان ضره الحل والمسح مسح على الكل تبعامع القرحة وان لم يضراه غسل ماحولها ومسحها نفسها وان ضره المسح لاالحل يمسح على الخرقة التى على رأس الجرح ويغسل ما حوله تحت الخرقة الزائدة اذالثابت بالضرورة يتقدر بقدرها ،ولم ارلهم ما اذاضره الحل لاالمسح لظهور انه حينئذيمسح على الكل ۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر ۳۹۵۸

﴿انگلیوں میں خلال کب کرنا چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضوء کے دوران انگلیوں میں خلال کب کرنا چاہیئے؟ مستفتی: فاروق شاہ سواتی

﴿جواب﴾ ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھوتے وقت اور پیر کی انگلیوں کا خلال پیر دھوتے وقت کرنا چاہیئے۔

لمافی التاتار خانیة:(۸۱/۱،طبع قدیمی)

والتخليل انمايكون بعدالتثليث وتخليل الاصابع بعدايصال الماء اليهاسنة......الخ

ولمافی التنویرمع الدر:(۱۱۷/۱،طبع سعید)

(و)تخليل (الاصابع)اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصريده اليسرى بادئا بخنصر رجله اليمنى الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۱

﴿باب المسح علی الخفین﴾

﴿موزوں پر مسح کے احکام﴾

﴿موزوں کی تعریف اور حکم﴾

﴿سوال﴾ موزے اور جراب کی کیا تعریف ہے؟ کیا ہر قسم جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ مغیرہؓ ابن شعبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے خواہ وہ سوتی ہوں، اونی یا نائیلون کے بنے ہوئے ہوں جو آجکل رائج ہیں، اور چونکہ حدیث کے اندر کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے تو فقہاء نے جو قیدیں لگائی ہیں ان کا کوئی ثبوت ہے؟

﴿جواب﴾ جراب سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، ایسے موزوں پر دونوں طرف چمڑا بھی چڑھا ہوا ہو تو اس کو "مجلد" کہتے ہیں اور اگر صرف نچلے حصے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو "منعل" کہتے ہیں اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں تو ایسے موزوں کو

"خفین" کہتے ہیں۔

ان تینوں قسموں پر مسح بالاتفاق جائز ہے اور اگر جرابیں مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی سوتی، اونی یا نائیلون کی جرابیں ہوں جو آج کل رائج ہیں تو ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔

البتہ عام رائج جرابوں کے علاوہ کوئی خاص جراب ہو جس کو فقہاء کرام نے "ثخینین" سے تعبیر کیا ہے تو ایسی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے لیکن "ثخینین" میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) شفاف نہ ہوں یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے (۲) اتنی گاڑھی اور موٹی ہوں کہ بغیر جوتے ان کو پہن کر تین میل چلے تو نہ پھٹیں (۳) ایسی موٹی اور سخت ہوں کہ بغیر باندھے پہنا جائے تو نہ گرے۔

باقی رہی یہ بات کہ فقہاء نے جو کپڑے وغیرہ کی جرابوں میں قیدیں لگائی ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں لگائی بلکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے سورۃ مائدہ میں وضوء کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں پاؤں کو دھونے کا حکم دیا ہے نہ کہ ان پر مسح کرنے کا، لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو میں پاؤں ہمیشہ دھوئے جائیں اور ان پر مسح کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو لیکن چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں متواتر صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں بعض حضرات نے اس حدیث کے روایت کرنے والے صحابہ کو شمار کیا تو (۸۰) اسی سے متجاوز تھے جن میں عشرہ مبشرہؓ بھی شامل ہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: بدائع الصنائع: (۱/۷، طبع سعید)

ادرکت سبعین بدریا من الصحابة کلهم کانوا یرون المسح علی الخفین.

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے اور اس قسم کی احادیث سے قرآن کریم کی کسی حکم کی تخصیص کی جاسکتی ہے چونکہ عربی زبان میں "خف" چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں کپڑے کے موزوں کو "خف" نہیں کہا جاتا، اس لئے یہ اجازت صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص رہے گی، جرابوں کو یہ حکم شامل نہیں ہے۔

البتہ جراب اتنی ثخین (موٹی) ہوں کہ وہ اپنی خصوصیات اور اوصاف میں چمڑے کے ہم پایا ہوگئی ہوں یعنی نہ تو ان میں پانی چھنتا ہو نہ انہیں کھڑا رکھنے کے لئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو اور ان کو پہن کر میل دو میل چل سکتے ہوں تو جرابوں کو موزوں پر قیاس کرتے ہوئے ائمہ حضرات نے ان کو بھی موزوں کا حکم دیا ہے اور ان پر مسح کو جائز قرار دیا ہے، باقی جن روایات سے عام جرابوں پر مسح کرنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے وہ سب ضعیف ہیں یا خبر واحد ہیں جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی ہے، چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت جس کو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے محدثین کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے امام ابوداؤد، یحیٰ ابن معین، علی بن المدینی اور عبدالرحمٰن مہدی جیسے ائمہ حدیث سے اس کی تضعیف منقول ہے اور ضعف کی وجہ ابو قیس اور ہزیل بن شرحبیل ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں اور ضعیف حدیث کے ذریعہ فرض حکم میں تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔

لما في اعلاء السنن: (۱-۲/۲۲۳،طبع دار الكتب العلمية)

قال النسائی فی سننه الكبرى لانعلم احداتابع اباقيس على هذه الرواية، والصحيح عن المغيرة ان النبی ﷺ مسح على الخفين وذكر البيهقي حديث المغيرة هذا وقال انه حديث منكر ضعفه السفيان الثوری وعبدالرحمن بن مهدی واحمدابن حنبل ويحيى ابن معين وعلى ابن المدينی ومسلم ابن الحجاج والمعروف عن المغيرة حديث المسح على الخفين وقال النووی كل واحد من هؤلاء لوانفرد قدم على الترمذی مع ان الجرح مقدم على التعديل، قال واتفق الحفاظ على تضعيفه ولايقبل قول الترمذی انه حسن صحيح وذكر البيهقي فی سننه ان ابامحمد يحيى ابن منصور قال رأيت مسلم بن حجاج ضعف هذا الحديث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ | فتوی نمبر: ۷۵۶

﴿جرابوں پر موزے پہن کر مسح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ اگر جرابوں کے اوپر موزے پہن لیے جائیں تو ان موزوں پر مسح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح اگر جرابوں کے اوپر جوتے نما

موزے جن سے مکمل پاؤں نہیں چھپتے پہن کر مسح کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی. حاجی محمد ادریس باقر صاحب

﴿جواب﴾ ٹخنوں سمیت پیر کو چھپانے والے موزے ہوں نیچے جرابیں ہوں یا نہ ہوں ہر دونوں صورتوں میں ان پر مسح جائز ہے رائج جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے اگر چہ ان کے اوپر جوتے نما چمڑے کے موزے بھی پہن لیے ہوں اس لیے کہ ایسے موزوں میں قدم کا کچھ حصہ بغیر موزے کے رہتا ہے حالانکہ پیر کا وہ حصہ جس کا دھونا فرض ہے موزے کے نیچے چھپا ہوا ہونا ضروری ہے جرابوں سے چھپا ہوا ہونا کافی نہیں ہے جراب کے اوپر سے پانی بآسانی پیر تک پہنچ جاتا ہے. البتہ جراب خوب سخت اور موٹے ہوتے اور جوتا نما موزے جرابوں کے ساتھ سلے ہوئے ہوتے یا بذریعہ گوند وغیرہ چپٹے ہوئے ہوتے یہاں تک کہ موزے جراب کا حصہ بن جاتے تو ایسی جراب منعل کہلاتی ہیں اور ان پر بھی مسح جائز ہوتا ہے. لیکن رائج جرابوں پر جوتا نما نصف موزہ پہننا مسح کے جواز کے لیے کافی نہیں ہے اس طرح کے موزوں پر مسح کر کے کسی نے نماز پڑھی ہو تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔

لما فی الرد المختار ۱/۲۶۹ (طبع سعید)

(قوله أو لفافة) ای کانت ملفوفة على الرجل تحت الخف أو كانت مخيطة ملبوسة تحته كما أفاده في شرح المنية (قوله ولا اعتبار بما في فتاوى الشاذى) بالذال المعجمه على ما رأيته في النسخ لكن الذى رأيته بخط الشارح في خزائن الاسرار بالدال المهمله ثم الذى في هذه الفتاوى هو ما نقله عنها في شرح المجمع من التفصيل وهو ان ما يلبس من الكرباس المجرد تحت الخف يمنع المسح على الخف لكونه فاصلا وقطعة كرباس تلف على الرجل لا تمنع لانه غير مقصود باللبس وقد اطال في رده في شرح المنية والدرر والبحر لتمسك جماعة به من فقهاء الروم قال ح وقد اعتنى يعقوب باشا بتحقيق هذه المسئله في كراسة مبنيا للجواز لما سأله السلطان سليم خان

ولما في البحر الرائق ۱/۱۸۱، ۱۸۲ (طبع سعید)

ونقل من فتاوى الشاذى ان ما يلبس من الكرباس المجرد تحت الخف يمنع المسح على الخف لكونه فاصلا وقطعة كرباس تلف على الرجل لا يمنع لانه غير مقصود باللبس لكن يفهم مما ذكر في الكافي انه يجوز المسح عليه لان الخف الغير الصالح للمسح اذا لم يكن فاصلا فلأن لايكون الكرباس فاصلا اولى .وقد وقع في عصرنا

بین فقهاء الروم بالروم كلام كثير فى هذه المسئله فمنهم من تمسك بما فى فتاوى الشاذى وافتى بمنع المسح على الخف الذى تحته الكرباس ورد على ابن الملك فى عزوه للكافى اذالظاهر انه المراد به كافى النسفى ولم يوجد فيه ، ومنهم من افتى بالجواز وهو الحق لما قدمناه عن غاية البيان

وفى حاشية البحر .(قوله ونقل من فتاوى الشاذى الخ)قال العلامه ابراهيم الحلبى شارح المنية ثم تعليل أئمتنا ههنا بان الجرموق بدل عن الرجل الخ يعلم منه جواز المسح على خف لبس فوق مخيط من كرباس أو جوخ أو نحوهما مما لا يجوز المسح عليه لان الجرموق اذا كان بدلا عن الرجل ، جعل الخف مع جواز المسح عليه فى حكم العدم فلان يكون الخف بدلا عن الرجل ويجعل ما لا يجوز عليه المسح فى حكم العدم أولى كما فى اللفافة .

ولما فى تنوير الابصار ۲۶۱/۱طبع سعيد)

(شرط مسحه ثلاثة امور)الاول. (كونه ساترا)محل فرض الغسل (القدم مع الكعب) أو يكون نقصانه اقل من الخرق المانع.

ولمافى البحر الرائق ۱۸۰/۱ طبع سعيد)

ذكر قاضيخان فى فتاواه ثم الخف الذى يجوزالمسح عليه ما يكون صالحاً لقطع المسافةوالمشى المتتابع عادةويستر الكعبين وما تحتها وما لبس كذلك لا يجوز المسح عليه .

ولما فى الفقه الاسلامى ۳۸۱/۱طبع سعيد)

ان يكون الخف طاهرا ساترا لمحل المفروض غسله فى الوضوء وهو القدم بكعبيه من سائر الجوانب لا من الاعلى فلا يجوز المسح على خف غير ساترا لكعبين مع القدم كما لا يجاز المسح على خف نجس .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی غفرلہ ولوالدیہ

۱۲صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۲۹

﴿مقیم کے لئے مدتِ مسح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ مقیم کے لئے مدت مسح کتنی ہے اور اس کا اعتبار کب سے کیا جائے گا؟ نیز اگر موزوں کا زیب کھل جائے تو کیا حکم ہے؟ مدلل بیان کریں۔

﴿جواب﴾ مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کا اعتبار

موزوں کے پہننے کے بعد پیش آنے والے حدث سے ہوگا مثلاً اس نے نماز فجر کے لئے وضوء کیا اور موزے پہن لئے پھر طلوع شمس کے بعد اس کو حدث لاحق ہوگیا تو اس حدث کے وقت سے مدت مسح کا اعتبار کیا جائے گا۔

لما فی البدائع:(۸/۱،طبع سعید)

قال عامتهم أنه متقدر بمدةفی حق المقیم یوماولیلة.....والصحیح اعتبار وقت الحدث بعداللبس.

زیب سے اگر وہ زیب مراد ہے جو پنڈلی سے ٹخنوں تک لگی ہوتی ہے تو اس کے کھل جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

لما فی البدائع:(۱۰/۱،طبع سعید)

فمنهاأن یکون خفایسترالکعبین لان الشرع وردبالمسح علی الخفین ومایستر الکعبین ینطلق علیه اسم الخف.وفی الهندیة: ولو کان الخرق فی ساق الخف لایمنع جواز المسح.

اور اگر زیب قدم پر لگی ہوئی ہے تو اکثر قدم نکل جانے سے مسح ختم ہوجائے گا دوبارہ دونوں پاؤں کو دھونا ضروری ہوگا۔

لما فی الهندیة:(۳۳/۱،طبع رشیدیه)

وخروج اکثر القدم الی الساق نزع وهو الصحیح.وهکذ افی البدائع (۱۳/۱،طبع سعید) ولو أخرج بعض قدمه أو خرج بغیر صنعه روی الحسن عن أبی حنیفة أنه ان أخرج اکثر العقب من الخف انتقض مسحه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ | فتویٰ نمبر:۸۹

﴿باب التیمم﴾

﴿تیمم کی سنتیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم میں کون کون سی سنتیں ہیں وضاحت کیساتھ بیان کریں۔

مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ تیمم کی مندرجہ ذیل سنتیں ہیں شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ،ترتیب کا لحاظ

رکھنا، پے در پے تیمم کرنا، ہاتھوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کو لانا، پھر ان کو جھاڑنا، انگلیوں کو کشادہ رکھنا تا کہ ان کے درمیان تک غبار آلود ہاتھ پہنچ جائے۔

لما فی الشامی:(۲۳۱/۱طبع: سعید)

وسنة ثمانية :الضرب بباطن كفيه ،واقبالهما ،وادبارهما،ونفضهما،وتفريج اصابعه ،وتسمية ،وترتيب وولاء ،وزاد ابن وهبان فی الشروط الاسلام.

ولما فی الهنديه:(۳۰/۱ طبع: رشيديه)

سنن التيمم سبع اقبال اليدين بعد وضعهما على التراب وادبارهما ونفضهما وتفريج الاصابع والتسمية فی اوله والترتيب والموالاة كذا فی البحرالرائق.

ولما فی فقه الاسلامی:(۶۰۱/۱طبع:رشيديه)

أما سنته عند الحنفية فهی ماياتی :التسمية فی اوله ....الضرب بباطن الكفين. واقبال اليدين بعد وضعهما فی التراب،وادبارهما مبالغة فی الاستيعاب ،ثم نفضهما.......تفريج الاصابع ؛ليصل التراب الی ما بينهما ،الترتيب والموالاة (الولاء)ای مسح المتأخر عقيب المتقدم ،بحيث لو كان الاستعمال بالماء لا يجف المتقدم،كما فعل النبی ﷺ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿ تیمم کن کن چیزوں سے کیا جاتا ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم کن کن چیزوں سے کرنا جائز ہے؟

مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو پاک بھی ہو اور زمین کی جنس میں سے بھی ہو، یعنی وہ جلنے سے راکھ نہ ہوتی ہو اور پگھلانے سے پگھلتی نہ ہو تو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، مثلاً مٹی، پتھر، چونا، گچ وغیرہ وغیرہ۔

لما فی الشامی:(۲۳۹/۱،مکتبه: سعيد)

(قوله من جنس الارض)الفارق بين جنس الارض وغيره ان كل ما يحترق بالنار فيصير رمادا كالشجر والحشيش اوينطبع ويلين كالحديد والصفر والذهب والزجاج ونحوها فليس من جنس الارض.

ولما فی الھندیہ:(۲۶/۱،مکتبہ: رشیدیہ)

کل ما یحترق فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوھا لو ما ینبع ویلین کالحدید والصفر والنحاس والزجاج وعین الذھب والفضۃ ونحوھا فلیس من جنس الارض ....فیجوز التیمم بالتراب والرمل والسبخۃ المنعقدۃ من الارض دون الماء والجص والنورۃ والکحل والزرنیخ والمغرۃ والکبریت والفیروزج والعقیق والبلخش والزمرد والزبرجد

واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۳۲۶۳ ۲۳ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

﴿تیمم کن کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم کن کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو وضوء کو توڑتی ہے وہ وضوء کے تیمم کو بھی توڑتی ہے اور ہر وہ چیز جو غسل کو واجب کرتی ہے وہ غسل کے تیمم کو بھی توڑتی ہے، اور اس کے علاوہ تیمم جس عذر کیوجہ سے جائز ہوا تھا وہ زائل ہو جائے تو بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی الھندیہ:(۲۹/۱، طبع: رشیدیہ)

ینقض التیمم کل شئی ینقض الوضوء کذا فی الھدایہ،وینقضہ القدرۃ علی استعمال الماء الکافی الفاضل عن حاجتہ کذا فی البحر الرائق۔

ولما فی التنویر مع الدر:(۲۵۴/۱،طبع: سعید)

(ناقضہ ناقض الاصل)(ولو غسلا ......(وقدرۃ ماء)ای ما جعل التیمم بدلا عنہ من وضوء اوغسل واعلم ان کل ما نقض الغسل مثل المنی نقض الوضوء ویزید الوضوء بانہ ینتقض بمثل البول فالتعبیر بناقض الوضوء کما فی الکنز یشمل ناقض الغسل، فیساوی التعبیر بناقض الاصل کما فی البحر۔

ولما فی بدائع الصنائع: (۵۲/۱،طبع: سعید)

وأما بیان ما ینقض التیمم فالذی ینقضہ نوعان عام وخاص وأما العام فکل ما ینقض الوضوء من الحدیث الحقیقی والحکمی ینقض التیمم وقد مر بیان ذلک کلہ فی موضعہ وأما لخاص وھو ما ینقض التیمم علی الخصوص فوجود الماء۔

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

﴿تہمت کا غالب گمان ہو تو تیمم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہوا اور رات وہیں ٹھہرا (اور اسکے گھر میں صرف خواتین اور بچے ہیں کوئی مرد نہیں) سونے کی حالت میں اسکو احتلام ہوگیا اب اگر یہ شخص غسل کرنا چاہے تو اس پر تہمت لگنے کا یقین یا کم از کم غالب گمان ہو اور تہمت لگنے کی صورت میں بسا اوقات جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو کیا یہ شخص اس حالت میں تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: امان الحق حقانی چارسدہ

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر اس شخص پر تہمت لگنے کا یقین یا کم از کم غالب گمان ہو اور ایسے علاقہ میں ہو کہ جہاں اس طرح کی بدگمانی پر جان جانے کا خطرہ ہو اور تہمت سے بچنے کی کوئی ممکنہ صورتیں موجود نہ ہوں تو فقہاء کرام نے دشمن یا سانپ وغیرہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے تیمم کرنے کی جو اجازت دی ہے وہ اسکو بھی شامل ہے پھر جیسے اسکو غسل کرنے کا موقع ملے تو غسل کرلے اور اگر اس تیمم سے نماز پڑھ لی ہو تو اس نماز کا اعادہ بھی بعد میں کرلے۔

لمافی مراقی الفلاح::(ص۲۷، ۲۸، طبع قدیمی کراچی)

(ویصح)التیمم (بشروط ثمانیة)...... ومنه(خوف عدو)آدمی اوغیره سواء خاف علی نفسه اوماله اوامانته، وقال صاحب حاشیة الطحطاوی تحت قوله خوف عدوای من العذرلکن ان نشأمن وعیدالعباد وجبت الاعادة، وان نشألاعن شئ فلا کذا وفق صاحب البحر وابن امیر حاج بین قولی وجوب الاعادة ـ وبعد اسطر قوله سواء خاف علی نفسه لان صیانة النفس اوجب من صیانة الطهارة بالماء فان لها بدلا ولا بدل للنفس.

ولمافی الفتاوی الهندیة:(۱/۲۷-۲۸، طبع رشیدیه کوئٹه)

ویتیمم لخوف سبع او عدوسواء کان خائفاعلی نفسه اوعلی ماله هکذافی العنایة والاصل انه متی امکنه استعمال الماء من غیر لحوق ضررفی نفسه اوماله وجب استعماله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ   فتویٰ نمبر: ۲۵۵۹

﴿انڈے پر نجاست لگی نظر نہ آئے تو پاک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ جب

مرغی انڈا دیدے اور بظاہر اس پر کوئی گندگی نہ ہو تو آیا وہ پاک ہے یا ناپاک. اور پانی میں ابالنے سے پانی پاک رہے گا یا نہیں؟

مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ مرغی کے انڈے پر لگی کوئی نجاست اگر ظاہر نہ ہو تو ایسا انڈا پاک ہے۔ پانی میں ابالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا البتہ اس پانی سے وضوء کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

لمافی التنویر مع ردالمختار (۱/۳۴۹ طبع ایچ ایم سعید)

(قوله رطوبة الفرج طاهرة) ولذانقل فی التاتارخانيه ان رطوبة الولدعندالولادة طاهرة وكذاالسخلة اذاخرجت من امها، وكذاالبيضة فلايتنجس بهاالثوب ولاالماء اذاوقعت فيه، لكن يكره التوضئ به للاختلاف.

و لما فی التجنيس والمزيد (۱/۲۲۵ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلاميه كراچی

البيضة اذاخرجت من الدجاجة ،فوقعت فی الماء وهی رطبة، اويبست ثم وقعت فی الماء (لاتفسد) وكذاالسخلة اذاسقطت من امها وهی رطبة اويبست ثم وقعت فی الماء).

ولمافی حلبی الكبيری (۱۳۱، باب الانجاس، طبع نعمانيه كوئٹه)

البيضة اذاوقعت من الدجاجة فی الماء اوالمرقه لاتفسده وكذا السخلة اذا وقعت من امها رطبة فی الماء لاتفسده كذافی كتب الفتاوی وهذالان الرطوبة التی عليهاليست بنجسة لكونهافی محلها۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی ٹانکوی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۹۶۶

﴿حكم التيمم لمن لم يكن معه الماء الكافی لطهارته﴾

﴿ایسے شخص کا تیمم کرنا جسکے پاس اتنا پانی نہ ہو جو طہارت کیلئے کافی ہو﴾

﴿سوال﴾ ماقولكم (رحمكم الله) فی من لا يكون معه الماء علی قدر الكفايةهل يجوزله التيمم او يستعمل الماء علی مابلغ ثم يتيمم ؟

﴿جواب﴾ اقول(وبالله التوفيق) فی الصورة المسئولةيتجه اليه التيمم ولا يلزمه غسل بعض الاعضاء قبل التيمم بل يتيمم عندنا لان الماء غير الكافی بمنزلةالمعدوم هذا اذا وجد من الماء قدرا لايكفی لغسل اعضائه

الفرضیۃمرۃمرۃولو کان معہ الماء یغسل بھا کل العضو مرتین او ثلاثا وینقص عن احدی رجلیہ لا یجوزلہ التیمم وان ثبت انہ ناقص بعد الاستعمال علی وجہ السنۃیعید التیمم اذا کان متیمما لانہ لو اقتصر علی مرۃلکفاہ.

لمافی شرح المنیۃ:(ص ۸۴،طبع سہیل اکیڈمی)

وانماقیدنابالکافی لطھارتہ لان من علیہ الغسل اذاتیمم ثم وجدماء لایکفی لغسلہ او المحدث اذاتیمم ثم وجدماء غیرکاف لوضوئہ لاینتقض تیممہ ولوکان معہ ذالک قبل التیمم جازلہ التیمم بدون الاستعمال..

ولمافی التنویرمع الدر:(۲۵۵/۱،طبع سعید)

(لوقدرۃماء)ولواباحۃفی صلاۃ(کاف لطھرہ)ولومرۃمرۃ.

وفی الشامیۃ:واحترزبہ عمااذاکان یکفی لبعض اعضائہ اویکفی للوضوء وھوالجنب فلا یلزم استعمالہ عندنابتداء کمامرفلاینتقض کمافی الحلیۃ(قولہ ولومرۃمرۃ)فلو غسل بہ کل عضومرتین اوثلاثافنقص عن احدی رجلیہ انتقض تیممہ وھو المختارلانہ لواقتصرعلی مرۃکفاہ.

ولمافی التاتارخانیۃ:(۱۹۵/۱،طبع قدیمی)

کذلکؒ علی ھذاالخلاف المحدث اذاکان معہ من الماء مایکفیہ لغسل بعض الاعضاء یتمم عندناوعندالشافعیؒ یستعمل الماء فیمایکفیہ ثم یتیمم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین غفراللہ لہ

۳۰ذی الحجہ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۷۲

﴿ایسے شخص کا تیمم کرنا جس کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو وضو کے لیے کافی ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو وضو کے لیے کافی ہو بلکہ بعض اعضاء کے لیے کافی ہو تو کیا اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے؟ یا بعض اعضاء کو دھولے اور پھر تیمم کرے؟　　　مستفتی:ایک متعلم

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں اس شخص کے پاس واقعی اتنا کم پانی اگر ہے کہ وہ صرف فرائض وضو پر اکتفاء کرتے ہوئے یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں تک، سر کا مسح، اور دونوں پیر ٹخنوں تک کم از کم ایک بار دھونے کے لیے بھی اگر کافی نہیں ہے تو اس کے لیے تیمم جائز

ہے، بعض اعضاء کو دھونا اس کے لیے کوئی ضروری نہیں ہے یہ ناکافی پانی بمنزلہ معدوم یعنی شرعاً نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

لما فی التارتارخانیہ:(۱/ ۱۹۵، طبع قدیمی)

المحدث اذا كان معه من الماء ما يكفيه لغسل بعض الاعضاء يتمم عندنا وعند الشافعي يستعمل الماء فيما يكفيه ثم يتيمم.

ولما فی التنویر الابصار مع الدر:(۱/۲۵۵،طبع سعید)

(وقدرة ماء) ولو اباحة في صلاة (كان لطهره) ولو مرّة مرّة وفي الشامية: واحترز به عما اذا كان يكفي لبعض اعضاءه او يكفي للوضوء وهو الجنب فلا يلزم استعماله عندنا ابتداء كما مرّ فلاينتقض كما في الحلية (قوله ولو مرّة مرّة) فلو غسل به كل عضو مرتين او ثلاثاً فنقص عن احدى رجليه انتقض تيممه وهو المختار لانه لو اقتصر على مرّة كفاه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۳۱

﴿ تیمم کی ایک خاص صورت کا بیان ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی جنگل میں سفر کر رہا ہے دوران سفر نماز کا وقت ہو گیا اور مسافر کے کپڑے ناپاک ہیں اور پانی بھی کم ہے صرف وضوء کے لیے کافی ہو سکتا ہے یا صرف ناپاکی دور کر سکتا ہے تو اس صورت میں مسافر کے لیے کیا حکم ہے وضوء کر کے ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھے یا ناپاک کپڑے دھو کر تیمم سے نماز پڑھے؟

﴿جواب﴾ عموماً زیر استعمال پورے لباس کو یعنی شلوار قمیص دونوں کو نجاست نہیں لگتی، بلکہ صرف شلوار یا قمیص کے ایک حصے کو نجاست لگتی ہے، ایسی صورت میں صرف ناپاک کپڑے سے ستر عورت کرنا ضروری ہے قمیص سے ہو خواہ شلوار سے۔

البتہ ممکن ہے کہ دونوں کو نجاست لگی ہو اور ستر چھپانے کے لیے پاک کپڑوں کا بقدر کفایت کوئی بھی انتظام نہ ہو سکے اور پانی بھی صرف اتنا ہو کہ بقدر ضرورت کپڑے کو پاک کرنے کی صورت میں وضوء کے لیے نہیں بچتا تو ایسی صورت میں پہلے ظاہری نجاست دور کرنا ضروری ہے،

پانی نہ رہے تو تیمم سے وضوء کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔اور اگر اس نے پہلے وضوء بنالیا اور کپڑا پاک کرنے کے لیے پانی باقی نہ رہا اور نجس کپڑوں میں نماز پڑھ لی تب بھی نماز ہو جائیگی لیکن گناہ ہوگا۔

لما فی العالمگیریۃ: (۱/۳۲ قدیمی کتب خانہ)

مسافر محدث نجس الثوب معه ماء يكفي لاحدهما يغسل به النجاسة ويتيمم للحدث ولو تيمم اولاً ثم غسل النجاسة يعيد التيمم لانه تيمم وهو قادر على ما يتوضا به كذا في محيط السرخسي ،وان توضا بالماء وصلى في الثوب النجس جاز ويكون مسيئاً فيما فعل كذا في قاضي خان

ولما فی المحیط البرہانی: (۱/۲۹ طبع بیروت)

استشهد محمدؒ في "الكتاب" لايضاح مذهبه بمسألة فقال الا ترى ان الرجل ان كا ن بثوبه او بجسده اكثر من قدر الدرهم و احدث ،فلم يجد ماء ويتيمم ،ثم وجد ماء يكفي احدهما فانه ينصرف الى غسل النجاسة ،لانها اغلظ من الحدث ،لانه يتوهم ان يعم البدن وليس للماء بدل في تطهيرها ،والحدث لا يعم البدن وللماء بدل في رفعه ،فعلم انها اغلظ فلهذا يصرف الماء اليها ،ثم يعيد تيممه للحدث ،مع ان هذا الماء مستحق الصرف الى النجاسة .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق الکی
۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ	فتویٰ نمبر: ۳۳۷۴

﴿سنگ مرمر اور ٹائیل پر تیمم کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی ٹائیل پر جس پر بالکل گرد و غبار نہ ہو اسی طرح وہ سنگ مرمر جو کہ بالکل ملائم ہو ان پر تیمم کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور تیمم کن کن چیزوں پر کیا جا سکتا ہے؟

مستفتی: محمد ارسلان ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ سنگ مرمر اور ٹائیلو وغیرہ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے اس پر گرد و غبار ہو یا نہ ہو، تیمم کرنا ہر اس چیز پر جائز ہے جو کہ زمین کی جنس میں سے ہو اور جلنے سے نہ جلے اور نہ پگھلنے سے پگھلے۔

لما فی فتح القدیر: (۱/۱۳۱، طبع رشیدیہ)

ويجوز التيمم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله بكل ما كان من جنس الارض كالتراب

والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ وقال ابو يوسف لايجوز الا بالتراب والرمل.

قال صاحب فتح القدير: قيل ما كان بحيث اذا حرق لا ينطبع ولا يترمد اى لا يصير رمادا فهو من أجزاء الارض فخرجت الاشجار والزجاج المتخذ من الرمل وغيره والماء المنجمد والمعادن الاان تكون فى محالها فيجوز للتراب الذى عليها لا بها نفسها، ودخل الحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت.

ولما فى العناية: (۱۳۲/۱، طبع رشيدیه)

قيل كل ما يحترق بالنار فيصير رمادا كالشجر او ينطبع او يلين كالحديد فليس من جنس الارض.

ولما فى الدر المختار: (۲۳۹/۱، طبع سعيد)

(بمطهر من جنس الارض وان لم يكن عليه نقع) اى غبار .. (فلا يجوز) بلؤلؤ ولو مسحوقا لتولده من حيوان البحر .. ولا (بمنطبع) كفضة وزجاج و(مترمد) بالاحتراق الارماد الحجر فيجوز كحجر مدقوق أو مغسول وحائط مطين أو مجصص.

ولما فيه ايضا: (۲۲۹/۱، طبع سعيد)

(هو قصد صعيد مطهر واستعماله) حقيقة او حكما ليعم التيمم بالحجر الاملس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۴۵

﴿جواز التيمم للبرد الشديد﴾

﴿سخت سردی کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ربما نخرج الى الجبال فى الشتاء والماء بارد جدا فهل يجوز لنا التيمم مكان الوضوء؟ مستفتية: ام محمد على

﴿جواب﴾ ان غلب على ظنه الهلاك او المرض ان استعمل الماء ولا يجد ما يسخن به جاز له التيمم. والوضوء بالماء البارد لا يضر عموما.

لما فى رد المحتار: (۲۳۲/۱، طبع سعيد)

نعم مفاد التعليل بعدم تحقق الضرر فى الوضوء عادة انه لو تحقق جاز فيه أيضا اتفاقا بالنص وهو ظاهر اطلاق المتون..

ولما فی فقه السنة:(۱/۷۱،طبع دار الکتب پشاور)

(ذکر ما یبیح التیمم وقال)ان کان الماء شدید البرودة وغلب علی ظنه حصول ضرر باستعماله بشرط ان یعجز عن تسخینه.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :محمد سلمہ

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر :۱۸۰۸

﴿زخم پر مسح کر سکے تو تیمم کی گنجائش نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے آنکھ کا آپریشن کروایا ہے ڈاکٹر نے منہ دھونے سے منع کیا ہے اب اس حالت میں اس کیلئے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں تیمم کر کے پڑھی ہیں وہ ادا ہوئیں یا ان کی قضاء لازمی ہے؟

﴿جواب﴾ آنکھ کا آپریشن کیا ہے تو آنکھ میں پانی پہنچانا منع ہوگا باقی چہرہ اور وضوء کے دیگر اعضاء دھونے سے کیا نقصان ہوگا لہذا آنکھ میں پانی پہنچانا اگر منع ہے تو آنکھ بیشک نہ دھوئیں باقی چہرہ احتیاط سے دھولیا کریں آنکھ پر مسح کیا کریں اور باقی اعضاء کا دھونا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ لہذا بلاضرورت جو نمازیں تیمم سے پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹانا ضروری ہیں۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۱/۲۵۷طبع سعید)

واقره المصنف(تیمم لو)کان (اکثره مجروحا)اوبه جدری اعتبارا للاکثر(وبعکسه یغسل)الصحیح ویمسح الجریح(و)(ان استویا غسل الصحیح)من اعضاء الوضوء ولا روایة فی الغسل(ومسح الباقی) منها(وهو)الاصح لانه(الاحوط)الخ(قوله ای اکثر اعضاء الوضوء الخ)الاولی ان یقول اکثر اعضائه فی الوضوء..... وقد اختلفوا فی حد الکثرة،فمنهم من اعتبرها فی نفس العضو،حتی لو کان اکثر کل عضو من الاعضاء الواجب غسلها جریحا تیمم وان کان صحیحا یغسل، وقیل فی عدد الاعضاء، حتی لو کان راسه ووجهه ویداه مجروحة دون رجلیه مثلا تیمم و فی العکس لا درر البحار وقال فی البحر وفی الحقائق المختار الثانی الخ

ولما فی المحیط البرهانی ۱/۱۴۲ طبع ادارۃ القرآن

ثم اختلف مشائخنا رحمهم الله تعالی فی حد الکثرة. فمنهم من اعتبر الکثرة من حیث عدد الاعضاء، لا الکثرة فی نفس العضو بیانه.اذا کان فی راسه و وجهه ویدیه جراحة والرجل صحیح، فانه تیمم سواء کان الاکثر من اعضاء المجروحة جریحا او

اقل،ومنهم من اعتبر الكثرة فى نفس العضو، فقال ان كان الاكثر من كل عضو من الاعضاء الوضوء جريحا،كان كثيرا فيجزئه تيمم، والا فلا.

ولما فى بدائع الصنائع ۳۲۸/۱طبع دار الكتب العلمية

ولو كان ببعض اعضاء الجنب جراحة او جدرى،فان كان الغالب هو الصحيح،غسل الصحيح،وربط على السقيم الجبائر ومسح عليها،وان كان الغالب هو السقيم تيمم لان العبرة للغالب.....وعلى هذا لو كان محدثا وببعض اعضاء وضوئه جراحة او جدرى لما قلنا،وان استوى الصحيح والسقيم، لم يذكر فى ظاهر الرواية وذكر فى النوادر انه يغسل الصحيح ويربط الجبائر على السقيم ويمسح عليها.....الخ

ولما فى قاضى خان ۵۷/۱طبع قديمى

وكذالو كان محدثا به جراحات فان كان اكثر اعضاء الوضوء جريحا تيمم ولم يستعمل الماء،وان كان اكثر اعضائه صحيحا غسل الصحيح ويمسح الجراحة ان امكن مسحه من غير ضرر حتى لو كانت الجراحة على راسه ووجهه ويده وليس على رجليه جراحة يباح له تيمم وعلى عكسه لايباح ،وقيل يعتبر الكثرة فى الأعضاء حتى لو كان على راسه ووجهه ويديه جراحة وليس على رجليه جراحة لايباح له التيمم اذالم يكن الأكثر من كل عضو جريحا ،وان استوى الجريح والصحيح تكلموا فيه قال بعضهم لا يستط غسل الصحيح وهوا لصحيح لأنه أحوط الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۱۱ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر:۳۹۵۵

﴿فالج والاشخص تیمم کس طرح کریگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس پر فالج ہو گیا ہو اس کا ایک یا دونوں ہاتھ شل ہوجائیں تو وہ تیمم کس طرح کریگا؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ ایسا شخص جس کا ایک یا دونوں ہاتھ شل ہوں تو وہ اگر چہرے کو دیوار اور ہاتھوں کو زمین سے مل لے تو اس کا تیمم ہوجائے گا۔اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اس کو تیمم کروائے تب بھی تیمم درست ہوگا۔البتہ نیت خود کرنا ضروری ہے۔

لما فى الهندية:(۲۶/۱،طبع:رشيديه)

ولو شلت يداه يمسح يده على الارض ووجهه على الحائط ويجزيه.

ولما في الشامي:(۲۲۷/۱،طبع:سعيد،كراچی)

(قوله ولو من غيره)فلو امر غيره بان ييممه جاز بشرط ان ينوى الآمر...وظاهره أنه يكفى من الغير ضربتان.

ولما في النهر الفائق ـ(۱۰۲/۱،طبع:قديمی)

لو أمر غيره فيممه ونوى هو جائز

ولما في الهندية:(۲۶/۱،طبع رشيدية)

مريض ييممه غيره فالنية على المريض دون الميمم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب:تنویرالرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۹صفرالخیر۱۴۳۴ھ فتویٰ نمبر:۳۵۳۳

﴿لايجوز التيمم لمن يقدر على الوضوء ولو باستعانة الغير﴾

﴿جو شخص دوسرے کی مدد سے وضو پر قادر ہو وہ تیمم نہیں کرسکتا﴾

﴿سوال﴾:رجل اعمى يريدان يصلى بالليل أيجب عليه أن يوقض اهله ليوضؤه أم جازله التيمم؟ مستفتية:ام عبد الرزاق

﴿جواب﴾لايجوز التيمم لمن يقدر على الوضوء بنفسه اووجدغيره ممن لواستعان به اعانه ولوزوجته اوباجرة المثل.

لما في ردالمحتار:(۲۳۲/۱،طبع سعيد)

فتحصل ان ظاهر المذهب انه لايجوزله التيمم ان كان لواستعان بالزوجة تعينه وان لم يكن ذلك واجبا عليه.

ولما في الهندية:(۲۸/۱،طبع رشيديه)

أوكان لايجد من يوضئه ولايقدر بنفسه فان وجدخادما اومايستأجربه أجيرا أوعنده من لواستعان به أعانه فعلى ظاهر المذهب انه لايتيمم لأنه قادر كذافي فتح القدير.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۹ ذی الحجہ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۸۱۰

﴿ایک تیمم سے جتنی نمازیں پڑھنا چاہو پڑھ سکتے ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم سے ایک نماز یا اس

سے زائد نمازیں بھی پڑھ سکتے ہیں؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ ایک تیمم سے جتنی نمازیں چاہو پڑھو، خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا نوافل ہوں، جس طرح ایک وضو سے جتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں تیمم سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لما فی سنن النسائی:(ص:۱۱، طبع: قدیمی کتب خانہ)

عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ الصعید الطیب وضوء المسلم وان لم یجد الماء عشر سنین.

ولما فی الفقہ الاسلامی:(۱/۵٦٧ طبع: رشیدیہ)

قال الحنفیۃ :یصلی بتیممہ ما شآء من الفرائض والنوافل لانہ طھور حال عدم الماء، فیعمل عملہ مابقی شرطہ فلہ ان یصلی بتیمم واحد فرضین فاکثر ،وما شآء من نافلۃ .

ولما فی البدائع:(۱/٦٢،طبع: سعید)

وقول النبی ﷺ التیمم وضوء المسلم ولو الی عشر حجج مالم یجد الماء أو یحدث جعلہ وضوء المسلم الی غایۃ وجود الماء والحدث والممدود الی غایۃ ینتھی عند وجود الغایۃ ولا وجود للشئی مع وجود ماینتھی وجودہ عند وجودہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿عید کی نماز فوت ہونے کی صورت میں تیمم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر عید نماز کھڑی ہونے والی ہو اس وقت عیدگاہ میں پانی کا انتظام بھی نہ ہو اور اگر انتظام کرنے لگ جائے تو عید کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت تیمم کر کے عید نماز پڑھ سکتا ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ پانی سے وضو کرنے کی صورت میں نماز عید فوت ہونے کا قوی اندیشہ اگر ہے تو تیمم کرنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

لما فی البحر الرائق:(۱/۱۵۸ طبع: سعید)

(قولہ اوعید ولو بناء)ای یجوز التیمم لخوف فوت صلاۃ عید ولو کان الخوف بناء لما ہہنا انہا تفوت لا الی بدل فان کان اماما ففی روایۃ الحسن لا یتم وفی ظاھر الروایۃ

یجزنه لانه یخاف الفوت بزوال الشمس حتی لم تخف لا یجزنه.

ولما فی الهندیه:(۱/ ۳۱،طبع:رشیدیه)

ولا یجوز للمقتدی ان لم یخف فوت الصلاة لوتوضؤوا لا یجوز.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/ ۴۰،طبع:رشیدیه)

واما صلاة العید اذا سبقه الحدث فی الجبانةان کان قبل الشروع فی الصلاة ان کان یرجو ادراك شئی من الصلاة لا یباح التیمم وان کان لا یرجو یباح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿نماز جنازہ فوت ہونے کا خدشہ ہوتو تیمم کرسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ تیار ہو اور اگر وضو کرے تو نماز جنازہ فوت ہونے کا خدشہ ہے تو اس وقت تیمم کرسکتا ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ نماز جنازہ فوت ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے لیکن یہ حکم غیر ولی کے لئے ہے اس لئے کہ ولی کے حق میں نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے وہ روک سکتا ہے۔

لما فی الشامی:(۱/ ۲۴۱،مکتبه: سعید)

(قوله وجاز لخوف فوت صلاة الجنازة)ای ولو کان الماء قریبا ثم اعلم انه اختلف فیمن له حق التقدم فیها،فروی الحسن عن ابی حنیفةؒ انه لا یجوز للولی لانه ینتظر ولو صلوا له حق الاعادة.

ولما فی البحر الرائق:(۱/ ۱۵۷،طبع: سعید)

(قوله وخوف فوت صلاة الجنازة)ای یجوز التیمم لخوف فوت صلاة الجنازة .

ولما فی الهندیه(۱/ ۳۱،طبع:رشیدیه)

ویجوز التیمم اذا حضرته جنازة والولی غیره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلاة ولایجوز للولی وهو الصحیح هکذا فی الهدایه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿هل يجوز التيمم لمن خاف خروج الوقت؟﴾

﴿وقت نکلنے کا خوف ہو تو کیا تیمم کر سکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ من قام الى الصلاة في آخر وقتها بحيث لو توضأ يخرج وقت الصلاة فهل يتوضأ ولو خرج الوقت أو يتيمم ويؤدي الصلاة في وقتها ثم يعيدها بالوضوء؟ مستفتی: شاکر الله سواتی

﴿جواب﴾ وقع الاختلاف في هذه المسئلة والاحوط ان يصلي الصلاة بالتيمم في وقتها ثم اعادها بالوضوء.

لما في ردالمحتار: (۱/۲۴۶، طبع سعید)

فينبغي أن يقال يتيمم ويصلي ثم يعيد بالوضوء، كمن عجز بعذر من قبل العباد...... قلت وهذا القول متوسط بين القولين، وفيه الخروج عن العهدة بيقين فلذا أقره الشارح ثم رأيته منقولا في التاتارخانية عن ابي نصر بن سلام وهو من كبار الأئمة الحنفية قطعا فينبغي العمل به احتياطا ولا سيما وكلام ابن الهمام يميل الى ترجيح قول زفر كما علمته بل قد علمت من كلام القنية أنه رواية عن مشائخنا الثلاثة ونظير هذا مسئلة الضيف الذي خاف ريبة فانهم قالوا يصلي ثم يعيد.

ولما في شرح المنية: (ص ۷۲، طبع نعمانیہ کوئٹہ)

وحينئذ فالاحتياط ان يصلي بالتيمم في الوقت ثم يتوضأ ويعيد ليخرج عن العهدتين بيقين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین غفر اللہ لہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:

﴿مسجد کے فرش یا دیوار سے تیمم کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد کے فرش یا دیوار کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا مستفتی: عبدالواحد صاحب رائیونڈ

﴿جواب﴾ تیمم ہر اس چیز کے ساتھ کرنا جائز ہے جو زمین کی جنس میں سے ہو اور پاک ہو، البتہ وہ مٹی جو مسجد کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہو یا فرش پر ہو تو اس سے بھی تیمم ہو جاتا ہے لیکن

مکروہ ہے کیونکہ تیمم نجاست حکمی کے زائل کرنے کا سبب ہے اور مسجد کی مٹی کی طرف ازالۂ حدث کی نسبت کرنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے، اسلئے مسجد کے فرش یا دیوار سے تیمم کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے لیکن اگر مسجد کی مٹی کسی کونے میں جمع کر دی گئی ہو تو اس سے تیمم کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

لما فی قاضیخان:(۶۳/۱،طبع قدیمی)

ویکره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد او بحائطه..... وان مسح بتراب في المسجد ان كان ذلك التراب مجموعا في ناحية غير منبسط لا بأس به وان كان منبسطا مفروشا يكره لانه بمنزلة ارض المسجد.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۲۲۹/۱،طبع رشیدیه)

ويكره مسح الرجل من الطين باسطوانة او حائط المسجد فان مسح ببردي المسجد او قطعة حصير ملقاة في المسجد فلا بأس به والاولى ان لا يفعل وبتراب المسجد ان كان مجموعا فلا بأس به وان كان منبسطا يكره وبخشبة موضوعة في المسجد لا بأس به.

ولما فی فتاوی الولوالجیة:(۵۳/۱،طبع فاروقیه پشاور)

ويكره مسح الرجل من الطين والردغة باسطوانة المسجد وحائط من حيطانه لان حكمه حكم المسجد وان مسح ببردي المسجد او بقطعة حصير ملقاة فيه لا بأس به لان حكمه ليس حكم المسجد لاله حكم حرمة المسجد كذا قالوا والاولى ان لا يفعل وان مسح بتراب في المسجد فان كان مجموعا لا بأس به وان كان منبسطا يكره هو المختار واليه ذهب ابو القاسم الصفار لان له حكم الارض فكان من المسجد وان مسح بخشبة موضوعة في المسجد لا بأس به لانه ليس لهذا الخشبة حكم المسجد فلا يكون لها حرمة المسجد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد

۱۴۲۹/۱۲/۱۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹۳

﴿ہاتھوں پر پانی کا استعمال اگر مضر ہو تو تیمم جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دونوں ہاتھوں پر ایسی بیماری ہے جسکی وجہ سے پانی کا استعمال ڈاکٹر نے ہاتھوں کے لئے مضر قرار دیا، شرعاً میرے

لئے کیا حکم ہے کہ کوئی دوسرا مجھے وضوء کرائے جو ہر وقت میسر بھی نہیں ہوتا یا میں تیمم کر کے نماز ادا کروں وضاحت فرمائیں   مستفتی: محمد فیصل صاحب نارتھ کراچی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں تیمم کی گنجائش ہے، دوسرے کسی شخص سے وضوء کرانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

لمافی البحر: (۱/۱۶۳ طبع سعید)

وفی القنیۃ والمبتغی بالغین المعجمۃ بھدہ قروح یضرہ الماء دون سائر جسدہ یتیمم اذالم یجدمن یغسل وجھہ وقیل یتیمم مطلقا فھذا یفیدان قولھم اذاکان الاکثر صحیحا یغسل الصحیح محمول علی ماذالم یکن بالیدین جراحۃ

ولمافی الدر المختار: (۱/۲۵۸ طبع سعید)

فکان اولیٰ وصحح فی الفیض وغیرہ التیمم کمایتیمم لوالجرح بیدیہ وان وجدمن یوضیہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

۱۴ جمادالاولی ۱۴۳۰ھ   فتوی نمبر: ۲۱۶۵

﴿تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاؤں میں کبھی شدید درد ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ چارپائی پر لیٹا رہتا ہوں اور چارپائی پر لیٹ کر ہی نماز پڑھتا ہوں جبکہ چارپائی، بستر وغیرہ کبھی ناپاک بھی ہوتے ہیں۔

کیا ایسی صورت میں میری نماز صحیح ہوگی یا نہیں نیز کبھی تکلیف کم ہوتی ہے تھوڑا بہت چل سکتا ہوں لیکن کبھی فجر میں تاخیر سے اٹھنے کی وجہ سے اگر وضوء کر کے نماز پڑھوں (کیونکہ میرے وضوء پر پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے وقت زیادہ لگتا ہے) تو نماز کے قضاء ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں میرے لئے تیمم کر کے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟   مستفتی داؤد شاہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر آپ کو چارپائی سے اٹھنے میں شدید تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اسی چارپائی و بستر پر ہی نماز پڑھیں نماز ہو جائیگی اگر اٹھنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو کسی پاک بستر کو بچھا کر نماز پڑھ لیا کریں۔

نماز کیلئے تیمم کرنا تب جائز ہے جب پانی موجود نہ ہو یا کسی بھی عذر کی وجہ سے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو جبکہ آپ کی بیان کردہ صورت میں آپ پانی کے استعمال پر قادر ہیں اور پانی موجود ہے۔

لہٰذا صرف وقت کی تنگی کی وجہ سے تیمم کرنے کی گنجائش نہیں ہے نماز قضاء ہوگئی تو گناہ ہوگا، نماز کیلئے تیاری پہلے سے ہونی چاہیئے تاخیر کرنا آپ کی سستی ہے، تاہم احتیاطاً تیمم کر کے نماز پڑھ لیں اور بعد میں قضاء بھی کرلیں تو زیادہ بہتر ہے اور استغفار بھی کرتا رہے۔

لما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۳، طبع سعید)

کالخلاف فی مریض لایقدرعلی الاستقبال اوالتحول من الفراش النجس ووجدمن یوجهه اویحوله لان عنده لایعتبرالمکلف قادرأبقدرة الغیروالفرق علی ظاهرالمذهب ان المریض یخاف علیه زیادةالرجع فی قیامه وتحوله لافی الوضوء.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۲، طبع سعید)

(قوله تفوت الی خلف)کالصلوات الخمس فان خلفهاقضاؤها......(قوله لبعده)وقید بالبعدلانه عندعدمه لایتیمم وان خاف خروج الوقت فی صلوةلهاخلف خلافألزفر وسیذکرالشارح ان الاحوط ان یتیمم ویصلی ثم یعید ویتفرع علی هذاالاختلاف ما لوازدحم جمع علی بئرلایمکن الاستقاء منهاالابالمناوبة......وعلم ان النوبةلاتصل الیه الابعدالوقت فانه لایتیمم ولایصلی عاریأبل یصبرعندنا.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۸۳ طبع سهیل اکیڈمی)

ولوخاف خروج الوقت لواشتغل بالوضوء فی سائرالصلوت ماعداصلوةالجنازة والعید لایتیمم عندنابل یتوضأویقضی الصلوةان خرج الوقت وقال زفریتیمم ولا یتوضا ــــ فالاحتیاط ان یصلی بالتیمم فی الوقت ثم یتوضأویعیدلیخرج عن العهدتین بیقین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر ۲۰۹۰

﴿حالت سفر میں تیمم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی گاڑی میں سفر پر جارہا تھا راستے میں نماز کا وقت ہوگیا ڈرائیور نے بالکل آخری وقت میں جا کر گاڑی نماز کیلئے

روکی اب وہاں وضوء کیلئے پانی بالکل نہیں تھا سوائے ایک گھڑے کے جس میں پینے کیلئے پانی رکھا ہوا تھا تو اس صورت میں کیا اس آدمی کیلئے وضوء کرنا ضروری ہے یا تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ لوگوں کے پینے کیلئے جو پانی راستوں میں گھڑوں وغیرہ میں رکھا ہوتا ہے اس سے وضوء غسل وغیرہ کرنا درست نہیں بلکہ تیمم کر کے نماز پڑھنی چاہیئے، ہاں اگر پانی کثیر ہے یا عرف ایسا ہے کہ لوگ اس پانی سے وضوء وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو وضوء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما فی شرح التنویر:(۱/۲۵۲،طبع سعید)

الماء المسبل فی الفلاۃ لایمنع مالم یکن کثیراً.وفی الشامیۃ:(لایمنع التیمم)لأنہ لم یوضع للوضوء بل للشرب،فلایجوز الوضوء بہ وان صح.قولہ:(مالم یکن کثیراً)قال فی شرح المنیۃ:الاولی الاعتبار بالعرف لابالکثرۃ، الااذااشتبہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۲۵جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۴۶۳

﴿پانی کے عدم موجودگی میں جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جہاز میں نماز کس طرح ادا کی جائے کیونکہ بسا اوقات جہاز میں پانی کم ہوتا ہے یا اگر پانی ہوتا ہے تو جہاز کا عملہ وضوء کی اجازت نہیں دیتا کیا ایسی صورت میں ہم نماز چھوڑ دے یا تیمم کر کے نماز ادا کریں، نیز یہ بھی بتادے کہ ایسی صورت میں ٹیشو پیپر سے استنجاء کر سکتے ہیں یا نہیں اگر قدر درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو پھر بھی ٹیشو پیپر سے استنجاء کافی ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) نماز تو کسی بھی حالت میں چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے جہاز میں اس طرح کی صورت پیش آئے کہ پانی موجود نہ ہو یا پانی ہو لیکن جہاز کا عملہ وضوء کی اجازت نہیں دیتا ایسی صورت میں اگر یقین ہے کہ وقت نکلنے سے پہلے پہلے جہاز اپنی منزل تک پہنچ جائیگا تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرے اگر اس بات کا یقین نہ ہو تو تیمم کر کے وقت کے اندر نماز ادا کرے اگر تیمم کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو پھر کرے یعنی نمازیوں کی طرح ہیت بنا کر رکوع سجدہ وغیرہ کرے لیکن اس میں قراءت نہ کرے اور بعد میں اسی نماز کا اعادہ بھی کرے یہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول

ہے اسی قول کی طرف امام ابوحنیفہؒ کا رجوع ثابت ہے اور علماء کرام اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲) جہاز میں پانی موجود نہیں ہے یا اس کے استعمال کی اجازت نہیں تو ایسی صورت میں ٹیشو پیپر سے استنجاء کافی ہوگا خواہ قدر درہم سے نجاست تجاوز کر چکی ہو۔

لما فی الهداية: (۱/۵۲، طبع رحمانيه)

ويستحب لعادم الماء وهو يرجوه ان يؤخر الصلاة الى اخر الوقت فان وجد الماء يتوضاء والاتيمم وصلى.

ولما فيها ايضا: (۱/۹۳، طبع رحمانيه)

ولو لم يجد مايزيل به النجاسة صلى معها ولم يعد.

ولما فى الدر المختار: (۱/۲۵۲ طبع سعيد)

(يوخرها عنده وقالا يتشبه) (قوله يوخرها عنده) لقوله عليه السلام لاصلاة الابطهور سراج) قوله وقالا يتشبه بالمصلين) اى احتراما للوقت ولا يقرأ كما فى ابى السعود، سواء كان حدثه اصغر او اكبر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱۸

﴿دوسرے شخص سے تیمم کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شدید بیماری یا دونوں ہاتھ شل ہو جانے کی وجہ سے خود تیمم نہ کر سکتا ہو تو دوسرا شخص اگر تیمم کرا دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور نیت کون کرے گا؟ مستفتی: سعید اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دوسرا شخص تیمم کرا دے تو تیمم ہو جائے گا، البتہ نیت خود معذور ہی کریگا، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔

لما فى الهندية: (۱/۲۶، طبع رشيديه) مريض ييممه غيره فالنية على المريض دون الميمم.

ولما فى الدر المختار: (۱/۲۲۹ طبع سعيد) وهو قصد صعيد شرط القصد لأنه (النية) مطهر.

ولما فى الهداية: (۱/۲۹ طبع قديمى)

منها النية وكيفيتها أن ينوى عبادة مقصودة لاتصح الا بالطهارة.

ولما فی قاضی خان:(۵۳/۱،طبع قدیمی)

قال العلامة فخر الدین حسن بن منصورؒ وشرطه المشبذان النية والعجز عن استعمال الماء، أما النية اذا نوى به التطهير جاز.

ولما فی خلاصة الفتاوى:(۳۵/۱،طبع رشیدیه)

قال العلامة طاهر بن عبدالرشيد البخاريؒ ولا بدمن النية في التيمم فلو نوى التطهير جاز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۱۰۶

﴿سخت سردی کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری تشکیل کشمیر کے سرد علاقے ''باغ'' کے ایک گاؤں میں ہوئی، گاؤں کی مسجد کا صرف ایک ہال تھا ساتھ میں کوئی غسل خانہ وغیرہ نہیں تھا اور موسم بھی سخت سردی کا تھا، ہمارے ایک ساتھی کو رات کے وقت غسل کی حاجت ہوئی وہاں گرم پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر وہ ٹھنڈے پانی سے کھلی فضا میں غسل کرتا تو بیمار ہونے کا قوی اندیشہ تھا کیا ایسی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں رات گذارنا اور صبح کی نماز کیلئے بھی تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　　　　مستفتی:محمد شعیب صاحب

﴿جواب﴾ تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا پانی پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے، اسی شرعی عذر کے بغیر تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، سخت سردی بھی تیمم کیلئے عذر ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو، لہٰذا ایسی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں رات گذاری جا سکتی ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

لما فی الدر المختار:(۲۳۲/۱،طبع سعید)

(او برد) يهلك الجنب او يمرضه ولو فى المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا مايدفئه.

ولما فی الهداية:(۲۸/۱،طبع رحمانیه)

ولو خاف الجنب ان اغتسل ان يقتله البرد او يمرضه يتيمم بالصعيد.

ولما فی فتح القدیر:(۱/۱۲۸،طبع رشیدیہ)

(ولو خاف الجنب ان اغتسل ان یقتله البرد او یمرضه یتیمم بالصعید) وھذا اذا کان خارج المصر لما بینا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۷۴

﴿تیمم میں مبالغہ ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم میں ہاتھوں کو اس قدر ملنا کہ تمام جگہ کو گھیر لیں جیسے وضو میں مبالغہ ضروری ہے ایسا مبالغہ تیمم میں بھی ضروری ہے یا صرف ہاتھ پھیر لینا کافی ہے؟

مستفتی: عبداللہ پنڈوی

﴿جواب﴾ تیمم میں اعضائے تیمم پر ہر ہر جگہ ہاتھ سے مسح کرنا ضروری ہے، البتہ اگر باوجود کوشش کے تھوڑی سی جگہ رہ جائے تب بھی تیمم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مسح دھونے کی طرح نہیں ہو سکتا! ورنہ ممکن ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱/۲۱۲،طبع سعید)

(والاستیعاب) الذی یظھر لی ان الرکن ھو المسح لانه حقیقة التیمم کما مر، والاستیعاب شرط لانه مکمل له.

ولما فی الھندیة:(۱/۲۶،طبع رشیدیه)

(ومنھا الاستیعاب) استیعاب العضوین فی التیمم واجب فی الظاھر الروایة کذا فی محیط السرخسی — ولابد من نزع الخاتم والسوار عکذا فی الخلاصة،ویمسح الوترة التی بین المنخرین ویجب تخلیل الاصابع ان لم یدخل بینھا غبار کذا فی التبیین.

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۱۶۲،طبع قدیمی)

وفی الخلاصة وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان الاکثر یکفی،وھو الاصح،وفی الحاوی وکذالک کل ما یرجع الی باب المسح فاصاب الاکثر من ذالک الموضع جاز.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفی عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۸۸

﴿پینٹ شدہ دیوار پر گرد وغبار نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آئل پینٹ کی ہوئی دیوار پر تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اسپر گرد وغبار بھی نہ ہو۔ مستفتی: انعام اللہ امیر آباد چارسدہ

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس میں سے ہو اسپر تیمم کرنا جائز ہے خواہ اسپر گرد ہو یا نہ ہو زمین کی جنس میں سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پگھلانے سے پگھلے نہیں اور جلانے سے جلے نہیں مثلاً پتھر، ڈھیلا وغیرہ، البتہ جو چیزیں اس صفت پر نہیں مثلاً تانبا، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی وغیرہ تو تیمم کیلئے ان پر غبار کا ہونا ضروری ہے۔

سوآپ کی صورت مسئولہ میں پینٹ شدہ دیوار پر تیمم کرنا درست نہیں کیونکہ پینٹ کیمیکل، زنک اور چاک وغیرہ سے بنایا جاتا ہے جن میں اکثر چیزیں مذکورہ بالا صفت کی نہیں ہیں، چنانچہ جلانے سے جل جاتا ہے، لہٰذا پینٹ شدہ دیوار پر گرد نہ ہونیکی صورت میں تیمم کرنا درست نہیں۔

لما فی الشامی: (۱/۲۴۰، طبع سعید)

وأوان من طين (قوله غير مدهونة) او مدهونة بصبغ هو من جنس الارض كما يستفاد من البحر كالمدهونة بالطفل والمغرة.

ولما فی البحر: (۱/۱۴۸، طبع سعید)

ويجوز بالآجر المشوى الى قوله ــ وكذا بالخزف الخالص الا اذا كان مخلوطا بما ليس من جنس الارض او كان عليه صبغ ليس من جنس الارض.

ولما فی شرح الوقایۃ: (۱/۹۸، طبع امدادیه)

(من جنس الارض كالتراب والرمل والحجر) ...... واما الذهب والفضة فلا يجوز بهما ...... والحنطة والشعير ان كان عليهما غبار.

ولما فی التنویر وشرحہ: (۱/۲۳۹-۲۴۰، طبع سعید)

(فلا يجوز بمنطبع ومترمد ومعادن)(معادن) في محالها فيجوز التراب عليها وقيده الاسبيجابي بان يستبين اثر التراب بمديده عليه ...... وكذا كل ما لا يجوز التيمم عليه كحنطة وجوخة فليحفظ.

ولما فی الشامی: (۱/۲۴۰، طبع سعید)

(وقيده الاسبيجابي) وكذا في النهر ــ ولو ان الحنطة او الشيء الذي لا يجوز عليه التيمم اذا كان

علیه التراب فضرب یده علیه وتیمم ینظر فان کان یستبین اثره بعده علیه جاز والافلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمن چارسدوی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۰۶۶

﴿جنبی آدمی کے غسل کا تیمم وضو کیلئے بھی کافی ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنبی آدمی کو حالت سفر میں سردی کے موسم میں غسل کیلئے گرم پانی نہ مل رہا ہو اور ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کرے تو بیمار ہو جانے کا خوف ہو، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں کسی قسم کی بیماری کا خوف نہ ہو تو اس صورت میں اس کیلئے تیمم جائز ہوگا؟ اگر تیمم جائز ہو تو وضو کیلئے بھی وہی تیمم کافی ہوگا؟ اگر وہی تیمم کافی ہے تو اس تیمم میں وضو کیلئے بھی نیت کرے گا یا صرف طہارت کی نیت کافی ہوگی؟

﴿جواب﴾ (۱) اگر جنبی کو حالت سفر میں سردی کے موسم میں غسل کیلئے گرم پانی نہ مل رہا ہو ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کرے تو بیمار ہو جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں اس کیلئے تیمم جائز ہوگا، نیز یہ تیمم وضو کیلئے بھی کافی ہوگا، اب پانی کے استعمال پر قدرت ہوتے ہوئے بھی وضو کی ضرورت نہیں ہے، ہاں تیمم کے بعد اس کا وضو ٹوٹ جائے تو وضو کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی ردالمحتار: (۱/۲۵۲، طبع سعید)

اذاتیمم عن جنابةثم بال مثلافهذاناقض للوضوء لاینتقض به تیمم الغسل بل تنتقض طهارةالوضوء التی فی ضمنه فتثبت له احکام الحدث لااحکام الجنابةفقدوجدناقض الوضوء ولم ینتقض تیممالجنابة.

(۲) غسل سے تیمم کرتے وقت وضو کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو وضو کیلئے الگ نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

لمافی التنویروشرحه: (۱/۲۲۷، طبع سعید)

(وشرط له) أی للتیمم فی حق جوازالصلوٰة به (نیة عبادة)......(مقصودة) ولاتشترط نیة التمییزبین الحدث والجنابة. کذافی الهدایة: (۱/۵۱، رحمانیه) وفی التجنیس:

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۵۸۸

﴿جنبی کے مسئلہ کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! جنبی کے مسئلہ کے متعلق جواب کا دوسرا جز جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ غسل سے تیمم کے بعد اگر اسکا وضوٹوٹ جائے اور وضو پر قدرت ہو تو وضو کرنا ضروری ہے تیمم جائز نہیں ہے۔

اشکال یہ ہے کہ اس وضوٹوٹ جانے سے پہلے ایک ناقض موجود ہے اور وہ وضو کے بقدر پانی کے استعمال پر قدرت ہے کیونکہ فقہ کی عبارات سے صراحۃ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب متیمم پانی کے پاس سے گزرے اور استعمال پر قدرت ہو تو اسکا تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور یہاں بھی اسکو پانی پر قدرت موجود ہے تو اس کیلئے وضو کرنا ضروری ہونا چاہیئے۔

بیشک غسل سے تیمم کے وقت اگر وضو بھی کرے تو بدل اور مبدل منہ کا جمع ہونا لازم آتا ہے لیکن اس تیمم کے تھوڑی دیر بعد جب نماز کا وقت آجائے تو اس کیلئے وضو کرنا ضروری ہونا سمجھ میں آرہا ہے، اسلئے کہ وضو کے بقدر پانی استعمال کرنے پر قدرت موجود ہے یہی تو ناقض ہے؟ برائے کرم اگر اس اشکال کو رفع کرنے کی کوئی واضح فقہی عبارت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿جواب﴾ جس آدمی پر غسل فرض ہو جائے اور اسکو غسل پر قدرت نہ ہو، البتہ اس پانی سے وضو پر قدرت ہو تو اس کیلئے وضو کے بقدر پانی استعمال کرنے پر قدرت کا اعتبار نہیں ہے، ایسی صورت میں اس موجود قدرت کو معدوم شمار کرلیا ہے، اس لئے کہ جنابت سے پاکی حاصل کرنے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا اسکو ناقض نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ محیط برہانی میں صریح جزئیہ موجود ہے:

لمافی المحیط البرھانی :(۱/۲۲۰-۲۲۲،طبع ادارۃ القرآن)

جنب وجدمن الماء قدرمایکفی للوضوء دون الاغتسال فانہ یتیمم ولایلزمہ استعمال ذالک الماء عندنالان ھذاالقدرمن الماء لایفید القدرۃ علی الطہارۃ عن الجنابۃفیجعل وجودہ والعدم بمنزلۃ واحدۃ..... اذاجنب المسافروجدمن الماء قدرمایتوضأبہ لاغیر فانہ یتیمم ولایتوضأبہ عندنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۰

﴿فصل فی نواقض الوضوء﴾

﴿خون، الٹی اور دوران نماز ہنسنے سے متعلق وضوء نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ خون، الٹی اور نماز کے دوران ہنسنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم ان سب کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مذکورہ تینوں چیزوں سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن ہر ایک میں قدرے تفصیل ہے، چنانچہ خون جسم کے کسی بھی حصے سے خود نکلے یا نکالا جائے اور اپنی جگہ سے تجاوز کر لے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے، زخم وغیرہ کے منہ پر ٹھہرا تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، منہ اور ناک کے اندرونی حصہ میں خون آئے تو اس میں تفصیل ہے کہ بہنے والا خون لعاب اور ناک کے نزلہ کیساتھ شامل ہو اور غالب خون ہو تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے خون مغلوب ہو تو وضوء نہیں ٹوٹتا، ناک میں خالص خون وہاں تک بہہ کر آجائے جہاں تک دوران وضوء وغسل پانی پہنچایا جاتا ہے تو وضوء ٹوٹ جائیگا جما ہوا خون منہ یا ناک سے خارج ہو جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور الٹی منہ بھر کر ایک دفعہ میں آجائے یا ایک ہی کیفیت میں تھوڑا تھوڑا کئی بار اتنی ہوئی کہ اندازے سے منہ بھرنے کے برابر تھی تب وضوء ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں، دوران نماز بالغ مرد اتنے زور سے اگر ہنسے کہ دیگر نمازیوں تک بھی آواز پہنچ گئی تو وضوء ٹوٹ جائیگا.

لما فی الهندية ج ۱/ ۱۰، ۱۱، ۱۲ رشيدية

ما يخرج من غير السبيلين و يسيل الى ما يظهر من الدم والقيح والصديد والماء لعلة وحد السيلان أن يعلو فينحدر عن رأس الجرح كذا فى محيط السرخسى ....خرج دم من القرحة بالعصر ولو لاه ما خرج تنقض فى المختار كذافى الوجيز للكردرى وان خرج من نفس الفم تعتبر الغلبة بينه و بين الريق فان تساويا انتقض الوضوء ويعتبر ذالك من حيث اللون فان كان أحمر انتقض وان كان أصفر لاينتقض كذا فى التبيين ...... الموضع الذى يلحقه حكم التطهير من الانف ما لان منه كذافى الملتقط ..... لو قلس ملا فيه مرة أوطعاما أو ماء تنقض كذا فى المحيط .... وان قاء دما ان كان سائلا نزل من الرأس ينتقض اتفاقا وان كان علقا لا ينتقض اتفاقا.......ان قاء قليلا قليلا لو جمع يبلغ ملء الفم قال محمد ان اتحد السبب جمع والا فلا وهذا أصح كذا فى

المصريات ابا قاذ ثم لقابل سكون نفسه من الهيجان والغثيان كان السبب متحدا وان
كان بعده كان السبب مختلفا كذا في الكافي المنفية في كل صلاة فيما يكوع
وسجد تنتقض الصلاة والوضوء عندنا كذا في المحيط

ولما في الفقه الاسلامي ج ۱/۲۲۱ رشيدية

ودليل الحنفية قوله عليه السلام الوضوء من كل دم سائل وقوله عليه السلام ليس
في القطرة والقطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دما سائلا

لما في التنوير مع الدر ج ۱/۱۳۷ طبع سعيد

(و) ينقضه (قيء ملأ فاه) بأن يضبط بتكلف (من مرة) أي صفراء (او علق) أي سوداء قال
الشامي (قوله بأن يضبط) أي يمسك بتكلف

ولما في التنوير مع الدر (۱/۱۴۲ طبع سعيد)

(و) قهقهة) هي ما يسمع جيرانه (بالغ) ولو امرأة سهوا (يقظان) فلا يبطل وضوء صبي
ونائم بل صلاتهما به يفتى

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر پوسروی

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿مسواک یا کھانے کے دوران دانتوں سے خون نکلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھانے کے دوران یا مسواک کرتے ہوئے دانتوں سے جو خون نکلتا ہے کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ اور اس خون لگے ہوئے کھانے کو کھانا جائز ہے؟ اس طرح اس خون کو روزے کی حالت میں نگلنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: صابر خان کراچی

﴿جواب﴾ دانتوں سے جو خون نکلتا ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ تھوک پر غالب یا مساوی ہو یعنی تھوک زیادہ سرخی مائل ہو یا اسکا ذائقہ محسوس ہو رہا ہو تو اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے تھوک کے نگلنے سے روزہ بھی فاسد ہوتا ہے اور اتنا خون اگر کھانے کیساتھ شامل ہو جائے کہ اسکا ذائقہ محسوس ہونے لگے تو اسکا کھانا بھی جائز نہیں اور اگر خون مغلوب اور تھوک غالب ہو تو اس سے نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ ہی روزہ فاسد ہوگا اور مسواک کرتے ہوئے خون آنے

سے وضو خراب نہیں ہوتا، اس لئے کہ مسواک پہلے اور وضو بعد میں ہوتا ہے، ہاں مسواک کرنے سے خون جاری ہو جائے اور چہرہ دھونے کے دوران بھی خون آتا رہے تو ایسی صورت میں مندرجہ بالا تفصیل ہے۔

لما فی التنویر مع الدر (۱/۱۳۸-۱۳۹، طبع ایچ ایم سعید)

وینقضه (دم) مائع من جوف أو فم (غلب علی بزاق) حکماً للغالب (أو ساواه) احتیاطا، (لا) ینقضه (المغلوب بالبزاق).

ولما فی الخانیه: (۱/۲۱، طبع قدیمی)

ولو بزق الرجل وفیه دم فان کان الدم غالبا انتقض الوضوء، وان کان علی السواء فکذلک استحسانا، وان عض شیأ فرای علیه دما من أسنانه لا وضوء علیه وکذا الخلال لأنه لیس بسائل.

ولما فی الهندیة: (۱/۲۰۳، طبع رشیدیة)

الدم اذا خرج من الأسنان ودخل حلقه ان کانت الغلبة للبزاق لا یضره، وان کانت الغلبة للدم یفسد صومه وان کانا سواء افسد أیضا استحسانا.

ولما فی الدر المختار: (۲/۳۹۶ طبع ایچ ایم سعید)

أو خرج الدم من بین أسنانه ودخل حلقه یعنی ولم یصل الی جوفه، أما اذا وصل فان غلب الدم أو تساویا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه بزازیة.

ولما فی الخانیة: (۱/۱۸۲، طبع قدیمی)

وکذا اذا خرج الدم من بین أسنانه والبزاق غالب فابتلعه ولم یجد طعمه لا یفسد صومه وان کانت الغلبة للدم فسد صومه، وان استویا فسد احتیاطا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباداللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۷۷

﴿کان یا زخم سے کیڑے کے نکلنے پر وضوء کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کان یا زخم سے کیڑا نکل جائے تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد صابر صوابی

﴿جواب﴾ اگر کان یا زخم سے کیڑا نکل جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لما فی حلبی کبیر:(ص۱۲۶ طبع سہیل اکیڈمی)

(وان خرج الدود من الفم اوالاذن اومن الجراحة لا ینقض) اما من الجراحة فلان الدودة طاهرة وكذاما عليها من البلة لانها ليست حدثالقلتها وعدم قوة السيلان.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص۵۱ طبع قدیمی)

(لاتنقض الوضوء)(و)منها (خروج الدودة من جرح اواذن وانف لعدم نجاستها ولقلة الرطوبة التى معها.

ولما فی الشامی:(۱۳۶/۱ طبع سعید)

(ولا)خروج (دودة من جرح اواذن اوانف)اوفم(وكذالحم سقط منه)لطهارتهما وعدم السيلان فيها عليهما وهو مناط النقض.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۶ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۴۲۹

﴿بال بنوانے یا ناخن کٹوانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ باوضوء شخص اگر بال بنوائے یا داڑھی کا خط بنوائے یا ناخن ترشوائے یا مونچھیں کٹوائے تو اسے دوبارہ وضوء کرنا پڑھے گا؟

﴿جواب﴾ بال، ناخن کٹوانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، نیز وضوء کی حالت میں بال یا ناخن اگر کوئی کٹوائے تو دوبارہ وضوء کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی الفتاوی الولوالجیة:(۱/۷ طبع فاروقیہ پشاور)

اذاتوضأالرجل وغسل وجهه امرالماء على لحيته ثم(حلق) لحيته لم يجب عليه غسل موضعها،لانه حين امرالماء على الشعركان بمنزلة البشرة.

ولما فی الخلاصة:(۱/۱۷-۱۸ طبع رشیدیہ)

لاوضوء عليه رجل توضأ وغسل وجهه وامرالماء على لحيته ثم حلق لحيته لم يجب عليه غسل موضعها،كذالحاجب اصله رجل توضأثم جزشعره اوقلم اظفاره اونتف ابطه اواخذ شيئامن شاربه اواخذ قشرةمن مواضع الوضوء لم يكن عليه امساس الماء ولا تجديد الوضوء اوعكسه وغسل الشارب فرض ولايجب ايصال الماء تحت الشارب وان كان الشارب طويلا.

ولما فی الخانیۃ:(۱/۲۷،طبع قدیمی)

فان امر الماء علی شعر الذقن ثم حلقہ لایجب علیہ غسل الذقن وکذالو حلق لحاجب والشارب اومسح رأسہ ثم حلق اوقلم اظافیرہ لایلزمہ الاعادۃ۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۵رجب المرجب۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۷۴۳

﴿کان میں جانے والا پانی کان سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں تالاب میں نہایا جسکی وجہ سے میرے کان میں پانی چلا گیا،بعد میں دوران نماز وہ پانی کان سے نکلا اس صورت میں میری نماز میں یا وضو میں کوئی خرابی تو نہیں آئی؟ مستفتی:محمد طلحہ

﴿جواب﴾ صرف پانی یا کان کا میل کان سے نکلے تو اس سے وضو،نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا،البتہ کان میں درد ہو یا واضح زخم ہو تو ایسی صورت میں نکلنے والا پانی نہیں ہوگا بلکہ زخم سے آنے والا مواد ہوگا جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،لہذا آپ کے کان سے نکلنے والا اگر پانی ہی تھا تو آپکا وضو قائم تھا اس لئے نماز درست ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۴۷،طبع سعید)

(کما)لاینقض(لو خرج من اذنہ)ونحوھا کعینہ وثدیہ (قیح)ونحوہ کصدید وماء سرۃ وعین (لا بوجع)وان خرج (بہ)ای بوجع (نقض)لانہ دلیل الجراح.

وفی الشامیۃ:(قولہ لا بوجع)تقیید لعدم النقض بخروج ذلک ،وعدم النقض ھو ما مشی علیہ الدرر والجوھرۃ والزیلعی معزیا للحلوانی.

قال فی البحر ،وفیہ نظر ،بل الظاھر اذا کان الخارج قیحا او صدیدا لنقض ،سواء کان مع وجع اوبدونہ لانھما لایخرجان الا عن علۃ،نعم ھذا التفصیل حسن فیما اذا کان الخارج ماء لیس غیر الخ.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی:(ص۸۷،طبع قدیمی)

وقولہ (کدم وقیح)اشارۃ الی ان ماء الصدید ناقض کماء الثدی والسرۃ والاذن اذا کان لمرض علی الصحیح (قولہ کماء الثدی والسرۃ الخ) قال فی البحر :الجرح والنقطۃ، وماء السرۃ ،والثدی ،والاذن ،والعین اذا کان لعلۃ سواء فی الاصح ای فی النقض.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفااللہ عنہ

۲۶ربیع الثانی۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۶۶۳

﴿خون کا بدن پر ظاہر ہونے کی حالت میں وضوء کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں ،علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خون اگر بدن پر ظاہر ہو جائے اور اپنی جگہ پر برقرار رہے تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ مستفتی: جہاں ملوک

﴿جواب﴾ خون اگر بدن پر ظاہر ہو جائے اور اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے یعنی زخم وغیرہ کے منہ سے تجاوز کر کے بہہ نہ جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لمافی حاشیۃ الطحطاوی:(ص ۵۱،طبع قدیمی)

(لاتنتقض الوضوء)منها(ظهور الدم لم يسل عن محله)ولا مانعا على الصحيح فلا يكون ناقضا.

ولمافی نور الایضاح:(ص ۳۶،طبع قدیمی):ظهور دم لم يسل عن محله.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۳۸،طبع قدیمی)

(لاتنتقض الوضوء)منها ظهور دم لم يسل عن محله)لانه لا ينجس جامدا ولا مانعا على الصحيح فلا يكون ناقضا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۴۲۷

﴿شراب پینے کے بعد وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دوست کا وضو تھا حالت وضو اس نے شراب پی لی اب معلوم یہ کرنا ہے کہ شراب کی وجہ سے وضوء ٹوٹ گیا یا نہیں اور ایسے وضوء سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ وہ ایسا عادی ہو گیا ہے کہ نشہ وغیرہ نہیں آتا۔ مستفتی: محمد رضوان کورنگی

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں اس کا وضو برقرار ہے البتہ حرام کام کے ارتکاب کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرے۔

لمافی القدوری:(ص ۱۹-۲۰،طبع قدیمی)

كل ما خرج من السبيلين والدم والقيح والصديد اذا خرج من البدن فتجاوز الى موضع

یلحقه حکم التطهیر والثانی اذا کان ملأ الفم والنوم مضطجعا او متکئا او مستندا الی شئ لو أزیل لسقط عنه والغلبة علی العقل بالاغماء والجنون

ولما فی تنویر الابصار (۸۹/۱، ۱۰۰ طبع سعید کمپنی)

ومندوب فی نیف وثلاثین موضعا ذکرتها فی الخزائن منها بعد کذب وغیبة وقهقهه وشعر وأکل جزور وبعد کل خطیئة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۷۳

﴿انجکشن کے ذریعے نکالے گئے خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حالت وضو میں ہو اور اس دوران انجکشن کے ذریعے بدن کے کسی حصہ سے خون نکال لے تو اس کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ حالانکہ خون بدن کے ظاہری حصہ پر نہیں لگتا۔ مستفتی: محمد طیب اورنگی ٹاؤن

﴿جواب﴾ انجکشن کے ذریعے نکالے گئے خون سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ نکالا گیا خون بدن کے کسی حصہ پر نہ لگے بشرطیکہ خون اتنی مقدار میں ہو کہ اس میں بہنے کی صلاحیت ہو۔

لما فی التنویر وشرحه: (۱۳۴/۱-۱۳۵، طبع سعید)

(وینقضه خروج نجس) بالفتح ویکسر (منه) ای من المتوضی الحی — (الی مایطهر) ای یلحقه حکم التطهیر ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهور وفی غیرهما عین السیلان ولو بالقوة لما قالوا لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکه لسال نقض والا لا. فالاحسن مافی النهر عن بعض المتأخرین من ان المراد بالسیلان ولو بالقوة ای فان دم الفصد ونحوه سائل الی مایلحقه حکم التطهیر.

ولما فی التنویر والدر: (۱۳۶/۱ طبع سعید)

(والمخرج) بعصر (والخارج) بنفسه (سیان) فی حکم النقض علی المختار.

ولما فی التنویر والدر: (۱۳۹/۱ طبع سعید)

(وکذا ینقضه علقة مصت عضوا وامتلأت من الدم ومثلها القراد ان کان کبیرا لانه حینئذ (یخرج منه دم مسفوح) سائل (والا) ای وان لم تکن العلقة والقراد کذالک (لا) ینقض (کبعوض وذباب) کما فی الخانیة لعدم الدم المسفوح.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۱۳

﴿مہندی کی وجہ سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے ہاں شادی کے دن دولہا کے ہاتھوں پر مہندی لگواتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مہندی لگانے سے جنابت کا غسل ادا نہیں ہوتا، اسلئے مہندی لگوانا جائز نہیں کیا یہ بات درست ہے؟ مستفتی: طلحہ محمد

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت نے عورت کو مہندی لگانے کی مطلقاً اجازت دی ہے بلکہ ترغیب دی ہے اور مرد کیلئے سر اور داڑھی کے علاوہ ہاتھوں اور پاؤں پر بلا ضرورت مہندی لگانے کو مکروہ قرار دیا ہے، لہٰذا دولہا کے ہاتھوں پر مہندی لگانا صحیح نہیں ہے لیکن غسل اور وضو سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے غسل اور وضوء بلاشبہ ہو جاتے ہیں۔

لما فی سنن ابی داؤد:(۲/۲۲۰،طبع رحمانیه)

عن عائشة رضی الله عنها ان هند بنت عتبة قالت یا نبی الله بایعنی فقال لا ابایعک حتی تغیری کفیک فکانهما کفا سبع.

ولما فی المرقاة:(۸/۲۶۹،طبع رشیدیه)

الحناء سنة للنساء ویکره لغیرهن من الرجال الا ان یکون لعذر لانه تشبه بهن ومفهومه ان تخلیة النساء عن الحناء مطلقا مکروه ایضاً تشبهن بالرجال وهو مکروه.

ولما فی الدر المختار:(۱/۱۵۴،طبع سعید)

(ولا یمنع)الطهارة(ونیم)ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته(وحناء)ولو جرمه به یفتی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۶۱

﴿سوئمنگ پول میں نہانے سے وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تمام ساتھی سیر و تفریح کے لئے پارک گئے، وہاں سوئمنگ پول (تیرنے کا حوض) میں تیرنا شروع کیا اس وقت میں باوضوء تھا، تیرتے تیرتے میرا وضوء ٹوٹ گیا پھر بھی میں مسلسل تیرتا رہا، وہاں سے نکل کر میں نے نماز پڑھی معلوم یہ کرنا ہے کہ میری نماز ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ میں نے سوئمنگ پول

(تیرنے کا حوض) میں نہانے کے دوران وضوء کی نیت نہیں کی تھی۔ مستفتی: محمد عمیر دین محمد کورنگی

﴿جواب﴾ وضوء کے صحیح ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے، نیت کے بغیر بھی وضوء ہو جاتا ہے لیکن نیت کے بغیر وضوء کرنے سے ثواب نہیں ملتا، اگر حوض دہ دردہ (بڑا حوض) ہو تو اس کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہے۔

مذکورہ صورت میں اگر سوئمنگ پول (تیرنے کا حوض) دہ دردہ (بڑا حوض) تھا تو اسکا پانی ماء جاری کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اس میں تیرنے کی وجہ سے آپ کا وضوء ہو گیا اور اس وضوء سے پڑھی گئی نماز بھی ہو گئی ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۰۷ طبع ایچ ایم سعید)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله وصرحوا انها بدونها ليس بعبادة:قال ابن العابدين قوله صرحوا بانه بدونها اى الوضوء بدون النية ليس عبادة وذلك كان دخل الماء مدفوعاً او مختاراً لقصد التبرد اولمجرد ازالة الوسخ كما في الفتح،قال في النهر:لانزاع لاصحابنا اى مع الشافعي في ان الوضوء المامور به لا يصح بدون النية.....الخ،وفي مبسوط شيخ الاسلام لاكلام في ان الوضوء المامور به لا يحصل بدون النية لكن صحة الصلاة لاتتوقف عليه لان الوضوء المامور به غير مقصود وانما المقصود الطهارة وهي تحصل بالمامور به وغيره لان الماء مطهر بالطبع.....الخ وفي البحر:وليست النية بشرط في كون الوضوء مفتاحاً للصلاة انما هي شرط في كونه سبباً للثواب على الاصح

ولما فی الهندية:(۱/۱۸،طبع رشيديه)

الماء الراكد اذا كان كثيرا فهو بمنزلة الجارى..... والفاصل بين الكثير والقليل انه اذا كان الماء بحيث يخلص بعضه الى بعض بان تصل النجاسة من الجزء المستعمل الى جانب الآخر فهو قليل والا فكثير قال ابو سليمان الجوزجاني ان كان عشرا في عشر فهو مما لا يخلص وبه اخذ عامة المشائخ رحمهم الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۲۲

﴿گرمی دانے پھٹ جانے سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ موسم گرما میں اکثر لوگوں کے بدن پر گرمی دانے نکلتے ہیں ان کے پھٹ جانے

سے جو پانی نکلتا ہے اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر دانہ پھوٹنے سے پانی از خود نہیں بہا بلکہ ہاتھ یا کپڑا لگنے سے پھیل گیا تو وضوء نہیں ٹوٹا اور اگر پانی زخم سے ابھر کر اوپر آگیا اور دانہ کے سوراخ سے زائد جگہ میں پھیل گیا مگر اوپر ابھرنے کے بعد نیچے نہیں اترا تو اس کے ناقض ہونے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ ناقض نہیں۔

لما في الشامي:(۱/۱۳۵ طبع سعید)لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض والا لا.

وفي الشامية:(عين السيلان)اختلف في تفسيره:ففي المحيط عن أبي يوسف: أن يعلو وينحدر وعن محمد:اذاانتفخ على رأس الجرح وصار اكثر من رأسه نقض،والصحيح لاينتقض.ه قال في الفتح بعد نقله ذالك:وفي الدراية جعل قول محمد أصح،ومختار السرخسي الاؤل وهوالأولى.ه أقول:وكذاصححه قاضي خان وغيره وفي البحر تعريف تبعه عليه.ط فاجتنبه : (احسن الفتاوی بحواله ردالمحتار:(۱/۲۶۲)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۴

﴿بے ہوشی نشہ اور جنون سے وضوء ٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ مباشرت فاحشہ، بیہوشی نشہ اور جنون سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن صحیح نہیں سمجھ سکا براہ کرم مباشرت فاحشہ اور جنون سے کیا مراد ہے؟ نیز یہ بھی بتایئے کہ اگر وضوء کے دوران کوئی جگہ دھونے سے رہ جائے یا اس طرح کا شک آجائے تو پورا وضوء لوٹانا چاہئے یا صرف وہی جگہ دھونا کافی ہے۔ مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ مباشرت فاحشہ کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی کی شرم گاہ آپس میں ملیں اور باقاعدہ دخول نہ ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور دخول کی صورت میں غسل بھی واجب ہو جاتا ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(۱/۱۴۶ طبع سعید)

(و مباشرة فاحشة)بتماس الفرجين ولو بين المرأتين والرجلين مع الانتشار (للجانبين) المباشر والمباشر ولو بلا بلل على المعتمد.قال الشاميّ تحتها قوله (بتماس الفرجين)أى من غيرحائل من جهة القبل أوالدبر‘شرح المنية‘

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۲،۱۳، طبع: رشیدیۃ)

اذا باشر امرأتہ مباشرۃ فاحشۃ بتجرد وانتشار وملاقاۃ الفرج بالفرج ففیہ الوضوء فی قول أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمھما اللّٰہ تعالیٰ استحسانا وقال محمدؒ لا وضوء علیہ وھو القیاس کذا فی المحیط وفی النصاب ھو الصحیح وفی الینابیع وعلیہ الفتوی کذا فی التاتارخانیۃ فی الملامسۃ الفاحشۃ۔

عقل کا زائل ہونا جنون کہلاتا ہے نشہ سے عقل مغلوب ہوجاتی ہے اور بیہوشی میں بھی عارضی طور پر عقل کام نہیں کرتی ایسی کوئی بھی کیفیت ہوجائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۴۳، طبع: سعید)

(و)ینقضہ (اغماء)و منہ الغشی(وجنون وسکر)بأن یدخل فی مشیہ تمائل ولو بأکل الحشیشۃ ،قال الشامیؒ

(قولہ وینقضہ اغماء)....... آفۃ فی القلب أو الدماغ تعطل القوی المدرکۃ والمحرکۃ عن أفعالھا مع بقاء العقل مغلوبا (قولہ ومنہ الغشی)تعطل القوی المحرکۃ والحساسۃ لضعف القلب من الجوع..... (قولہ والجنون)صاحبہ مسلوب العقل بخلاف الاغماء فانہ مغلوب والاطلاق دال علی أن القلیل من کل منھما ناقض لأنہ فوق النوم مضطجعا (قولہ سکر)ھو حالۃ تعرض للانسان من امتلاء دماغہ من الابخرۃ المتصاعدۃ من الخمر ونحوہ فیتعطل معہ العقل الممیز بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ.

دوران وضوء کوئی جگہ خشک رہ جائے یا پورا اندام دھونا واقعی بھول جائے تو بعد میں دھونا کافی ہے پورا وضوء دوبارہ کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر کسی جگہ کے بارے میں دوران وضوء شک آجائے کہ دھویا ہے یا نہیں اور اب پہلی مرتبہ ہوا تو احتیاطا دھولے بار بار ایسا شک آتا رہتا ہے تو توجہ نہ دے اسی طرح وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اگر شک آجائے تب بھی توجہ نہ دے

لما فی الھندیۃ:(۱/۱۳، طبع: رشیدیۃ)

فی الأصل من شک فی بعض وضوئہ وھو أول ما شک غسل الموضع الذی شک فیہ فان وقع ذالک کثیرا لم یلتفت الیہ، ھذا اذا کان الشک فی خلال الوضوء فان کان بعد الفراغ من الوضوء لم یلتفت الی ذالک

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۱۸۹

﴿خارج عن السبیلین سے وضو ٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! کیا سبیلین سے نکلنے والی ہر چیز سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ اور کیا خروج ریح میں کوئی تفصیل ہے؟ کہ اگر آواز سے ہو تو وضوء ٹوٹتا ہے اور اگر بغیر آواز سے ہلکی سی ریح نکل جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا، براہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مرد و عورت کے سبیلین یعنی قبل و دبر دونوں سے جو چیزیں عادۃً خارج ہوتی ہیں مثلاً پیشاب، پاخانہ، ریح، منی، مذی اور ودی یا خلاف عادت کبھی کبھی خارج ہوتی ہیں بمثلاً کیڑا چھوٹی کنکری اور خون وغیرہ ہر دونوں قسم کے چیزوں سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کم مقدار میں خارج ہو جائے یا زیادہ اور یہی حکم اُس ریح کا بھی ہے جو بغیر آواز کے اور ہلکی ہو البتہ مرد کے ذکر اور عورت کے قبل سے کبھی کبھی ریح خارج ہوتی ہے اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ دبر سے خارج شدہ ریح کے حکم میں نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۳۲/۱ ،طبع سعید)

(وینقضه خروج) کل خارج (نجس) بالفتح ویکسر (منه) أی من المتوضئ الحی معتادا أو لا من السبیلین أو لا (الی ما یطهر) بالبناء للمفعول ،أی یلحقه حکم التطهیر.

ولما فی الفقه الاسلامی:(۲۱۸/۱ طبع: رشیدیة)

کل خارج من أحد السبیلین معتاد کبول أو ریح أو مذی أو ودی أو منی أو غیر معتاد کدودة و حصاة ودم قلیلا کان الخارج أو کثیرا

لقوله تعالی (أو جاء أحد منکم من الغائط (المائدة ۶/۵) کناية عن الحدث من بول وغائط و لقوله علیه السلام لا یقبل الله صلوة أحدکم اذا أحدث حتی یتوضا فقال رجل من أهل حضر موت ما الحدث یا أباهریرة ؟ قال فساء أو ضراط (متفق علیه من حدیث أبی هریرة نیل الاوطار ۱۸۵/۱) وقوله علیه السلام "لا وضوء الا من صوت أو ریح (الترمذی وابن ماجه) ولأنّ الخارج غیر المعتاد خارج من السبیل فأشبه المذی ولانه لا یخلو من بلة تتعلق به فینتقض الوضوء بها وقد أمر النبی ﷺ المستحاضة بالوضوء لکل صلاة و دمها خارج غیر معتاد واستثنی الحنفیة فی الأصح ریح القبل فهو غیر ناقض لأنه اختلاج لا ریح و لن کان ریحا فهو لا نجاسة فیه .

وكذا في فتح القدير:(١/٤٧، طبع رشيديه)

والريح من الذكر فهو اختلاج وليس بريح فلا ينقض كالريح الخارجة من جراحة في البطن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۷۵

﴿نیند کی وہ حالتیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب، نیند کی وہ کون کونسی حالتیں ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اسی طرح وہ کون کونسی حالتیں ہیں جن سے وضو نہیں ٹوٹتا براہ کرم مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اونگ سے نہیں ٹوٹتا چونکہ نیند میں انسان کے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے سے بے خبر ہو جاتا ہے اس لیے غالب یہی ہے کہ ریح خارج ہوگئی ہوگی، تو گہری نیند بشرطیکہ اسکی جسمانی ہیئت وکیفیت بھی ایسی ہو کہ جس میں ریح خارج ہونا غالب ہو، وضوء کیلئے ناقض قرار دے دیا گیا ہے لہذا نماز میں سنت ہیئت بدلے بغیر کوئی سو جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا، خارج نماز سیدھا بیٹھا ہو تب بھی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، ٹیک لگا کر سو جائے اور نچلا حصہ زمین سے اٹھا ہوا ہو اور نیند اتنی گہری ہو کہ بالفرض سہارا دور کیا جائے تو وہ گر پڑے تو اتنی گہری نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

كما في الهندية:(١/١٢، طبع رشيديه)

ينقضه النوم مضطجعا في الصلاة وفي غيرها بلا خلاف بين الفقهاء وكذا النوم متوركا بأن نام على أحد وركيه. هكذا في البدائع ولو كان النوم مستلقيا على قفاه هكذا في البحر الرائق ولو نام مستندا الى ما لو أزيل عنه لسقط ان كان مقعدته زائلة عن الأرض نقض بالاجماع، وان كان غير زائلة فالصحيح أن لا ينقض هكذا في التبيين ولو نام قاعدا ووضع أليتيه على عقبيه شبه المنكب لا وضوء عليه ولا ينقض نوم القائم والقاعد ولو في السرج أو المحمل ولا الراكع ولا الساجد مطلقا ان كان في الصلاة وان كان خارجها فكذلك الا في السجود فانه يشترط أن يكون على الهيئة المسنونة بأن يكون رافعا بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه وان سجد على غير هذه الهيئة انتقض وضوءه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ — فتویٰ نمبر: ۳۱۷۴

﴿خروج ریح اور نیند کے بعد وضو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضوء کیلئے استنجاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت بھی کرتے ہیں، اسی طرح اگر خروج ریح وغیرہ ہو جائے یا جب بھی وضوء کا ارادہ ہو اس سے پہلے استنجاء کو ضروری سمجھتے ہیں اگرچہ اسکی کوئی حاجت نہ ہو، کیا انکا یہ فعل درست ہے؟

﴿جواب﴾ خروج ریح کی صورت میں یا نیند سے بیدار ہونے کے بعد یا ہر وقت وضوء سے قبل استنجاء کو ضروری سمجھنے کو علماء نے بدعت لکھا ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۳۵،طبع سعید)

لا(للتنجس عن سبیل ، فلا یسن من ریح وحصاۃ ونوم وفصد قوله:(فلا یسن من ریح) لأن عینها طاهرۃ وانما نقضت لانبعاثها عن موضع النجاسة ولأن بخروج الریح لا یکون علی السبیل شئ فلا یسن منه بل هو بدعة کما فی المجتبیٰ بحر......(ونوم لأنه لیس بنجس أیضاً.

ولمافی الهندیة:(۱/ ۵۰،طبع رشیدیه)

(الاستنجاء علی خمسة أوجه)---والخامس بدعة وهو الاستنجاء من الریح کذا فی الاختیار شرح المختار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۱

﴿وضو اور نماز میں منہ سے خون آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں (۱) کہ میں وضو کرتے ہوئے جب مسواک کرتا ہوں یا صرف انگلی سے دانت صاف کرتا ہوں تو ایک مسوڑے سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے کبھی دوران وضو پتہ چلتا ہے کہ خون آرہا ہے اس وقت از سر نو وضو کروں یا وہی کافی ہے؟ اگر از سر نو وضو کا حکم ہے تو کیا اس میں خون رکنے کا انتظار کروں یا نہیں اور دوبارہ وضو میں مسواک یا انگلی کا استعمال کروں یا نہیں؟

(۲) کبھی نماز میں اس مسوڑے کو زبان لگنے سے خون آتا ہے ذائقہ سے پتہ چلتا ہے کہ خون آگیا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ خون غالب ہے یا تھوک تو کیا جب ذائقہ محسوس ہوتو نماز چھوڑ کر وضو کروں یا نماز کے بعد تھوکنے سے معلوم کروں کہ خون زیادہ ہے یا تھوک؟ اس صورت میں اگر خون زیادہ ہوتو اعادہ صلوٰۃ کروں؟ یادر ہے کہ یہ خون کبھی کبھی آتا ہے ہر وضو میں نہیں۔

﴿جواب﴾ دوران وضو یا وضو کے بعد مسوڑے سے خون نکل آئے اور تھوک خون پر غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹا اسی طرح تھوک خون برابر ہیں تب بھی وضو نہیں ٹوٹا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ وضو کرلیں اور اگر خون تھوک پر غالب ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی البخاری: (۲۵/۱، طبع قدیمی)

قال رسول الله ﷺ ولا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضا.

ولمافی التنویر وشرحه: (۱۳۹/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وينقضه دم مائع من جوف او فم غلب على البزاق حكما للغالب او ساواه احتياطا لا ينقضه المغلوب بالبزاق.

ولمافی الدر المختار: (۸۵/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وسببها الحدث فى الحكمية وهو وصف شرعى يحل فى الاعضاء يزيل الطهارة.

مسواک اور انگلی کے استعمال سے اگر آپکو بار بار وضو ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے تو آپ صرف کلی پر اکتفاء کر سکتے ہیں عذر کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الشامی: (۱۰۲/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وفى التحرير ان تاركها يستوجب التضليل واللوم والمراد الترك بلا عذر على سبيل الاصرار كما فى شرح التحرير لابن امير حاج.

(۲) اگر نماز کے دوران مسوڑے سے خون نکلے تو غالب گمان پر عمل کیا جائے گا اگر غالب گمان خون کے تھوک پر غلبہ کا ہے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر صرف شک ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تھوکنے سے خون غالب نظر آیا اس سے بھی اگر غالب گمان ہو جائے کہ دوران نماز خون تھوک پر غالب تھا تو نماز واجب الاعادہ ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الدر المختار:(۱/۲۸۳،طبع امدادیہ)

ولو ایقن بالطھارۃ وشک بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین۔

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۳،طبع رشیدیہ)

من شک فی الحدث فھو علی وضوئہ۔

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حسین عفی عنہ

۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۶۴۸

﴿نسوار اور سگریٹ سے وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نسوار اور سگریٹ سے وضو ٹوٹتا ہے؟ نیز جب نسوار منہ میں ہو تو ہم ذکر کر سکتے ہیں؟ مستفتی: محمد دین وزیرستانی

﴿جواب﴾ نسوار اور سگریٹ سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ دونوں سے منہ بدبودار ہوجاتا ہے ایسی صورت میں وضو مستحب ہے ذکر کیلئے بھی منہ کا صاف ہونا مستحب ہے ضروری نہیں ہے

لما فی الشامی:(۱۰/۴۲،طبع امدادیہ ملتان)

فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لایلزم منہ تحریمہ علی کل احد

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر ۱۷۷

﴿بچے کو دودھ پلانے سے عورت کا وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ اگر عورت بحالت وضوء اپنے بچہ کو دودھ پلائے یا خود بخود اس کا دودھ نکل آئے تو کیا ان دونوں صورتوں میں عورت کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: ام عکاشہ

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا، وضوء ٹوٹنے کا مدار نجس چیز کے نکلنے پر ہوتا ہے جبکہ عورت کا دودھ نجس نہیں ہے۔

لما فی البحر الرائق(۱/۲۹،طبع سعید)

(قولہ وینقضہ خروج نجس منہ) ای وینقض الوضوء خروج نجس من المتوضیء الخ۔

ولمافی الدر المختار:(۱/۲۶۱،طبع امدادیہ)

(وینقضہ خروج)کل خارج (نجس)بالفتح وبکسر(منہ)ای من المتوضی،الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۶ رجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۴۹

﴿فلم وڈیو دیکھنے سے وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماکرام کہ فلم وڈیو دیکھنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فلم وڈیو دیکھنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا لیکن گناہ ہے اور گناہ کے بعد وضوء کرنا مستحب ہے۔

لمافی قاضی خان:(۱/۳۲،طبع قدیمی)

ومندوب وذالک غیر معدود ، فمنها الوضوء للنوم اذا اراد النوم یستحب له ان یتوضأ ومنها المحافظة علی الوضوء وتفسیره ان یتوضأفی الاوقات کلها ومنها الوضوء بعدالغیبة وبعد انشادالشعر.

ولمافی نورالایضاح:(ص۲۲،طبع قدیمی)

ومندوب للنوم علی طهارة.....وبعدکلام غیبة وکذب وبعدکل خطیئة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن ندیم سواتی

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۳۲۶

﴿گھٹنے کھلنے سے وضونہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ اگر گھٹنے کھل جائیں تو کیا اس سے وضوٹوٹتا ہے؟

﴿جواب﴾ گھٹنے کھلنے سے وضونہیں ٹوٹتا،البتہ لوگوں کے سامنے گھٹنوں کا کھولنا گناہ ہے اور ہرگناہ کے بعد وضوکا اعادہ مستحب ہے،لہٰذا ایسی صورت میں وضوء کا اعادہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۱۹۷-۱۹۸،طبع امدادیہ)

ومندوب فی نیف وثلاثین موضعاذکرتهافی الخزائن ومنهابعدکذب وغیبة وقهقهة وشعرواکل جزوروبعدکل خطیئة.

ولمافی الشامی:(۱/۲۰۲،طبع سعید)

فالرکبۃ من العورۃ لروایۃ الدار قطنی: ماتحت السرۃ" الی الرکبۃ من العورۃ".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۸۲

﴿دکھتی آنکھ بہنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنکھ سے بہنے والا پانی ناقض وضو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی: داؤد جان چارسدوی

﴿جواب﴾ آنسو آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا دکھتی آنکھوں سے آنے والے پانی میں اگر یقینی طور پر خون یا پیپ شامل نہیں ہے تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا، احتیاط کرے تو زیادہ بہتر ہے، ہاں خون یا پیپ آنا ظاہر ہو یا معالج اسکو پیپ قرار دے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ایسی صورت میں نماز کا وقت داخل ہونے سے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی الشامی:(۱/۲۸۰،طبع امدادیہ)

(ناقض)قال فی المنیۃ:وعن محمد اذاکان فی عینیہ رمدوتسیل الدموع منہا آمرہ بالوضوء لوقت کل صلوۃ لانی اخاف ان یکون مایسل۔۔۔نعم اذاعلم با خبار الاطباء اوبعلامات تغلب ظن المبتلی یجب اھ۔۔۔لکن صرح فی المعراج بانہ صاحب عذر فکان الامر للایجاب ویشھدلہ قول المجتبی ینتقض وضوءہ۔

لمافی البحر:(۱/۳۲-۳۳،طبع سعید)

ولوکان فی عینیہ رمدا وعمش یسیل منہا الدموع قالوا یؤمر بالوضوء لوقت کل صلوۃ لاحتمال ان یکون صدیدا اوقیحا اھ وھذا التعلیل یقتضی انہ امر استحباب فان الشک۔۔۔۔علی ظن المبتلی یجب.

ولمافی فتح القدیر:(۱/۱۸۷،طبع رشیدیہ)

فی عینیہ رمدیسیل دمعھا یؤمر بالوضوء لکل وقت صلوۃ لاحتمال کونہ صدیدا، واقول ھذاالتعلیل یقتضی انہ امر استحباب فان الشک والاحتمال فی کونہ ناقضالایوجب الحکم بالنقض ۔۔۔۔اوعلامات تغلب ظن المبتلی یجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۵ محرم ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر ۱۰۸۳

﴿انجکشن سے وضوء ٹوٹنے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں ،علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل انجکشن کے ذریعے بیشار لوگوں کے جسم میں دوا داخل کی جاتی ہے،اور انجکشن لگانے کے بعد اس جگہ سے خون نکل آتا ہے،سوال یہ ہے کہ یہ خون ناقض وضو ہے یا نہیں؟ نیز آجکل ہاسپٹل میں خون ٹیسٹ کے لئے انجکشن کے ذریعے خون نکالا جاتا ہے تو کیا اس سے وضوٹوٹ جائے گا؟ مستفتی: عبدالشکور

﴿جواب﴾ (۱) انجکشن گوشت میں لگا کر جو خون جسم سے نکلتا ہے وہ عموماً بہت کم مقدار میں ہوتا ہے،اس لئے وہ ناقض وضو نہیں ،ہاں اگر کبھی زیادہ مقدار میں خون نکلے اور اپنی جگہ سے بہہ جائے تو وضوٹوٹ جائے گا،البتہ وریدی انجکشن میں چونکہ پہلے پچکاری میں خون نکالا جاتا ہے،تاکہ سوئی کا ورید میں پہنچنے کا یقین حاصل ہو جائے اور یہ خون عموماً کافی مقدار میں ہوتا ہے، لہٰذا اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔

(۲) اور اگر انجکشن کا منشاء خون نکالنا ہی ہو،جیسا کہ خون ٹیسٹ وغیرہ میں ہوتا ہے تو یہ مطلقاً ناقض وضو ہے،اسلئے کہ یہ خون زیادہ مقدار میں ہوتا ہے،لہٰذا اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔

لما فی الدر مع الرد:(۱/۲۶۲،طبع امدادیه)

لومسح الدم کلما خرج ولوترکه لسال نقض والا لا وفی الشامیة:کذا اذا وضع علیه قطنا او شیئا آخر حتی ینشف ثم وضعه ثانیا وثالثا فانه یجمع جمیع ما ینشف فان کان بحیث لوترکه سال نقض

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۹۳ طبع قدیمی)

ولو غرز رجل ابرة فی یده وخرج منه الدم وظهر اکثر من راس الابرة لم ینتقض وضوء ه ـــ اذا غرز فی عضوه شوکا او ابرة فأخرج ذلک وظهر منه الدم ولم یسل ظاهرا لا ینتقض وضوء ه

ولما فی تنویر الابصار وشرحه:(۱/۲۶۸،طبع امدادیه)

(وکذا ینقضه علقة مصت عضوا وامتلأت من الدم ومثلها القراد ان) کان (کبیرا) لأنه حینئذ (یخرج منه دم مسفوح) سائل.

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۹۲،طبع قدیمی)

القراد اذا مص من عضو انسان وامتلأ دما ان کان صغیرا لا ینتقض وضوء ه وان کان کبیرا ینتقض العلقة اذا اخذت بعض جلد الانسان ومصت حتی امتلأت من دمه بحیث

لو سقطت لسال انتقض الوضوء لان الدم سائل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر ۱۰۸۶

﴿آبلے یا زخم سے خون وغیرہ نکلے یا کوئی نکالے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنا آبلہ (دانہ) پھوڑے اور اس سے خون یا پیپ وغیرہ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آبلے یا زخم سے خون یا پیپ وغیرہ خود نکلے یا دبا کر کوئی نکالے، ہر دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی التنویر وشرحہ: (۱/۱۳۶ طبع سعید)

(والمخرج) بعصر (والخارج) بنفسہ (سیان) فی حکم النقض علی المختار کما فی البزازیۃ قال لان فی الاخراج خروجا فصار کالفصد وفی الفتح عن الکافی انہ الاصح واعتمدہ القہستانی وفی القنیۃ وجامع الفتاوی انہ الاشبہ ومعناہ انہ الاشبہ بالمنصوص روایۃ والراجح درایۃ فیکون الفتوی علیہ. وفی الھندیۃ: (۱/۱۱ رشیدیہ)

ولما فی حلبی کبیر: (ص ۱۱۵ طبع نعمانیہ)

وذکر فی المحیط "عصرت القرحۃ فخرج منہا شئی کثیر وکانت بحال لو لم تعصر لا یخرج شئی ینتقض الوضوء ...... وما فی المحیط اوجہ قال الشیخ کمال الدین ابن الھمام لا یظھر تأثیر للاخراج وعدمہ فی ھذا الحکم لکونہ خارجا نجسا وذلک یتحقق مع الاخراج کما مع عدمہ فصار کالفصد وقشر النقطۃ فلذا اختار السرخسی فی جامعہ النقض فکیف وجمیع الادلۃ المورد تمن السنۃ والقیاس تفید تعلیق النقض بالخارج النجس وھو ثابت فی المخرج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر ۱۹۱۷

﴿فصل فی الحیض والنفاس والجنابۃ﴾

﴿حیض ونفاس اور جنابت کے مسائل﴾

﴿مدت نفاس میں چار دن کے بعد خون بند ہونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے گھر ایک بچے

کی ولادت ہوئی ماں کو چار دن خون آیا اور پھر خون آنا بند ہوا، رمضان کا مہینہ تھا ماں نے نہ روزے رکھے اور نہ نماز پڑھی، بعد میں پتہ چلا کہ نفاس کی کوئی اقل مدت متعین نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ موصوفہ پر نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟ مستفتی: بشیر احمد نوشہرہ

﴿جواب﴾ چونکہ چار دن کے بعد خون آنا بند ہوا، لہذا اس وقت غسل کر کے نماز اور روزہ کا اہتمام کرنا چاہیے تھا لیکن جہل کی وجہ سے روزے نہیں رکھے اور نماز بھی نہیں پڑھی، اس لئے توبہ واستغفار کرے اور روزوں ونماز کا اعادہ کرے۔

لما فی العالمگیریة :(۱/۳۸-۳۹،طبع رشیدیه)

(الاحکام التی یشترك فیها الحیض والنفاس ثمانیة)...ولو انقطع دمها دون عادتها یکره قربانها وان اغتسلت حتی تمضی عادتها وعلیها ان تصلی وتصوم للاحتیاط.

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۲۹۴،طبع قدیمی)

امراة ولدت وانقطع دمها بعد یوم او یومین انتظرت الی اخر الوقت، واغتسلت وصلت.

ولما فی البحر الرائق:(۱/۲۱۹،طبع سعید)

(ولا حد لاقله)ای النفاس...وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطه اتفق اصحابنا علی ان اقل النفاس ما یوجد، فانها کما ولدت اذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فانها تصوم و تصلی وکان ما رأت نفاسا، لا خلاف فی هذا بین اصحابنا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۲۵

﴿نفاس کا خون کچھ بھی نہ آئے تب بھی غسل واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کا بچہ پیدا ہوگیا، لیکن ولادت کے بعد کوئی خون نہیں آیا پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر نفاس کے احکام جاری ہونگے یا نہیں، اگر نفاس کے احکام جاری نہیں ہوتے تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بچے کی ولادت کے بعد کوئی خون ظاہر نہ ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک واجب ہے اور امام صاحبؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا

ہے، لہٰذا ایسی عورت غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھا کرے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۶۸ طبع سعید کراچی)

(قوله اوولدت ولم تر دما) هذا قول الامام،وبه اخذاکثر المشایخ وعند ابی یوسف ، وهو روایة عن محمدؒ لا غسل علیها لعدم الدم وصححه فی التبیین والبرهان کما بسطه فی الشرنبلالیه ومشی فی نورالایضاح .لکن فی السراج ان المختار الوجوب احتیاطا وهو الاصح.انتهی

ولما فی الهندیه :(۱/۷ طبع رشیدیه)

ولو ولدت ولم تر دما لا یجب الغسل عند ابی یوسف وهو روایة عن محمدؒقال فی المفید هوالصحیح،لکن یجب علیها الوضوء بخروج النجاسة مع الولدهکذا فی التبیین وعند ابی حنیفة رحمه الله یجب الغسل وأکثر المشایخ اخذو بقوله وبه کان یفتی الصدر الشهید هکذا فی المحیط وقال ابو علی الدقاق وبه ناخذ کذا فی المضمرات .وفی الفتاوی هوالصحیح

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۶۷۴

﴿ناتمام بچے کی ولادت کے بعد نفاس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کا ایسا بچہ پیدا ہو جائے جسکے بعض اعضاء بنے ہوں اور بعض نہیں یا بالکل اعضاء نہ بنے ہوں گوشت کا ایک لوتھڑا ہو تو اسکے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ حمل ضائع ہونے کی صورت میں بچے کے اعضاء کچھ کچھ اگر ظاہر ہوں تو بعد میں آنے والا خون نفاس شمار ہوگا۔ اور اعضاء کچھ بھی اگر ظاہر نہ ہوں تو بعد میں آنے والا خون حیض شمار ہوگا بشرطیکہ تین دن سے کم نہ ہو اور اس سے پہلے ماہواری کے بعد کم از کم پندرہ دن گزرے ہوں بصورت دیگر استحاضہ شمار ہوگا حیض و نفاس نہیں۔

لما فی الهندیه ۱/۳۷ طبع سعید کراچی

والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع اوظفر اوشعر ولد فتصیر به نفساء هذا فی التبیین وان لم یظهر شیئمن خلقه فلا نفاس لها فان امکن جعل مرئی حیضا یجعل

حیضا والا استحاضة.

ولما فی البحر الرائق ۱/ ۲۱۸، ۲۱۹ طبع سعید کراچی

(قوله والسقط ان ظهر بعض خلقه ولد) وهو الولد الساقط قبل تمامه وهو کالساقط بعد تمامه فی احکام فتصیر المرأة به نفساء ...قید بقوله ان ظهر لانه لو لم یظهر من خلقته شیئ فلا یکون ولدا ولا تثبت هذه الاحکام فلا نفاس لها لکن ان امکن جعل المرئی من الدم حیضا وان لم یمکن کان استحاضة کذا فی العنایه.

ولما فی لتنویر مع الدر ۱/ ۳۰۲، ۳۰۳ طبع سعید کراچی۔

(وسقط بعض خلقه کید ورجل) او اصبع او ظفر او شعر ۔۔۔(ولد) حکما (فتاسیر) المراة (به نفساء، ولا مة ام ولد ویحنث به)۔۔۔فان لم یظهر له شئی والمرئی حیض ان دام ثلاثا وتقدمه تام والا استحاضة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ فتویٰ نمبر: ۳۵۷۷

﴿عورت کا بچہ پیدا ہونے کے بعد خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کا پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد پندرہ دن تک خون جاری رہا، اس کے بعد اس سے مٹیالے رنگ کا پانی آنا شروع ہوگیا، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت کا غسل کر کے نماز، روزہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں عورت کا چالیس دن کے اندر جب تک خون مکمل بند نہ ہو جائے، یا خالص سفید پانی نہ دیکھے، تب تک وہ نفاس میں رہے گی، اس لئے کہ خالص سفید رنگ کے علاوہ مثلاً مٹیالہ، سبز، سیاہ وغیرہ کے رنگ کا پانی سب دم نفاس کے حکم میں ہے لہذا ایسی عورت کیلئے غسل کر کے نماز، روزہ، ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لما فی مجموعة رسائل ابن عابدین: (۱/ ۸۴ مکتبه: عثمانیه)

(وفی غیر الأیستماعدا البیاض الخالص) قیل هو شیء یشبه الخیط الابیضا (من الالوان) کالحضرة وغیرها من الخمسة السابقة (فی حکم الدم) ای فی مدة الحیض والنفاس

ولما فی حاشیة الطحطاوی: (۱/ ۲۲۸ طبع رشیدیه)

(قوله وماتراه من لون) کخمرة وسواد اجماعا وصفرة ضعیفة خضرة...........(قوله فی

منته)۔۔۔قوله سوى بياض خالص)۔۔۔(قوله فيها حيض) اى مدة ومثل الحيض النفاس

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ تاکوی

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۷۹

﴿جنابت کی صورت میں حیض لاحق ہو جائے تو کیا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اُس عورت کے بارے میں کہ جس کو جنابت لاحق ہونے کے بعد ماہواری بھی شروع ہوگئی، تو کیا یہ عورت جنابت سے غسل کریگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں عورت غسل کر بھی لے تو پاک نہ ہوگی، ماہواری ختم ہونے پر صرف ایک غسل کافی ہوگا، طبعی کدورت دور کرنے کے لئے غسل کرنا چاہے تو کرلے کوئی منع بھی نہیں ہے۔

لما في حلبي كبير (ص ۶۰ مطبع سهيل اكيڈمی)

ان احتلمت المرأة أدركها الحيض فان شاءت اغتسلت وان شاءت أخرت حتى تطهر

ولما في الفتاوى الهندية (۱۶/۱ مطبع رشيديه)

فقد نقل الشيخ سراج الدين الهندي الاجماع على انه لا يجب الوضوء على المحدث والغسل على الجنب والحائض والنفساء قبل وجوب الصلاة أو ارادة ما لا يحل الا به كذا في البحر الرائق وان أرادت أن تأكل أو تشرب ان تتمضمض وتغسل يديها

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس

۹ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۶۶

﴿حائضہ عورت دینی کتب کو چھوسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حائضہ عورت دینی کتب کا مطالعہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حائضہ عورت دینی کتب کا مطالعہ کرسکتی ہے، البتہ زیادہ احتیاط اور ادب اس میں ہے کہ پاک کپڑے یا غلاف سے اس کو پکڑے کیونکہ اکثر دینی کتب قرآنی آیات پر مشتمل ہوتی ہیں، جب کہ ایسی حالت میں آیات والے حصہ کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ باقی کتاب کو ہاتھ لگا سکتی ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۲۰۲/۱،طبع سعید)

وفی شرح الدرر والغرر ورخص المس بالید فی الکتب الشرعیۃ الا التفسیر.

ولما فی تنویر الابصار:(۲۹۲/۱،طبع سعید)

(ویمنع صلاۃ وصوما وتقضیہ ودخول مسجد والطواف وقربان ماتحت ازار وقراءۃ قرآن ومسہ الابغلافہ)

ولما فی الدرالمختار:(۱۷۶/۱،طبع سعید)

(والتفسیر کمصحف لاالکتب الشرعیۃ)فانہ رخص مسہا بالید لاالتفسیر کمافی الدرر عن مجمع الفتاوی.

وفی الشامیۃ:أقول:الاظہر:والاحوط القول الثالث ای کراھتہ فی التفسیر دون غیرہ لظہور الفرق ،فان القرآن فی التفسیر اکثر منہ فی غیرہ ،وذکرہ فیہ مقصود استقلالا، لاتبعا،فشبہہ بالمصحف اقرب من شبہہ ببقیۃ الکتب ،والظاہر ان الخلاف فی التفسیر الذی کتب فیہ القرآن بخلاف غیرہ کبعض نسخ الکشاف.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب:سعید احمد

۱۸ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
فتوی نمبر:۷۸۸

﴿بیماری کے ایام میں وظیفہ وغیرہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا منزل اور آیت کرسی پڑھنے کا روزانہ معمول ہو تو کیا وہ شرعی عذر کے دنوں میں پڑھ سکتی ہے یا نہیں براہ کرم وضاحت کیجئے؟

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن مقدس کی ایک آیت بھی تلاوت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں، البتہ وہ آیات جن میں دعا کا معنی ہو (مثلاً ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ......الخ، سورۃ فاتحہ، معوذتین، وغیرہ) انکو دعا کی غرض سے پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح علماء کرام کے جمع کردہ ادعیہ ماثورہ کے اوراد کو بھی پڑھ سکتی ہے جیسے مناجات مقبول وغیرہ کا منزل، لہٰذا بطور وظیفہ کے وہی آیات پڑھنے کی گنجائش ہے، جن میں دعائیہ کلمات موجود ہوں، جیسے سورۃ فاتحہ، معوذتین وغیرہ اور وہ آیات جن میں دعا کا معنی بالکل موجود نہ ہو جیسے ایت الکرسی وغیرہ تو بطور

وظیفہ ان آیات کا پڑھنا جائز نہیں لہذا مذکورہ صورت میں حیض اور نفاس کی حالت میں آیت الکرسی کا پڑھنا جائز نہیں اگر چہ بطور وظیفہ کیوں نہ ہو۔

لمافی الدرمع الرد:(۱/۲۹۳،طبع: سعید)

(لاباس)لحائض وجنب(بقرأة أدعية)وفی الشامية:فلوقرأت الفاتحة علىٰ وجه الدعاء أوشيئاًمن الآيات التی فيهامعنی الدعاء ولم ترد القرأة لاباس به.

ولمافی حلبی کبیری:(ص۵۰،طبع: نعمانیه)

ولن قرأمادون الآية بقصد القرآن أوقرأالفاتحة لابقصدالقرآن بل علىٰ قصدالدعاء أو قرأالآيات التی تشبه الدعاء مثل ربناآتنافی الدنياحسنةوفی الآخرة حسنة وقناعذاب النارونحوهاعلىٰ نية الدعاء وكذلوسمع خبرًاسارًافقال الحمدلله أوخبرسوء فقال انا لله وانااليه راجعون وكذاقرأة بسم الله الرحمٰن الرحيم علىٰ وجه الثناء لاعلىٰ قصد القرآن يجوز--- ولماعلىٰ وجه الدعاء والثناء فلانه ليس بقرآن لأن الأعمال بالنيات والالفاظ محتملة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۳رجب المرجب ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر:

﴿دوران حیض حاجت روائی کے لئے وظیفہ پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ آیت "أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ" روزانہ عشاء کے بعد ۵۰۰ مرتبہ اول اور آخیر میں درود شریف کیساتھ بطور وظیفہ لگا تار چالیس دن بلا ناغہ پڑھے، تو جو حاجت ہوگی وہ انشاء اللہ پوری ہو جائے گی، یہ بات ہم نے کسی کتاب میں پڑھی ہے اب آیا یہ وظیفہ پڑھنا درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو عورت تو شرعی عذر میں لگا تار چالیس دن نہیں پڑھ سکتی، تو بعد میں ان کو پورا کریں یا شرعی عذر کے دنوں ہی میں پڑھ لے؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت کیجئے۔ مستفتیہ: بتوسط جواد

﴿جواب﴾ اس آیت کو بطور وظیفہ حاجت روائی کیلئے پڑھنا جائز ہے اور سلف وصالحین کا معمول رہا ہے اور عورت شرعی عذر کے ایام میں (یعنی ماہواری کے دنوں میں) بھی پڑھ سکتی ہے اس لئے کہ یہ آیت کے مذکورہ چند کلمات دعا والتجاء پر مشتمل ہیں اور قرآن کریم کی کوئی بھی آیت اگر دعا والتجاء پر مشتمل ہو تو ایسی آیات بطور دعا ماہواری کے دنوں میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

لمافی تفسیر ابن کثیرتحت هذه الایة:(۲/٦٤٤،طبع: رشیدیه)

وذکر حافظ ابن عساکر فی ترجمة رجل حکی عنه ابو بکر ابن درد ....قال هذاالرجل کنت اکاری علی بغل لی الی بلد الزبدانی فرکب معی ذات مرة رجل فمررنا علی بعض الطریق علی طریق غیر مسلوکة ....فانتهینا الی مکان وعر وواد عمیق وفیه قتلی کثیر ......وسل سکینامعه وقصد نی ففرت من بدیه وتبعنی فناشدته الله فقلت خذ البغل بما علیه فقال هو لی انما ارید قتلک ....وقلت ان رأیت ان تترکنی حتی اصلی رکعتین فقال لی عجل فقمت اصلی فارتج علی القرآن فلم یحضرنی منه حرف واحد فبقیت واقفا متحیر ا و هو یقول هیه افرع فاجر الله علی لسانی قوله تعالی (أمن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء)فأذا انابفارس قد اقبل من فم الوادی وبیده ضربة فرمی بها الرجل فما اخطأت فؤاده فخر صریعافتعلقت بالفارس فقلت بالله من انت ؟فقال انا رسو ل الذی یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء قال فأخذت البغل والغمل ورجعت سالما .

ولمافی الدر مع الرد :(۱/۲۹۳،طبع: سعید)

لابأس لحائض وجنب (بقراءة ادعیة)،قوله فلو قرأت الفاتحةاو شیئا من الایات التی فیها معنی الدعاء ولم ترد القرءة لابأس به

ولمافی حلبی کبیری:(ص:۵۰،طبع:نعمانیه)

وان قرء مادون الایة بقصد القرآن او قرء الفاتحة لا بقصد القرآن بل علی قصد الدعاء اوقرء الایات التی تشبه الدعاء مثل ربنا أتنا ......علی نیة الدعاء.........واما علی وجه الدعاء والثناء فلانه لیس بقرآن لان لاعمال بالنیات ولالفاظ محتملة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ وﷲ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن ویروی

۲۵رجب المرجب ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿حالت حیض میں قرآنی وظائف پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی لڑکی پر جنات کے اثرات ہوں اوراس کو دور کرنے کے لیے قرآنی وظیفہ (سورۃ فاتحہ،معوذتین، آیت الکرسی وغیرہ) بلاناغہ پڑھنے کو کہا گیا ہوتو ایام حیض میں اسکا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ سائلہ: متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن مقدس کی ایک آیت بھی تلاوت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں، البتہ وہ آیات جن میں دعا کا معنی ہو (مثلاً ربنا آتنافی الدنیاحسنة......الخ ،سورۃ فاتحہ،

معوذتین، وغیرہ) انکو دعا کی غرض سے پڑھنا جائز ہے لیکن صورت مسئولہ میں سائلہ چونکہ آیات قرآنیہ کو بطور وظیفہ پڑھنا چاہتی ہے جو کہ دعا کے زمرے میں آتا ہے اور دعا کی نیت سے پڑھنے کے لیے شرط یہ ہے کہ ان آیات میں دعا کا معنیٰ بھی پایا جائے۔

لہٰذا بطور وظیفہ کے وہی آیات پڑھنے کی گنجائش ہے، جن میں دعائیہ کلمات موجود ہوں، جیسے سورۃ فاتحہ، معوذتین وغیرہ اور وہ آیات جن میں دعا کا معنیٰ بالکل موجود نہ ہو جیسے ایت الکرسی وغیرہ تو بطور وظیفہ ان آیات کا پڑھنا جائز نہیں۔

لمافی الدر مع الرد: (۱/۲۹۳،طبع سعید) (لا بأس) لحائض وجنب (بقرأۃ أدعیۃ)

وفی الشامیۃ: فلو قرأت الفاتحۃ علیٰ وجہ الدعاء أو شیئاً من الآیات التی فیہا معنی الدعاء ولم ترد القرأۃ لا بأس بہ.

ولما فی حلبی کبیری: (ص/۵۰،طبع نعمانیہ)

وان قرأ ما دون الآیۃ بقصد القرآن أو قرأ الفاتحۃ لا بقصد القرآن بل علیٰ قصد الدعاء أو قرأ الآیات التی تشبہ الدعاء مثل ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ونحوہا علیٰ نیۃ الدعاء وکذا لو سمع خبراً سارا فقال الحمدللہ أو خبر سوء فقال انا للہ وانا الیہ راجعون وکذا قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم علیٰ وجہ الثناء لا علیٰ قصد القرآن یجوز...... واما علیٰ وجہ الدعاء والثناء فلانہ لیس بقرآن لأن الأعمال بالنیات والالفاظ محتملۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ
۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر: ۲۰۳۹

﴿حائضہ کے لیے آیات پر مشتمل کتب کا پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کیلئے حالت حیض میں ایسی کتابوں کو چھونا یا پڑھنا جائز ہے کہ جن میں چند قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں؟ نیز کیا حائضہ عورت زبانی تلاوت، کلمہ اور دیگر وظائف پڑھ سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ اگر کتاب کا اکثر حصہ یا آدھا حصہ آیات قرآنی پر مشتمل ہے تو حالت حیض ونفاس اور جنابت میں اس کا چھونا جائز نہیں، البتہ اگر کتاب کا

اکثر حصہ قرآنی آیات پر مشتمل نہیں ہے تو اس مقام سے چھونا جائز ہے، جہاں آیات قرآنی لکھی ہوئی نہ ہوں، نیز حائضہ عورت کیلئے تلاوت قرآن کریم بالکل جائز نہیں نہ دیکھ کر نہ زبانی، البتہ کلمہ دعائیں اور دیگر اذکار وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۱۹،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن

ولمافی فتاویٰ شامی:(۱/۱۷۷،طبع سعید)

ان کان التفسیر اکثر لایکرہ، وان کان القرآن اکثر یکرہ والاولیٰ الحاق المساواۃ بالثانی وهذا التفصیل ربما یشیر الیه ماذکرناہ عن النهر.

ولمافیها ایضا:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

ویمنع قرأۃ قرآن ……(ولا باس)لحائض وجنب (بقرأۃ ادعیۃ ومسها وحملها وذکر اللہ تعالیٰ، وتسبیح)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۵ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۳۹

﴿عورت حالت حیض ونفاس میں اذان کا جواب دے سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ عورت حالت حیض ونفاس میں اذان کا جواب دے سکتی ہے؟

مستفتیہ: طالبہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ حیض ونفاس والی عورت، جنبی آدمی ماثور دعائیں، دعاء قنوت، وہ آیات قرآنیہ جو دعا پر مشتمل ہوں، دعا کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اذان واقامت کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔

لمافی الدر مع الرد:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

(ولا بأس)لحائض، وجنب(بقراءۃ أدعیۃ ومسها وحملها وذکر اللہ تعالیٰ وتسبیح)

وفی الشامیۃ:(قوله بقراءۃ أدعیۃ الخ)شمل دعاء القنوت، وهو ظاهر المذهب کما قدمناہ.

ولمافی الهندیۃ:(۱/۳۸،طبع رشیدیہ)

ولایکرہ قراءۃ القنوت فی ظاهر الروایۃ کذا فی التبیین، وعلیه الفتویٰ کذا فی

التجنيس والظهيرية، ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذالك

كذا في السراجية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد قس

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۵۹

﴿ماہواری میں تفاسیر کو بلا حائل چھونے اور ترجمہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت حیض میں تفسیر عثمانی اور معارف القرآن اسی طرح ترجمہ والا قرآن اٹھانا اور آیت کو توڑ کر ترجمہ کیساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ وظیفہ کی غرض سے سورۃ اخلاص دو سو مرتبہ پڑھنا اور ایسی حالت میں حزب الاعظم پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی حالت میں اذان کا جواب دے سکتی ہے یا نہیں؟　　　مستفتیہ: یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ ایسی حالت میں تفاسیر کو بغیر حائل کے ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے، الگ کپڑے کے ساتھ ہاتھ میں لینے کا اہتمام کرنا اگر چہ دشوار ہے لیکن متعذر نہیں ہے، البتہ بعض خواتین کیلئے پڑھنا ناگزیر ہوتا ہے جن کیلئے شریعت نے اتنی گنجائش دی ہے کہ آیت کو توڑ توڑ کر پڑھیں، سورۃ اخلاص دعا پر مشتمل نہیں ہے، اس لئے ایسی حالت میں اس کا وظیفہ روک لیا کریں، البتہ حزب الاعظم میں اگر چہ بعض جگہ آیات بھی ہیں لیکن وہ آیات بھی دعاؤں پر مشتمل ہیں، اس لئے پڑھنے کی گنجائش ہے اور ایسی حالت میں اذان کا جواب بھی دے سکتی ہے۔

لما في الشامي: (۱/۱۷۶-۱۷۷ طبع سعيد)

والحاصل انه لا فرق بين التفسير وغيره من الكتب الشرعية على القول بالكراهة وعدمه --- أقول الاظهر والاحوط القول الثالث اى كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق فان القرآن في التفسير أكثر منه في غيره وذكره فيه مقصودا استقلالا لا تبعا فشبهه بالمصحف اقرب من شبهه ببقية الكتب --- كبعض نسخ الكشاف.

ولما في التنوير مع الدر: (۱/۱۷۲ طبع سعيد)

ويحرم به (تلاوة قرآن) ولو دون آية على المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء..... او التعليم ولقن كلمة كلمة حل في الاصح

وفي الشامية: ولو دون آية اى من المركبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة يعتوب شاه. (على المختار) اى من قولين مصححين..... ألول نرمحله

اذالم تكن طويلة كان بعضها كآية لا نهاتعدل ثلاث آيات ذكره في الحلبة عن شرح الجامع لفخر الاسلام.

ولما في التنوير مع الدر:(۱/۲۹۳،طبع سعيد)

(قوله بقصده) فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء اوشيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراءة لاباس به كما قدمناه عن العيون لابي الليث وأن مفهومه ان ماليس فيه معنى الدعاء كسورة ابي لهب لايؤثر فيه قصد غير القرآنية، (لاباس) لحائض وجنب (بقراءة ادعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح)

وفي الشامية:شمل دعاء القنوت وهو ظاهر المذهب كما قدمناه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۸ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۱۰

﴿مدتِ نفاس میں خون کے وقفے کا اعتبار نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے نفاس کا خون پچیس (25) دن پر رکنے کی عادت تھی، جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو پچیس (25) دن پر خون رک گیا لیکن تین دن بعد پھر خون جاری ہوگیا، پوچھنا یہ ہے کہ پچیس (25) دن بعد یہ تین دن طہر میں سے شمار ہونگے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان تین دن میں نماز اور روزہ کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نفاس کی اکثر مدت چالیس (40) روز تک ہے، اس دوران کبھی خون آئے اور کبھی نہیں تو درمیان کے دنوں میں اس وقفہ کا اعتبار نہیں ہے، یہ تمام نفاس کا خون شمار ہوتا ہے، لہٰذا ان تین دن میں اگر نماز یا رمضان المبارک کے روزے یا قضاء وغیرہ اگر رکھے ہوں تو یہ نماز اور روزے ادا شمار نہ ہوں گے۔

لما في ردالمحتار:(۱/۲۹۷،كتاب الطهارة،باب الحيض،طبع امداديه)

لأن من أصل الامام أن الدم اذاكان في الأربعين فالطهر المتخلل لايفصل طال أوقصر حتى لورأت ساعة دماوأربعين الاساعتين طهرأثم ساعة دماكان الأربعون كلها نفاساوعليه الفتوى كذافي الخلاصة.

ولما في الهندية:(۱/۳۷،كتاب الطهارة،ألفصل الثاني في النفاس،طبع رشيديه)

ألطهرالمتخلل في الأربعين بين الدمين نفاس عندأبي حنيفة رحمه الله تعالى وان كان خمسة عشر يوما فصاعدا وعليه الفتوى.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۲۲۲،کتاب الحیض،الفصل الخامس فی النفاس رشیدیہ)

ألطهر المتخلل فی الأربعین بین الدمین ان کان أقل من خمسة عشر یوماً لایکون فاصلاً وهو کالدم المتوالی بالاتفاق وان کان خمسة عشر یوماً فصاعداً فکذالک عند أبی حنیفةؒ وعلیه الفتوی...... وکذالو بلغت بالحمل فولدت فرأت الدم یوماً ثم طهرت ثمانیة وثلثین ثم رأت الدم یوماً ثم انقطع ثم استمر بها الدم فکذلک عند أبی حنیفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۹۱۷

﴿حیض کا حکم ''جب عادت سے کم خون آئے''﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو دوران حیض ایک مقدار سے خون آتا ہے لیکن ایک مرتبہ اس معمول کی مقدار سے بہت کم خون آیا اور اس خون کا آنا بھی حیض کے دنوں میں ہوا یہ خون پانچ دن تک آتا رہا مسئلہ یہ ہے کہ یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ندیم

﴿جواب﴾ حیض کے دنوں میں جو بھی خون عورت دیکھے مقدار چاہے کم ہو یا زیادہ وہ حیض ہی کہلائے گا، ہاں کم از کم تین دن تک آئے۔

لما فی الهدایة:(۱/۶۲ طبع رحمانیہ)

ومانراہ المرأة من الحمرة والصفرة والکدرة حیض حتی تری البیاض خالصا.

ولما فی الهندیة:(۱/۳۶ طبع رشیدیہ)

طاهر رأت علی الکرسف اثرالدم یحکم بحیضها من حین الرفع -- ولایشترط فیه السیلان هکذافی الخلاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۲/۳/۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۱۲۲

﴿طہر متخلل اور اس دوران نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ماہواری خون میں میری عادت سات دن کی تھی لیکن کبھی عادت والے دنوں کے شروع میں ایک دن خون آتا ہے، پھر

چھ دن کے بعد دو یا تین دن خون آتا ہے. تو اس صورت میں میری نمازوں اور حیض کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں آپ تمام دنوں کو حیض شمار کریں نماز وغیرہ چھوڑ دیا کریں اسلئے کہ ماہواری کی اکثر مدت یعنی دس ایام کے اندر اندر یا دس ایام تک خون کے وقفہ کا اعتبار نہیں ہے، ہاں دس دنوں کے بعد بھی خون اور وقفہ کا سلسلہ جاری رہے تو آپ اپنی عادت کے دنوں کو حیض شمار کریں یعنی شروع کے صرف سات دن اور باقی کو بیماری سمجھیں اور دس دن کے بعد غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھنا شروع کر دیں اور عادت کے دنوں کے علاوہ اور دنوں کی نمازیں قضاء پڑھیں یہ تو اس صورت میں کہ خون کا وقفہ پندرہ روز سے کم ہو۔

ہاں اگر خون کا وقفہ پندرہ روز سے زیادہ ہو تو یہ مستقل پاکی شمار کی جائیگی اور اس پاکی سے پہلے کا اور بعد کا خون اگر تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو تو حیض تصور ہوگا ورنہ عام بیماری تصور کریں اور ایسے دنوں کی نمازیں بھی لوٹائیں۔

لمافی التنویر وشرحہ:(۲۸۹/۱-۲۹۰،طبع سعید)

وماتراه من لون ككدرة وترابية في مدته المعتادة ..... (ولو المرئي طهرا متخللا) بين الدمين فيها حيض لان العبرة لاوله وآخره عليه المتون فليحفظ.

وفي الشامية:" واختلفوا فيما بين ذلك على ستة اقوال كلها رويت عن الامام، اشهرها ثلاثة الاولى قول ابويوسف: ان الطهر المتخلل بين الدمين لا يفصل بل يكون كالدم المتوالي بشرط احاطة الدم لطرفي الطهر المتخلل فيجوز بداية الحيض بالطهر وختمه به ايضا ---- و في الهداية الاخذ بقول ابي يوسف ايسر وهو كثير من المتأخرين أفتوا به: لانه اسهل على المفتي والمستفتي سراج. وهو الأولى، فتح وهو قول ابي حنيفة الآخر، نهاية" ملخصاً وتمامه فيه"

ولمافي الهندية:(۳۷/۱،طبع رشیدیہ)

"وروى ابويوسف عن ابي حنيفة ان الطهر المتخلل بين الدمين اذاكان اقل من خمسة عشر يوما لم يفصل وكثير من المتأخرين أفتوا...... سواء كانت مبتدأة أو معتادة وان جاوز العشرة ففي المبتدأة حيضها عشرة أيام وفي المعتادة معروفتها في الحيض حيض والطهر طهر هكذا في السراج الوهاج.

ولمافي فتح القدير:(۱۷۵/۱،طبع رشیدیہ)

"وروى أبويوسف عنه وبه أخذ أن الطهر اذا كان أقل من خمسة عشر لا يفصل و قيل

هو آخر أقوال أبي حنيفة رعليه الفتوىٰ".

ولما في النهاية على فتح القدير:(١٦٩/١،طبع رشيديه)

واما اذا زاد على عادتها المعروفة دون العشرة......لا تؤمر بالاغتسال والصلاة— فان جاوز العشرة امرت بقضاء ماتركت من الصلاة بعد أيام عادتها قال في المجتبىٰ وهو الاصح.

ولما في الشامي:(٢٨٢/١،طبع سعيد)

"ثم اعلم أنه لا يشترط استمرار الدم فيها بحيث لا ينقطع ساعة، لان ذلك لا يكون الا نادرا بل انقطاعه ساعة أو ساعتين فصاعداً غير مبطل كذا في المستصفىٰ بحر: أي لأن العبرة لأوله وآخره كما سيأتي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۵ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۸۴

﴿عادت سے زائد حیض آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو چھ دن حیض آنے کی عادت تھی اب دس دن سے زیادہ کبھی گیارہ دن کبھی بارہ دن وغیرہ خون آنے لگا ہے، سوال یہ ہے کہ چھ دن سے زیادہ آنے والا خون حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟ اگر استحاضہ ہے تو کیا چھ دن کے بعد عورت نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: خلیل الرحمٰن

﴿جواب﴾ اگر خون دس دن تک آیا دس دن سے اوپر نہیں آیا تو دس دن پورے حیض شمار ہونگے لیکن اگر دس دن سے تجاوز کر گیا تو اس وقت چھ دن سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ ہوگا، صرف چھ دن حیض کے شمار ہونگے، اس صورت میں چھ دن کے بعد عورت نماز پڑھنا شروع نہیں کر سکتی یہاں تک کہ دس دن پورے ہو جائیں، دس دن سے خون تجاوز کرنے کی صورت میں عورت چھ دن کے بعد والی نمازوں کو قضا کرے گی اور اگر دس دن کے بعد خون نہیں آیا تو یہ دس دن حیض شمار ہونگے۔

لما في الشامي:(٢٩٩/١،طبع امداديه)

تتمة: اختلفوا في المعتادة هل تترك الصلاة والصوم بمجرد رؤيتها الزيادة على العادة قيل لا لاحتمال الزيادة على العشرة وقيل نعم. استصحاباً للأصل وصححه في النهاية والفتح وغيرهما.

ولما فی الهداية: (۱/۶۵ ،طبع رحمانیه)

ولو زاد الدم على عشرة ايام ولها عادة معروفة دونها ردت الى ايام عادتها والذى زاد استحاضة. وفي حاشية الهداية: ولو زاد الدم على العشرة واما اذا زاد على عادتها المعروفة دون العشرة فقد اختلاف المشائخ فذهب أئمة بلخ الى انها تؤمر بالاغتسال والصلوٰة لأن حال الزيادة متردد بين الحيض والاستحاضة لأنه ان انقطع الدم قبل ان يجاوز العشرة كان حيضاً وان جاوز العشرة كان استحاضة فلا يترك الصلاة مع التردد وقال مشائخ بخارا لاتؤمر بالاغتسال والصلوٰة لانا عرفناها حائضاً بيقين ودليل بقاء الحيض وهو رؤية الدم قائم ولا تكون استحاضة حتى تستمر فتتجاوز العشرة ولا دليل على ذالك فلا تؤمر حتى يتبين أمرها فان جاوزت العشرة أمرت بقضاء ماتركت من الصلوٰة بعد ايام عادتها في المجتبى هو الأصح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴۲۷/۵/۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۳

﴿حیض کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک عورت کو پانچ دن حیض آیا کرتا تھا چند سال کے بعد حسب معمول ایک دفعہ پانچ دن حیض آنے کے بعد وہ پاک ہو گئی، ایک دن گزرا پھر دوسرے یعنی ساتویں دن دوبارہ خون آ گیا تو اب اس عورت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں یہ کہا جائیگا کہ عورت کی عادت بدل گئی ہے اور اب اس کی عادت سات دن ہو گئی ہے لہذا یہ سات دن حیض کے شمار ہونگے اور اس پر حائضہ کے احکام مرتب ہونگے۔

(لما فی الرد المحتار ۱/۲۸۵ طبع سعید)

أما المعتاده فمازاد على عادتها ويجاوز العشرة في الحيض والاربعين في النفاس يكون استحاضه كما اشار بقوله أو على العادة الخ اما اذا لم يتجاوز الأكثر فيهما فهو انتقال العادة فيهما فيكون حيضا ونفاسا رحمتی

(ولما فی بدائع الصنائع ۱/۱۴۷ طبع سعید)

(واما) صاحبة العادة في الحيض اذا كانت عادتها عشرة فزاد الدم على عليها فالزيادة استحاضة وان كانت عادتها خمسة فالزيادة عليها حيض معها الى تمام العشرة لما ذكرنا في المبتدئة بالحيض

(ولما فی البحر الرائق ۲۱۲/۱ طبع سعید)

(قوله ولو زاد الدم علی أکثر الحیض والنفاس فما زاد علی عادتها استحاضة لان ما رأته فی ایامها حیض بیقین وما زاد علی العشرة استحاضة بیقین وما بین ذلک متردد بین ان یلحق بما قبله فیکون حیضا وبین ان یلحق بما بعده فیکون استحاضة ......وقید بکونه زاد علی الأکثر لانه لو زاد علی العادة ولم یزد علی الاکثر فالکل حیض اتفاقا بشرط ان یکون بعده طهر صحیح.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:

﴿معلّمہ کیلئے حالت حیض میں قرآن پڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معلّمہ کے لئے ایام حیض میں حفظ وناظرہ قرآن پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مستفتیہ: معلمہ جامعہ فاطمۃ الزہرئی للبنات اسماعیلہ

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن کریم کی تلاوت دیکھے اور بغیر دیکھے دونوں طرح ناجائز اور حرام ہے، البتہ صرف معلّمہ کے لئے اتنی رعایت بتائی گئی ہے کہ ایک ایک لفظ کرکے پڑھائے رواں نہ پڑھائے، مثلاً الحمد......للہ......رب ال...... عٰلمین تو اسکی گنجائش ہے۔

لما فی التنویر مع الدر والرد: (۱۷۲/۱ طبع ایچ ایم سعید)

(و) یحرم به (تلاوة قرآن) ولو دون آية علی المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء أو الثناء أو افتتاح أمر أو التعليم ولقن كلمة كلمة حل في الاصح (قوله كلمة كلمة) هو المراد بقول المنية حرفا حرفا كما فسره به شرحها، والمراد مع القطع بين كل كلمتين، وهذا على قول الكرخي، وعلى قول الطحاوي تعلم نصف آية نهاية وغيرها، ونظر فيه في البحر بان الكرخي قائل باستواء الاية وما دونها في المنع، واجاب في النهر بان مراده بمادونها مابه يسمى قارئا وبالتعليم كلمة كلمة لا يعد قارئا.

ولما فی حلبی کبیری: (ص ۵۰ طبع نعمانیۃ)

ولا يكره التهجي للجنب والحائض والنفساء بالقرآن، وكذا لا يكره التعليم من هؤلاء الصبيان وغيرهم حرفا حرفا اى كلمة كلمة مع القطع بين كل كلمتين وعلى قول الطحاوي لا يكره اذا علم نصف آية نصف آية مع القطع بينهما، والمصنف اختار قوله

فی الاول ومعامشی علی قول الکرخی ولایظہر لہ وجہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفر لہ ولوالدیہ

ا ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۴۴

﴿حیض کو دوائی کے ذریعہ بند کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک طالبعلم یا کوئی ملازم شخص جو شادی شدہ ہے پردیس سے عرصہ دراز کے بعد جب دس دن کی چھٹی پر گھر جاتا ہے اور گھر میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں پاتا ہے، اس مجبوری کے پیش نظر کیا وہ اپنی بیوی سے حیض کے روک تھام کی دوائیاں استعمال کرا کر استمتاع کر سکتا ہے؟ نیز بتائیں کہ اس کی بیوی مذکورہ ادویہ استعمال کرنے کے بعد نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ عبادات انجام دینے کے قابل ہے؟ نیز ان ادویہ کے استعمال سے صحت پر برے اثرات تو مرتب نہیں ہوں گے؟ — مستفتی: خوش محمد

﴿جواب﴾ (۱) حیض کا تعلق اس خون سے ہے جو بلا سبب بالغ عورت کے رحم سے آئے گویا حیض نام ہے خون کے آنے کا انجکشن یا ادویات کے ذریعے خون کو بالکل بند کر دیا جائے تو ایسی صورت میں حیض متحقق نہیں ہوتا، لہٰذا حیض کے احکامات اس پر جاری نہ ہونگے۔

(۲) خون بند ہونے کی صورت میں ایسی عورت پاک شمار ہوگی، نماز وغیرہ کا اہتمام اس پر لازم ہوگا اور شوہر بھی اس سے مل سکتا ہے۔

لما فی الھندیۃ: (۱/۳۸، طبع رشیدیہ)

لایثبت حکم کل منہا الابخروج الدم وظہورہ وھٰذا ھو ظاھر مذھب اصحابنا وعلیہ عامۃ مشائخنا وعلیہ الفتویٰ ھکذا فی المحیط...... اذا رأت المرأۃ الدم تترک الصلوٰۃ من اول مارأت قال الفقیہ وبہ ناخذ کذا فی التتارخانیۃ ناقلاً عن النوازل.

(۳) چونکہ عورت کے لئے حیض کا آنا ایک فطری اور طبعی امر ہے اور فطری عمل کو دوا وغیرہ سے روکنا عموماً نقصان سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا بلا ضرورت شدیدہ کے اس سے بچنا بہتر ہے۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۵/۴/۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۲۷

﴿حائضہ عورت کے ہاتھ سے پکے ہوئے کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ کسی کے گھر کھانا وغیرہ کھانے کے بعد جب کبھی طبیعت خراب ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ کھانا کسی حیض والی عورت نے پکایا ہے، اسلئے طبیعت خراب ہوگئی ان لوگوں کی یہ بات کہاں تک درست ہے حیض والی عورت کے ہاتھ کا کھانا کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

﴿جواب﴾ ان لوگوں کی بات میں کوئی صداقت نہیں حیض والی عورت کے ہاتھ سے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما في مراقي الفلاح: (۱/ ۷۸ طبع قديمي)

ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجين أو ماء أو غيرهما الا اذا توضأت بقصد القربة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد صلاح الدین چترالی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿آپریشن کے ذریعہ پیدائش کے بعد نفاس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل بعض اوقات بچے کی پیدائش آپریشن کے ذریعے ہوتی ہے اب اس کے بعد جو خون آتا ہے یہ خون نفاس میں شامل ہے یا نہیں؟ مستفتی: فخرالدین

﴿جواب﴾ نفاس اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے آئے چاہے بچہ فطری طریقے سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے لیکن آپریشن کے بعد اگر خون آپریشن کی جگہ سے آئے تو یہ نفاس نہیں ہے اگر رحم سے آئے تو نفاس شمار ہوگا۔

لما في الهندية: (۱/ ۳۷ طبع رشيديه)

ولو ولدت من قبل سرتها بأن كان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها تكون صاحبة جرح سائل لا نفساء هكذا في الظهيرية والتبيين الا اذا خرج من الفرج دم عقيب خروج الولد من السرة فانه حينئذ يكون نفاساً هكذا في التبيين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۲

﴿طہر متخلل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ ایک خاتون کو دو دن حیض آیا پھر نو دن طہر رہا پھر دسویں دن دوبارہ خون آ گیا اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے، اس سے کم کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا حیض و نفاس کے دنوں میں ایسی صورت پیش آ جائے تو مسلسل خون شمار ہوگا۔

چونکہ مذکورہ صورت میں دو دن خون آیا پھر نو دن تک طہر رہا پھر دسویں دن دوبارہ خون آ گیا تو اب اگر یہ خاتون مبتدأۃ (جسکو پہلی مرتبہ حیض آئے) ہے تو شروع کے دس دن حیض کے شمار ہونگے اور باقی استحاضہ کے، مبتدأۃ نہیں ہے اور اس کی خاص عادت معلوم ہو تو ایام عادت حیض شمار ہونگے اور باقی استحاضہ، لہٰذا باقی ایام میں وہ نماز پڑھنے کا اہتمام کرینگی۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۸۹/۱-۲۹۰،طبع سعید)

(طهر امتخللا) بين الدمين (فيهاحيض) لان العبرة لاوله وأخره وعليه المتون.

ولما فی الهداية:(۶۴/۱،طبع رحمانيه)

والطهر اذا تخلل بين الدمين في مدة الحيض فهو كالدم المتوالى.

ولما فی العناية على هامش فتح القدير:(۱۷۵/۱،طبع رشيديه)

(ان الطهر اذا كان أقل من خمسة عشر يوما) لايفصل بين الدمين وهو كله كالدم المتوالى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ | فتوی نمبر: ۷۱۵

﴿استحاضہ کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو چالیس دن نفاس کا خون آیا پھر چالیس دن کے بعد دو دن پاک رہی اور پھر خون آیا اب یہ خون حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟ مستفتی: خضر حیات صاحب

﴿جواب﴾ اگر عورت مبتدأۃ ہے یعنی اسکو پہلی مرتبہ نفاس کا خون آیا تو چالیس دن کے بعد اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن گذرنے سے پہلے پہلے جو خون آئے وہ استحاضہ میں شمار ہوگا اس

طرح اگر عورت معتادہ ہے یعنی اسکی عادت نفاس چالیس دن یا چالیس دن سے کم کم ہے تو عادت کے بعد اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن گذرنے سے پہلے پہلے جو خون آئے وہ استحاضہ ہوگا استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ نماز وغیرہ پڑھیگی۔

لمافی الهندية:(۱/۳۷،طبع رشيديه)

لورأت الدم أكثر الحيض والنفاس في اقل مدت الطهر فمارأت بعدالاكثران كانت مبتدئة وبعدالعادةان كانت معتادةاستحاضة.

ولمافي البحرالرائق:(۱/۲۱۲،طبع سعيد)

ولوزادالدم على أكثرالحيض والنفاس فمازادعلى عادتهااستحاضة.

ولمافي الشامي:(۱/۲۸۵،طبع سعيد)

(والزوائد) على أكثره لوأكثرالنفاس اوعلى العادةوجاوزأكثرهما(قوله والزوائدعلى اكثره)اى في حق المبتدأة:امّاالمعتادةفمازادعلى عادتهاويجاوزالعشرةفي الحيض والاربعين في النفاس يكون استحاضة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:اسرارعزیز دیروی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر:۱۴۳/۷۱

﴿حیض ختم ہونے کے کتنی دیر بعد ہمبستری جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیض بند ہونے کے کتنی دیر بعد بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنا جائز ہے؟   مستفتی:حبیب الرحمٰن صاحب

﴿جواب﴾ اگر حیض پورے دس دن کے بعد بند ہو تو اسی وقت ہمبستری کرنا جائز ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ عورت پہلے غسل کرے لیکن اگر دس دن سے پہلے حیض بند ہو تو دو شرطوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو ہمبستری کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں وہ یہ کہ یا تو عورت پہلے غسل کرے یا پھر پاک ہونے کے بعد اس کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ غسل کرکے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی ہو اتنا بھی وقت نہ ملے تو غسل کے بغیر ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافي تنويرالابصارمع الدرالمختار:(۱/۲۹۴-۲۹۵،طبع سعيد)

(ويحل وطؤهااذاانقطع حيضهالأكثره)بلاغسل وجوبابل ندبا(وان لاقله)(لا) يحل(حتى تغتسل)أوتيمم بشرطه(اويمضي عليهازمن يسع الغسل)ولبس الثياب

(والتحريمة)يعني من آخر وقت الصلوة.

ولما في رد المحتار:(۱/۲۹۵،طبع سعيد)

(قوله يعني من آخر وقت الصلوة)اعلم انه اذاانقطع دم الحيض لاقل من عشر ولو كان لتمام عادتها فانه لايحل وطؤها الابعدالاغتسال أوالتيمم بشرطه كمامر لانها صارت طهارة حقيقة أو بعد ان تصير الصلاة دينا في ذمتها وذلك بان ينقطع ويمضي عليها أدنى وقت صلوة من آخره،وهو قدر مايسع الغسل واللبس والتحريمة متصرا كان الانقطاع قبل الوقت أوفي اوله أو قبيل آخره بهذالقدر فاذاانقطع قبل الظهر مثلا أوفي اول وقته لايحل وطؤها حتى يدخل وقت العصر لانها لمامضي عليها من آخر الوقت ذلك القدر صارت الصلوة دينا في ذمتها؛لان المعتبر في الوجوب آخر الوقت واذا صارت الصلاة دينا في ذمتها صارت طاهرة حكما لانها لاتجب في الذمة الا بعد الحكم عليها بالطهارة وكذالوانقطع في آخره كان بين الانقطاع وبين وقت العصر ذلك القدر فله وطؤها بعد دخول وقت العصر لماقلنا امااذاكان بينهمادون ذلك فلايحل الابعد الغروب لصيرورة صلوة العصر دينا في ذمتها دون صلاة الظهر؛لانها لم تدرك من وقتها مايمكنها الشروع فيه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد کشمیری

۲۳ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں بعض عورتوں کا حمل وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے تو اسقاط کے بعد جو خون آئے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی:فرمان اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر حمل کے بعض اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، انگلی، ناخن وغیرہ بن چکے تھے تو اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس کا ہوگا اور اگر کوئی عضو نہیں بنا تھا اور اسقاط کے بعد تین دن تک خون جاری رہا اور اس سے پہلے مکمل طہر بھی گزر چکا تھا تو حیض کا خون ہوگا ورنہ استحاضہ ہوگا لہٰذا جو بھی تعریف اس خون پر صادق آئے وہی مراد ہوگا۔

لما في العالمگيرية:(۱/۳۷،طبع رشيديه)

والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع اوظفر اوشعر ولدفتصير به نفساء هكذافي التبيين وان لم يظهر شئ من خلقه فلانفاس لهافان امكن جعل المرئي حيضايجعل حيضاوالافهواستحاضة.

ولما فی الدر المختار:(۱/۳۰۲،طبع سعید)

وسقط مثلث السین ای مسقوط ظهر بعض خلقه کید اورجل او اصبع او ظفر اوشعر......
ولد حکما فتصیر المرأة نفساء ...... فان لم یظهر له شی فلیس بشی والمرئی (الدم المرئی)حیض ان دام ثلاثاو تقدم طهر تام والا استحاضة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رشید عالم مروت

۱۶جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۹۰

﴿خاص ایام میں قرآن پاک اور کتب فقہ کو پڑھنے اور چھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بنات کا ایک مدرسہ ہے، حفظ و ناظرہ کے علاوہ شعبہ کتب بھی قائم ہے، خاص ایام میں عورتیں ہاتھوں پر دستانے پہن کر قرآن پاک اور دینی کتب کو چھوتی ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ان ایام میں قرآن پاک اور دینی کتب کو پڑھنا اور چھونا جائز ہے یا نا جائز؟ اگر ناجائز ہے تو گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ نیز قرآن پاک اور احادیث یا فقہ کی کتابوں کے درمیان حکم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾(۱) خاص ایام میں عورتوں کا قرآن پاک کی تلاوت کرنا ناجائز اور حرام ہے، البتہ قرآن پاک کی وہ آیات جنہیں بطور دعا کے پڑھا جاسکتا ہو دعا کی نیت سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح معلمہ کیلئے ایک ایک کلمہ کر کے بچیوں کو سبق پڑھانے کی اجازت ہے۔

جیسے الحمد......للہ......رب العلمین، ان ایام میں دینی کتب کا مطالعہ عورتوں کیلئے جائز ہے لیکن مطالعہ کے دوران قرآنی آیات کا تلفظ زبان سے ادا نہ کریں اور خاص آیات کو ہاتھ لگانے سے بھی گریز کریں۔

لما جامع الترمذی:(۱/۱۹،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال:لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن.

ولما فی الهندیة:(۱/۳۸،طبع رشیدیه)

ومنها حرمة قراءة القرآن.لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شیئا من القرآن والآیة وما

دونها سواء في التحريم على الاصح الا ان لا يقصد بما دون الاية القراءة مثل ان يقول الحمد يريد الشكر او بسم الله عند الاكل او غيره فانه لا باس به.

ولما في الدر المختار:(۱/۲۹۳،طبع سعيد)

وقراءة القرآن بقصده ومسه ولو مكتوبا بالفارسية في الاصح الا بغلاف المتصل كما مر.

وفي الشامية:(قوله وقراءة القرآن)ولو دون آية من المركبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة.

(۲)مخصوص ایام میں عورتوں کا دستانے پہن کر قرآن مجید کو چھونا ناجائز ہے،البتہ ایسے کپڑے سے چھونے کی گنجائش ہے جو جسم سے علیحدہ ہو،عام کتب احادیث اور فقہ کو ضرورۃ چھونے کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ صرف اوراق پلٹنے پر اکتفا کریں یا کم از کم قرآنی آیات اور احادیث کو ہاتھ لگانے سے گریز رہے۔

لما في الهندية:(۱/۳۸،طبع رشيديه)

ومنها حرمة مس المصحف لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح — ولا يجوز لهم مس المصحف بالثياب التي هم لابسوها ويكره لهم مس كتب التفسير والفقه والسنن.

ولما في البحر:(۱/۲۰۱،طبع سعيد)

ومسه الا بغلافه اي تمنع الحائض مس القرآن لما روى الحاكم في المستدرك وقال:صحيح الاسناد عن حكيم بن حزام قال لما بعثني رسول الله ﷺ الى اليمن قال:لا تمس القرآن الا وانت طاهر.

ولما في فقه الاسلامي:(۱/۲۲٦،طبع رشيديه)

واستثنى الحنفية حالة مس القرآن بغلاف متجاف عن القرآن ويكره مسه بالكم تحريما لتبعيته للابس ويرخص لاهل كتب الشريعة من حديث وفقه وتفسير اخذ الورقة بالكم وباليد ضرورة ويكره مسها لانها لا تخلو عن آيات القرآن.

(۳)گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے،اور حق تعالیٰ کی چھوٹی سی نافرمانی حقیقت میں بڑے نقصان کا باعث ہے،لہٰذا شریعت نے جس کام سے روکا ہو فوراً رک جانا چاہیے،صغیرہ کبیرہ کی بحث میں الجھنا نہیں چاہیئے۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۳۶۰

﴿چالیس دن سے پہلے بھی نفاس والی پاک ہو سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اب تک ہماری اور ہمارے گاؤں کی تمام عورتوں کی یہ ترتیب ہے کہ ولادت کے بعد ہماری عورتیں چالیس دن تک غسل ،نماز اور روزہ وغیرہ کچھ بھی نہیں کرتی ہیں اگر چہ ولادت کا خون وغیرہ بند ہو گیا ہو لیکن اب کسی سے سنا ہے کہ چالیس دن تک انتظار کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب بھی ولادت کا خون بند ہو جائے تو غسل کر کے نماز ،روزہ ، تلاوت وغیرہ کا اہتمام کرلیا کریں، پوچھنا یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن تک ہے لیکن اسکی اقل مدت متعین نہیں ہے، لہٰذا چالیس روز تک یا اس سے بھی زیادہ دنوں تک ولادت کا خون جاری رہے تو چالیس روز تک نفاس سمجھا جائیگا ، نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں ہوگا چالیس دنوں کے بعد نفاس شمار نہ ہوگا نماز پڑھنا ضروری ہوگا اور کم سے کم مدت چونکہ متعین نہیں ہے۔

اس لئے پہلے ہفتہ میں بھی خون آنا رک جائے تو عورت غسل کر کے نماز پڑھے خون رکنے کے باوجود چالیس دنوں تک نفاس سمجھنا غلط ہے کسی عورت نے اس غلط فہمی کیوجہ سے نمازوں کو چھوڑا ہو تو قضاء لازم ہے اور استغفار بھی۔

لما فی البحر الرائق:(۱/ ۲۱۹،طبع سعید)

وذكر شيخ الاسلام في مبسوطه اتفق أصحابنا على ان اقل النفاس ما يوجد فانها كما ولدت اذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فانها تصوم وتصلي وكان ما رأت نفاسا لا خلاف في هذا بين اصحابنا.

ولما فی بدائع الصنائع:(۱/۴۱،طبع سعید)

فاذا طهرت قبل الاربعين اغتسلت وصلت بناء على الظاهر لان معاودة الدم موهوم فلا يترك المعلوم بالموهوم

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

۱۴/رجب ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۲۷۳

﴿حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرنے کی کوشش کرے بیوی اس کو بہت روکے لیکن وہ روکنے پر شدید جھگڑا کرے تو اس صورت میں اگر بیوی اپنے اوپر اس کو قدرت دے شدید جھگڑے سے بچنے کیلئے تو کیا وہ بھی گناہ گار ہوگی ؟

مستفتی: عبدالرحمٰن ملتان

﴿جواب﴾ حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنص قرآن وحدیث حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے مذکورہ صورت میں بیوی سے جتنا ہو سکے تو اپنے اوپر شوہر کو قدرت نہ دے اور اس معاملہ میں اس کی اطاعت نہ کرے، تاہم اگر اس کے باوجود بھی شوہر نہ مانے اور جھگڑے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بیوی گنہگار نہ ہوگی، سارا گناہ شوہر پر ہوگا۔

لما فی مراقی الفلاح:(ص۱۴۵،طبع قدیمی)

ویحرم بالحیض والنفاس الجماع والاستمتاع بما تحت السرة الی تحت الرکبة لقوله تعالی ولا تقربوهن حتی یطهرن وقوله علیه السلام لک ما فوق الازار فان وطئها غیر مستحل له یستحب ان یتصدق بدینار او نصفه ویتوب وجزم فی المبسوط بکفر مستحله وصحح فی الخلاصة عدم کفره لانه حرام لغیره.

ولما فی الشامی:(۲۹۲/۱،طبع سعید)

ویمنع الحیض قربان زوجها ماتحت ازارها قوله بمعنی مابین سرة ورکبة فیجوز الاستمتاع بالسرة ومافوقها والرکبة وماتحتها ولو بلا حائل وکذا بما بینهما بحائل بغیر الوطء.

ولما فی المرقاة:(۲۲۶/۷،طبع رشیدیه)

عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف ،متفق علیه قال علی القاری لا طاعة ای لاحد کما فی روایة الجامع ای من الامام وغیره کالوالد والشیخ فی فی معصیة وفی روایة الجامع فی معصیة الله انما الطاعة فی المعروف ای مالا ینکره الشرع.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۸۹

﴿حالت حمل میں ولادت سے پہلے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو مثلاً دو ماہ

تک حیض نہیں آیا اور حمل کا ہونا نہ ہونا بھی معلوم نہیں تھا اب دو ماہ کے بعد خون آیا تو اسکا کیا حکم ہے، اسی طرح ولادت سے پہلے جو خون آتا ہے اسکا کیا حکم ہے؟ مستفتی: شاکر اللہ سواتی

﴿جواب﴾ حمل کی حالت میں جو خون آئے ولادت سے پہلے کا ہو یا ابتدائی ایام میں آئے یہ استحاضہ کا خون کہلائیگا بشرطیکہ حمل یقینی ہو۔

لما فی الهداية:(۱/۶۷،طبع رحمانيه)

والدم الذى تراه الحامل ابتداء أو حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة وان كان ممتدا.

ولما فى التنوير مع الدر:(۱/۲۸۵،طبع سعيد)

(وماتراه)......(وحامل)ولوقبل خروج أكثر الولد(استحاضة).وفى البحر:(۱/۲۱۸،سعيد)

لیکن اگر حمل کا ہونا یقینی نہ تھا صرف شک تھا تو جو خون آئے وہ اگر حیض کا خون بن سکتا تھا اس طرح کہ دونوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا وقفہ تھا، اور تین دن یا اس سے زیادہ جاری رہا تو حیض شمار ہوگا، ورنہ یہ استحاضہ کا خون کہلائیگا۔

لما فى الدر المختار:(۱/۵۰۱،طبع امداديه)

فان لم يظهر له شيئ فلبس بشيئ والمرئى حيض ان دام ثلاثا وتقدمه طهر تام والاستحاضة.وفى القدير:(۱/۱۶۱،طبع رشيديه)

ولما فى التاتارخانية:(۱/۲۶۲،طبع قديمى)

وفى (فتاوى الحجة)ولو ان امرأة طهرت شهرين ولم ترشيئاوبعدذلك رأت الدم غير موضعها يكون حيضا وتصير بمنزلة المبتدأة غيران المبتدأة اذارأت الدم تمام الشهر يجعل العشرة الاولى حيضا وهاهنا اذا استمر بها الدم ترد الى المعروف لان السكان انتقل دون العدد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفی عنہ

۲ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۶۹

﴿حیض ونفاس کے دوران تسبیحات پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چونکہ عورت حیض و نفاس کے دوران نماز تلاوت وغیرہ نہیں کرسکتی اور عبادت میں وقفہ سے عبادت گزار عورت کی

عادت متاثر ہو جاتی ہے، لہٰذا عادت متاثر ہونے سے بچانے کے واسطے عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

﴿جواب﴾ عبادت کا تسلسل برقرار رکھنے اور عادت متاثر ہونے سے بچانے کے واسطے عورت کو چاہیے کہ حیض ونفاس کے دوران وضوء کر کے نمازوں کے اوقات میں مصلی یا مصلی جیسی کوئی بھی چیز بچھا کر اس پر بیٹھ کر تسبیحات (سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر) اور دیگر اذکار کا اہتمام کر لے، اس طرح کرنے سے ذکر کا ثواب ملے گا اور عادت برقرار رکھنے کیلئے اس عمل کا مستقل اجر الگ ملے گا۔

لمافی البحر:(۱/۱۹۳ طبع سعید)

وأما أنمتنا فقالوا انه يستحب لها أن تتوضأ لوقت كل صلاة وتقعد على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر وفي رواية يكتب لها ثواب أحسن صلاة كانت تصلي وصحيح في الظهيرية انها تجلس مقدار اداء فرض الصلاة كيلا تنسى العادة.

ولمافی فتاوی شامی:(۱/۲۹۰، طبع سعید)

يستحب لها أن تتوضأ لكل صلاة وتقعد على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر بقدر ادائها كي لا تنسى عادتها وفي رواية يكتب لها ثواب أحسن صلاة كانت تصلي.

ولمافی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۲۳۱ طبع رشیدیہ)

ويستحب للحائض اذا دخل وقت الصلوة ان تتوضأ ويجلس عند مسجد بيتها تسبح و تهلل.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۵۳۲

﴿نیند کی حالت میں ماہواری شروع ہو گئی تھی یا ماہواری سے پاک ہو گئی تھی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گئی صبح جب اٹھی تو حیض آ گیا تھا اور یہ معلوم نہیں کے کب حیض آیا ہے، اسی طرح ایک حائضہ عورت سو گئی صبح کو جب اٹھی تو پاک ہو گئی تھی، اور یہ معلوم نہیں کہ کب پاکی آئی ہے، ان دونوں صورتوں میں عشاء کی نماز کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: ایک بندہ خدا

﴿جواب﴾ ہر دونوں صورتوں میں عشاء کی قضاء اس عورت پر لازم ہے حالت طہر میں

نماز عشاء پڑھے بغیر اگر سوگئی اور طلوع فجر کے بعد آنکھ کھلنے پر معلوم ہوا کہ ماہواری شروع ہوگئی ہے تو ممکن ہے کہ وقت کے آخیر تک وہ پاک تھی اور فرض نماز اس کے ذمہ باقی رہی، اسی طرح ماہواری کی حالت میں سوگئی اور طلوع فجر کے بعد جب آنکھ کھلی تو وہ پاک تھی تو اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ طلوع فجر سے کافی پہلے پاک ہوگئی ہو اور نیند کی وجہ سے اس کو خبر نہ ہوئی ہو اس لئے ہر دونوں صورتوں عشاء کی قضاء احتیاطاً ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار مع الشامی: (۲۹۱/۱ طبع سعید)

و فی الفیض: لو نامت طاہرۃ و قامت حائضۃ حکم بحیضہا مذ قامت و بعکسہ مذ نامت احتیاطاً (قولہ و بعکسہ) ای عکس التصور المذکور، بان نامت حائضاً و قامت طاہرۃ ۔۔(قولہ احتیاطاً) ای فی الصورتین، فتقضی العشاء فیہما ان لم تکن صلتہا کما فی البحر، حتی لو نامت قبل انقضاء الوقت ثم انتبہت بعد خروجہ حائضا یجب علیہا قضاء تلک الصلوۃ لانا جعلناہا طاہرۃ فی اخر الوقت حیث لم نحکم بحیضہا الا بعد خروجہ، ولو نامت حائضا وانتبہت طاہرۃ بعد الوقت یجب علیہا قضاء تلک الصلوۃ الّتی نامت عنہا لانا جعلناہا طاہرۃ من حین نامت وحیث حکمنا بطہارتہا فی آخر الوقت وجب القضاء

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر: (۱۴۹/۱ طبع رشیدیۃ)

(قولہ حکم بحیضہا مذ قامت) و ذا للاحتیاط فتقضی الصلاۃ التی نامت فی وقتہا حتی خرج لان الحوادث تضاف الی اقرب اوقاتہا (قولہ مذبعکسہ مذ قامت) ای اذا نامت حائضۃ و قامت طاہرۃ حکم بطہرہا مذنامت ۔۔(قولہ احتیاطاً) علۃ للعکس فقط، اقول بل ہو علۃ لہما معاً کما عللنا بہ فیما سبق و مما یدل علیہ عبارۃ البحر و نصہا و لو وضعت الکرسف لیلاً فلما اصبحت رأت الطہر تقضی العشاء فلو کانت طاہرۃ فرأت اللیلۃ حین اصبحت تقضیہا ایضا ان لم تکن صلتہا قبل الوضع انزالا لہا طاہر فی الصورۃ الاولی من حین وضعتہ.....الخ

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۵۷۵

﴿نفل نماز کے دوران ماہواری آگئی تو قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت فرض یا نفل

نماز پڑھ رہی تھی، اور حالت نماز میں ماہواری آگئی تو یہ عورت فرض ونفل نماز کی قضاء کرے گی یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں نفلی نماز کی قضاء لازم ہے، فرض کی نہیں۔

لما فی الھندیہ: (۳۸/۱ طبع رشیدیہ)

لو افتتحت الصلاۃ فی اخر الوقت ثم حاضت لا یلزمھا قضاء ھذہ الصلاۃ بخلاف التطوع کذا فی الخلاصہ۔

ولما فی البحر الرائق: (۲۰۵/۱ طبع سعید کراچی)

فان ادرکھا الحیض فی شیٔ من الوقت سقطت الصلوٰۃ عنھا ان افتتحھا ــ واذا ادرکھا الحیض بعد شروعھا فی التطوع کان علیھا قضاء تلک الصلوٰۃ اذا طھرت۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۷۴

لیکوریا (سیلان الرحم) کے پانی کا حکم

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لیکوریا کے مرض کی وجہ سے رحم سے سفید پانی رستا رہتا ہے، جس کی وجہ سے فرج داخل میں ٹشو وغیرہ رکھ دیتے ہیں، اگر وہ تر ہو جائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ٹشو نکال لیا جائے تو اس کے اندر کا حصہ تر ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ پہلے سے ایک پورا رکھا تھا، وہ تری روکنے کے لئے ناکافی تھا تو دوسرا رکھا، کیا دوسرا رکھنے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ سیلان الرحم (لیکوریا) کا پانی نجس ہے، اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کپڑوں پر لگنے کی صورت میں کپڑے بھی ناپاک ہو جاتے ہیں، بعض خواتین کو کبھی کبھی یہ شکایت پیش آتی ہے اور وضو ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے، ایسی صورت میں ٹشو پیپر یا روئی کا پورا استنجاء کے بعد وضو سے پہلے رکھنا چاہیے پھر جب تک یہ پانی باہر کی طرف ظاہر نہ ہو وضو باقی رہے گا، البتہ باہر کی جانب یہ پانی جسم پر ظاہر ہو یا پورا کچھ ظاہر تھا اور تری باہر کے حصہ پر ظاہر ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

پہلے سے رکھا ہوا پورا اگر نا کافی معلوم ہو اور مزید وہ رکھنا چاہتی ہے تو رکھ سکتی ہے، بشرطیکہ پہلا پورا نظر نہ آئے ، اس لئے کہ پورا اندرونی حصہ میں پوری طرح اگر تر ہو جائے تب بھی وضو نہیں ٹوٹتا جب تک باہر کی جانب تری نہ رسے ، لیکن دوسرا پورا رکھنے کے لیے پہلا پورا اگر ظاہر ہو جائے اور تری بھی اس پر آگئی تھی ، تو وضو ٹوٹ جائے گا؛ اس لئے کہ وضو نجاست کے خارج ہونے سے جس طرح ٹوٹ جاتا ہے، نجاست ظاہر ہونے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اگر چہ باہر کی جانب وہ نجاست ابھی نکلی نہیں ہے۔

اور بعض خواتین کو مسلسل یہ مرض رہتا ہے، فرائض پر اکتفاء کرتے ہوئے بھی ان کو وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، ایسی خواتین مستحاضہ کی طرح معذور کے حکم ہیں، وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کریں ، ان کا وضو اس پانی کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا، وقت کے اندر جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں، البتہ دوسرے وقت کے لئے وضو نیا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافي الدر المختار (باب : الانجاس ۱/ ۳۱۲، ۳۱۳، طبع: سعيد)

"اي برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها" .

لمافي رد المحتار ۱/ ۳۱۲ (طبع سعيد)

(برطوبة الفرج) اي الداخل ـــ ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الولد اوقبيله "

ولمافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، (باب : الحيض ص: ۱۴۹ ، طبع: قديمي)

" وفي المضمرات عن النصاب به سلس بول فجعل القطنة في ذكره ومنعه من الخروج وهو يعلم انه لولم يحش ظهر البول فاخرج القطنة وعليها بلة فهو محدث ساعة اخراج القطنة فقط وعليها الفتوىٰ ".

ولمافي السعاية ، (كتاب الطهارة ، باب : الحيض ، فروع مهمة ، ۱/ ۲۰۱ ، طبع: سهيل اكيڈمى)

قال الشيخ عبد الحئ اللكهنوي : اذاخاف الرجل فروج البول فحشى احليله بقطنة ولولاه يخرج البول فلا بأس به لاينتقض وضوء ه حتى يظهر البول على القطنة واذابتل الطرف الداخل كذالك مالم يبتل الظاهر منه ".

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب : تکمیل الدین گلگتی

۸ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر : ۳۵۱۷

﴿فصل فی الانجاس والمتفرقات﴾

﴿طہارت ونجاست کے متفرق مسائل﴾

﴿نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کا معیار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کپڑے پر کتنی مقدار میں خون لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی نیز خون نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ اور نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے درمیان فرق کرنے کا معیار کیا ہے؟ مستفتی: محمد یاسین ایبٹ آبادی

﴿جواب﴾ اگر کپڑوں میں اتنا خون لگ جائے کہ وہ ہتھیلی کی گہرائی کے برابر ہو اور بے خبری میں اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائیگی اور اگر اس سے زیادہ مقدار میں ہو تو نماز نہیں ہوگی نماز لوٹانا ضروری ہوگا اور خون تھوڑا ہو یا زیادہ نجاست غلیظہ میں شمار ہوتا ہے۔

نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے درمیان مختلف فرق بیان کیے گئے ہیں مثلاً:

(۱) انسان کے بدن سے نکلنے والی کوئی بھی نجس چیز جس کی وجہ سے وضو یا غسل واجب ہو نجاست غلیظہ شمار ہوتی ہے

(۲) جس چیز کا نجس ہونا ایسی نص سے ثابت ہو کہ اس کے معارض کوئی دوسری نص نہ ہو تو وہ نجاست غلیظہ شمار ہوگی

(۳) جس چیز کے نجس ہونے میں علماء کرام کا اختلاف نہ ہو اور اس میں اجتہاد بھی ممکن نہ ہو تو وہ نجاست غلیظہ شمار ہوگی.

لما فی التنویر والدر ۱/۱۶ طبع سعید)

(وعفی)الشارع(عن قدر الدرهم)وان کره تحریما فیجب غسله ،وما دونه تنزیها فیسن وفوقه مبطل فیفرض ،والعبرة لوقت الصلوٰة لا الاصابة علی الأکثر نهر.(وهو مثقال) عشرون قیراطاً (فی)نجس (کثیف)له جرم (وعرض مقعر الکف) وهو داخل مفاصل (اصابع الید (فی رقیق من مغلظة کعذرة)آدمی وکذا کل ما خرج منه موجبا لوضوء او غسل مغلظ (وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم)الا بول الخفاش وخرء ه(ودم) مسفوح من سائر الحیوانات (وخمر)وفی باقی الاشربة روایات التغلیظ والتخفیف والطهارة

ولما فی الرد المحتار ۱/۳۱۲ طبع سعید)

(قوله وعفى الشارع)فيه تغيير للفظ المتن ،لانه كان مبنيا للمجهول لكنه قصد التنبيه على ان ذلك مروى لا محض قياس فقط وبعد اسطر (قوله ان كره تحريماً) اشار الى ان العفو عنه بالنسبة الى صحه الصلوة به ،فلا ينافي الاثم كما استنبطه في البحر

ولما فی العالمگیریۃ ۱/۴۵ قدیمی)

الاول المغلظة ،وعفى منها قدر درهم واختلفت فيه والصحيح ان يعتبر الوزن فى النجاسة المتجسدة وهو ان يكون وزنه قدر الدرهم الكبير المثقال وبالمساحة فى غيرها وهو قدر عرض الكف ،كل ما يخرج من بدن الانسان مما يوجب خراجه الوضوء او الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمنى والمذى والدم امسفوح وغيرها .

ولما فی البنایۃ ۱/۷۱۳ حقانیۃ)

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم البول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلوة معه وان زاد لم تجز ،وبعد اسطر ثم يروى اعتبار الدرهم من حيث المساحة وهو قدر عرض الكف فى الصحيح.

ولما فی مراقی الفلاح ص۷۳ قدیمی)

فالتغليظ كالخمر وكانت غليظة لعدم معارضه نص بنجاستها كالد المسفوح عند الامام والحنيفة لثبوت المعارض كقوله ﷺ :استنزهوا عن البول مع خبر العرنيين، وبعد اسطر ما ينقض الوضوء بخروجه من بدن الانسان كالدم السائل والمنى وغيرها ونجاستها غليظة بالاتفاق لعدم معرض دليل نجاستها عنده ولعدم مساغ الاجتهاد فنطهارتها عندهما .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۱۵

﴿پختہ فرش بھی زمین کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے تو آج کل جو فرش ہوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ آیا ان کی بھی پاکی خشک ہونا ہے یا ان کو دھونا ضروری ہے، اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اگر کوئی بچہ فرش پر پیشاب کر دے تو اس کا اثر تو باقی رہتا ہے۔　　　　مستفتیہ: حکامہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ دھوپ اور ہوا کے ذریعہ خشک ہونے کے بعد فرش کا بھی زمین ہی کی طرح حکم

ہے، زمین پاک ہوجاتی ہے تو فرش بھی پاک ہوجاتا ہے لیکن زمین ہو یا فرش خشک ہونے کے بعد پاک ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بالکل خشک ہو یہاں تک کہ بو اور رنگ کا اثر بھی زائل ہو، کوئی ایک بھی اثر نجاست کا اگر باقی ہے تو زمین اور فرش پاک شمار نہ ہونگے۔

لمافی الشامی ۱/۳۱۱، طبع: سعید

"وتطهر(ارض) بخلاف نحو بساط (بيبسها) اى جفافها ولو بريح (وذهاب اثرها كلون) وريح لاجل (صلاة) عليها (لالتيمم) بها لان المشروط لها الطهارة وله الطهورية"۔۔۔۔۔۔(وقوله: اى جفافها) المراد به ذهاب الندوة وفسر الشارح به لانه المشروط دون اليبس كما دلت عليه عبارات الفقهاء قهستانى، وصرح به ابن الكمال عن الذخيرة، قوله: (بريح) اشار الى ان تقييد الهداية وغيرها بالشمس اتفاقى فانه لافرق بين الجفاف بالشمس او النار او الريح كما فى الفتح وغيره. قوله: (كلون وريح) ادخلت الكاف الطعم وبه صرح فى البحر والذخيرة وغيرهما"۔

ولمافى حاشية الهداية ۱/۷۰، طبع: رحمانيه

"فجفت: لافرق بين الجفاف بالشمس والنار والريح والمراد من الاثر الذاهب اللون او الريح"۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۳۸

﴿ناپاک قالین پر گیلے پاؤں سے چلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قالین نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوگیا تھا، اب بالکل خشک ہو چکا ہے اور اس پر نجاست کے آثار نظر نہیں آرہے اب اگر کوئی شخص اس کے اوپر گیلے پاؤں سے چلے تو اس کے پاؤں ناپاک ہوجائیں گے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ پاؤں کی تری اتنی زیادہ ہو کہ قالین کو لگنے کے بعد واپس منتقل ہو تو ایسی صورت میں پاؤں بھی ناپاک ہوجاتے ہیں اگر اتنی زیادہ نہ ہو یعنی عام معمول کی تری ہو تو پیر ناپاک نہیں ہوں گے، اس لیے کہ معمول کی تری قالین کو لگتے ہی خشک ہوجاتی ہے، پیر کی طرف واپس منتقل ہونے کی مقدار میں نہیں ہوتی۔

لمافی الدر المختار: (۱/۳۴۶، طبع سعید)

نام أو مشى على نجاسة ان ظهر عينها تنجس والا لا ملف طاهر فى نجس مبتل بماء ان بحيث

لو عصر لطہر تنجس والالا ولو لف مبتل نحو بول ان ظہر ندوتہ أو اثرہ تنجس والالا.

ولمافی حلبی کبیر:(ص ۱۷۴-۱۷۵، طبع سہیل اکیڈمی)

وکذالا ینجس لو نشر الثوب المبلول الطاھر علی مکان یابس نجس فابتل منہ لکن لم یظھر عین النجاسۃ فی ثوب وکذاان نام علی فراش نجس فعرق وابتل الفراش من عرقہ فانہ ان لم یصب بلل الفراش بعد ابتلالہ بالعرق جسدہ لاینجس جسدہ وکذا اذا غسل رجلیہ ومشی علی لبد نجس فابتل اللبد لاتتنجس رجلہ وکذاان مشی علی ارض ای بالنسبۃ الی لونہ الاول لکن لم یظھر اثر البلل المتصل بالارض فی رجلہ وجازت صلوتہ بدون اعادۃ غسلھا لعدم ظھور عین النجاسۃ جمیع ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۱۵۳

﴿قالین کو دھونا ممکن نہ ہو تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے قالین پر چھوٹے بچے نے پیشاب کر دیا۔ قالین اتنا بڑا ہے کہ اس کو نکال کر دھونا ممکن نہیں اور اس کی بناوٹ اس نوعیت کی ہے کہ اوپر پانی ڈالنے سے ٹپکتا بھی نہیں ہے۔ اب اس صورت میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ قالین کو کس طرح پاک کیا جائے۔ مستفتی: ایک سائل فون پر

﴿جواب﴾ قالین کے نیچے کوئی بڑا ٹب وغیرہ رکھ کر جہاں بچے نے پیشاب کیا ہے اس جگہ زیادہ مقدار میں پانی ڈال دیں اور نیچے ٹب میں پورا پانی جانے کا انتظار کریں۔ قالین کے نیچے کی طرف میں پلاسٹک یا اس جیسی کوئی چیز پانی نکلنے کے لیے اگر مانع ہے تو اس میں چند سوراخ کر لیں۔ اس طرح اس جگہ پر کم از کم تین بار پانی ڈال کر گزار دیں تو اس سے قالین پاک ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ:(۴۷/۱، طبع قدیمی)

وما لا ینعصر یطھر بالغسل ثلاث مرات والتجفیف فی کل مرۃ لأن للتجفیف اثرا فی استخراج النجاسۃ وحد التجفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط الیبس

ولما فی التنویر مع الدر والرد:(۳۳۲/۱، طبع سعید)

وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر بان تعذر عصرہ کالخزف او تعسر کالبساط

ولما فی مجمع الانھر وملتقی الابحر:(۹۱/۱، مکتبۃ المنار کوئٹہ)

(قولہ والا) وان لم یمکن العصر کالحصیر ونحوہ فیطھر بالتجفیف کل مرۃ حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط الیبس

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۹ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۶۸

﴿مچھلی کا خون نجس نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مچھلی کا کاروبار کرتا ہوں مچھلی کاٹنے کے بعد خون کے دھبے میرے کپڑوں کو لگ جاتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ میں ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی: شیر بہادر سلطان آباد کراچی

﴿جواب﴾ مچھلی کا خون نجس نہیں ہے عام خون کی طرح یہ خون نہیں ہے اس لئے نماز ہو جائے گی لیکن ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے کہ نماز اپنے رب سے سرگوشی ہے اور انکی شان کا تقاضہ یہ ہیکہ پاک وصاف عمدہ لباس زیب تن ہولھذا نماز کیلئے ایک پاک و صاف جوڑا رکھنے کا اہتمام کریں۔

ولما فی الشامی:(۳۱۹/۱،طبع: سعید)

(قولہ دم سمک) لأنہ لیس بدم حقیقۃ لأنہ اذا یبس یبیض والدم یسود کرشل السمک الکبیر اذا سال منہ شیئی فی ظاھر الروایۃ بحر.

ولما فی الشامی: (۳۲۲/۱، طبع سعید)

والمذھب أن دم السمک طاھر لأنہ دم صورۃ لا حقیقۃ.

ولما فی الفتح:(۲۰۹/۱، طبع رشیدیۃ)

(وان أصابہ من دم السمک أو لعاب البغل أو الحمار أکثر من قدر الدرھم أجزأت الصلواۃ فیہ) أما دم السمک فلأنہ لیس بدم علی التحقیق فلا یکون نجسا.

ولما فی فتاوی قاضی خان: (۲۶/۱،طبع: قدیمی)

(دم) السمک وما یعیش فی الماء لا یفسد الماء ولا یفسد الثوب فی قول أبی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالی

ولما فی بدائع الصنائع:(۱/ ۶۱، طبع:سعید)

وأما دم السمک فقد روی عن ابی یوسف نه نجس وبه اخذ الشافعی اعتبارا بسائر الدماء وعند أبی حنیفه ومحمد طاهر لاجماع الامة علی اباحة تناوله مع دمه ولو کان نجسا لما أبیح ولأنه لیس بدم حقیقة بل هو ماء تلوّن بلون الدم لأن الدموی لا یعیش فی الماء.

ولما فی الهندیة (۱/ ۵۷، طبع: رشیدیة)

و تکره الصلاة فی ثیاب البذلة کذا فی معراج الدرایة.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/ ۶۴۰، طبع:سعید)

(و صلاته فی ثیاب بذلة) یلبسها فی بیته (ومهنة) أی خدمة ان له غیرها والاّ لا، وقال الشامی تحت قوله هذا (وصلاته فی ثیاب بذلة) ـــــــ قال فی البحر وفسرها فی شرح الوقایة بما یلبسه فی بیته ولا یذهب به الی ألاکابر والظاهر ان الکراهة تنزیهیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۹ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۱۵۳

﴿مچھر اور کھٹمل کے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مچھر اور کھٹمل کا خون اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: سعید الرحمٰن نوشہروی

﴿جواب﴾ مچھر یا کھٹمل کا خون اگر کپڑوں پر لگ جائے تو دھوئے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اگر چہ دھونا بہتر ہے۔

لما فی الشامی:(۱/ ۳۲۰، مطبوعہ: سعید)

(قوله و قمل و برغوث وبق) أی وان کثر "بحر ومنیة" وفیه تعریض بما عن بعض الشافعیة

أنه لا یعفی عن الکثیر منه و شمل ما کان فی البدن و الثوب تعمد اصابته أولا "حلیه"۔

ولما فی قاضی خان:(۱/ ۲۶، طبع: قدیمی)

و دم البق أو البعوض أو البرغوث لا یفسد عندنا.

ولما فی الفتح:(۱/ ۲۰۸، طبع رشیدیه)

ودم البق والبراغیث لیس بشیء.

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۶۲، طبع: سعید)

وأما الذی لیس له دم سائل فالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها أنه لیس بنجس عندنا

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۳ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۵۲

﴿گندگی پر بیٹھنے والی مکھیوں کا پاک کپڑوں پر بیٹھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری گوشت کی دوکان ہے، جہاں ہم جانور ذبح کر کے گوشت فروخت کرتے ہیں، جسکی وجہ سے یہاں عموماً گندہ خون جما رہتا ہے، جس پر مچھر، مکھیاں بیٹھ کر پھر ہمارے پاک کپڑوں پر بیٹھتی ہیں، جن میں ہم نماز بھی پڑھتے ہیں! پوچھنا یہ ہیکہ ان مچھر اور مکھیوں کا کپڑوں اور جسم پر بیٹھنے سے کپڑے اور جسم ناپاک تو نہیں ہو جاتے ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: گل شیر بلگرام

﴿جواب﴾ خون ہو یا دوسری کوئی نجاست، اس پر بیٹھنے والے مچھروں اور مکھیوں کا پاک کپڑوں اور جسم پر بیٹھنے سے کپڑے اور جسم ناپاک نہیں ہو جاتے، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مچھر اور مکھیوں کے بیٹھنے کیوجہ سے کپڑوں پر میل یا میل وغیرہ ظاہر نہ ہو۔

میلے کچیلے کپڑوں میں نماز اگرچہ ہو جاتی ہے لیکن مکروہ ہوتی ہے، لہٰذا نماز کیلئے پاک وصاف کپڑوں کا انتظام کرنا چاہئے۔

لما فی فتاویٰ قاضیخان (۱/۲۲) طبع قدیمی

ذباب المستراح اذاجلس علی ثوب لایفسده الا أن یغلب ویکثر.

ولما فی الهندیة (۱/۴۷) طبع قدیمی) ذباب المستراح اذاجلس علی ثوب لایفسده الاأن یغلب ویکثر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۰۶

﴿کالے چھینٹے یا کیچڑ لگے ہوئے کپڑوں میں نماز ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ راہ چلتے گاڑی گذرنے

سے پانی کے کالے چھینٹے کپڑوں پر پڑ گئے اور چھینٹے اتنے باریک تھے کہ غور کرنے سے نظر آتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان کپڑوں میں نماز ہو جائیگی؟ یا تبدیل کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے راستے کا عام پانی خواہ کالا ہو، ضرورت کی وجہ سے پاک قرار دیا ہے، البتہ گٹر کا پانی اور ایسا ہی دوسرا پانی جسکا نجس اور پلید ہونا یقینی ہو اور زیادہ مقدار میں کپڑوں کو لگ جائے، تو ایسے کپڑوں کو پاک کرنا ضروری ہے، پاک کئے بغیر ان میں نماز ادا نہیں ہوتی، لہٰذا آپکی ذکر کردہ صورت میں وہ پانی اگر گٹر کا نہیں تھا تو اس سے کپڑے ناپاک نہیں ہوئے اور اگر گٹر کا تھا لیکن بہت کم مقدار میں تھا، کم مقدار کے لئے ہتھیلی کے پھیلاؤ میں جتنا پانی ٹھہرتا ہے معیار قرار دیا گیا ہے، اتنا نجس پانی کپڑوں کو لگ جائے اور بے خیالی میں اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی لیکن اتنی کم مقدار کی نجاست کو بھی قصداً چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۵۳۰/۱،طبع امدادیه)

(وطین شارع)......(عفو)والشارع الطریق وفی الفیض طین الشوارع عفووان ملاء الثوب للضرورةولومختلطابالعذرات وتجوزالصلاةمعه الی قوله والحاصل ان الذی ینبغی انه حیث کان العفوللضرورةوعدم امکان الاحترازان یقال بالعفووان غلبت النجاسةمالم یرعینهالواصابه بلاقصدوکان ممن یذهب ویجیء والافلاضرورة.

ولمافی الشامی:(۵۲۲/۱،طبع امدادیه)

(وهوداخل مفاصل اصابع الید)قال الملامسکین،وطریق معرفته ان تغرف الماء بالیدثم تبسط فمابقی من الماء فهومقدارالکف.

ولماایضافیه:(۵۲۰/۱،طبع امدادیه)

(وعفاالشارع)فیه تغیرللفظ المتن الی قوله قال فی شرح المنیةولنان القلیل عفو اجماعااذالاستنجاءبالحجرکاف بالاجماع،وهولایستاصل النجاسة،والتقدیربالدرهم مروی عن عمروعلی وابن مسعودالی قوله وکان قریبامن کذا(وان کره تحریما)اشاربه الی ان العفوبالنسبةالی صحةالصلاةبه فلاینافی الاثم کمااستنبطه فی البحرمن عبارةالسراج الی قوله یکره ان یصلی ومعه قدردرهم اودونه من النجاسةالی قوله قادراعلی ازالته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ | فتوی نمبر: ۱۰۶۲

﴿شیر خوار بچوں کی قئے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ دودھ پینے والے بچے اکثر دودھ پینے کے بعد قئے کردیتے ہیں کیا انکی قئے نجس ہے یا نہیں؟ اگر کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: ام عافیہ جاثی ہسپتال گڈاب کراچی

﴿جواب﴾ شیر خوار بچوں کے منہ سے اکثر و بیشتر جو دودھ نکلتا ہے یہ قئے نہیں ہوتی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، جس طرح بڑوں کو ڈکار آنے کی صورت میں تھوڑی مقدار میں کھٹا پانی آجاتا ہے بچوں کے منہ سے دودھ کا نکلنا بھی اسی کے حکم میں ہے، البتہ باقاعدہ منہ بھر کر قئے ہوجائے اور کپڑوں کو لگ جائے تو اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں زیادہ مقدار میں لگ جائے تو پاک کئے بغیر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۱/۱۳۷ طبع سعید)

وینقضه قیء ملأفاه بان یضبط بتکلف.....الخ وهو نجس مغلظ ولو من صبی ساعة ارتضاعه هو الصحیح لمخالطة النجاسة ذکره الحلبی.

وفی الشامیة: (قوله هو الصحیح) مقابله ما فی المجتبی عن الحسن انه لاینقض لانه طاهر حیث لم یستحل وانما اتصل به قلیل القیء فلایکون حدثا قال فی الفتح قبل هو المختار ونقل فی البحر تصحیحه عن المعراج وغیره. (قوله ذکره الحلبی) ای فی شرح المنیة الکبیر حیث قال والصحیح ظاهر الروایة انه نجس لمخالطة النجاسة وتداخلها فیه بخلاف البلغم.

ولما فی البحر الرائق: (۱/۳۲ طبع سعید)

وکذا الصبی اذا ارتضع وقاء من ساعته وصححه فی المعراج وغیره ومحل الاختلاف ما اذا وصل الی معدته ولم یستقر اما لو قاء قبل الوصول الیها وهو فی المری فانه لاینقض اتفاقا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۷۳۳

﴿نماز کے دوران بچے کا گود میں بیٹھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں جب نماز پڑھتا ہوں تو میرا

ڈیڑھ دو سال کا بچہ آ کر گود میں بیٹھ جاتا ہے، کبھی سجدہ میں کمر پر جھولتا ہے اس کا بدن اور کپڑے عموماً ناپاک ہوتے ہیں تو میری نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: فیض محمد ابوبکر مسجد

﴿جواب﴾ آپ کا بچہ چونکہ گود میں خود بیٹھ سکتا ہے یہاں تک کہ آپ کی گود تک بھی پہنچ جاتا ہے تو ایسے بچے کے جسم اور کپڑوں کی ایک الگ اور مستقل حیثیت شمار ہوتی ہے گود میں آنے سے آپ کی نماز خراب نہیں ہوتی۔ البتہ بالکل چھوٹا بچہ جو بیٹھ بھی نہیں سکتا وہ دوران نماز آپ کی گود میں کوئی رکھے یا آپ خود اٹھا لیں اور کپڑے وغیرہ اس کے ناپاک ہوں اور ایک رکن کی مقدار آپ کی گود میں رہے تو نماز فاسد ہو جائیگی اس لیے کہ ایسے بچے کی اپنی مستقل حیثیت شمار نہیں ہوتی ایسی صورت میں نجاست کی نسبت نمازی کی طرف ہو جاتی ہے۔

لما فی التنویر والدر: (۱/۴۰۲، طبع: سعید)

(وثوبه) وكذا ما يتحرك بحركته أو يعد حاملا له كصبي عليه نجس ان لم يستمسك بنفسه منع والا لا كجنب وكلب ان شد فمه في الاصح.

ولما فی ردالمحتار: (۱/۴۰۲، طبع: سعید)

(قوله كصبي) اى وكسقف وظلة خيمة نجسة تصيب رأسه اذا وقف (قوله ان لم يستمسك) الاولى حذف ان وجوابها لانه تمثيل للمحمول فحق التعبير ان يقول كصبي عليه نجس لا يستمسك بنفسه (قوله والا لا) اى وان كان يستمسك بنفسه لا يمنع لان حمل النجاسة حينئذ ينسب اليه لا الى المصلي

ولما فی الهنديه: (۱/۶۰، طبع: قديمی كتب خانه)

اذا وضع في حجر المصلي الصبي الغير المستمسك وعليه نجاسة مانعة ان لم يمكث قدر ما امكنه اداء ركن لا تفسد صلوته وان مكث تفسد بخلاف ما لو استمسك وان طال مكثه وكذا العمامة المتنجسة اذا جلست عليه.

ولما فی البحر الرائق: (۱/۲۶۷ طبع سعيد)

وفي الظهيرية: الصبي اذا كان ثوبه نجسا أو هو نجس لجلس على حجر المصلي وهو يستمسك أو الحمام النجس اذا وقع على رأس المصلي وهو يصلي كذالك جازت الصلوة وكذالك الجنب اذا حمله المصلي لان الذى على المصلي مستعمل له فلم يصر المصلي حاملا للنجاسة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق الکی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۲۳

﴿ڈرپ کی نلی میں موجود خون کیساتھ نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے خون کی اشد ضرورت تھی جسکی وجہ سے خون کی ڈرپ لگی اور ڈرپ لگنے کی وجہ سے میرا کچھ خون ڈرپ کی نلی میں آ گیا تو کیا اس سے میرا وضوء ٹوٹ گیا؟ اب نماز کا وقت آ چکا ہے لیکن ڈرپ ابھی لگی ہوئی ہے تو کیا میں اس حالت میں وضوء کر کے اس ڈرپ کی نلی میں موجود خون کیساتھ نماز پڑھ سکتا ہوں یا نماز کی دوبارہ قضاء کرنا لازم ہے نیز ڈرپ نکال کر دوبارہ لگانے میں شدید تکلیف ہوتی ہے اور ایک ہی دفعہ میں پوری ڈرپ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ مستفتی: محمد داؤد شاہ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جسم سے جب اتنی مقدار میں خون نکلے کہ جس میں بہنے کی صلاحیت ہو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ڈرپ کی نلی میں جب آپ کا خون آ گیا ہے تو اسکی وجہ سے وضوء ٹوٹ گیا ہے، نیا وضوء کر کے نماز پڑھیں اور جسم کو نجاست سے پاک کرنا بھی ضروری ہے لیکن آپ کو ڈرپ نکالنے میں چونکہ مشقت اور ضرر ہو رہا ہے، لہٰذا اسی کے ساتھ وضوء کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لمافی ردالمحتار: (۱/۱۳۴ طبع سعید)

اقول یرد علیہ مالو سال الی نھرہ ونحوہ مما لا یصلی علیہ ومالو مص العلق او القراد الکبیر وامتلاء دما فانہ ناقض کما سیأتی متنا فالاحسن ما فی النھر عن بعض المتأخرین من ان المراد السیلان ولا بالقوۃ فان دم الفصد ونحوہ سائل الی ما یلحقہ حکم التطھیر حکما۔

ولما فی ردالمحتار: (۱/۲۳۲ طبع سعید)

کالخلاف فی مریض لا یقدر علی الاستقبال او التحول من الفراش النجس ووجد من یوجھہ او یحولہ لان عندہ لا یعتبر المکلف قادرا بقدرۃ الغیر والفرق علی ظاھر المذھب ان المریض یخاف علیہ زیادۃ الوجع فی قیامہ وتحولہ لا فی الوضوء۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۸ رجب ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿چمن (لان) میں گوبر ڈالنے کے بعد اس پر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم فرض نماز مسجد میں

پڑھنے کے بعد باقی منتظمین وغیرہ اپنے گھر کے چمن میں بغیر جائے نماز کے پڑھتے ہیں تاکہ۔
چمن (لان) کے سرسبز رکھنے کے لئے ہم مہینہ یا دو مہینے کے بعد اس میں گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں جبکہ۔
گوبر وغیرہ پلید ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے چمن (لان) میں نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ گوبر وغیرہ پلید ہیں لیکن چمن (لان) میں ڈالنے کے بعد جب وہ مٹی میں تبدیل ہوجائے اور دھوپ وہوا کی وجہ سے اس کی بدبو وغیرہ نہ رہے تو اس کی زمین پاک شمار ہوتی ہے، اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ تازہ تازہ ڈال دیا ہو تو اس پر مصلی وغیرہ بچھائے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۳۱۱-۳۱۲) باب الأنجاس طبع سعید)

(وشجر وكلأ قائمين في الأرض كذلك) أي كأرض فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتاً فيها لأخذه حكمها باتصاله بها فالمنفصل يغسل لا غير.

ولما فی الهندية: (۱/۳۱۱-۳۱۲) الباب السابع فی النجاسة طبع رشیدیه)

(ومنها الجفاف وزوال الأثر) الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلاة لا للتيمم هكذا في الكافي ولا فرق بين الجفاف بالشمس والنار والريح والظل كذا في البحر الرائق ويشارك الأرض في حكمها كل ما كان ثابتاً فيها كالحيطان والأشجار والكلأ والقصب وأصابته النجاسة لا يطهر إلا بالغسل كذا في الجوهرة النيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۹۹۰

﴿فالج زدہ شخص کے کپڑوں پر پیشاب کے قطرے لگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک فالج زدہ شخص کے کپڑے صاف نہیں رہ سکتے، پیشاب کرتے وقت پلید ہوجاتے ہیں اور ہر پیشاب کے بعد کپڑے تبدیل کرنے سے حرج شدید ہوتا ہے، کیونکہ کپڑے بھی خود نہیں بدل سکتا، پوچھنا یہ ہے کہ اس کے لئے ایسے کپڑوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبدالرزاق صاحب پنجاب

﴿جواب﴾ ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی، لہٰذا پیشاب کے قطرے ہتھیلی کے پھیلاؤ کے برابر اگر کپڑوں یا بدن کو لگے تو پاک کرنا ضروری ہے۔

ایسے شخص کو چاہیے کہ رومالی باندھنے کا بھی اہتمام کرے یعنی پیشاب کی جگہ کوئی کپڑا یا ٹیشو پیپر وغیرہ رکھیں، جب قطرے آنا بند ہو تو دور کرلیا کریں، اس طرح کرنے سے شلوار وغیرہ ناپاکی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

لما في رد المحتار:(۵۲۱/۱،کتاب الطهارة،باب الأنجاس،طبع امدادیه)

أقول:ويؤيده قوله في الفتح:والصلاة مكروهة مع مالا يمنع،حتى قيل:لو علم قليل النجاسة عليه في الصلاة يرفضها مالم يخف فوت الوقت أو الجماعة،ومثله في النهاية والمحيط كما في البحر،فقد سوّى بين الدرهم ومادونه في الكراهة ورفض الصلاة،ومعلوم أن مادونه لا يكون تحريماً إذ لا قائل به،فالتسوية في أصل الكراهة التنزيهية وإن تفاوتت فيهما ويؤيده تعليل المحيط للكراهة باختلاف الناس فيه إذ لا يستلزم التحريم،وفي النتف مانصه فالواجبة إذا كانت النجاسة أكثر من قدر الدرهم، والنافلة إذا كانت مقدار الدرهم ومادونه،وما في الخلاصة من قوله:وقدر الدرهم لا يمنع،ويكون مسيئاً وإن قل،فالأفضل أن يغسلها ولا يكون مسيئاً.

ولما في الهندية:(۴۵/۱،۴۶،الباب السادس في النجاسة،طبع رشيديه كوئته)

المغلظة:وعفي منها قدر الدرهم واختلفت الروايات فيه،والصحيح أن يعتبر بالوزن في النجاسة وهو أن يكون وزنه قدر الدرهم الكبير المثقال وبالمساحة في غيرها وهو قدر عرض الكف هكذا في التبيين والكافي وأكثر الفتاوى.....كل مايخرج من بدن الانسان ممايوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمني والمذي والودي والقيح والصديد والقيء إذا ملأ الفم كذا في البحر الرائق.وفي الفقه الحنفي وأدلته: (۱۱۶/۱،باب الأنجاس،۱۱۹،أقسام النجاسة،كتاب الطهارة،طبع دار الكلم الطيب)

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتوی نمبر:۲۸۵۰

﴿جنبی آدمی کے پسینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنبی آدمی کے پسینے کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ پسینہ کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک؟ مستفتی:عبد اللہ

﴿جواب﴾ انسان کا پسینہ ہر حال میں پاک ہے،خواہ وہ حالت جنابت میں ہو یا پاکی کی حالت میں ہو کیونکہ جھوٹے اور پسینے کا ایک ہی حکم ہے،البتہ اگر جسم پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو

اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، ورنہ جنبی آدمی کا صرف پسینہ کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۲۲/۱،طبع سعید)

(فسؤر آدمی مطلقا)ولو جنبا أو کافرا أو امرأۃ....(وما کول لحم طاہر الفم طاہر)۔۔(و) حکم(عرق کسؤر)

ولما فی الهدایة:(۴۳/۱،فصل فی الآسار وغیرها طبع رحمانیه)

(وعرق کل شیئی معتبر بسؤرہ)لأنهما یتولدان من لحمه فأخذ أحدهما حکم صاحبه(وسؤر الآدمی ومایؤکل لحمه طاہر)لأن المختلط به اللعاب وقد تولد من لحم طاہر ویدخل فی ہذا الجواب الجنب والحائض والکافر.

ولما فی البحر الرائق:(۱۲۶/۱-۱۲۵،طبع سعید)

(والعرق کالسؤر)۔۔أی عرق کل شیئی معتبر بسؤرہ طہارۃ ونجاسۃ وکراہۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

۵ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۶۲

﴿غسل خانے میں پیشاب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ غسل خانے میں پیشاب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر حدیث میں ممانعت ہے تو بیان کریں موجودہ زمانے میں غسل خانے کیساتھ استنجا خانہ کا انتظام ہوتا ہے تو اس صورت میں غسل خانے میں پیشاب کرنے کا کیا حکم ہے۔

﴿جواب﴾ غسل خانہ میں پیشاب کرنا حدیث کی رو سے منع ہے کہ اس سے وہم و وسواس کی بیماری پیدا ہوتی ہے، البتہ غسل خانہ اگر پختہ ہو کہ پانی بہانے سے پیشاب بہہ جاتا ہے تو پانی بہانے کے بعد اس میں وضوء و غسل کرنا جائز ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ پیشاب کسی دوسری جگہ کرے غسل خانہ میں نہ کرے اور جس غسل خانہ میں استنجا خانہ کا الگ انتظام ہو تو اس میں پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ جگہ غسل خانہ کے حکم میں نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۳۴۲/۱،طبع سعید)

او یبول فی موضع یتوضأ هو او یغتسل فیه لحدیث لا یبولن احدکم فی مستحمه فان

عامة الوسواس منه (قوله لحديث) وانما نهى عن ذلك اذا لم يكن له مسلك يذهب فيه البول اوكان المكان صلبا فيوهم المغتسل انه اصابه منه شئ فيحصل به الوسواس كما في نهاية ابن الاثير.

ولما في الهندية: (۵۰/۱، طبع رشيديه)

ويكره ان يبول في موضع يتوضأ فيه او يغتسل كذا في السراج الوهاج.

الجواب صحيح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۷۶

﴿خشک ناپاک بستر پر بیٹھنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کسی نے بستر پر پیشاب کیا اور اس بستر کو دھویا نہیں گیا حتی کہ خشک ہو گیا تو اس بستر پر بیٹھنے سے کیا کپڑے ناپاک ہونگے؟ جبکہ تلائی یا رضائی کو دھونا مشکل ہے۔ مستفتی: محمد سیف اللہ العادل اسلام آبادی

﴿جواب﴾ ویسے اس بستر پر بیٹھنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہونگے، البتہ تر کپڑوں والا بیٹھ جائے جس سے اتنی رطوبت ظاہر ہوگئی کہ بیٹھنے والے کے کپڑوں کو اگر نچوڑا جائے تو قطرے ٹپکنے لگے تو اس صورت میں کپڑے ناپاک ہو جائیں گے۔

لما في فتاوى شامي: (۲۲۶/۱-۲۲۷، طبع سعيد)

قوله لف طاهر: اعلم أنه اذا لف طاهر جاف في نجس مبتل واكتسب الطاهر منه اختلف المشائخ فقيل يتنجس الطاهر واختار الحلواني أنه لا يتنجس ان كان الطاهر بحيث لا يسيل منه شيء ولا يتقاطر لو عصر وهو الاصح كما في الخلاصة وغيرها وهو المذكور في عامة كتب المذهب متونا وشروحا.

ولما في الهندية: (۴۷/۱، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، طبع رشيديه)

اذا لف الثوب النجس في الثوب الطاهر والنجس رطب فظهرت نداوته في الثوب الطاهر لكن لم يصر رطبا بحيث لو عصر يسيل منه شيء ولا يتقاطر فالأصح أنه لا يصير نجسا. وكذا لو بسط الثوب الطاهر على الثوب النجس أو على أرض نجسة مبتلة وأثرت تلك النجاسة في الثوب لكن لم يصر رطبا بحال لو عصر يسيل منه شيء ولكن يعرف موضع الندوة فالاصح أنه لا يصير نجسا هكذا في الخلاصة.

ولما في التاتارخانية:(۱/۲۲۱،طبع قديمی)

واذا نام الرجل على فراش فأصابه منى ويبس فعرق الرجل وابتل الفراش من عرقه وان لم يصب ببلل الفراش جسده لايتنجس جسده وان أصاب ببلل الفراش جسده يتنجس جسده

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۷۷۲۸

﴿انڈا دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق اگر کوئی شخص انڈا بغیر دھوئے پانی میں ڈال دے تو پانی کو نجس کرتا ہے یا نہیں؟ مستفتی:محمد حلیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ انڈے پر بظاہر اگر کوئی نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو دھوئے بغیر بھی وہ پاک ہے، پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

لما في حلبي الكبيري:(ص ۱۲۱،باب الانجاس،طبع نعمانية)

البيضة اذا وقعت من الدجاجة في الماء او المرقة لاتفسده وكذا السخلة اذا وقعت من امها رطبة في الماء لاتفسده كذا في كتب الفتاوى وهذا لان الرطوبة التي عليها ليست بنجسة لكونها في محلها.

ولما في ردالمحتار:(۱/۲۱۳،باب الانجاس،طبع قديمی)

ان رطوبة الولد طاهرة وكذا السخلة والبيضة.

ولما في الفتاوى البزازية:(۱/۲۱،السابع في النجس،طبع قديمی)

البيضة الرطبة او السخلة الرطبة وقعت في الماء يتنجس وان يابسة لا على قول الامام طاهر وفي الحاوي كما قال في الانفحة الخارجة بعد موت السخلة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد امین چارسدوی

۲۷صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۲۰

﴿لیکوریا کا پانی نجس ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے لیکوریا کی بیماری ہے جسکی وجہ سے کافی پریشان ہوں اور علاج بھی چل رہا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اسکے نکلنے

کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ (۲) کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (۳) یہ پانی مسلسل رستا رہتا ہے تو نماز کسطرح پڑھوں اور درس وغیرہ؟

﴿جواب﴾ رحم سے رسنے والا یہ پانی ناپاک ہے اس سے کپڑے بھی ناپاک ہوجاتے ہیں اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے لیکن آپکی بیماری کی کیفیت اگر ایسی ہے کہ ایک فرض نماز (صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرتے ہوئے بھی) پڑھنے کا آپکو موقع نہیں مل رہا تو آپ معذور ہیں، وقت کے اندر اس پانی سے آپکا وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ نماز کے ہر دوسرے وقت کے لیے نیا وضو کرنا پڑیگا اور نماز شروع کرنے سے پہلے کپڑوں کا نجس حصہ بھی دھولیا کریں اسطرح کرنے کی آپ کے لیے اس وقت تک گنجائش ہے کہ کوئی ایک وقت نماز کا ایسا گذر جائے کہ اس وقت بھر میں ایک بار بھی یہ پانی ظاہر نہ ہو تو معذوری ختم ہوگی اور یہ گنجائش نہیں رہے گی۔

لما فی تنویر الابصار و شرحہ: (۳۱۲ طبع سعید)

قال ابن حجر فی شرحہ وهی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق یخرج من باطن الفرج الذی لا یجب غسلہ بخلاف ما یخرج مما یجب غسلہ فانہ طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعاً ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبیلہ الخ۔

لما فی الشامی: (۱/۳۰۵ طبع سعید)

(وصاحب عذر من بہ سلس) بول لا یمکنہ امساکہ (او استطلاق بطن او انفلات ریح او استحاضة) (ان استوعب عذرہ تمام وقت صلاة مفروضة) بان لا یجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ ویصلی فیہ خالیاً عن الحدث (وحکمہ الوضوء) لا غسل ثوبہ ونحوہ (لکل فرض) ثم یصلی) بہ (فیہ فرضاً ونفلا) فدخل الواجب بالاولی۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۹۳

﴿پرندوں کی بیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز کسی پرندے نے بیٹ کردی اور وہ کپڑے پر لگ گئی تو اس نمازی کیلئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اس نمازی کو چاہیے کہ نماز جاری رکھے کیونکہ شریعت مطہرہ نے پرندوں کی

بیٹ کو عموم بلوی کی وجہ سے پاک قرار دیا ہے۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص ۱۳ طبع قدیمی)

ومن المخففة خرء طیر لا یوکل .کالصقر والحدأة فی الاصح لعموم الضرورة وفی روایة طاهر صححه السرخسی.

ولمافی قاضیخان:(۱/۱۹،طبع رشیدیه کوئٹه)

ذرق سباع الطیر کالبازی والحدأة لا یفسد الثوب(قاضیخان برهامش هندیه.

ولمافی الشامی:(۱/۳۲۰،طبع سعید)

خرء کل طیر لا یذرق فی الهواء کبط اهلی ودجاج اما ما یذرق فیه فان کان ماکولا کحمام وعصفور فطاهر والا فمخفف ای والا یکن ماکولا کالصقر والبازی والحدأة فهو نجس مخفف عنده مغلظ عندهما وهذه روایة الهندوانی وروی الکرخی انه طاهر عندهما مغلظ عند محمد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۷ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۶۲۳

﴿برسات میں راستہ کے کیچڑ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج میں راستے سے گزر رہا تھا اور بارش ہو رہی تھی چند بچوں کے پاس سے گزرا جو کھیل رہے تھے جس کی وجہ سے میرے کپڑوں پر کیچڑ کے چھینٹے پڑ گئے کیا ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ برسات کے موسم میں چونکہ راستے وغیرہ میں کیچڑ اور پانی ہوتا ہے جس سے اپنے کپڑے وغیرہ کو بچانا کافی دشوار ہوتا ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے برسات کے کیچڑ یا راہوں میں جمع ہونے والے پانی یا پرنالوں وغیرہ سے گرنے والے پانی کے چھینٹے کپڑوں وغیرہ میں لگنے کی صورت میں (مذکورہ عذر کے پیش نظر) ان میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، ہاں اگر کیچڑ وغیرہ کا نجاست غلیظہ ہونا یقینی ہو تو پھر اس سے لباس وغیرہ ناپاک ہو جائے گا۔

لمافی الشامی:(۱/۱۸۸،طبع سعید)

قال فی المنیة:وعلی هذا ماء المطر اذا جری فی المیزاب وعلی السطح عذرات فالماء طاهر وان کانت العذرة عند المیزاب أو کان الماء کله أو بعضه یلاقی العذرة فهو نجس

والافطاهر، وعلى مارجحه الكمال قال في الحلبة: ينبغي أن لايعتبر في مسئلة السطح سوى تغير أحد الأوصاف (كذافي المنية)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۱۲ رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۲۹

﴿ایک ساتھ دھلے ہوئے پاک وناپاک کپڑوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واشنگ مشین میں دھلے ہوئے کپڑوں کے پاک کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے جب کہ ناپاک کپڑے اور پاک کپڑے ایک ساتھ مشین میں ڈالے ہوں؟ مستفتیہ: حعلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اگر کپڑے پر کوئی ایسی نجاست لگ جائے جو کہ نظر آنے والی ہو تو اس کپڑے کی پاکی کے لئے اس نجاست کو دور کرنا ضروری ہے اور اگر ایسی نجاست لگی ہو کہ جو نظر آنے والی نہ ہو تو ایسی صورت میں تین دفعہ دھو کر نچوڑنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

کپڑوں کے بارے میں معلوم ہو کہ نجس ہے تو مشین میں ڈالنے سے پہلے خاص نجاست کی جگہ کو تین بار دھونا چاہیئے، یہ بہتر ہے اور دھوئے بغیر بھی اگر ڈالدے تو واشنگ مشین سے کپڑے چونکہ میل نکلنے کے بعد نکالے جاتے ہیں، جب میل نکل جاتی ہے تو نجاست بھی نکل جاتی ہے، تاہم نکالنے کے بعد ان کپڑوں کو تین دفعہ پاک پانی میں ڈال کر ہر بار نچوڑنا بھی چاہیئے، اس طرح دھونے سے نجاست یقیناً زائل ہو جاتی ہے۔

لما في العالمگيري، ۴۱/۱، طبع: رشيديه

"وازالتها ان كان مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئاً يزول اثره ولا يعتبر فيه العدد كذافي المحيط فلوزالت عينها بمرة اكتفى بها ولو لم تزل بثلاثة تغسل الى ان تزول كذافي السراجية ـــ وان كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات كذافي المحيط ويشترط العصر في كل مرة في ماينعصر ويبالغ في المرة الثالثة حتى لوعصر بعده لايسيل منه الماء ويعتبر في كل شخص قوته وفي غير رواية الاصول يكتفى بالعصر مرة وهوارفق كذافي الكافي وفي النوازل وعليه الفتوى كذافي التتارخانية والاول احوط كذافي المحيط".

ولما في تبيين الحقائق: ۱/۲۰۵، طبع: سعيد

"والنجس المرئي يطهر بزوال عينه لان تنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو بمرة ــ وغيره بالغسل ثلاثاً والعصر كل مرة اى غير المرئي من النجاسة يطهر بثلاث غسلات وبالعصر في كل مرة والمعتبر فيه غلبة الظن وانما قدرناه بالثلاث لان غلبة الظن تحصل عنده غالباً".

هكذا في التتارخانية: ۱/۲۲۸، فصل: تطهير الانجاس، طبع: قديمي

كذا في الشامي: ۱/۲۲۸، طبع: سعيد

الجواب صحيح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین کلکتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۶۳۷

﴿ناپاک خشک رسی پر کپڑے پھیلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی نے کپڑے پھیلانے کیلئے ایک رسی باندھ رکھی ہے جو کہ ناپاک ہے لیکن خشک ہے اب وہ اس رسی پر گیلے کپڑے پھیلاتا ہے تو کیا اس رسی کی وجہ سے وہ کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا پاک ہی رہیں گے، ان کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ گیلے کپڑے خشک ناپاک رسی پر پھیلانے سے ناپاک نہیں ہوتے کیونکہ تری کپڑوں سے رسی کی طرف سرایت کرتی ہے نہ کہ رسی سے کپڑوں کی طرف، لہٰذا ان کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے۔

لما في الشامي: (۶/۷۳۳، طبع سعيد)

كما لو نشر الثوب المبلول على حبل نجس يابس (قوله كما لو نشر الخ) هذا موافق لما ذكره المرغيناني، وقد جعله الزيلعي مفرعا عليه حيث قال عقب عبارة السابقة وعلى هذا اذا نشر الثوب المبلول على حبل نجس هو يابس لا يتنجس الثوب.

الجواب صحيح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۵۲

﴿گوبر کے اُپلے استعمال کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض علاقوں میں لوگ گائے بھینس کے فضلات کے اپلے بناتے ہیں، انہیں

سکھاتے ہیں، اور بطور ایندھن کے استعمال کرتے ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ اور گوبر سے پکی ہوئی روٹی پاک ہوگی؟

﴿جواب﴾ اپلے بنانا اور انہیں بطور ایندھن کے استعمال کرنا درست ہے، گوبر سے پکائی ہوئی روٹی پاک ہے۔

لما فی الشامی:(۲۲۵/۷،طبع سعید)

ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿نجس چیز کے بخارات سے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نجس چیز مثلاً نجس پانی آگ پر پکائی جارہی ہو اور اس سے نکلنے والی بھاپ کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے کپڑے اور بدن ناپاک ہونگے یا نہیں؟ مستفتی: قاری زاھد اللہ ٹانکوی

﴿جواب﴾ نہیں! نجس چیز سے اڑنے والی بھاپ اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے بدن اور کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔

لما فی الشامی(۳۲۵/۱،طبع:سعید)

ومایصیب الثوب من بخارات النجاسة قیل ینجسه، وقیل لا وهو الصحیح.

ولما فی الهندیة(۴۷/۱،طبع:رشیدیة)

ومایصیب الثوب من بخارات النجاسات لاینجس بها وهو الصحیح

هکذا فی الظهیریة، دخان النجاسة اذا اصاب

الثوب او البدن الصحیح انه لاینجسه هکذا فی السراج الوهاج

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۵۴

﴿نجس روغن والے کپڑے کو کس طرح پاک کیا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ نجس روغن کپڑوں کو لگ گیا، بغیر صابن لگائے سادہ پانی سے دھولیا جائے تو کیا اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا؟ مستفتی: قدیر خان

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں کپڑے کو اگر تین مرتبہ پانی سے دھولیا جائے اور ہر مرتبہ نچوڑ لیا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا اگر چہ چکناہٹ باقی ہو۔

لما فی الهندية: (۱/۴۲ مطبع رشيديه)

واذا غمس الرجل يده في السمن النجس أو أصاب ثوبه ثم غسل اليد أو الثوب بالماء من غير حرض وأثر السمن باق على يده يطهر وبه أخذ الفقيه أبو الليث وهو الاصح.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۴۰۵

﴿حرام جانوروں کی کھال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی حرام جانور مثلاً درندے وغیرہ کی کھال سے مصلی یا منبر وغیرہ بنانا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کسی بھی جانور کی جلد کو جب دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے سوائے خنزیر اور انسان کے، خنزیر نجس العین ہے اسلئے اسکی جلد بھی نجس ہے اور انسان کی جلد احترام آدمیت کی وجہ سے اسکا استعمال جائز نہیں، لہٰذا درندے وغیرہ کی جلد کو دباغت دینے کے بعد منبر یا مصلی وغیرہ کیلئے استعمال کرنا درست ہے۔

لما فی رد المحتار: (۲/۲۵۱ طبع سعید)

ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها اذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبر السرج ملتقط.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۱۷۸

﴿ناپاک قالین پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ گھر میں چھوٹے بچے قالین

کے اوپر جگہ جگہ پیشاب کر دیتے ہیں پھر وہ پیشاب خشک ہو جاتا ہے کیا ایسی قالین کے اوپر اگر جائے نماز یا کوئی کپڑا بچھا دیا جائے اور اسپر نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟ مستفتیہ: ام محمد بقائی روڈ کراچی

﴿جواب﴾ جس کپڑے یا جائے نماز پر نماز ادا کی جارہی ہو اگر وہ اتنا باریک ہے کہ نیچے کی نجاست نظر آرہی ہو یا نجاست کی بو آرہی ہو تو ایسی صورت میں نماز درست نہ ہوگی۔

لمافی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص۲۰۸،طبع قدیمی)

قال البرهان الحلبي وكذا الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة ان كان رقيقا يشف ماتحته او توجد من رائحة النجاسة على تقدير ان لها رائحة لا تجوز الصلاة عليه وان كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت.

ومثله في الشامية:(۱/۱۲۶ طبع سعید)

وكذا الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۶

﴿مصلیٰ یا چٹائی پر نجاست کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی مصلیٰ یا چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنے کیلئے اس مصلیٰ اور چٹائی وغیرہ کے کتنے حصہ کا پاک ہونا ضروری ہے نیز ایک طرف کی حرکت سے دوسری طرف کے متحرک ہونے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ کسی بھی جگہ پر نماز پڑھنے کے لئے اتنے حصہ کا پاک ہونا ضروری ہے جتنے حصہ پر نمازی کے اعضاء لگتے ہیں چاہے وہ مصلیٰ ہو یا چٹائی یا کوئی اور بچھونا، ایک طرف کی حرکت سے دوسری طرف کے متحرک ہونے کا اعتبار مصلیٰ کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کپڑے وغیرہ کے لئے ہے جس کے ایک حصہ کو نمازی نے اپنے اوپر ڈالا ہو اور دوسرے حصہ کو نجس ہونے کی وجہ سے زمین پر گرایا ہوا گر نمازی کی حرکات سے نجس حصہ (جو زمین پر ہے) حرکت کرتا ہے تو ایسے کپڑے کیساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ حصہ حرکت نہیں کرتا تو جائز ہے۔

لمافی ردالمحتار: (۱/ ۴۰۲، طبع ایچ ایم سعید)

ای شئی متصل به یتحرک بحرکته کمندیل طرفه علی عنقه وفی الآخر نجاسة مانعة ان تحرک موضع النجاسة بحرکات الصلاة منع والالا، بخلاف مالم یتصل کبساط نجس وموضع الوقوف والجبهة طاهر فلا یمنع مطلقاً أفاده ح.

ولمافی حلبی کبیری: (۱/ ۲۰۸، طبع سهیل اکیڈمی)

صلی علی طرف ثوب اوبساط ونحوه وطرفه الآخر نجس جازت سواء تحرک احد الطرفین بحرکة الآخر اولا هو الصحیح لان مکان صلاته طاهر ولیس هو حاملا للنجاسة بخلاف ما اذا کانت النجاسة فی طرف ثوب هو لابسه اوحامله فالقی ذلک الطرف علی الارض فصلی فانه ان تحرک بحرکته لایجوز والایجوز لان بتلک الحرکة ینسب لحمل النجاسة بخلافها فی المفروش.

ولمافی خلاصة الفتاوی: (۱/ ۷۵، طبع رشیدیه)

ولو صلی علی بساط وفی ناحیته نجاسة ان لم تکن فی موضع قدمیه ولافی موضع سجوده لایمنع اداء الصلوٰة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿ناپاک مٹی سے بنی ہوئی اینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گاؤں میں مسجد بنائی جارہی تھی تو اُس کی اینٹیں ایسے پانی کے کیچڑ سے تیار کی جارہی تھیں جسمیں چوپائے مثلاً گائے بیل وغیرہ پانی پیتے اور اُسے گندہ کردیتے تھے کیا ایسی صورت میں مذکورہ اینٹوں کو سوکھنے کے بعد مسجد میں استعمال کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ اینٹ اگر چہ نجس کیچڑ سے بنائی گئی ہو خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے، خواہ ہوا کے ذریعے سے خشک ہوئی ہو یا سورج کے ذریعے سے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اینٹوں کو مسجد کے بنانے میں استعمال کرنا درست ہے۔

لمافی التنویر مع شرحه: (۱/ ۳۱۱، طبع سعید)

وتطهر ارض بیبسها ای جفافها ولو بریح وذهاب اثرها وحکم آجر ونحوه کلبن کذلک ای کارض، فیطهر بجفاف.

وفی الشامیۃ: لکن یلزم منه ان یطهر البلبی والاجر بالجفاف وذهاب الاثر وان کان متصلا عن الارض لوجود النشرب والاجتذاب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر: ۴۱۵

﴿نجس پانی سے کھیت کی سیرابی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ بعض جگہوں میں لوگ کیاریاں بناتے ہیں اوران کیاریوں کوگٹر کے نجس پانی سے سیراب کرتے ہیں، کیا ایسے نجس پانی سے پیداشدہ سبزیاں پاک اورقابل استعمال ہیں؟　　　مستفتی: عبدالباسط صاحب

﴿جواب﴾ نجس پانی سے اُگی ہوئی سبزیاں پاک اورحلال ہیں ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم وہ سبزیاں اگراس نجس پانی سے تر ہوں تو ان کو دھو کر استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ ان پر موجود پانی نجس ہے۔

لما فی الشامی: (۳۲۱/۶ طبع سعید)

(فرع) فی أبی السعود: الزروع المسقیة بالنجاسات لاتحرم ولاتکره عند أکثر الفقهاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۹

﴿گھی میں چوہا مرجائے تو کیسے پاک کیا جائیگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں دیسی گھی میں چوہا مرجائے تو اس کو پاک کرنے کا شرعاً کوئی طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ گھی اگر جما ہوا ہے تو صرف وہ حصہ ناپاک ہے جو چوہے کے جسم کے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے ناپاک حصہ کو ہٹا کر بقیہ گھی پاک اور قابل استعمال ہے اور اگر پگھلا ہوا ہے تو پاک کرنے کا طریقہ فقہاء نے یہ بتایا ہے کہ اس میں ہم وزن پانی ڈال کر جوش دیا جائے یا خوب حرکت دے کر چھوڑ دیا جائے جب پانی نیچے بیٹھ جائے تو گھی کو کسی چیز کے ذریعے اوپر سے

لیا جائے یا نتھارا جائے اور جو پانی برتن میں رہ جائے اس کو گرا کر مزید اسی مقدار سے ڈالیں تین مرتبہ اس طرح کرنے سے گھی پاک ہو جائیگا۔

لما فی الشامی:(۲۱۵/۱،طبع سعید)

(قوله تنور)أی تقویر نحو سمن جامد من جوانب النجاسة.

ولما فی الشامی:(۲۲۲/۱،طبع سعید)

(قوله ويطهر لبن وعسل ودبس ودهن)قال فی الدرر لو تنجس العسل فتطهيره ان يصب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود الى مكانه والدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلو الدهن الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات وهذا عند ابی يوسفؒ خلافا لمحمدؒ وهو اوسع وعليه الفتوى وبعد اسطر قال نقلا عن مجمع الرواية وشرح القدوری انه يصب عليه مثله ماء ويحرك فتأمل.

ولما فی العالمگیریۃ:(۴۲/۱،طبع رشیدیه)

الدهن النجس يغسل ثلاثا بان يلقى فی الخابية ثم يصب فيه مثله ماء ويحرك ثم يترك حتى يعلو الدهن فيوخذ او يثقب أسفل الخابية حتى يخرج الماء هكذا ثلاثا فيطهر ،ومثله فی حلبی کبیر:(ص۱۶۳،طبع سهيل اكيڈمی)

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رشید عالم مروت

۱۵جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۸۶

﴿لیٹرین پاک کرنے سے پاک ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اتفاق سے اگر لیٹرین میں وضو یا غسل کرنا پڑے تو اسکو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا آیا تین مرتبہ پانی بہانے سے پاک ہو جائیگا؟

مستفتی:محمد ابراہیم ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ لیٹرین کا فرش اگر پکا ہے تو تین مرتبہ پانی بہانے سے پاک شمار ہوگا یا اتنا پانی ڈالا جائے کہ رنگ و بو وغیرہ سب زائل ہو جائے۔

لما فی البحر الرائق:(۲۲۶/۱،طبع)

وان كانت الارض مجصصة قال فی الواقعات يصب عليها الماء ..فان لم يفعل ذلك ولكن صب عليها الماء كثيرا حتى زالت النجاسة ولم يوجد لها لون ولا ريح ثم تركها

حتی نشفت طهرت کذا فی السراج الخ.وفی الشامی:(۱/۱۲،طبع سعید)

ولما فی بدائع الصنائع:(۱/۸۷،طبع سعید)

واما شرائط التطهیر بالماء فمنها العدد فی نجاسة غیر مرئیة کالبول ونحوه .ذکر فی ظاهر الروایة انه لا تطهر الا بالغسل ثلاثا.وفی بدائع الصنائع:(۱/۸۸،طبع سعید)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب:محمد احمد غفرلہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر

﴿استعمال شدہ ڈھیلوں کو دوبارہ استعمال کرنا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلوں کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ سوکھ جانے کے بعد دوبارہ اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

مستفتی:محمد صاحب بشامی

﴿جواب﴾ (۱)ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ڈھیلے پاک ہوں اسی وجہ سے فقہاء کرام نے مستعمل ڈھیلوں سے استنجاء کو ناجائز قرار دیا ہے،البتہ ناپاک اور مستعمل جگہ سے بچتے ہوئے کوئی ڈھیلہ استعمال ہو سکے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۲)نیز خشک ہو جانے کے بعد ڈھیلہ پاک نہیں ہوتا جسطرح کہ زمین خشک ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے لہٰذا خشک ہو جانے کے بعد بھی اس سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔

لما فی التنویر و شرحه:(۱/۳۳۹،طبع سعید)

(وکره)تحریما(بعظم وطعام وروث)یابس کعذرة یابسة وحجر استنجی به الا بحرف اخر أی لم تصبه النجاسة.

ولما فی التنویر وشرحه:(۱/۳۱۱،طبع سعید)

وحکم (آجر)ونحوه کلبن (مفروش وخص وشجر وکلاء قائمین فی أرض کذلک)ای کارض فیطهر بجفاف وکذا کل ما کان ثابتا فیها لأخذه حکمها باتصاله بها فالمنفصل یغسل لا غیر الا حجرا خشنا کرحی فکأرض.

ولما فی رد المحتار:(۱/۳۱۱،طبع سعید)

(قوله مفروش)اما لو موضوعا غیر مثبت فیها ینقل ویحول فلا بد من الغسل لأن الطهارة بالجفاف انما وردت فی الارض ومثل هذا لا یسمی ارضا عرفا ولذا لا یدخل فی

بیع الارض حکما لعدم اتصاله بها علیٰ جهة القرار فلا یلحق بها.

ولما فی الهندیة:(۵۰/۱،طبع رشیدیه)

وکذا لا یستنجی بحجر استنجی به مرة هو او غیره الا اذا کان حجراله احرف له ان یستنجی کل مرة بطرف لم یستنجی به فیجوز من غیر کرهة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد حسن غفرلہ

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۴۱۳

﴿پیشاب کے باریک چھینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پیشاب کرتے وقت باریک چھینٹے کپڑوں کو لگ جائیں تو اسکا کیا حکم ہے ؟ مستفتی :فواد اللہ چارسدوی

﴿جواب﴾ پیشاب کے اتنے باریک چھینٹے جو نظر نہ آئیں معاف ہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳۲۲/۱،طبع سعید)

(وبول انتضح کروس ابر) وکذا جانبها الاخر وان کثر باصابة الماء للضرورة.

ولما فی الشامی:(۳۲۲/۱،طبع سعید)

قوله (وبول انتضح) ای ترشش ......وقوله وکذا جانبها الاخر خلافا لابی جعفر الهندوانی حیث منع الجانب الاخر وغیره من المشائخ قالوا لا یعتبر الجانبان واختاره فی الکافی حلیه،، فروس الابر تمثیل للتقلیل کما فی القهستانی عن الطلبة لکن فیه ایضا عن الکرمانی ان هذا مالم یری علی الثوب والا وجب غسله اذا صار بالجمع اکثر من قدر الدرهم وکذا نبه علیه فی شرح المنیة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۴۳۳

﴿غسل خانے میں کپڑا گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ غسل سے فارغ ہونے کے بعد غسل خانے میں گر کر تر ہونے والی شلوار کا کیا حکم ہے آیا یہ پاک ہے یا ناپاک ؟ مستفتی :عباد اللہ سواتی

﴿جواب﴾ غسل خانے کے فرش پر اگر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو تو صرف غسل کا پانی لگنے

سے شلوار ناپاک نہیں ہوتی کیونکہ وہ پانی مستعمل ہے اور مستعمل پانی مفتیٰ بہ قول کے مطابق ناپاک نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۲۰۹/۱،طبع سعید)

یجوز رفع نجاسة حقیقیة عن محلها بماء ولو مستعملا به یفتی ای خلافا لمحمد،لانه لا یجیز ازالة النجاسة الحقیقیة الا بالماء المطلق.

ولمافی بدائع الصنائع:(۶۶/۱،طبع سعید)

الکلام فی الماء المستعمل یقع فی ثلاثة مواضع احدها فی صفته انه طاهر ام نجس.... اما الاول فقد ذکر فی ظاهر الروایة انه لا یجوز التوضوء به ولم یذکر انه طاهر ام نجس وروی محمدؒ عن ابی حنیفةؒ انه طاهر غیر طهور.

ولمافی الخلاصة الفتاوی:(۶/۱ مطبع رشیدیه)

وان دخل الجنب الکف یرید غسلها یتنجس هذا قول ابی یوسفؒ وهو احدی الروایتین عن ابی حنیفةؒ اما علی قول محمدؒ وهو قول ابی حنیفةؒ الصحیح انه مع محمدؒ انه طاهر وعلیه الفتوی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۵۱

﴿تنور پاک کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر تنور ناپاک ہوجائے تو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

مستفتی عزت رحمٰن قصبہ کالونی کراچی

﴿جواب﴾ تنور اگر ناپاک ہوجائے تو اس میں آگ جلانے سے پاک ہوجائیگا بشرطیکہ گرم ہونے سے نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۱۵/۱،طبع سعید)

(و)یطهر(زیت)تنجس (بجعله صابونا)به یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس(قوله رش بماء نجس)وفی الشامیة:أی أو بال فیه صبی أومسح بخرقة مبتلة نجسة:(قوله لا بأس بالخبزفیه)أی بعد ذهاب البلة النجسة بالنار والا تنجس کمافی الخانیة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۹۱

﴿خنزیر کی چربی شامل کئے ہوئے صابون کا استعمال جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض صابنوں میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے ایسے صابنوں کا استعمال کیسا ہے؟ مستفتی: احسان اللہ

﴿جواب﴾ ایسے صابنوں کا استعمال جائز ہے. خنزیر کی چربی بذاتِ خود اگرچہ حرام اور ناپاک ہے لیکن صابنوں میں استعمال کی وجہ سے اسکی اصلی ہیئت اور حقیقت مکمل بدل جاتی ہے اور حقیقت کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔

لما فی التنویر وشرحہ: (۱/۳۱۵، طبع سعید)

(و) یطھر (زیت) تنجس (بجعله صابونا) به یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس لابأس بالخبز فيه]

ولما فی الشامی: (۱/۳۱۶، طبع سعید)

ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذی علیه الفتوی واختاره أكثر المشايخ خلافا لأبی یوسف كما فی شرح المنية والفتح وغيرهما وعبارة المجتبی: جعل الدهن النجس فی صابون يفتی بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتی به للبلوی.

ولما فی البحر الرائق: (۱/۲۲۷، طبع سعید)

وعلى قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس. وفی المجتبی جعل الدهن النجس فی صابون يفتی بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتی به للبلوی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۴۶

﴿دھوبی سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے دھلائی کے لئے پاک کپڑے دیئے لیکن دھوبی دھلائی کے وقت سارے کپڑے ملا دیتا ہے، اس میں ناپاک کپڑے بھی ہوتے ہیں، لہٰذا زید کے دھلے ہوئے کپڑوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ زید نے جب دھلائی کے لئے پاک کپڑے دیئے تو دھلائی کے بعد ان کپڑوں

کو پاک سمجھا جائیگا دھوبی کے پاس ناپاک کپڑے بھی آتے ہیں، وہ سب کو ملا دیتا ہے یہ یقینی بات نہیں ہے، لہٰذا محض شک کی بناء پر اسکو ناپاک قرار نہیں دیا جائیگا۔

لمافی الاشباہ والنظائر:(ص۶۰،طبع قدیمی)

الیقین لایزول بالشک......مع أن الاصل طھارۃ الثوب.

ولمافی نورالانوار:(ص۲۲۲،طبع امدادیہ)

والاحتجاج باستصحاب الحال.....وحاصلہ البقاء ما کان علی ما کان.....وعندنا..... ولکنھا حجۃ دافعۃ.

ولمافی التنویر مع الرد:(۱/۲۰۵،۲۰۶،طبع سعید)

وان الشک فغسلہ افضل.....وتجوز لان الاصل الطھارۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۲صفر المظفر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۱۵۸

﴿چمگادڑ کے پیشاب اور بیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے، یا ناپاک وضاحت فرمائیں۔ مستفتیہ:ایک سائلہ وادی سوات

﴿جواب﴾ چونکہ چمگادڑ ہوامیں پیشاب کرتا ہے، جس سے برتنوں اور کپڑوں کو بچانا مشکل ہے، اس لئے ضرورۃ پاک قرار دیا ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۱۸-۳۱۹،طبع سعید)

الا بول الخفاش وخرأہ وھو الوطواط سمی بہ لصغر عینہ وضعف بصرہ قاموس وفی البدائع وغیرہ بول الخفافیش وخرؤھا لیس بنجس لتعذر صیانۃ الثوب والأوانی عنھا لانھا تبول من الھواء وھی فارۃ طیارۃ فلھذا تبول ومقتضاہ ان سقوط النجاسۃ للضرورۃ.

ولمافی حاشیۃ الطحطاوی:(۱/۸۳،طبع رشیدیہ)

وبول الخفاش وخرؤہ لایفسد لتعذر الاحتراز عنہ کمافی الخانیۃ.

ولمافی الولوالجیۃ:(۱/۳۸،طبع فاروقیہ پشاور)

بول الخفافیش لا یفسد الماء لانہ لا یمکن التحرز عنہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۱۶ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۲۲۳

﴿کبھی کبھی پیشاب کے قطرے نکلنے سے شرعی معذور شمار نہ ہوگا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب. میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وضوء کرنے کے بعد کبھی کبھی پیشاب کے ایک دو قطرے نکل جاتے ہیں اور ایسا کبھی دوران نماز بھی ہوجاتا ہے جبکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قطرے نکلتے نہیں بلکہ نکلنے کے قریب ہوتے ہیں دونوں صورتوں میں وضوء ٹوٹنے اور کپڑوں کے ناپاک ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس عذر شرعی کی وجہ سے میرے لیے دوبارہ وضوء نہ کرنے کی رعایت ہے.؟

مستفتی: مدثر شاہ ترخیل

﴿جواب﴾ پیشاب کا قطرہ یقینی طور پر نکل جائے یا کم از کم ظاہر ہوجائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے دوبارہ وضوء کرنا ضروری ہوگا، کپڑوں کو لگے تو اس جگہ کا دھونا بھی ضروری ہے، صرف وسوسہ ہو تو اس کی طرف دھیان نہ دیا کریں اور پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد جب تک قطرے خشک نہ ہوں وضوء نہ کریں قطروں کے خشک ہونے کا پورا اطمینان ہوجائے تو وضوء بنائیں اور شلوار وغیرہ کے خاص مقام پر پانی کا چھینٹا دیا کریں یہ وسوسہ دور کرنے کا سنت علاج ہے۔

لمافی فتح القدیر:(۱/۳۳،طبع رشیدیه)

(كل مايخرج من السبيلين)ثم الخروج من السبيلين يتحقق بالظهور،فلو حشى الذكر،فالانتقاض بمحاذاةبلة الحشوة رأس الذكر بنزوله الى القصبة.

ولمافي الفقه الاسلامي وأدلته:(۱/۲۲۲،طبع رشيديه)

مذهب الحنفية:ضابط المعذور،هوفي ابتداء الأمرمن يستوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة،بأن لايجدفي جميع وقتهازمنايتوضأويصلي فيه خاليا عن الحدث وحكمه أنه يتوضألوقت كل فرض لالكل فرض ونفل لقوله ﷺ:المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة ويقاس عليهاسائرذوي الأعذار.

هكذافي الهندية:(۱/۴۰،طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سید مزمل شاہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۵۸

﴿فصل فی موجبات الغسل و فرائضه و سننه و آدابه﴾

﴿غسل کے مسائل﴾

﴿واجب غسل کے تین فرض ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واجب غسل کے کتنے فرائض ہیں؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ واجب غسل میں تین فرض ہیں (۱) مضمضہ یعنی کلی کرنا (۲) استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔

لما فی کنزالدقائق: (ص:٦ طبع: قدیمی)

فرض الغسل غسل فمه وانفه وبدنه.

ولما فی الهدایه: (۱/۳۰،طبع: رحمانیه)

فصل فی الغسل وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

ولما فی غنیة المستملی: (ص:۴۱،طبع: نعمانیه)

واما فرائض الغسل فالمضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳٦۸

﴿غسل مسنون کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل مسنون کا کیا طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ غسل مسنون کا طریقہ ابتداء تسمیہ سے کرے پھر اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھوئے پھر جسم کے کسی حصہ پر نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کو تین مرتبہ دھوئے، پھر استنجاء کرے خواہ ضرورت نہ بھی ہو پھر مسنون طریقے سے وضو کرے اگر نہانے کا پانی پیروں میں جمع ہو رہا ہو تو پیروں کو نہ دھوئے ورنہ اسی وقت بھی دھو لینا چاہیے پھر پہلی بار سر پر پھر دائیں کندھے پر اتنا پانی ڈالے کہ سر سے پاؤں تک پانی پہنچ جائے، بدن کو ہاتھوں سے ملیں اور یہ عمل تین بار

دہرائے، پانی قدموں میں اگر ٹھرتا ہو تو آخر میں اس جگہ سے ہٹ کر پیروں کو تین بار دھولیں۔

لما فی الهدایه:(۱/۳۰طبع: رحمانیه)

وسنته ان یبتدء المغتسل فیغسل یدیه وقوله(الابتداء بالتسمیة)....لعموم الحدیث......(ومع غسل الیدین)ای قبل ادخالهما الاناء علی ماله (ویسن غسل النجاسة)ای ان ازالتها قبل قلوضوء والاغتسال هوالتة لئلا تزداد باضافة الماء فلا ینافی ان مطلق ازالة القدر المانع منها غیر مقید بما ذکر فرض او کلام السید ملخصا (وکذا غسل فرجه)........(ثم یتوضئو کوضونه الصلوٰة)فیتم سائر اعمال الوضوء من المستحبات والسنن والفرائض ....ثم یفیض الماء علی بدنه ثلاثا)........الخ

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص:۱۰۲ طبع:قدیمی کتب خانه)

فرجه ویزیل النجاسة ان کانت علی بدنه ثم یتوضئو وضوء ه للصلوٰة الا رجلیه ثم یفیض الماء علی رأسه وسائر جسده ثلثاثم تنحی عن ذلک المکان فیغسل رجلیه.

وایضافی البحرالرائق:(۱/۵۰مکتبه: سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل صرف جماع یا ماہواری کیوجہ سے واجب ہوتا ہے یا اس کے علاوہ بھی کسی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ جماع اور حیض کے علاوہ بھی کچھ امور ہیں جنکی وجہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ سوتے ہوئے احتلام ہو جائے یا جماع کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے شہوت کیساتھ منی خارج ہو جائے یا منی خارج ہوئے بغیر صرف دخول کرنے سے یعنی ناتمام جماع کرنے سے ،اسی طرح نفاس کیوجہ سے یعنی ولادت کے بعد آنے والے خون سے جب زچہ پاک ہو جائے تو ایسی تمام صورتوں میں غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی:(۱/۱۲،طبع: رشیدیه)

واعلم بان الغسل علی احد عشر نوعا خمسة منها فریضة وهوالغسل من التقاء ختانین ومن انزال الماء والاحتلام والحیض والنفاس.

ولما فی حلبی کبیری:(ص:۲۸،طبع: نعمانیه)

خمسة منها فريضة لثبوتها بالكتاب والاجماع القطعيين الاغتسال من الحيض والاغتسال من النفاس والاغتسال من خروج المنى على وجه الدفق والشهوة والاغتسال من الاحتلام اذا خرج منه والاغتسال من التقاء ختانين اذا كان مع غيوبة الحشفة وغيوبتها فى الدبر ملتحق به.

ولما فی خزانة الفقه:(ص:۲۷،طبع: غفوریه)

فالمفروض خمسة الغسل من الاحتلام والغسل من الجماع والغسل من التقاء ختانين من غير انزال والغسل من الحيض والغسل من النفاس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۰

﴿وہ مواقع جن پر غسل کرنا سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن مواقع پر غسل کرنا سنت ہے؟ مدلل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ چار مواقع پر غسل کرنا سنت ہے (۱) نماز جمعہ کے لئے (۲) نماز عید کے لئے (۳) احرام باندھنے کے لئے (۴) اور حاجی کے لئے یوم عرفہ میں زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لئے۔

لما فی التنویر:(۱/۱۶۸ طبع: سعید)

وسن لصلاة جمعة ولصلاة (عيد) ولاجل (احرام و) فى جبل (عرفة) بعد الزوال.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص:۱۰۷، طبع: قدیمی)

(و) منها (صلاة العيدين لان رسول الله ﷺ كان يغسل يوم الفطر والاضحى وعرفة فقال ﷺ "من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل ....والغسل سنة للصلاة وفى قولى ابى يوسف كما فى الجمعة (و) يسن للاحرام .....ويسن الاغتسال (للحاج) لالغيرهم ويفعله الحاج (فى عرفه) لا خارجها ويكون فعله (بعد الزوال) لفضل زمان الوقوف.

ولما فی الهدایه:(۱/۳۲،طبع: رحمانیه)

وسن رسول الله صلى الله عليه وسلم الغسل للجمعة والعيدين وعرفة والاحرام

صاحب الکتاب رحمه الله تعالی رحمة واسعة نص علی السنية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۶

﴿وہ مواقع جن پر غسل کرنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ کونسی جگہیں ہیں جہاں پر غسل کرنا مستحب ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مندرجہ ذیل مواقع پر غسل کرنا مستحب ہے، مجنون کو افاقہ ہو جائے، بے ہوش آدمی کو ہوش آجائے، حجامہ یعنی پچھنے لگانے کے بعد، شب برأت، لیلۃ القدر، وقوف مزدلفہ، منیٰ جاتے ہوئے، طواف زیارت کی نیت سے مکہ داخل ہوتے ہوئے، چاند سورج گرھن ہو جائے، نماز استسقاء کے لئے، خوف وہراس پھیل جائے، اندھیرا چھا جائے، تیز آندھی چلے، مدینہ منورہ داخل ہونے سے پہلے، نئے کپڑے پہنتے وقت، میت کو نہلانے کے بعد، گناہ سے توبہ کرنے کے بعد، سفر سے واپسی پر، مستحاضہ عورت کا خون بند ہو جائے، ان تمام مواقعوں پر غسل کرنا مستحب ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۱۷۰ طبع: سعید)

وندب لمجنون افاق وكذا المغمى عليه وعند حجامة وفي ليلة البراءة وقدر اذا راها وعند الوقوف بمزدلفة غداة يوم النحر للوقوف وعند دخول منى يوم النحر وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلاة كسوف وخسوف واستسقاء وفزع وظلمة وريح شديد وكذا لدخول المدينة ولمن لبس ثوبا جديدا او غسل ميتا ولتائب من ذنب و لقادم من سفر ولمستحاضة انقطع دمها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۷

﴿غسل کے فرائض میں سے کوئی فرض رہ جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر فرائض غسل میں سے کوئی مثلاً کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو غسل مکمل ہو جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں اگر کوئی کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو غسل

نہیں ہوگا، البتہ غسل کرنے کے بعد یاد آجائے اور کلی کرلے یا ناک میں پانی ڈال لے تو غسل ہو جائے گا، مکمل غسل لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولما فی المبسوط السرخسی:(۱/۶۲،طبع: رشیدیه)

(واذا نسی المضمضة والاستنشاق فی الجنابة حتی صلی لم یجزه)وهو عندنا فان المضمضة والاستنشاق فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء.

ولما فی التنویر الابصار:(۱/۱۵۵،طبع: سعید)

(فروع)نسی المضمضة او جزاء من بدنه فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحة شروعه.

ولما فی الهدایه:(۱/۳۰،طبع: رحمانیه)

وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائرالبدن ....والمراد بما روی حالة الحدث بدلیل قوله علیه السلام انهما فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء؛

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۳۳۶۵
۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے یا بغیر پانی پہنچانے کے غسل ہوجائے گا؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا کوئی ضروری نہیں ہے، پانی پہنچائے بغیر بھی غسل ہوجائے گا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۲،طبع: سعید)لا یجب (غسل ما فیه حرج کعین.)

ولما فی البحر الرائق:(۱/۱۴۶،طبع: سعید)

وکذا ما یتعسر لان لمتعسر منتفی کالمتعزر کداخل العینین فان فی غسلهما من الحرج ما لا یخفی فان العین شحم لاتقبل الماء وقد کف بصر عن تکلف له عن الصحابة کابن عمرو ابن عباس ولهذالا تغسل العین.

ولما فی فتح القدیر:(۱/۶۱،۶۲،طبع: رشیدیه)

وذکر الانتضاح بدل الانتفاض الماء.........وهو جملة بدن کل مکلف فیدخل کل

مایمکن الایصال الیه الا مافیه حرج وهو المراد بقوله یتعذر، وذلک کداخل العینین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان عفی عنہ

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿غسل جنابت میں عورت کے لئے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں عورت کو بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے، البتہ بالوں کی مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۱۵۳، طبع: سعید)

(قوله اتفاقا) کذا فی شرح المنیة، وفیه نظر لان فی المسئلة ثلاثة اقوال کما فی البحر والحلیة، الاول الاکتفاء بالوصول الی الوصول ولو منقوضا، وظاهر الذخیرة انه ظاهر المذهب...... الثانی التفصیل المذکور ومشی علیه الجماعة منهم صاحب المحیط والبدائع والکافی، الثالث وجوب بل الذوائب مع العصر وصحح وتمام تحقیق هذه الاقوال فی الحلیة وحال فیها آخرا الی ترجیح القول الثانی، وهو ظاهر المتون.

ولما فی الهندیه: (۱/۱۳، طبع: رشیدیه)

ولیس علی المرأة ان تنقض ضفائر ها فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر ولیس علیها بل ذوائبها .... ولو کان شعر المرأة منقوضا یجب ایصال الماء الی اثنائه ..... ولو الزقت المرأة رأسها بطیب بحیث لا یصل الماء الی اصل الشعر وجب علیها ازالته لیصل الماء الی اصوله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان عفی عنہ

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿ستر کھلا ہے تو بات کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل خانہ میں باتیں کرنا جائز ہے؟ مثلاً ایک آدمی غسل کر رہا ہو اور دوسرا آدمی اس سے بات کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ بات کر سکتا ہے۔

﴿جواب﴾ غسل خانہ میں ہو تو بات کرنا منع نہیں ہے، البتہ غسل کرتے ہوئے ستر اگر

کھلا ہے تو بات کرنا مکروہ ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۵۶،طبع: سعید)

ویستحب ان لا یتکلم بکلامه مطلقا ،اما کلام الناس فلکراهته حال الکشف واما الدعاء فلانه فی مصب المستعمل ومحل الاقذار والاوحال......... اقول:او المراد الکراهة حال الکشف فقط کما افاده التعلیل السابق ،والظاهر من حاله علیه الصلوة والسلام انه لاتغسل بلا ساتر.

ولما فی الهندیه:(۱/۱۴،طبع: رشیدیه):ویستحب ان لا یتکلم بکلا م قط.

ولما فی فقه الاسلامی:(۱/۵۳۵،طبع رشیدیه)

قال الحنفیة :کره فی الغسل ما کره فی الوضوء وهی ستة اشیاء الاسراف فی الماء، والتقتیر فیه ،وضرب الوجه به ،والتکلم بکلام الناس ،والاستعانة بغیره من غیر عذر، ویزاد فیه کراهة الدعاء.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
فتویٰ نمبر:

﴿غسل جنابت کو مؤخر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں غسل کو مؤخر کرنیکی گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو پھر کتنی دیر تک مؤخر کرسکتا ہے؟ مستفتی: ایک طالبعلم

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں غسل کرنا فی الفور ضروری نہیں مؤخر کرنیکی گنجائش ہے، لیکن تأخیر کرنیکی صورت میں نماز مکروہ یا قضاء ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

لمافی الهندیة: (۱/۱۶ مکتبه: رشیدیه)

الجنب اذا أخر الا غتسال الی وقت الصلاة لایأثم کذا فی المحیط قد نقل شیخ سراج الدین الهندی الاجماع علی انه لایجب الوضوء علی المحدث والغسل علی الجنب والحائض والنفساء قبل وجو ب الصلاة

ولمافی الشامی :(۱/۱۶۵ طبع: سعید)

قال فی الشر نبلالیة :واختلف فی وجو ب الغسل وعند عامة المشائخ ارادة فعل مالایحل فعله مع الجنابة وقیل وجو ب مالایحل معها.

والذی یظھر انہ ارادۃ فعل مالایحل الابہ عند عدم ضیق الوقت او عند وجوب ما لایصح معھا،وذلک عند ضیق الوقت لما قال فی الکافی ان سببوجوب الغسل الصلاۃ او ارادۃ ما لا یحل فعلہ مع الجنابۃ والانزال والالتقاء شرط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿حالت جنابت میں اسلام لانے سے غسل واجب ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے یا مستحب؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ جب کافر اسلام لے آئے اور اس وقت جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرنا واجب ہے، اور اگر جنابت کی حالت میں نہیں ہے تو پھر اس وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۶۵/۱،طبع: سعید)

(ولمن اسلم جنبا والا ندب)ای افترض الغسل علی من اسلم حال کونہ جنبا......وقد اختلف المشائخ فی الکافر اذااسلم وھوجنب فقیل لایجب لانھم غیر مخاطبین بالفروع ولم یوجد بعد الاسلام جنابۃ وھو روایۃ وفی روایۃ یجب وھو الاصح لبقاء صفۃ الجنابۃ.

ولما فی الھندیہ:(۱۲/۱طبع:رشیدیہ)

الکافر اذا اجنب ثم اسلم یجب علیہ اغتسل فی ظاھر الروایۃ.

ولمافی حلبی کبیری:(۴۹،طبع:نعمانیہ)

وذکر فی المحیط ان الکافراذا اجنب ثم اسلم الصحیح انہ یجب علیہ الغسل لان الجنابۃ صفۃ باقیۃ بعد اسلامہ کبقاء صفۃ الحدث بخلاف الحیض علی ما تقدم.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱۶۷/۱،طبع:سعید)

کما یجب علیٰ من اسلم جنبا او حائضا او نفساء ولو بعد الانقطاع علیٰ الاصح کما فی شرح نبلا لیہ عن البرھان

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱۳/۱،طبع:رشیدیۃ)

وواحد مستحب وھو غسل الکافر اذا اسلم ، ھذا اذا لم یکن جنبا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۹ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:۳۱۶۴

﴿چھیدے ہوئے ناک کان کے سوراخوں میں غسل میں پانی پہنچانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اکثر خواتین کے ناک اور کانوں میں زیورات پہننے کے لئے سوراخ ہوتے ہیں. تو غسل جنابت میں ان سوراخوں سے پانی گزارنا ضروری ہے. یا مذکورہ اعضاء پر پانی بہانے سے غسل ہوجائے گا؟

﴿جواب﴾ جن عورتوں کے ناک اور کانوں میں زیورات پہننے کے لئے سوراخ ہوتے ہیں تو غسل جنابت کرتے وقت ناک اور کانوں کے سوراخوں پر پانی بہانے سے اگر ان کو غالب گمان حاصل ہوجائے کہ پانی ناک اور کانوں کے سوراخوں تک پہنچ گیا تو یہ کافی ہے۔البتہ غالب گمان اسکے خلاف ہو تو پانی بہا کر ہاتھ پھیر دینے سے پانی پہنچ جاتا ہے. اس کے بعد وسواسی اور وہمی کیطرح زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں ہے.

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۱۵۵، مکتبه: سعید)

(ولو لم يكن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فيه) اى الثقب (عند مروره) على اذنه (اجزأه كسرة واذن دخلها الماء والا) يدخل (ادخله) ولو باصبعه ولا يتكلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول

ولما فی العالمگیری: (۱/۱۲، مکتبه: قدیمی)

ولو لم يكن قرط فدخل الماء الثقب عند مروره اجزأه والا ادخله ولا يتكلف فى ادخال شئى سوى الماء من خشب ونحوه

ولما فی الحلبی الکبیری: (۴۲، مکتبه: نعمانیه)

امرأة اغتسلت هل تتكلف فى ايصال الماء الى ثقب القرط ام لا والقرط بضم القاف واسكان الراء ما يعلق فى شحمة الاذن قال اى محمدؒ فى الاصل وهذا دأب صاحب المحيط يذكر لفظ قال ومراده ذالک تتكلف فيه اى فى ايصال الماء الىٰ ثقب القرط كما تتكلف فى تحريک الخاتم ان كان ضيقا والمعتبر فيه غلبة الظن بالوصول ان غلب على ظنها ان الماء لا يدخله الا بتكلف تتكلف وان غلب انه وصله لا تتكلف سواء كا ن القرط فيه ام لا وان ضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان امر عليه الماء يدخله وان غفل لا فلا بد من امراره ولا تتكلف لغير الامرار من ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع وانما وضعت المسئلة فى المرأة باعتبار الغالب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۱۳۸

﴿دانتوں میں جو کا دانہ غسل جنابت سے مانع نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید پر غسل واجب ہو گیا تھا اس نے غسل کیا اور نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد اسکو یاد آیا کہ اسکے دانتوں کے درمیان میں جو کا ٹکڑا پھنسا ہوا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ اس کا غسل ہو گیا یا نہیں؟ مستفتی: قاری زاھد اللہ ٹانکوی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں زید کا غسل ہو گیا ہے .اور نماز بھی ہوگئی ہے لہٰذا لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے .اس لئے کہ جو کا دانہ پانی پہنچنے سے مانع نہیں ہوتا .اور اب چونکہ یاد آ گیا ہے .کہ جو کا دانہ دانتوں میں پھنسا ہوا ہے .تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے .کہ اسے نکال کر کلی کرے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۲،طبع:سعید)

لا(طعام بین اسنانه)اوفی سنه المجوف به یفتی

ولما فی الهندیه:(۱/۱۳،طبع:رشیدیه)

ولو کان سنه مجوفا فبقی فیه اوبین اسنانه طعام او درن رطب فی انفه تم غسله علی الاصح کذافی الزاهدی والاحتیاط ان یخرج الطعام عن تجویفه ویجری الماء علیه

ولما فی الولوالجیة:(۱/۵۲،طبع:فاروقیه)

رجل اغتسل من الجنابة وبین اسنانه طعام فلم یصل الماء تحته جاز لأن مابین الاسنان رطب والماء یصل الی کل موضع غالبا

ولما فی الحلبی الکبیری:(۴۳،طبع:نعمانیه)

ان کان بین اسنانه طعام ولم یصل الماء تحته فی الغسل من الجنابة جاز لان الماء شئی لطیف یصل تحته غالبا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۲۷

﴿غسل کے دوران اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر آدمی غسل جنابت کرے ،بعد میں معلوم ہو کہ بدن میں کچھ حصہ خشک رہ گیا ہے تو کیا دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے یا صرف

اس مقام کو دھولیا جائے جو خشک رہ گیا ہے وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: صالح محمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف اس جگہ کو دھو لینا کافی ہے جو خشک رہ گئی ہے۔

لما في غنية المستملي:(ص:۴۲طبع: نعمانيه)

ولو بقي شيء من بدنه لم يصبه الماء لم يخرج من الجنابة وان قل اى ولو كان ذلك الشيء قليلا بقدر راس ابرة لوجوب استيعاب جميع البدن ،ولو رتكها اى ترك المضمضة او الاستنشاق او لمعة من اى موضع كان من البدن ناسيا فصلى ثم تذكر ذلك يتمضمض او يستنشق او يغسل اللمعة ويعيد ما صلى ان كان فرضا لعدم صحته وان كان نفلا فلا لعدم صحة شروعه.

ولما في الفقه الاسلامي:(۵۲۲/۱ طبع: رشيدية)

فيجب تعميم (او الاعمام وهو الاصح)الشعر والبشرة بالماء مرة واحدة ،حتى لو بقيت بقعة يسيرة لم يصبها الماء يجب غسلها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۲۱رجب المرجب ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۳۷۷

﴿سخت سردی میں غسل واجب ہو جائے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ہم پہاڑی علاقے کے باشندے ہیں یہاں کی سردی بہت سخت ہوتی ہے مجھے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ سردراتوں میں احتلام ہو جاتا ہے غسل کرنے کیلئے گرم پانی کا انتظام ہمارے پاس نہیں ہے اور ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کروں تو بیمار ہو جاتا ہوں۔ کیا میں تیمم کر کے نماز پڑھوں یا دھوپ نکلنے کا انتظار کروں اور قضاء پڑھوں۔ بینوا وتوجروا مستفتی: غیاث الدین (گلگت)

﴿جواب﴾ حالت سفر میں یا غیر آبادی مثلاً جنگل وغیرہ میں یہ حالت پیش آجائے اور پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے اور دھوپ نکل کر یا گرم پانی کا انتظام ہو جائے تو غسل کر لے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن گھر اور آبادی میں گرم پانی کا انتظام نہ ہونا سمجھ سے دور ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۲۳۲،طبع:سعید)

قوله يهلك الجنب او يمرضه قيد بالجنب، لأن المحدث لايجوز له تيمم للبرد في الصحيح

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۴۸،طبع:سعید)

وأجنب في ليلة باردة يخاف على نفسه الهلاك لواغتسل ولم يقد رعلى تسخين الماء ولا على اجرة الحمام في المصر أجزأه التيمم في قول ابى حنيفةؒ ...ولأبى حنيفةؒ ماروى عن رسول الله ﷺ أنه بعث سرية وأمر عليهم عمرو بن العاص رضي الله عنه ......قالو اصلى بنا وهوجنب في ليلة باردة فخفت على نفسي الهلاك لو اغتسلت فذكر ت ماقال الله تعالىٰ ولا تقتلوا أنفسكم ان لله كان بكم رحيما ،فتيممت وصليت بهم فقال لهم رسول الله ﷺ ألا ترون صاحبكم كيف نظرلنفسه ولكم ولم يامره بالاعادة.

ولما فی البحر: (۱/۱۴۱،طبع:سعید)

(قوله اوبرد) اى ان خاف الجنب أو المحدث ان اغتسل أو توضاء أن يقتله البرد او يمرضه تيمم سواء كان خارج المصر أوفيه ......ثم اعلم أن جواز ه للجنب عند أبى حنيفةؒ مشروط بأنلايقدر على تسخين الماء ولا على أجرة الحمام في المصر.

ولما فی القول الرجح: (۱/۲۶،طبع:رشیدیہ))

وقال العلامة الحصكفيؒ (اوبرد)يهلك الجنب اويمر ضه ولوفي المصر اذالم تكن له أجرة الحمام ولامايدفيئه.

ولما فی الهندية (۱/۳۱،طبع:قدیمی)

ويجوز التيمم اذا خاف الجنب اذااغتسل بالماء أن يقتله البرد أويمرضه هذا اذاكا ن خارج المصر اجماعاً.فان كان في المصر فكذاعند أبى حنيفةؒ خلافالهما والخلاف فيما اذالم يجد ما يد خل به الحمام فان وجد لم يجز اجماعاً،وفيمااذالم يقدر على تسخين الماء فان قدر لم يجز ،هكذافي السراج الوهاج.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا غفر اللہ لہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۱۲۹

﴿مذی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو اپنی بیوی سے باقاعدہ صحبت کے بغیر استمتاع کی صورت میں لیس دار پانی خارج ہوتا ہے، چاہے وہ

استمتاع کپڑوں میں ہو یا بغیر کپڑوں کے، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے پانی کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالرزاق

﴿جواب﴾ صرف لیس دار پانی سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضوٹوٹ جاتا ہے، غسل باقاعدہ انزال یعنی منی کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کی ایسی مباشرت کہ مرد کے عضو خاص کا حشفہ عورت کے اندام نہانی میں داخل ہو جائے خواہ باقاعدہ انزال نہ ہو تب بھی غسل دونوں پر واجب ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ شوہر کا بیوی کیساتھ جسم ملانے سے کوئی غسل واجب نہیں ہوتا۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۲۹/۱،طبع رحمانیه)

عن المقداد ابن الاسود أن علی بن ابی طالب رضی الله عنه أمره أن یسئل له رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الرجل اذادنامن اهله فخرج منه المذی ماذاعلیه؟ فان عندی ابنته وأنا استحیی أن أسئله قال المقداد: فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقال: اذاوجداحدکم ذلک فلینتضح فرجه ولیتوضاوضوئه للصلوۃ

ولمافی الهندیة:(۱۵/۱ طبع رشیدیه)

الایلاج فی احدالسبیلین اذاتوارت الحشفة یوجب الوضوء علی الفاعل والمفعول به أنزل أولم ینزل،وهذاهوالمذهب لعلمائنا کذاذکرفی المحیط وهوالصحیح.

ولمافی المنیة:(ص۵۲،طبع سهیل اکیڈمی)

الاغتسال علی احدی عشروجهاخمسة منهافریضة الاغتسال من الحیض ومن النفاس ومن التقاء الختانین والاغتسال من خروج المنی علی وجه الدفق والشهوة.

ولمافی جامع الترمذی:(۱۶/۱ طبع فاروقی ملتان)

عن عائشه رضی الله عنهاقالت: اذاجاوزت الختان الختان وجب الغسل فعلته انا ورسول الله صلی الله علیه وسلم فاغتسلنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۰۵۸

﴿مذی اور ودی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اکثر قبض کی شکایت

رہتی ہے میں ہمیشہ پاخانہ زور لگا کر کرتا ہوں جس کا اثر میری پیشاب والی جگہ پر پڑتا ہے یعنی اٹھتے بیٹھتے وقت قطرے وغیرہ نکلتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نفس کمزور ہونے کی صورت میں میں مذی اور ودی کا شکار ہوں، مجھے یہ بتائیں کہ درج ذیل صورتوں میں غسل واجب ہے یا نہیں؟

(۱) جب نفس جوش میں آتا ہے تو اکثر اوقات قطرے نکل آتے ہیں بعض اوقات نہیں نکلتے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب جوش ٹوٹتا ہے تو اسی دوران قطرے وغیرہ نکل آتے ہیں۔

(۲) گندے خیالات یاد آنے سے، گندی گفتگو کرنے سے یا سننے سے یا کسی اور طریقے سے جب نفس جوش میں آجاتا ہے۔ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں میری راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: شمس الحسن کلورکوٹ

﴿جواب﴾ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضوٹوٹ جاتا ہے، خیالات کو پاک رکھنے کے لیے شادی بہترین علاج ہے، البتہ گندی مجلس اور برے ماحول سے بچنا شادی سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

لما فی الرد: (۱/۱۶۳، طبع سعید)

ولا یجب اتفاقا فیما اذا علم أنه ودی مطلقا وفیما اذا علم أنه مذی..... الخ.

ولما فی فتح القدیر: (۱/۷۱، طبع رشیدیه)

ولیس فی المذی والودی غسل وفیهما الوضوء لقوله علیه الصلاة والسلام "کل فحل یمذی وفیه الوضوء".

ولما فی الهندیة: (۱/۱۵، طبع رشیدیه)

فان تیقن أنه ودی، لا یجب الغسل..... وان تیقن أنه مذی لا یجب الغسل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد امیر ملک خوشابی

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۶۳

﴿بذریعہ انجکشن مادہ منویہ عورت کے رحم میں پہنچانے کی صورت میں غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کا مادہ منویہ انجکشن کے

ذریعے عورت کے رحم میں پہنچادیا جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی محمد احمد

﴿جواب﴾ وجوب غسل کا اصل سبب نفس خروج منی یا دخول منی نہیں بلکہ اس کیساتھ ساتھ لذت وتسکین بھی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ عمل سے لذت وتسکین کا حاصل ہونا مشکل ہے۔

لیکن اگر کسی عورت کو اس عمل سے انزال ہوجائے تو غسل واجب ہوگا اور بغیر انزال کے غسل واجب نہیں تاہم احتیاط غسل کرنے میں ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۹-۱۶۰،طبع سعید)

(وفرض)الغسل (عند)خروج (منی)من العضو(منفصل عن مقره)هوصلب الرجل وترائب المرأة(بشهوة)أی لذة ولوحكما كمحتلم ولم يذكرالدفق ليشمل منّی المرأة. وفی الشامی:(قوله بشهوة)......احترزبه عما لو انفصل بضرب أو حمل ثقيل على ظهره فلاعسا عند نا (الخ)

ولمافی حلبی کبیر:(ص۴۵،طبع سهيل اكيڈمی)

'فروع"ولوجومعت فی مادون الفرج ووصل المنی الی رحمهالاغسل عليها لفقد الايلاج والانزال فان حبلت منه وجب الغسل لانه دليل الانزال(الخ)

ولمافی مراقی الفلاح علی الطحطاوی:(ص۵۲،طبع قديمی)

يفترض الغسل بواحد(من سبعة اشياء)......(خروج المنی)الی ظاهرالجسدلانه مالم يظهرلاحكم له(اذاانفصل عن مقره)......(بشهوة)الخ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۷۳۶

﴿دانتوں کی بھرائی کے بعد حکم غسل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دانتوں میں سوراخ ہونے کی بناء پر اس کی بھرائی (Filling) کی جاتی ہے، اس صورت میں غسل کرتے ہوئے پانی اندر نہیں پہنچتا تو کیا اس وجہ سے غسل پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ مستفتی: عبدالسمیع صاحب

﴿جواب﴾ دانت بھرانے کے بعد غسل کے لئے اس کو خالی کرنا چونکہ مشکل ہے، اس لئے

دانت کے اوپر پانی بہانا کافی ہے، غسل ہو جائیگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۸۸،طبع امدادیه)

ولا یمنع الطهارة ونیم أی خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء، ولو جرمه، به یفتی قال العلامة ابن عابدین الشامی رحمه الله تعالیٰ تحت هذه المسئلة(لم یصل الماء تحته)لان الاحتراز عنه غیر ممکن:حلیة،قوله(به یفتی)صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسئالة الحناء والطین الدرن معللاً بالضرورة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۵۴۲

﴿غسل جنابت کے بعد عورت کی منی خارج ہونے پر غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمبستری کے بعد اگر مرد نے پیشاب بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی زیادہ چلا پھرا ہو اور نہ سویا ہو بلکہ فوراً غسل کرلے اور غسل کے بعد مرد کی شرمگاہ سے منی نکلے تو فقہاء کرام نے اس پر دوبارہ غسل ضروری قرار دیا ہے اور اگر یہ صورت عورت کے ساتھ پیش آجائے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ عورت کو اگر یقین ہو جائے کہ نکلنے والی منی میری ہی ہے تو اس پر غسل کرنا ضروری ہے اور اگر وہ یہ سمجھے کہ یہ مرد کی منی ہے تو اس پر غسل کا لوٹانا ضروری نہیں ہے، البتہ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۴۶،طبع سهیل اکیڈمی)

اغتسلت ثم خرج منها منی الزوج لا یلزمها اعادة الغسل لانه بمنزلة حمول تحملت به.

ولمافی التاتارخانیة:(۱/۱۱۱۸،طبع قدیمی)

وفی مجموع النوازل:المرأة اذا اغتسلت بعد ما جامعها زوجها ثم خرج منها منی الزوج فعلیها الوضوء دون الغسل.

ولمافی الشامی:(۱/۲۹۶،طبع امدادیه)

فلو اغتسلت فخرج منها منی،ان منیها اعادت الغسل لا الصلاة والالا(قوله:ان منیها) ای یقینا فلو شکت فیه فلا تعید الغسل اتفاقا للاحتمال والاولی الاعادة علی قولهما احتیاطا(قوله:لا الصلاة) کما ان الرجل لا یعید ما صلی اذا خرج منه بقیة المنی بعد

الغسل اتفاقاً كما في الفتح لكن قال في المبتغى: بخلاف المرأة يعني انها تعيد تلك الصلاة. وفيه نظر ظاهر والذي يظهر انها كالرجل كذا في الحلية وتبعه في البحر واجاب المقدسي بحمل قوله "بخلاف المرأة" على انها لا تعيد اصلا: اى لا الغسل ولا الصلاة لان ما يخرج منها يحتمل انه ماء الرجل اه اقول: اى اذا لم تعلم انه ماؤها. (قوله: والا لا) اى وان لم يكن منيها بل مني الرجل لا تعيد شيئا وعليها الوضوء، رملي عن التاتارخانية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۱۶

﴿غسل کے اول وآخر میں وضو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا غسل کے اوّل وآخر میں دومرتبہ وضو کرنا ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے، غسل کرنے کے بعد غسل خانہ میں دوبارہ وضو نہ کرے، البتہ نکلنے کے بعد دوبارہ کرنا چاہے تو جائز ہے۔

ولما في سنن الترمذي: (۱/۱۶، طبع فاروقی ملتان)

عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يتوضأ بعد الغسل.

ولما في اعلاء السنن: (۱/۱۰۰ طبع دار الكتب العلمية)

تركه صلى الله عليه وسلم الوضوء بعد الغسل عادة ودوام مع حرصه على تحصيل الطاعات دليل الكراهية. وفي سنن أبي داؤد: (۱/۳۵، طبع رحمانيه)

ولما في الدر المختار: (۱/۱۵۸ طبع سعيد)

وقالوا لو توضأ اولا لا يأتي به ثانيا لانه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقا، اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا او فصل بينهما بصلاة كقول الشافعية فيستحب. وفي الشامية: والظاهر ان عدم استحبابه لو بقي متوضأ الى فراغ الغسل فلو احدث قبله ينبغي اعادته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۷۹۶

﴿دوران غسل اگر کوئی فرض رہ جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ مجھ پر غسل واجب تھا میں نے غسل

کیااور غسل کے وضو ہی سے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر عصر کی نماز علیحدہ وضو سے پڑھی، پھر مجھے خیال آیا کہ دوران غسل میں ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تھا، اب پوچھنا یہ ہے کہ میرا غسل ہو گیا یا نہیں اور مجھے دونوں نمازیں لوٹانا پڑینگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ غسل کے فرائض میں سے ناک میں پانی ڈالنا بھی ہے جب آپ دوران غسل ناک میں پانی ڈالنا بھول گئے تو آپ کا غسل مکمل نہیں ہوا اور اس سے جو نماز ادا کی گئی وہ بھی نہ ہوئی اور جو علیحدہ وضو سے نماز پڑھی اور اس وضو میں ناک میں پانی ڈالا تو غسل کے فرائض مکمل ہو گئے اور غسل مکمل ہو گیا، اب عصر کی نماز ہو گئی اور ظہر کی نماز لوٹانا ہو گی۔

لما فی الهداية:(۲۹/۱ رحمانیه)

فرض الغسل:المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۵۰،طبع سهیل اکیڈمی)

(ولو ترکهما ای ترك المضمضة والاستنشاق اولمعة من ای موضع کان من البدن(ناسیا فصلی ثم تذکر ذلک یتمضمض ویستنشق اویغسل اللمعة(ویعید ما صلی)ان کان فرضا لعدم صحته وان کان نفلا فلا لعدم صحة شروعه.

ولما فی تنویر الابصار:(۱۵۵/۱،طبع سعید)

نسی المضمضة اوجزأمن بدنه فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحته.

ولما فی الشامی:(۵/۱،طبع سعید)

ولو بقیت علی العضو لمعة لم یصبها الماء فصرف البلل الذی علی ذلک العضو الی اللمعة جاز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاء الدین

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر:۶۴۴

﴿سوئی کے ذریعے جسم پر کھدوائے گئے نشانات پر وضو اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ کافی عرصہ قبل علم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر سوئی کے ذریعے نشانات کھدوائے ہیں، جب اسکے ناجائز اور حرام ہونے کا علم ہوا تو میں نے توبہ واستغفار کی، اب وہ نشانات پک گئے ہیں اور باوجود کوشش کے زائل

نہیں ہوتے ہیں، کیا ان کے ہوتے ہوئے میرا غسل اور وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ یہ گناہ کا کام ہے، اب چونکہ ان نشانات کو دور کرنا بھی آسان نہیں ہے اور آپ نے توبہ کر لی ہے امید ہے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا، باقی وضو اور غسل پر یہ نشانات اثر انداز نہیں ہوتے۔

لما فی مرقاۃ المفاتیح:(۲۸۰/۸،طبع رشیدیه)

وعن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ قال "لعن الواصلة، والمستوصلة، والواشمة، والمستوشمة" متفق علیه: وهو غرز الابرة أو نحوها فی الجلد حتیٰ یسیل الدم ثم حشوه بالکحل أو النیل أو النورة فیخضر، قال النووی: وهو حرام علی الفاعلة والمفعول بها، والموضع الذی وشم یصیر نجساً، فان أمکن ازالته بالعلاج وجبت، وان لم یمکن الا بالجرح فان خاف منه التلف أو فوت عضو أو شیناً فاحشاً فی عضو ظاهر لم یجب ازالته، واذا تاب لم یبق علیه اثم، وان لم یخف شیئاً من ذلک لزمه ازالته ویعصی بتاخیره.

ولما فی الشامی:(۳۳۰/۱،طبع سعید)

حکم الوشم فی نحو الید، وهو أنه کالاختضاب أو الصبغ بالمتنجس، لأنه اذا غرزت الید أو الشفة مثلا بابرة ثم حشی محلها بکحل أو نیلة لیخضر تنجس الکحل بالدم، فاذا جمد الدم والتأم الجرح بقی محله أخضر، فاذا غسل طهر لأنه أثر یشق زواله لأنه لا یزول الا بسلخ الجلد أو جرحه، فاذا کان لا یکلف بازالة الأثر الذی یزول بماء حار أو صابون فعدم التکلیف هنا أولیٰ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۴۶

﴿دانتوں کے اوپر خول چڑھانے سے وضو اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دانتوں کے اوپر خول چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسی صورت میں وضو اور غسل ہو جاتا ہے؟

﴿جواب﴾ دانتوں پر ضرورت کے وقت خول چڑھانا ازروئے شرع جائز ہے، وضو اور غسل کے لئے اس خول کا ہٹانا اگر حرج وتکلیف کا باعث ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے وضو اور غسل کرتے وقت اصلی دانت تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، خول کے اوپر پانی گزارنا کافی ہے۔

ولمافي الحلبي الكبير:(ص۳٦،طبع سهيل اكيڈمی)

واما فرائض الغسل فالمضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن الى ان قال ان ماتعذر ايصال الماء اليه حقيقة او حكما للحرج خارج.

ولمافي الهندية:(۱۳/۱ طبع رشيديه)

ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع كذافي الظهيريه.

ولمافي الشامي:(۲۸۸/۱ طبع امداديه)

ولا يمنع الطهارة ونيم اى خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته وحنا ولو جرمه به يفتى.

وفي الشامية:قوله به يفتي صرح به في المنية عن الذخيرة في مسئلة الحناء والطين والدرن معالا بالضرورة..... فالاظهر التعليل بالضرورة.

الجواب صحيح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿دوائی وغیرہ رحم میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل جب عورتوں کے رحم میں ورم آجاتا ہے تو ڈاکٹر حضرات اسکے لیئے ٹیوب یا دوائی تجویز کرتے ہیں جو کہ روئی کے ذریعے جسم کے کافی اندر تک لگائی ہوتی ہے جیسے گلیسرین، اسی طرح پیشاب میں انفیکشن ہو جائے تو بھی ایک گولی اسی طریقے سے استعمال کی جاتی ہے، اسکے علاوہ ایک آلہ جسکو اپلیکٹر کہتے ہیں بھی اس قسم کے امراض میں مذکورہ طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

کیا اسطرح دوائی وغیرہ داخل کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے؟ اگر بار بار دوائی مذکورہ طریقے سے استعمال کرنی پڑے تو کیا بار بار غسل کرنا پڑے گا؟　　سائلہ:متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ دوائی پہنچانے کی غرض سے اپلیکٹر یا کوئی بھی چیز رحم میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ اس دوران شہوت کا غلبہ اور انزال بھی ہو جائے تو غسل واجب ہوگا۔

لمافي تنوير مع الدر:(۲۹٦/۱،طبع امداديه)

(وفرض)غسل(عند)خروج(منى)من العضو والا فلا يفرض اتفاقا لانه في حكم الباطن(منفصل عن مقره)هو صلب وترائب المرأة......(بشهوة)اى لذة ولو حكما كمحتلم.

ولما فیه ایضا:(۱/۳۰۴،طبع امدادیه)

(و)لا عند(ادخال اصبع ونحوه)کذکر غیر آدمی وصبی ومایصنع من نحوخشب(فی الدبراوالقبل)علی المختار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۱۸۶۹

﴿احتلام یاد ہو اور تری نہ ہو تو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ رات کو سو کر جب میں اٹھا تو مجھے احتلام یاد تھا، لیکن کپڑوں پر میں نے کسی قسم کی تری نہیں دیکھی تو کیا مجھ پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ خواب یاد ہو اور کسی قسم کی تری نہ پائی جائے تو اس صورت میں غسل واجب نہیں۔

لمافی فتح القدیر:(۱/۵۲،طبع رشیدیه)ولوتذکرالاحتلام والشهوة ولم یربللا لایجب اتفاقا

ولمافی الهندیة:(۱/۱۵،طبع رشیدیه)

ولوتذکرالاحتلام ولذةالانزال ولم یربللا لایجب علیه الغسل(لا)یفترض(وان تذکرولومع اللذة)والانزال (ولم یر)علی رأس الذکر(بللا)اجماعا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۷ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۹۶۶

﴿غسل جنابت کے بعد منی آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت کرنے کے بعد منی کے جو قطرے نکلتے ہیں آیا اس سے دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد حسن

﴿جواب﴾ جنابت کے بعد پیشاب کیا یا سو گیا یا دیر تک چلا پھرا اس کے باوجود منی کے قطرے آگئے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ شہوت کے ساتھ آجائیں تو دوبارہ غسل واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ مستقل انزال ہے جس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح جنابت کے بعد پیشاب وغیرہ کئے بغیر فوراً غسل کیا اور پھر منی کے قطرے آگئے تو اس صورت میں بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لما فی الهندية:(١٢/١،طبع رشيديه)

لواغتسل من الجنابة قبل أن يبول أوينام وصلیٰ ثم خرج بقية المني فعليه ان يغتسل عندهما خلافا لابی يوسف رحمه الله تعالیٰ ولكن لايعيد تلك الصلوٰة فی قولهم جميعا كذافی الذخيرة ولوخرج بعدمابال أونام أومشیٰ لايجب عليه الغسل اتفاقا كذافی التبيين......رجل بال فخرج من ذكره منی ان كان منتشرا عليه الغسل وان كان منكسرا عليه الوضوء.

ولما فی الخانية:(٤٦/١،طبع قديمی)

الجنب اذا اغتسل قبل ان يبول وصلیٰ جازت صلوٰته فان خرج منه المنی بعدذلك كان عليه الغسل فی قول أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله خلافا لابی يوسف رحمه الله ولايعيد ماصلیٰ......ولواغتسل بعدمابال ثم خرج منه منی أومذی لاغسل عليه فی قولهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفی عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۴۴

﴿مذی خارج ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی غلط سوچ وفکر سے سفید سا پانی نکل جاتا ہے، کیا اس صورت میں غسل واجب ہوجاتا ہے؟

﴿جواب﴾ عام طور پر یہ مذی کے قطرے ہوتے ہیں جس سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو اس سے ٹوٹ جاتا ہے، غسل منی کے قطروں سے واجب ہوتا ہے، منی کے قطرے دفق کیساتھ نکلتے ہیں جس کے فوراً بعد عموماً شہوت ختم ہوجاتی ہے۔

لما فی المشكوٰة:(٤٠/١،طبع سعيد)

وعن علی قال كنت رجلا مذاء فكنت استحيی ان اسأل النبی صلی الله عليه وسلم لمكان ابنته فامرت المقداد فسأله فقال يغسل ذكره ويتوضأ متفق عليه ــ وعن علی قال سألت النبی صلی الله عليه وسلم من المذی فقال من المذی الوضوء ومن المنی الغسل.

ولما فی الدر المختار:(١٦٣/١،طبع سعيد)

الااذا علم انه مذی اوشك انه مذی اوودی أوكان ذكره منتشرا قبيل النوم فلا غسل عليه اتفاقا كالودی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

ا جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۷۸

﴿غسل جنابت میں ناف میں انگلی ڈالنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا غسل جنابت میں ناف میں انگلی ڈالنا ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی غسل ہوجاتا ہے؟ مستفتی: فضل ربی

﴿جواب﴾ غسل میں ناف کے اندر بھی پانی پہنچانا ضروری ہے اور ناف کی ساخت ایسی ہے کہ عموماً اس میں پانی پہنچ جاتا ہے، اس لئے انگلی ڈالنا ضروری نہیں، البتہ احتیاطاً انگلی ڈالدے تو بہتر ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۲، طبع سعید)

ویجب أی یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج مرة کأذن وسرة.

ولمافی الهندية:(۱/۱۴ طبع رشیدیه)

ویجب ایصال الماء الیٰ داخل السرة وینبغی ان یدخل أصبعه فیها للمبالغة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۸۷

﴿غسل جنابت میں آنکھ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی غسل ہوجاتا ہے؟ مستفتی: عامر خان

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی غسل ہوجاتا ہے۔

لمافی الدر المختار:(۱/۱۵۲، طبع سعید)

لایجب غسل مافیه حرج کعین. وفی الشامیة تحته: لان فی غسلها من الحرج ما لایخفیٰ لأنها شحم لاتقبل الماء، وقد کف بصر من تکلف له من الصحابة کابن عمر وابن عباسؓ بحر، ومفاده عدم وجوب غسلها علیٰ الأعمی خلافاً للحانوتی حیث بناه علیٰ ان العلة انه یورث العمیٰ، ولهذا نقل ابو السعود عن العلامة سری الدین ان العلة الصحیحة کونه یضر وان لم یورث العمیٰ فیسقط حتیٰ عن الاعمیٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۹۲

﴿کلی کرنا بھول گیا بعد میں پانی پینے سے فرض غسل ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک جنبی آدمی نہاتے ہوئے کلی کرنا بھول گیا غسل سے فراغت کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی پی لیا، سوال یہ ہے کہ آیا یہ پانی پینا اس کلی کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: حافظ انعام اللہ

﴿جواب﴾ غسل جنابت سے پاکی حاصل کرنے کیلئے پورے منہ میں پانی پہنچانا ضروری ہے، پانی پینے سے بھی پورے منہ میں عموماً پانی پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اس آدمی کا غسل ہو گیا ہے بشرطیکہ چوس چوس کر اس نے پانی نہ پیا ہو جس سے منہ کے محدود حصہ سے پانی گذر جاتا ہے، منہ بھر کر پیا ہو، بھول سے ایسا ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے قصداً ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد: (۱/۱۵۱، ۱۵۲ طبع سعید)

(غسل) كل (فمه) ويكفي الشرب عبالا ان المج ليس بشرط في الاصح. (ويكفي الشرب عبا) اى لا مصا "فتح" وهو بالعين المهمله والمراد به هنا الشرب بجميع الفم وهذا هو المراد بمافي الخلاصة، ان شرب على غير وجه السنة يخرج.....والعالم يشرب مصا كما هو السنة. (لأن المج) اى طرح الماء من الفم ليس بشرط للمضمضة خلافا لما ذكره في الخلاصة نعم وهو الاحوط من حيث الخروج عن الخلاف وبلعه اياه مكروه.

ولمافي الخلاصة: (۱/۱۵-۱۴ طبع رشيديه)

رجل اغتسل ونسي المضمضة ولكن شرب الماء ان شرب على وجه السنة لا يخرج عن الجنابة وان شرب على غير وجه السنة يخرج وفي واقعات الناطفي الى قوله مالم يمجه وهذا احوط

ولمافي التجنيس: (۱/۱۶۲، طبع ادارة القرآن كراچي)

الجنب اذا تمضمض وشربه ولم يمجه وقد اصاب جميع فمه من ذلك الماء جاز لان الجنابة تحولت الى الماء فطهر الفم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۳ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۷۵

﴿غسل کے مسنون اور مستحب مواقع﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل

مسنون اور مستحب مواقع کون کونسے ہیں؟ مستفتی: عطاء الرحمٰن کراچوی

﴿جواب﴾ جمعۃ المبارک، عیدین، وقوف عرفہ اور احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مسنون ہے، البتہ مجنون کو افاقہ ہو جائے، بے ہوش آدمی کو ہوش آجائے، سینگی لگوائی جائے، شب براءت، لیلۃ القدر، وقوف مزدلفہ، منٰی جاتے ہوئے، طواف زیارت کی نیت سے مکہ داخل ہوتے ہوئے، صلوٰۃ کسوف وخسوف واستسقاء کیلئے، خوف وہراس پھیل جائے، اندھیرا چھا جائے، تیز آندھی چلے، مدینہ منورہ داخل ہونے سے پہلے، نئے کپڑے پہنتے وقت، میت کو نہلانے کے بعد، گناہ سے توبہ کرنے کے بعد، سفر سے واپسی پر، مستحاضہ عورت کا خون بند ہو جائے، ان تمام مواقع پر غسل کرنا مستحب ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۱۶۸-۱۶۹،طبع سعید)

وسن لصلاة جمعة ولصلاة عيد ولاجل احرام وفي جبل عرفة بعد الزوال وندب لمجنون أفاق وكذا المغمى عليه وعند حجامة وفي ليلة براءة وقدر اذا رأها وعند الوقوف بمزدلفة غدلة يوم النحر للوقوف وعند دخول منى يوم النحر وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلاة كسوف وخسوف واستسقاء ولفزع وظلمة وريح شديد وكذا لدخول المدينة ولمن لبس ثوبا جديدا أو غسل ميتا ولتائب من ذنب ولقادم من سفر ولمستحاضة انقطع دمها.

ولمافی خلاصة الفتاوى:(۱/۱۳،طبع رشیدیہ)

ان الغسل على احد عشر نوعاً أربعة منها سنة غسل يوم الجمعة ويوم عرفة وعند الاحرام والعيدين وهكذافي حلبي كبير:(۴۵) وكذافي فتاوى التاتارخانية:(۱/۱۲۱،طبع قديمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۴محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۷۴

﴿حالت جنابت میں عورت کا حیض شروع ہو جائے تو غسل جنابت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر عورت جنابت کی حالت میں ہو اور ماہواری (حیض) شروع ہو جائے تو جنابت سے غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: حبیب الوہاب

﴿جواب﴾ جنابت سے غسل نماز وغیرہ کیلئے واجب ہے، حیض کی حالت میں نماز وغیرہ منع ہے اس لئے پاکی سے پہلے غسل کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ نشاط یا صفائی کی غرض سے غسل کرنا

چاہے تو منع بھی نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانیة:(۱/۱۲۰مطبع قدیمی)

واذااجنبت المرأة ثم ادرکها الحیض فهی بالخیاران شاءت اغتسلت لان فیه زیادة تنظیف لازالة احدالحدثین وان شاءت اخرت الاغتسال حتی تطهرلان الاغتسال للتطهیرحتی تتمکن من اداء الصلوة،الاتری ان الجنب اذااخرالاغتسال الی وقت الصلوة لایأثم وهکذافی الخلاصة:(۱/۱۲طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۳۱

﴿حالتِ حیض وجنابت میں عورت کا بچے کو دودھ پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ حالت جنابت میں عورت اپنے بچے کو دودھ پلاسکتی ہے؟ اسی طرح کسی اورکو کھانا دے سکتی ہے یا اپنے بچے کو کوئی چیز کھلاسکتی ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: طالبہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ احادیث مبارکہ وعبارات فقہاء کرام کی رُو سے حالتِ جنابت میں ہروہ کام جس کے لئے طہارت''پاکی''شرط نہ ہو مثلاً کھانا کھانا،کھلانا،بچے کو دودھ پلانا وغیرہ کی گنجائش ہے،البتہ فطرت ونظافت کا تقاضہ اور مستحب امر یہ ہے کہ ہاتھ،منہ،پستان وغیرہ دھوکر کھایا،کھلایا پلایا جائے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۶۵مکتبه شامله)

عن ابی هریرةؓ قال:لقینی رسول اللهﷺ وأناجنب فأخذبیدی فمشیت معه حتی قعدفقال:''سبحان الله ان المؤمن لاینجس.....الخ.

ولمافی المرقاة:(۲/۱۴۱،۲۹۲مطبع رشیدیه)''ان المؤمن لاینجس''ای لایصیرعینه نجسا.

ولمافی الشامی:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

''فیکره لجنب''لأنه یصیرشاربا للماء المستعمل ای وهومکروه تنزیها،ویده لاتخلو عن النجاسة فینبغی غسلها ثم یأکل بدائع وظاهرالتعلیل ان استحباب المضمضة لأجل الشرب وغسل الیدلأجل الأکل فلایکره الشرب بلاغسل یدولا الأکل بلامضمضة،وعلیه ففی کلام المتن لف نشرمشوش،لکن قال فی الخلاصة:اذا أراد الجنب ان یأکل فالمستحب له ان یغسل یدیه ویتمضمض آه تأمل وذکر فی الحلیة: عن أبی داؤدوغیره''أنه علیه الصلاة والسلام اذاأرادان یأکل وهوجنب غسل

کلیه" وفی روایة مسلم "یتوضأ وضوئه للصلاة.

ولما فی الطحطاوی:(ص۷۸،طبع قدیمی)

وله ان یقبلها ویضاجعها ولا یکره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرهما الا اذا توضأت بقصد القربة. وفی الهندیة:(ج۱ ص۱۶، ج۵ ص۳۲۷، طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۳ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۴۰

﴿کسی کے ہاں مہمان ہو یا سفر میں ہو اور احتلام ہو جائے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو احتلام ہو جائے اور وہاں پر پانی تو موجود ہو لیکن غسل کرنے کی جگہ نہ ہو مثلاً وہاں عورتیں ہوں یا مرد موجود ہوں یا غسل کی جگہ تو موجود ہو لیکن اسے شرم محسوس ہو رہی ہو مثلاً وہ کسی کا مہمان ہو یا سفر میں ہو اور ایسی صورت پیش آجائے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے، نماز کو مؤخر کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟۔ مستفتی: قاری محمد خورشید خان

﴿جواب﴾ (۱) شریعت نے دوسروں کے سامنے ستر کھولنے کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب غسل کرنے سے شرعی مانع موجود ہے تو اسے عذر تصور کرتے ہوئے تیمم سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، البتہ بعد میں غسل کرنے کے بعد اس نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے۔

(۲) اگر کوئی شخص دوسرے کا مہمان ہو یا سفر میں ہو اور غسل کرنے میں کوئی اور مانع بھی موجود نہ ہو مثلاً (غسل کرنے کی جگہ اور پانی دستیاب ہو) تو غسل کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے، ایسی صورت میں تیمم سے نماز ادا کرنا یا نماز کو مؤخر کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار:(۱/۱۵۵،طبع سعید)

واختلف فی الرجل بین رجال ونساء او نساء فقط کما بسطه ابن الشحنة وینبغی لها ان تتیمم وتصلی لعجزها شرعا عن الماء. وقال الشامی رحمه الله: ومثلها فیما یظهر الرجل حیث قلنا انه یؤخر ایضا ولا یخفی ان تاخیر الغسل لا یقتضی عدم التیمم فان المبیح له وهو العجز عن الماء قد وجد (فافهم) بقی هنا شیئ لم یذکره وهو انه هل تجب اعادة تلک الصلاة فی هذه المسئلة وفی مسئلة النهایة السابقة؟ قال فی الحلیة: فیه تامل، الاشبه

الاعادۃ تفریعا علی ظاھر المذھب فی الممنوع من ازالۃ الحدث بصنع العباد اذا تیمم وصلی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۸۲

﴿فصل فی الاستنجاء﴾

﴿استنجاء کے آداب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بول و براز اور استنجاء کے وقت کن امور سے احتراز کرنا چاہیے؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ قضائے حاجت کے وقت مندرجہ ذیل امور سے بچنا ضروری ہے قبلہ کی طرف رخ کرنے یا پشت کرنے سے، بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے، دائیں ہاتھ سے بلا عذر استنجاء کرنے سے، عین سورج اور چاند کی طرف رخ کرنے سے، وہاں تھوکنے یا بلغم پھینکنے سے، اپنی ستر کی طرف دیکھنے سے آسمان کی طرف دیکھنے سے، بلا عذر لیٹ کر یا ننگا ہو کر پیشاب کرنے سے، دوران قضائے حاجت گفتگو کرنے سے، اذان، سلام اور چھینکنے والے کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔

مندرجہ ذیل مکانات میں قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے، راستے میں، سایہ والی جگہ میں، پھلدار درخت کے نیچے، قبرستان میں، جانوروں کے درمیان میں، کسی جاندار کے بل یا سوراخ میں، لوگوں کی بیٹھنے کی جگہ پر، راستے کے کنارے پر، قافلہ یا خیمہ کے قریب، مسجد کے قریب، ایسی جگہ جہاں لوگ وضو یا غسل کرتے ہوں، ہوا کے رخ پر یعنی جہاں سے پیشاب واپس کپڑوں پر گرنے کا اندیشہ، نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب کرنا، قضائے حاجت کے وقت زبان سے ذکر کرنا یا کوئی آیت یا حدیث پڑھنا بھی بالکل منع ہے، اسی طرح بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت انگوٹھی یا کاغذ وغیرہ جس پر اللہ کا نام مبارک یا کوئی آیت یا حضور علیہ السلام کا نام مبارک لکھا ہوا ہو تو اس کو باہر اتار کر جانا چاہیے البتہ اگر پوری طرح غلاف و پردہ میں ہو تو خلاف ادب نہیں ہوگا۔

لما فی الصحیح البخاری: (۲۷/۱، طبع قدیمی)

عن ابی قتادۃ عن النبی ﷺ قال اذا بال احدکم فلا یاخذ ذکرہ بیمینہ ولا یستنجی بیمینہ.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح :ص:۵۲ طبع قدیمی

ویکرہ تحریما استقبال القبلة بالفرج حال قضاء الحاجة ویکرہ استدبارها لقوله علیه السلام "اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولکن شرقوا او غربوا" وهو باطلاقه منهی ولو فی البنیان واذا جلس مستقبلا ناسیاًفتذکر وانحرف اجلا لها لم یقم من مجلسه حتی یغفرله کما اخرجه الطبرانی مرفوعاً،ویکرہ استقبال عین الشمس والقمر لانهما آیتان عظیمتان ومهب الریح لعودہ به فینجسه ویکرہ ان یبول او یتغوط فی الماء ولو جاریا وبقرب بئر ونهر وحوض والظل الذی یجلس فیه والبحر لاذیة ما فیه والطریق والمقبرة لقوله علیه السلام "اتقوا الاعنین"قالوا وماالاعنان یا رسول الله قال الذی یتخلی فی طریق الناس او ظلهم وتحت شجرة مثمرة ویکرہ البول قائماالتنجسه غالبا الامن عذر کوجع لصلبه ویکرہ فی محل الوضوء لانه یورث الوسوسة ویکرہ الدخول للخلاء ومع شیء مکتوب فیه اسم الله او قرآن ونهی عن تکشف عورته قائماوذکر الله فلا یحمد اذا عطس ،ولایشمت عاطسا ولا یرد سلاما ولایجیب موذنا ولا ینظر لعورته ولا الی الخارج منها ولا یبصق ،ولا یتمخط ولا یتنحنح ولا یکثر الالتفات ولا یعبث ببدنه ولا یرفع بصرہ الی السماء ولا یطیل الجلوس لانه یورث الباسور ووجع الکبد.

ولما فی الهندیة:(۵۰/۱، طبع رشیدیه)

ویکرہ ان یدخل فی الخلاء ومعه خاتم علیه اسم الله او شئی من القرآن ۔ویکرہ البول بجنب المسجد ومصلی العید وفی المقابر وبین الدواب وفی طرق المسلمین وان یقصد فی اسفل الارض ویبول الی اعلاها ۔وان یبول قائما او مضطجع او متجردا عن ثوبه من غیر عذر فان کان بعذر فلا ن بأس ویکرہ ان یبول فی موضع ویتوضاء فیه او یغتسل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۰۴

﴿ آب زمزم سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا آب زمزم کیساتھ ازالہ نجاست کرنا مثلاً استنجاء کرنا، ناپاک کپڑے دھونا اور غسل، وضوء وغیرہ کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ جو شخص باوضواور پاک ہووہ اگر محض برکت کیلئے آب زمزم سے وضو یا غسل کرے تو جائز ہے، اسی طرح کسی پاک کپڑے کو برکت کیلئے زمزم میں بھگونا بھی درست ہے لیکن: بے وضو آدمی کا زمزم شریف سے وضو کرنا یا کسی جنبی کا اس سے غسل کرنا مکروہ ہے، ضرورت کے

وقت (جبکہ دوسرا پانی نہ ملے) زمزم شریف سے وضوء کرنا تو جائز ہے مگر غسل جنابت بہر حال مکروہ ہے، اسی طرح اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہو اس کو زمزم شریف سے دھونا بھی مکروہ ہے بلکہ بقول بعض علماء حرام ہے، یہی حکم زمزم سے استنجاء کرنے کا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے آب زمزم سے استنجاء کیا تو ان کو بواسیر ہوگئی۔

لمافی ردالمحتار:(۲/۶۲۵،طبع سعید)

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لاالاغتسال(قولہ یکرہ الاستنجاء بماء زمزم)وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ أوبدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک۔

ولمافی ارشادالساری لملاعلی القاری:(ص ۳۳۰،طبع دارالکتاب العربی)

(ویجوز الاغتسال والتوضوء بماء زمزم)ولا یکرہ عندالثلاثۃ خلافاًلأحمد(علی وجہ التبرک)أی لابأس بماذکرالاأنہ ینبغی أن یستعملہ علی قصدالتبرک بالمسح أوالغسل أوالتجدیدفی الوضوء(ولا یستعمل الاعلی شئ طاھر) فلاینبغی أن یغسل بہ ثوب نجس ولاأن یغتسل بہ جنب ولامحدث ولافی مکان نجس(و یکرہ الاستنجاء بہ)وکذاازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ أوبدنہ حتیٰ ذکربعض العلماء تحریم ذلک ویقال انہ استنجی بہ بعض الناس فحدث بہ الباسور.

خلاصہ یہ کہ زمزم نہایت متبرک پانی ہے اسکا ادب ضروری ہے، اسکا پینا موجب خیر و برکت ہے اور چہرے پر، سر پر اور بدن پر ڈالنا بھی موجب برکت ہے لیکن نجاست زائل کرنے کیلئے اسکو استعمال کرنا مناسب نہیں۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۴۱۹

﴿ٹشو پیپر سے استنجاء بلا کراہت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کو بھی کاغذ کہا جاتا ہے۔

﴿جواب﴾ کاغذ سے استنجاء اس لئے جائز نہیں ہے کہ کاغذ حصول علم اور بقائے علم کا بڑا ذریعہ ہے، ٹشو پیپر پر لکھائی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہ عام کاغذ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ یہ تو باقاعدہ استنجاء ہی کیلئے بنایا جاتا ہے، لہٰذا ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۱/۳۴۰طبع سعید)

وکذاورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام ایضالکونہ آلۃ لکتابۃ العلم....واذاکانت العلۃ فی الابیض کونہ آلۃ للکتابۃ کماذکرناہ.یؤخذمنہاعدم الکراھۃ فیمالایصلح لہا اذاکان قالعاللنجاسۃ غیرمتقوم کماقدمناہ من جوازہ بالخرق البوالی.وھل اذاکان متقوماثم قطع منہ قطعۃ لاقیمۃ لہابعدالقطع یکرہ الاستنجاء بہاام لاالظاھرالثانی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۶ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۰۳۰

﴿ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنا ضروری نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ تبلیغی اجتماع میں ہجوم کی وجہ سے ڈھیلے سے استنجاء کے بعد پانی استعمال کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ کیا عورت بھی مرد کی طرح ڈھیلہ استعمال کرسکتی ہے؟

﴿جواب﴾ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے، ضروری نہیں ہے، البتہ نجاست ہتھیلی کے گہرائی یعنی درہم کی مقدار سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے، بغیر دھوئے نماز نہیں ہوگی اور اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہوئی ہو تو صرف ڈھیلے سے استنجاء کافی ہے مرد اور عورت استنجاء کے احکام میں برابر ہیں البتہ استبراء میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے یعنی مرد کی طرح اسے قطرے آنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، اس لئے جلدی استنجاء کرسکتی ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۳۳۸طبع سعید)

(قولہ ان جاوزالمخرج)یشمل الاحلیل ففی التاتارخانیۃ:اذااصاب طرف الاحلیل من البول اکثرمن الدراھم یجب غسلہ وھوالصحیح......(قولہ سنۃ مطلقا)ای فی زماننا وفی زمان الصحابۃ لقولہ تعالیٰ "فیہ رجال یحبون ان یتطھرواواللہ یحب المتطھرین" (سورۃ توبہ)قیل لمانزلت قال رسول اللہ ﷺیااھل قباء ان اللہ اثنی علیکم فماذاتصنعون عندالغائط؟قالوانتبع الغائط الاحجار ثم نتبع الاحجارالماء فکان سنۃ علی الاطلاق فی کل زمان وھوالصحیح وعلیہ الفتوی.

ولمافی الشامی:(۱/۳۳۲طبع سعید)

واماالاستنجاء فھواستعمال الاحجاراوالماء،ھذاھوالاصح ......وفیھاان المرأۃ کالرجل

الا فی الاستبراء فانہ لااستبراء علیھا، بل کما فرغت تصبر ساعۃ لطیفۃ ثم تستنجی،
ومثلہ فی امداد الاحکام، وفی مراقی الفلاح:(ص۲۰، طبع قدیمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ کمیٹی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتوی نمبر: ۱۹۹۸

﴿عورت اور مرد کے استنجاء میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مرد اور عورت کے استنجاء کرنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ کیا عورت بھی مرد کی طرح پیشاب کے بعد قطروں کے خشک ہونے کا انتظار کر یگی؟　　　مستفتی: محمد زبیر

﴿جواب﴾ مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح مرد پانی اور ڈھیلے دونوں استعمال کرسکتا ہے اسی طرح عورت کیلئے بھی جائز ہے، البتہ مرد کیلئے استبراء "یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا کہ قطرات بند ہو جائیں" ضروری ہے اور عورت کیلئے اس قسم کا استبراء ضروری نہیں۔

لما فی مراقی الفلاح:(ص۲۲، طبع قدیمی)

یلزم الرجل الاستبراء..... والمراد طلب براءۃ المخرج عن اثر الرشح حتی یزول اثر البول بزوال البلل الذی یظھر علی الحجر بوضعہ علی المخرج وحینئذ یطمئن قلبہ ای الرجل ولا تحتاج المرأۃ الی ذلک بل تصبر قلیلا ثم تستنجی واستبراء الرجل علی حسب عادتہ اما بالمشی او التنحنح او الاضطجاع علی شقہ الایسر.

ولما فی الشامی:(۳۴۷/۱، طبع سعید)

قلت بل صرح فی الغزنویۃ بانھا تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانھا لا استبراء علیھا بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعۃ لطیفۃ ثم تمسح قبلھا ودبرھا بالاحجار ثم یستنجی بالماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفی عنہ

۵ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر: ۱۰۴۸

﴿ریح کے نکلنے سے استنجاء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ اگر کسی

…شخص کی ریح نکل جائے تو استنجاء کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا یا نہیں؟ مستفتیہ: ایک سائلہ

﴿جواب﴾ ریح خارج ہونے سے استنجاء ضروری نہیں ہوگا، البتہ ریح کے ساتھ غلاظت بھی خارج ہو جائے تو استنجاء کرنا چاہیئے بلا وجہ وسوسہ نہ کریں۔

لمافی حاشیته الطحطاوی:(ص ٤٢،طبع قدیمی)

لان الریح طاهر علی الصحیح والاستنجاء منه بدعة.

ولمافی التنویر:(١/٣٣٥-٣٣٦،طبع سعید)

فلایسن من ریح وحصات ونوم وفصد ....فلایسن من الریح بل هو بدعة وهو الاستنجاء من الریح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

یکم صفر ١٤٢٩ھ — فتویٰ نمبر: ١١٥٤

﴿كتاب الصلوٰة﴾

﴿پانچوں نمازوں کا ثبوت قرآن مجید سے﴾

مستفتی: طارق علیم

﴿سوال﴾ کیا پانچ نمازوں کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن کریم سے پانچ نمازوں کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً تفسیر روح المعانی میں ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الالوسی البغدادی قرآن کریم کی آیت "فسبحن الله حين تمسون وحين تصبحون"......الخ سے پانچ نمازوں پر استدلال کرتے ہیں، اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی اس آیت مبارکہ کو پانچ نمازوں کے ثبوت میں ذکر کیا ہے۔

لما فی روح المعانی ۲۱/۰ ۲طبع رشیدیة)

عن ابى رزين قال :جاء نافع بن الازرق الى ابن عباس فقال :هل تجد الصلوات الخمس فى القرآن ؟فقال نعم فقرأ "فسبحان الله حين تمسون"صلوة المغرب "وحين تصبحون "صلوة الصبح "وعشيا "صلوة العصر "وحين تظهرون"صلوة الظهر ,وقرأ ومن بعد الاية مواقيت الصلوة "فسبحان الله حين تمسون"المغرب العشاء "وحين تصبحون "الفجر "وعشيا "العصر "وحين تظهرون "الظهر

(ولما فی التفسیر المظہری ۲۲۷/۷طبع رشیدیه)

اخرج ابن جرير والطبرانى والحاكم قول ابن عباسؓ ان الاية جامعة للصلوات الخمس حين تمسون كناية عن المغرب والعشاء جميعاً وقال البغوى قال نافع بن الازرق لابن عباسؓ هل تجد الصلوات الخمس فى القرآن قال ابن عباسؓ نعم وقرأ هاتين الاثنتين وقال جمعت هذه الاية الصلوات الخمس ومواقيتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی

۵شعبان ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر:

﴿فصل فی اوقات الصلوٰة﴾

﴿اوقات نماز کے مسائل﴾

﴿پانچوں نمازوں اور وتر کے پڑھنے کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پانچوں نمازوں اور وتر

کے پڑھنے کا بہتر وقت کونسا ہے، اول وقت، یا آخر وقت، یا درمیان کا وقت اور کیا مردوں اور عورتوں کا اس میں کوئی فرق بھی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فجر کی نماز ہر موسم میں خواہ گرمی ہو یا سردی وقت کے آخری حصہ میں پڑھنا مستحب ہے البتہ سورج نکلنے میں کم از کم اتنا وقت باقی ہو کہ اگر خدانخواستہ نماز کسی وجہ سے اگر فاسد ہوگئی تو دوبارہ وقت کے اندر پڑھنے کا موقع ملے، ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے یعنی وقت کے شروع میں اور گرمیوں میں تأخیر سے پڑھنا لیکن تأخیر اتنی نہیں کرنی چاہیے کہ سایہ اصلی نکال کر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اس لیے کہ بعض ائمہ حضرات کے نزدیک اس وقت عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے.

عصر کی نماز ہر موسم میں تأخیر سے پڑھنا مستحب ہے لیکن تأخیر اتنی نہ ہو کہ سورج کا رنگ متغیر ہو جائے بلکہ اس سے پہلے پہلے نماز پڑھ لینی چاہیے، ورنہ مکروہ ہوگی. مغرب کی نماز کا مستحب وقت یہ ہے کہ جیسے ہی سورج غروب ہو اور مغرب کا وقت شروع ہو جائے تو فوراً پڑھ لی جائے.

عشاء کی نماز کا مستحب وقت سردیوں میں تو یہ ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو پڑھ لی جائے، لیکن گرمیوں میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے. اور وتر میں مستحب یہ ہے کہ اگر آدمی کو قوی امید ہو کہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو سکے گا تو رات کے آخری حصہ تک مؤخر کرلے ورنہ عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے.

نیز عورت کیلئے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے اور فجر کے علاوہ باقی نمازیں اس وقت پڑھے جب مرد جماعت سے فارغ ہو جائیں، ایسے ہی حاجی جب یوم النحر کو مزدلفہ کے مقام پر ہوتا ہے تو خواہ مرد ہو یا عورت فجر کی نماز اس کے لئے اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے.

لما فی بذل المجهود (۱/۲۰۰، طبع: مکتبة الشيخ)

(۱) عن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ اصبحوا بالصبح فانه اعظم لأجوركم او اعظم للأجر.

(۲) عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا اشتد الحر فابردوا عن

الصلوة قال ابن موعب بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم.(۱/۲۳۶،۲۳۷)

(۳)يزيد بن عبدالرحمن بن علي بن شيبان عن ابيه عن جده علي بن شيبان قال قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر مادامت الشمس بيضاء نقية.(۱/۲۳۷،۲۳۸)

(۴)عن انس بن مالک قال كنا نصلي المغرب مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم نرمي فيرى احدنا موضع نبله.(۱/۲۴۲)

(۵)عن عبدالله بن عمر قال مكثنا ذات ليلة ننتظر رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلوة العشاء فخرج الينا حين ذهب ثلث الليل اوبعده فلاندرى اشئى شغله ام غيرذالک فقال حين خرج اتنتظرون هذه الصلوة لولاان تثقل على امتى لصليت بهم هذه الساعة ثم امر المؤذن فأقام الصلوة .(۱/۲۴۳)

(۶)عن ابن عمران النبي صلى الله عليه وسلم قال بادروا الصبح بالوتر(۲/۳۳۱)

ولما فى التنوير مع الدر(۱/۳۶۶تا۳۶۹،طبع:سعيد)

(والمستحب)للرجل(الابتداء)في الفجر(باسفار والختم به)هو المختار بحيث يرتل اربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد،وقيل يؤخر جدا لأن الفساد موهوم(الا الحاج بمزدلفة)فالتغليس افضل كمرأة مطلقا .

وفى غير الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة(وتأخير ظهر الصيف)بحيث يمشى فى الظل(مطلقا)كذا فى مجمع وغيره ،اى بلا اشتراط شدة حر وحرارة بلد وما فى الجوهرة وغيرها من اشتراط ذالک منظور فيه(وجمعة كظهر أصلا واستحبابا)في الزمانين لانها خلفه(و)تأخير(عصر)صيفا وشتاء توسعة للنوافل(مالم يتغير ذكاء)بأن لاتحار العين فيها في الأصح(و)تأخير(عشاء الى ثلث الليل)قيده في الخانية وغيرها بالشتاء،اما الصيف فيندب تعجيلها(فان اخرها الى مازاد على النصف)كره لتقليل الجماعة،اما اليه فمباح(و)أخر(العصر الى اصفرار ذكاء)فلو شرع فيه قبل التغير فمده اليه لايكره (و)أخر(المغرب الى اشتباك النجوم)اى كثرتها(كره)اى التأخير لا الفعل لأنه مامور به(تحريما)الا بعذر كسفر وكونه على أكل(و)تأخير(الوتر الى آخر الليل لواثق بالانتباه)والا فقبل النوم،فان فاق وصلى نوافل والحال انه صلى الوتر اول الليل فانه الأفضل.(والمستحب تعجيل ظهر شتاء)يلحق به الربيع،وبالصيف الخريف(و)تعجيل(عصر وعشاء يوم غيم و)تعجيل(مغرب مطلقا).

ولما فى الفقه الاسلامى وادلته(۱/۶۷۰،طبع:سعيد)

واما النساء،فالأفضل لهن الغلس(الظلمة)،لأنه استر،وفي غير الفجر ينتظرن فراغ

الرجال من الجماعة وكذالك التغليس افضل للرجل والمرأة لحاج بمزدلفة.

ولمافي الشامي (۱/۳۶۶،طبع:سعید)

(قوله وتأخير ظهر الصيف)......... (قوله بحيث يمشي في الظل) عبارة البحر والنهر و غيرهما: وحده ان يصلي قبل المثل وهي اولى لماان مثل حيطان مصر يحدث الظل فيها سريعا لعلوها. وقد يقال: ان اعتبار المشي في الظل بيان لاول الوقت المستحب، ومافي البحر وغيره بيان لمنتهاه: وفي ط عن الحموي عن الخزانة: الوقت المكروه في الظهران يدخل في حد الاختلاف، واذا اخره حتى صار ظل كل شئي مثله فتدخل في حد الاختلاف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۱۹۳

﴿عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مردوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ صبح کی نماز میں تأخیر کریں تو کیا عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا زیادہ افضل ہے، اور مردوں کی نماز باجماعت روشنی میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (۱/۳۶۶،طبع: سعید)

(والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (بالاسفار والختم به) هوالمختار......... (الا الحاج بمزدلفة) فالتغليس افضل كمرأة مطلقا، وفي غير الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة.

ولمافي الفقه الاسلامي: (۱/۶۷۰،طبع: رشیدیہ)

وأما النساء: فالافضل لهن الغلس (الظلمة) لانه استر، وفي غير الفجر ينتظرن فراغ الرجال من الجماعة، وكذلك التغليس افضل للرجل والمرأة بمزدلفة.

ولما في البحر الرائق: (۱/۲۴۸،طبع: سعید)

الافضل للمرأة في الفجر الغلس وفي غيرها الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة.

ولما في حاشية الطحطاوي (ص: ۱۸۲،طبع: قدیمی)

(للرجال) الا في مزدلفة للحاج فان التغليس لهم افضل لواجب الوقوف بعده بها كما هو في

حق النساء دائما لانه اقرب للستر وفي غير الفجر الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۵۵

﴿ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے وقت نماز آجائے تو نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی سمت ہوائی سفر کرے اور مسلسل کئی گھنٹے پرواز کے بعد بھی نماز کا وقت نہ آئے، مثلاً (کراچی سے) جمعہ کے دن صبح ۹ بجے پرواز شروع ہوئی اور مسلسل ۱۵ گھنٹے کی پرواز کے بعد جب اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچے تو وہاں کے وقت کے مطابق جمعہ ہی کے ۲ بج رہے تھے اور سفر کے اس پورے دورانیہ میں سورج ہو تو اس صورت میں نمازوں کا کیا ہوگا؟ جبکہ وقت نماز متوجہ ہی نہیں ہوا۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اللہ تعالی نے دن رات میں پانچ نمازیں اوقات مقررہ پر فرض فرمائی ہیں، صورت مسئولہ میں میں کئی گھنٹے پرواز کے دوران سورج کا بھی چونکہ ساتھ ساتھ سفر ہو رہا ہے اور فجر کی نماز کے بعد ابتک اس مسافر پر کوئی دوسرا وقت آیا نہیں ہے، چنانچہ مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد اسی دن کے ۲ بجے کا وقت ہے، لہٰذا اس وقت یہ مسافر صرف نماز جمعہ یا ظہر کی نماز پڑھے، گھنٹے اگرچہ زیادہ گزر رہے ہیں لیکن اس کے حق میں گویا وقت لمبا ہوگیا۔

لما في التاتارخانية: (۱/۲۹۸، طبع قديمي)

وردفتوى في زمن الصدر الكبير برهان الائمة وفيه.....انالانجدوقت العشاء في بلدتنا وان الشمس كماتغرب يطلع الفجر من الجانب الاخر هل علينا صلوة العشاء، فكتب في الجواب: انه ليس عليكم صلاة العشاء، وفي الظهيرية والصحيح أنه ينوى القضاء لفقدوقت الأداء..... الخ.

ولما في الشامي: (۱/۳۶۲، طبع سعيد)

(فيقدر لهما)........ولم ارمن سبقه اليه سوى صاحب الفيض، حيث قال: ولو كانوا في بلدة يطلع فيها قبل غيبوبة الشفق لايجب عليهم صلاة العشاء لعدم السبب، وقيل يجب ويقدر الوقت..... ولان هذه مسئلة نقلوا فيها الاختلاف بين ثلاثة من مشايخنا وهم البقالي

والحلواني والبرهان الكبير فافتى البقالي لما ارسل اليه الحلواني من يسأله عمن اسقط صلاة من الخمس ايكفر؟ فاجاب السائل بقوله: من قطعت يداه او رجلاه كم فروض وضوئه فقال ثلاث لفوات المحل قال فكذلك الصلاة. فبلغ الحلواني بعدم الوجوب، واما البرهان الكبير فقال بالوجوب لكن قال في الظهيرية وغيرها: لاينوى القضاء في الصحيح لفقد وقت الاداء واعترضه الزيلعي بان الوجوب بدون السبب لايعقل، وبانه اذا لم ينو القضاء يكون اداء ضرورة وهو اى الاداء فرض الوقت ولم يقل به احد اذ لا يبقى وقت العشاء بعد طلوع الفجر اجماعا وايضا فان من جملة بلادهم مايطلع فيها كما غربت الشمس كما في الزيلعي وغيره فلم يوجد وقت قبل الفجر يمكن فيه الاداء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۷

﴿افطار کی وجہ سے مغرب کی نماز ادا کرنے میں تأخیر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ مغرب کی نماز میں افطار کیوجہ سے تأخیر کردیتے ہیں، کیا افطار کیوجہ سے مغرب میں تأخیر کرنا جائز ہیں۔

﴿جواب﴾ مغرب کی نماز میں دو رکعت کی مقدار تأخیر کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ تأخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ رمضان المبارک میں جب بھوک زیادہ ہو تو چند منٹ کی تأخیر جائز ہے بشرطیکہ یہ تأخیر ستاروں کی کثرتِ تعداد میں چمکنے تک نہ پہنچے، اس لئے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (۲۷/۲، طبع امدادیه)

(و) اخر (المغرب إلى اشتباك النجوم) اى كثرتها (كره) اى التأخير لا الفعل لانه مأمور به (تحريما) إلا بعذر كسفر وكونه على أكل...... (وتعجيل مغرب مطلقا) وتأخيره قدر ركعتين تنزيها.

لما في التاتارخانية: (۳۰۰/۱، طبع قديمي)

وأما المغرب فيكره تأخيرها إذا غربت الشمس، وفي "السراجية" إلا بعذر السفر بأن كان على المائدة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۴۴

﴿بغیر کسی عذرِ شرعی کے نماز کو اپنے وقت میں ادا نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں اتوار بازار میں کام کرتا ہوں، دن میں ظہر کی نماز کے وقت گاہکوں کی کثرت ہوتی ہے، میرے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے مغرب کے وقت پڑھنے سے نماز اداء ہوجاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور میں اس نماز کو مؤخر کرسکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپ کیلئے نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے معمولی بہانے مثلاً سفر، دکان وتجارت اور ملازمت کی وجہ سے وقتی نماز میں اس قدر تاخیر کرنا کہ قضاء ہوجائے گناہِ کبیرہ ہے، بعد میں قضاء پڑھنے سے گو بالکل نماز نہ پڑھنے کے برابر گناہ نہیں ہوتا لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے جس سے خلاصی توبہ یا حج کے بغیر نہیں ہوسکتی، لہٰذا مولوی صاحب کی بات قابل افسوس ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۲۶/۱،فی باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین،طبع فاروقی ملتان)

"عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من جمع بین صلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر".

ولمافی الدرالمختار:(۶۲/۲،فی باب قضاء الفوائت،طبع سعید)

"لم یقل المتروکات ظنا بالمسلم خیراً،اذالتأخیر بلا عذر کبیرۃ لاتزول بالقضاء بل بالتوبۃ اوالحج،ومن العذر العدو،وخوف القابلۃ موت الولدالخ.

ولمافی البحر:(۷۹/۲،طبع سعید)

"والظاهران المرادبالمأثم ترک الصلاۃ......ویجوز تأخیر الصلاۃ عن وقتها العذر".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۳۴

﴿دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سفر کی حالت میں اگر مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں اکٹھی پڑھی جائیں تو اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنا فرض ہے، البتہ سفر وغیرہ میں اتنی گنجائش ہے

کہ ایک وقت کی نماز مثلاً مغرب کی نماز وقت کے آخری حصہ میں اور عشاء کی نماز شروع وقت میں ادا کر لی جائے تو یہ صورتاً جمع کرنا ہوا اسکی گنجائش ہے لیکن مغرب کو بالکل عشاء کے وقت میں یا عشاء کی نماز قبل از وقت مغرب کے وقت میں پڑھنا ہرگز جائز نہیں، البتہ صرف حاجیوں کے لیے یوم عرفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھنے کا مستقل حکم ہے۔

لمافی المبسوط:(۱/۱۴۹،طبع دار الکتب بیروت)

(ولا یجمع بین صلاتین فی وقت احدهمافی حضرولافی سفر)ماخلاعرفةومزدلفةفان الحاج یجمع بین الظهروالعشاء بعرفات فیؤدیهمافی وقت الظهروبین المغرب والعشاء بمزدلفةفیؤدیهمافی وقت العشاء علیه اتفق.

ولمافی الهندیة:(۱/۵۲،طبع رشیدیه)

ولایجمع بین الصلاتین فی وقت واحدلافی السفرولافی الحضربعذرماعداعرفة والمزدلفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۶ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۱۸۸۹

﴿صلوٰۃ عشاء کے وقت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ ہماری مسجد میں وقت کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے ایک وقت ایسا آتا ہے جس میں عشاء کی نماز اوقات نماز کا جو نقشہ ہے اُس کے لحاظ سے پہلے ہوتی ہے مثلاً ۷:۴۵ پر عشاء کا وقت داخل ہوتا ہے اور نماز ۷:۳۰ پر ہوتی ہے یا نماز وقت داخل ہونے پر ہوتی ہے مگر اذان پہلے ہوتی ہے امام صاحب سے اس سے متعلق بات کی تو اُنہوں نے کہا کہ یہ ضروری نہیں بلکہ نماز مغرب کے بعد سوا گھنٹہ کا وقفہ کافی ہے اور نماز ہو جاتی ہے۔

براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ امام صاحب کا قول صحیح ہے؟ اس پر عمل کیا جائے یا کلینڈر کے مطابق عشاء کی نماز پڑھی جائے؟ مستفتی: شیر نواز

﴿جواب﴾ وقت کے داخل ہونے سے پہلے نہ نماز صحیح ہے نہ اذان، باقی رہا عشاء کا وقت سو وہ مختلف موسموں میں الگ الگ ہوتا رہتا ہے، احتیاط اس میں ہے کہ ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ کیا جائے، اس سلسلے میں مختلف اداروں کی طرف سے نقشے چھپتے ہیں اُن کی طرف بھی مراجعت کرلیں۔

لما في قوله تعالى:(سورة النساء،آيت ۱۰۳)

ان الصلوٰة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً..... الآية.

ولما في الهداية:(ص۹۰،طبع رحمانيه)

ولا يؤذن لصلوٰة قبل دخول وقتها ويعاد في الوقت لأن الأذان للاعلام وقبل الوقت تجهيل ..... الحجة على الكل قوله عليه الصلوٰة والسلام لبلالؓ "لاتؤذن حتىٰ يستبين لك الفجر.

ولما في امداد الفتاوى:(۱/۱۵۰،طبع دار العلوم كراچى)

غروب سے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۷۳

﴿نماز مغرب اذان کے بعد تاخیر سے پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ اکثر مساجد میں لکھا ہوتا ہے کہ نماز مغرب اذان کے ۲ منٹ بعد یا ۳ منٹ بعد یا ۵ منٹ بعد ہوگی اور اس پر عمل بھی ہوتا ہے کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اس سے نماز مکروہ تو نہیں ہوتی؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا جس میں دو رکعت اداء کی جاسکیں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے، اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اتنی تاخیر کرنا کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔

لما في الدر مع الرد:(۲/۲۹،طبع امداديه)

(والمستحب)..... (تعجيل مغرب مطلقاً) وتاخيره قدر ركعتين يكره تنزيها.

وفي الشامية: وان ما في القنية من استثناء التاخير القليل محمول على ما دون الركعتين وأن الزائد على القليل الى اشتباك النجوم مكروه تنزيها، وما بعده تحريما الا بعذر قال في شرح المنية: والذى اقتضته الأخبار كراهة التاخير الى ظهور النجم وما قبله مسكوت عنه، فهو على الاباحة وان كان المستحب التعجيل. اهـ ونحوه ما قدمناه عن الحلية.

لہٰذا نماز مغرب میں ۳ یا ۴ منٹ کی تاخیر تو درست ہے کیونکہ اس میں ۲ رکعت اداء ہو جاتی ہیں لیکن اس سے زیادہ تاخیر درست نہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الثانیہ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۸۴

﴿چاشت اور اشراق کے وقت کا تعین﴾

﴿سوال﴾ چاشت اور اشراق کی نمازوں کا وقت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ طلوع کے بعد جب آفتاب میں تیزی آجائے، ایک یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہو جائے تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اسکی مقدار ہر مقام اور موسم میں مختلف ہوتی رہتی ہے، عام طور پر طلوع کے بعد ۱۵ سے ۲۰ منٹ کے درمیان کا وقت ہوتا ہے لیکن اصل بات یہی ہے کہ مقام اور موسم کا اعتبار ہوگا۔

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے، چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے اور اسکا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: (۲/۲۲، طبع ایچ ایم سعید)

(و) ندب (أربع فصاعدا فی الضحیٰ) علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتہا المختار بعد ربع النہار۔

ولمافی اعلاء السنن: (۷/۲۲-۲۳، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

فقد قال العلامۃ سراج احمد فی شرح الترمذی لہ: ان المتعارف فی اول النہار صلاتان، الأولی بعد طلوع الشمس وارتفاعہا قدر رمح أو رمحین، ویقال لہا: صلاۃ الاشراق، والثانیۃ عند ارتفاع الشمس قدر ربع النہار الی ما قبل الزوال، ویقال لہا: صلاۃ الضحی واسم الضحی فی کثیر من الاحادیث شامل لکلیہما، وقد ورد فی بعضہا لفظ الاشراق أیضاً، فقد اخرج السیوطی عن أم ہانیء أن رسول اللہ ﷺ قال لہا: "یا أم ہانی، ہذہ صلاۃ الاشراق" وعزاہ الی الطبرانی وبالجملۃ فقد ورد اطلاق الاشراق والضحی علی کل من الصلاتین، وبعضہم یطلقون علی الأولی الضحوۃ الصغری وعلی الثانیۃ الضحوۃ الکبری. اھ (۱: ۲۲۳) وقد ورد حدیث فی "سنن الترمذی (۱: ۷۷) دال علی التغایر

بین صلاة الاشراق والضحی، وهو ما رواه عن علی رضی الله عنه: "کان رسول الله ﷺ اذا کانت الشمس من ههنا کهیئتها من ههنا عند العصر صلی رکعتین، واذا کانت الشمس من ههنا الحدیث." قال أبو عیسیٰ: حدیث حسن. هـ ولفظ النسائی "کان نبی الله ﷺ اذا زالت الشمس من مطلعها قدر رمح أو رمحین کقدر صلاة العصر من مغربها صلی رکعتین ثم أمهل حتی اذا ارتفع الضحی صلی أربع رکعات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۶

﴿مکروہ اوقات کا بیان﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب وہ کون کون سے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا؟

﴿جواب﴾ وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے دو طرح کے ہیں۔

(۱) وہ اوقات ''جن میں ہر طرح کی نماز فرائض ونوافل مکروہ اور ممنوع ہیں، ادا ہوں یا قضاء نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت وسجدہ سہو وغیرہ'' تین ہیں:

(الف) سورج طلوع ہونے کے وقت (ب) زوال کے وقت (ج) غروب کے وقت، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے اگر چہ نماز مکروہ ہوگی تاہم قضاء کرنے سے بہتر ہے۔ اور نماز جنازہ میں بھی افضل یہی ہے کہ جب حاضر ہوتو پڑھ لی جائے کیونکہ نماز جنازہ میں تعجیل (جلدی کرنے) کا حکم ہے۔

(۲) وہ اوقات ''جن میں صرف نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، ادا، قضاء سجدہ تلاوت نماز جنازہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے'' دو ہیں:

(الف) طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک (ب) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک

لما فی التنویر والدر: (۳۷۱/۱، طبع: سعید)

(وکره) تحریماً، وکل ما لا یجوز مکروه (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (علی جنازة وسجد تلاوة وسهو) لا شکر، قنیة (مع شروق) الا العوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها، والاداء جائز عند البعض اولی من الترک (واستواء) الا یوم

الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد (وغروب الا عصر يومه) فلا يكره فعله......وفي التحفة :الافضل ان لا تؤخر الجنازة .

قال الشامي:(قوله وفي التحفة الخ) هو كالاستدراك على مفهوم قوله اى تحريما ،فانه اذا كان الفضل عدم التاخير في الجنازة فلا كراهة اصلاً .

(وكره نفل) قصدا ولو تحية مسجد (وكل ما كان واجبا) لا لعينه بل (لغيره) وهو ما يتوقف وجوبه على فعله (كمنذور،وركعتي طواف،اسجدتي سهو(والذى شرع فيه) في وقت مستحب أو مكروه (ثم افسده و)لو سنة فجر (بعد صلوة الفجر و(صلوة العصر)ولو المجموعة بعرفة (لا)يكره (قضاء فائتة و)لو وترا او (سجد تلاوة وصلوة جنازة وكذا)الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب بعينه (بعد طلوع الفجر سوى سنته)لشغل الوقت به تقديرا حتى لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۷ شعبان ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:

﴿مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مکروہ وقت میں تلاوت کرتے ہوئے سجدہ تلاوت واجب ہو جائے تو وقت نکلنے کا انتظار کرے یا اسی وقت ادا کرے؟

﴿جواب﴾ اگر مکروہ وقت (طلوع آفتاب ،زوال آفتاب ،اورغروب آفتاب) میں تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ تلاوت کی تو افضل یہ ہیکہ مکروہ وقت نکل جانے کے بعد ادا کرے،اوراگر اسی وقت ادا کرلیا تو ہو جائیگا،لیکن کراہت سے خالی نہیں ہے۔

لمافي الحلبي الكبيرى (ص۶۰۸)

واذاتلا فيهاأى في وقت من الأوقات الثلا ثة آية السجدة فالأفضل أن لايسجدها فيه ،ولافي غيره من الأوقات الثلاثة لأنهاوان صحت لوجوبهابالسبب الذى أديت به الاأن الكراهة موجودة لحصول الفعل الشبيه بعمل الكفار مع أن تأخيرهالا يؤدى الى فواتهاوصيرورتهاقضاء؛لأن ماليس مقيدابوقت لايتأتى فيه القضاء ،بل متى فعل فهو أداء وسجدة التلاوة من هذاالقبيل .

ولمافي الشامي(۱/۲۴۳)ط،س

واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان :الأول :الشروق ،والاستواء،والغروب. والثاني: ما بين الفجروالشمس،ومابين صلاة العصر الى الاصفرار،فالنوع الأول لاينعقدفيه شيء،

من الصلوات التی ذکرنا ھا اذاشرع بھا فیه وتبطل ان طرأ علیھا الا صلاۃ جنازۃ حضرت فیھا ،وسجدۃ تلاوۃ تُلیت آیتھا فیھا ،وعصر یومه، والنفل، والنذر المقیّدبھا، وقضاء ماشرع فیه ثم أفسده،فتنعقدھذه الستۃ بلاکراھۃ أصلاًفی الأولی منھا،ومع الکراھۃ التنزیھیۃ فی الثانیۃ ،والتحریمیۃ فی الثالثۃ ،وکذا فی البواقی لکن مع وجوب القطع والقضاء فی وقت غیر مکروہ .والنوع الثانی ینعقد فیه جمیع الصلوات التی ذکرناھا من غیر کراھۃ ،الا النفل والواجب لغیرہ فانه ینعقد مع الکراھۃ،فیجب القطع والقضاء فی وقت غیرمکروہ .

ولما فی الھندیۃ(ج۱ص۱۲۵)رشیدیه

ولوتلاھافی وقت مباح فسجد ھافی أوقات مکروھۃ لم یجز،ولوتلاھافی أوقات مکروھۃ فسجد فی ھذہ الأوقات جاز.

ولمافی الخانیۃ (ج۱ص۱۵۷)

ولایجوزأدائھافی الأوقات المکروھۃالا أن یقرأفی ذلک الوقت .

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :سیف اللہ

۲۱ ربیع الثانیہ ۱۴۲۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۲۰۶

﴿مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟اسی طرح طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟اگر کسی نے ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھ لی تو کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اگر جنازہ انہی اوقات میں آیا ہے تو پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں ہے پہلے سے آیا ہو تو تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنے کی اجازت نہیں بلکہ ممنوع ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۳۴-۳۵،طبع امدادیه)

(لا)ینعقد(الفرض)وماھوملحق به کواجب لعینه کوتر(وسجدۃتلاوۃ،وصلاۃجنازۃ تلیت)الآیۃ(فی کامل وحضرت)الجنازۃ(قبل)لوجوبه کاملاًفلایتأدی ناقصاً،فلو وجبتافیھالم یکرہ فعلھما:ای تحریماً.وفی التحفۃ:الافضل أن لاتؤخرالجنازۃ.وفی الشامیۃ:(وفی التحفۃ الخ)ھوکالاستدراك علی مفھوم قوله "أی تحریماً" فانه اذاکان الأفضل عدم التأخیرفی الجنازۃفلاکراھۃأصلاً،ومافی التحفۃأقرہ فی البحروالنھر

والفتح والمعراج لحديث "ثلاث لايؤخرن: منها الجنازة اذا حضرت" الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۵

﴿کسی عذر کی وجہ سے نماز عصر کو مثل اوّل کے فوراً بعد پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری جماعت رائیونڈ سے پشاور بذریعہ بس سفر کر رہی تھی راستے میں بس ایسے وقت رکی کہ مثل اوّل گزر چکا تھا اور ہمیں غالب گمان یہ تھا کہ مثل ثانی گزرنے کے بعد ہمارے کہنے کے باوجود ڈرائیور گاڑی نہیں روکے گا، عرض یہ ہے کہ ہمارے لئے ایسی صورت میں عصر کی نماز مثل اوّل گزرنے کے بعد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: ابوامین صاحب چارسدہ

﴿جواب﴾ عصر کی نماز مثلین کے بعد ہی پڑھنی چاہیے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے تاہم عذر کی وجہ سے مثل اوّل کے بعد بھی پڑھنے کی گنجائش ہے۔ لہٰذا آپ کے لئے مذکورہ عذر کیوجہ سے عصر کی نماز مثل اول کے بعد مثل ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لمافی مرقاة المفاتیح: (۲۳/۱، طبع دارالفکر بیروت)

عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال امّنی جبرئیل عندالبیت مرتین فصلی الظهرفی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراك ثم صلی العصرفی الاولی منهما حین کان کل شیء مثل ظله......وصلی المرة الثانیة الظهرحین کان ظل کل شیء مثله لوقت بالامس ثم صلی العصرحین کان ظل کل شیء مثلیه.

ولمافی عمدة القاری: (۴۹/۵، طبع رشیدیه)

وقوله (حین کان ظله مثلیه) بالتثنیة وهذا آخر وقت الظهر عند أبی حنیفة، لأن عنده: اذا صار کل شیء مثلیه ... یخرج وقت الظهر ویدخل وقت العصر وعند أبی یوسف ومحمد: اذا صار ظل کل شیء مثله یخرج وقت الظهر ویدخل وقت العصر.

ولمافی ردالمحتار: (۲۵۹/۱، طبع ایچ ایم سعید)

والاحسن مافی السراج عن شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لایوخر الظهرالی المثل، وان لایصلی العصرحتی یبلغ المثلین لیکون مودیاللصلاتین فی وقتهما بالاجماع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفااللہ عنہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۰۳

﴿عصر کے وقت تحیۃ الوضوء پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ آج کل مساجد میں عصر کی نماز ساڑھے چار بجے ہوتی ہے ساڑھے چار بجے کے بعد مستورات تحیۃ الوضوء کے نفل پڑھ سکتی ہیں؟ نیز مکروہ وقت میں عصر کی نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ خواہ تاخیر کسی بھی وجہ سے ہوئی ہو۔

﴿جواب﴾ فرض نماز اگر نہیں پڑھی تو مستورات تحیۃ الوضوء کے نفل پڑھ سکتی ہیں، ہاں اگر فرض نماز پڑھ لی تو پھر نوافل نہیں پڑھ سکتیں۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۳۷،طبع سہیل اکیڈمی)

(الا)ان یکون الوضوء فی(وقت مکروہ)فانہ لایصلی لان ترک المکروہ اولی من فعل المندوب.

مکروہ وقت میں اسی دن کی نماز عصر پڑھ سکتے ہیں اور نماز ادا شمار ہوگی اگر چہ مکروہ ہوگی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۷۰،طبع ایچ ایم سعید)

(وکرہ)صلاۃ مطلقا(ولو قضاء)اوواجبۃ اونفلا او(علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو)..... (مع شروق)......(واستواء)وغروب الاعصر یومہ"فلا یکرہ فعلہ لادائہ کما وجب بخلاف الفجر....."وقولہ غروب"ارادبہ التغیر کماصرح بہ فی الخانیہ حیث قال عنداحمرار الشمس الی ان تغیب،بحر وقہستانی قولہ"الاعصر یومہ"قید بہ لان عصر امسہ لایجوز وقت التغیر لثبوتہ فی الذمۃ کامل.....الخ.

ولمافی التاتارخانیۃ:(۱/۲۰۱،طبع قدیمی)

الاوقات التی یکرہ فیہا الصلاۃ خمسۃ ثلاثۃ یکرہ فیہا التطوع والفرض وذلک عند طلوع الشمس ووقت الزوال وعند غروب الشمس الاعصر یومہ فانہا لایکرہ عند غروب الشمس،ووقتان آخران یکرہ فیہما التطوع وھما بعد طلوع الفجر الی طلوع الشمس الارکعتی الفجر ومابعد صلاۃ العصر الی وقت غروب الشمس ولایکرہ فیہما الفرائض ولاصلاۃ الجنازۃ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۲۸/۱/۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۰۳۹

﴿مکروہ اوقات میں قضاء نمازوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں،علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عصر اور

فجر کے وقت میں قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور عصر کے مکروہ وقت میں قضاء کا کیا حکم ہے؟ اوراس کی کیا وجہ ہے کہ عصر کی نماز آفتاب غروب ہوتے ہوئے بھی ہوجاتی ہے لیکن فجر کی نماز طلوع آفتاب سے ٹوٹ جاتی ہے۔

مستفتیہ: یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ ان اوقات میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے، اسی طرح عصر کے مکروہ وقت میں قضاء نماز درست نہیں اگر اس وقت نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

رہی وجہ اس بات کی کہ عصر کی نماز غروب ہوتے ہوئے بھی ہوجاتی ہے لیکن فجر کی نماز طلوع آفتاب سے ٹوٹ جاتی ہے تو اس کی وجہ فقہاء کرامؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ فجر کا سارا وقت کامل ہوتا ہے بخلاف عصر کے کہ اس میں اصفرار شمس تک وقت کامل ہوتا ہے لیکن اصفرار کے بعد ناقص وقت شروع ہوجاتا ہے، پس دوران نماز فجر اگر سورج طلوع ہوجائے تو وقت میں فساد آجانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ نماز شروع تو کامل وقت میں کی تھی اور اب اداء ناقص وقت میں ہوئی لیکن اگر عصر کی نماز اصفرار شمس کے وقت شروع کردی اور اس دوران سورج غروب ہوگیا تو نماز ہوجائے گی اگرچہ مکروہ ہوگی، اس لئے کہ نماز شروع ناقص وقت میں کی تھی اور سورج کے غروب ہونے کے بعد کا وقت بھی ناقص ہے، پس اداء کما وجب ہوگئی۔

لما فی الصحیح لمسلم: (۲۷۶/۱، طبع قدیمی)

عن عقبة بن عامر الجهنیؓ یقول: ثلاث ساعات كان رسول ﷺ نهانا ان نصلی فیهن او نقبر فیهن موتانا حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل الشمس وحین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب.

ولما فی جامع للترمذی: (۲۵/۱، طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عباسؓ قال غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ منهم عمر بن الخطابؓ وكان من احبهم الی ان رسول الله ﷺ نهانا عن الصلاة بعد الفجر حتی تطلع الشمس وعن الصلاة بعد العصر حتی تغرب الشمس.

ولما فی الدر: (۳۶/۲، امدادیه)

وكره نفل قصدا ولو تحیة المسجد لا یکره قضاء فائتة ولو وترا. وفی الشامی: (۳۲/۲، امدادیه)

ولما فی التاتارخانیة:(۱/ ۳۰۱،طبع قدیمی)

ولا یجوز فی هذه الاوقات صلاة الجنازة..... ولا قضاء فرض ولو قضی فرضا من الفائتات فی هذه الاوقات یجب علیه اعادتها ..... ووقتان اخران یکره فیهما التطوع وهما بعد طلوع الفجر الی طلوع الشمس الا رکعتی الفجر ومابعد صلاة العصر الی وقت غروب الشمس ولا یکره فیهما الفرائض.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/ ۲۲-۳۳،طبع امدادیه)

(وغروب الاعصر یومه)فلا یکره فعله لادائه کما وجب بخلاف الفجر.

وفی الشامیة:قوله لادائه کما وجب لان السبب هو الجزء الذی یتصل به الاداء وهو هنا ناقص فقد وجب ناقصا فیؤدی کذلک قوله بخلاف الفجر ای فانه لا یؤدی فجر یومه وقت الطلوع لان وقت الفجر کله کامل فوجبت کاملة فتبطل بطرو الطلوع الذی هو وقت فساد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۴۵۶

﴿عشاء کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ ابتدائی وقت کی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ عشاء کا وقت مفتیٰ بہ قول کے مطابق شفق ابیض کے غائب ہوجانے کے بعد شروع ہوجاتا ہے، شفق ابیض کا معنی ہے مغرب کی نماز کے کافی دیر بعد اُفق پر سرخی آتی ہے پھر اس کے بعد وہ غائب ہوجاتی ہے پھر اس کے بعد سفیدی آتی ہے، اس سفیدی کے غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے، گھڑی کے حساب سے ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ پچیس منٹ کی تاخیر سے عشاء کا وقت داخل ہوجاتا ہے، اس مقصد کیلئے ہر علاقہ کے دائمی نقشے مل جاتے ہیں کسی مستند نقشہ سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔

لما فی الهدایة:(۱/ ۷۸،طبع رحمانیه)

ثم الشفق هو البیاض الذی فی الافق بعد الحمرة عند ابی حنیفةؒ وعندهما هو الحمرة وهو روایة عن ابی حنیفةؒ وهو قول الشافعیؒ لقوله علیه السلام الشفق الحمرة ولابی حنیفةؒ قوله علیه السلام وآخر وقت المغرب اذا اسود الافق وما رواه موقوف علی ابن

عمرؓ ذکرہ مالک فی الموطاء وفیہ اختلاف الصحابۃ.

ولمافی فتح القدیر:(۱/۲۲۳،طبع رشیدیہ)

ثم الشفق ھوالبیاض الذی فی الافق بعدالحمرۃ عندابی حنیفۃؒ.

ولمافی الشامی:(۲/۱۷،طبع امدادیہ)

قال فی الاختیار:الشفق البیاض وھومذھب الصدیق ومعاذبن جبل وعائشۃؓ......قال العلامۃ قاسم:فثبت أن قول الامام ھوالاصح......وقولہ احوط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمدوارث خان سواتی

۲۷محرم الحرام۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۱۳۸

﴿تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تہجد کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نیت سے نفل پڑھے تو تہجد کی فضیلت حاصل ہوجائے گی یا تہجد کیلئے پہلے سونا ضروری ہے؟   مستفتی:بہادرشیر صاحب پورن

﴿جواب﴾ تہجد کیلئے پہلے سونا ضروری نہیں ہے عشاء کی نماز کے بعد اس نیت سے نوافل پڑھنے سے تہجد کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے،البتہ فضیلت کے بھی کئی درجے ہیں سوکر تہجد کیلئے اُٹھنے میں مجاہدہ زیادہ ہے،اس لیئے فضیلت اور ثواب بھی زیادہ ہے،خصوصارات کے آخری تہائی حصہ میں اور آدھی رات گذرنے کے بعد کا وقت اس کیلئے بہترین وقت ہے،سوکر اُٹھنا مشکل ہو تو عشاء کے بعد وتر سے پہلے پڑھنے سے بھی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۲۴،طبع ایچ ایم سعید)

وروی الطبرانی مرفوعا لابدمن صلاۃ بلیل ولوحلب شاۃ وماکان بعدصلاۃ العشاء فھومن اللیل وھذایفیدأن ھذہ السنۃ تحصل بالتنفل بعدصلاۃ العشاء قبل النوم ولو جعلہ أثلاثافالاوسط افضل ولوانصافافالاخیرافضل وفی شرحہ ولوجعلہ اثلاثاأی لو اراد ان یقوم ثلثہ وینام ثلثیہ فالثلث الاوسط افضل من طرفیہ لان الغفلۃ فیہ اتم والعبادۃ فیہ اثقل ولواراد ان یقوم نصفہ وینام نصفہ فقیام نصفہ الاخیرافضل لقلۃ المعاصی فیہ غالباولحدیث الصحیح ینزل ربناالی سماء الدنیافی کل لیلۃ حین یبقی ثلث اللیل الاخیرفیقول من یدعونی فاستجیب لہ الی أخرالحدیث.

ولمافی اعلاء السنن:(۶۲/۷،طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن ایاس بن معاویۃ المزنی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیاحین یبقی ثلث اللیل الآخر قال المؤلف ظاہر حدیث ایاس من صلی ستۃ العشاء والوتر یحصل لہ فضل قیام اللیل ولکن الاولیٰ ان یقوم آخر اللیل کما یدل علیہ حدیث ابی ہریرۃ وروی البخاری عن مسروق قال سالت عائشۃ رضی اللہ عنہا ای العمل کان احب الی رسول اللہ ﷺ قالت الدائم قلت متی کان یقوم قالت کان یقوم اذا سمع الصارخ وفی فتح الباری الصارخ الدیک وجرت العادۃ بان الدیک یصیح عند نصف اللیل غالبا وقال ابن بطال یصرخ عند ثلث اللیل.وھکذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ:(۲۷/۲،طبع دار الفکر)

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

۲۲ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۲۳۷

﴿فصل فی الاذان والاقامۃ﴾

﴿اذان واقامت کے مسائل﴾

﴿کیا اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے یا اندر؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے اذان کہاں دینا سنت ہے مسجد کے اندر یا مسجد سے باہر اور باہر دینی چاہیئے تو پھر جمعۃ المبارک کی دوسری اذان امام کے سامنے مسجد کے اندر کیوں دی جاتی ہے صحیح طریقہ اذان سے آگاہ فرمادیں؟ مستفتی:ابواحمد

﴿جواب﴾ اذان میں سنت طریقہ یہ ہے کہ کسی اونچی جگہ کھڑے ہوکر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہیں دینی چاہیئے بلکہ مسجد سے باہر اذان دینا زیادہ مناسب ہے، ہاں بالکل منع بھی نہیں ہے، رہی جمعے کی دوسری اذان سو وہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینا منقول چلا آرہا ہے۔

لمافی العالمگیریۃ:(۵۵/۱،طبع رشیدیہ)

وینبغی أن یؤذن علی المأذنۃ أوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد.

ولمافی الھدایۃ:(۱۸۱/۱،طبع رحمانیہ)

واذاصعد الامام المنبر جلس وأذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلک جری التوارث.

ولما فی ردالمحتار:(۳۸/۲،طبع امدادیہ)

قوله:(ویؤذن ثانیابین یدیه)أی علی سبیل السنیة کمایظهرمن کلامهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۳رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۵۳

﴿الفاظ اذان کا صحیح تلفظ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے کہ ہمارے محلے کی مسجد میں مؤذن مقرر نہیں ہے جو شخص پہلے مسجد میں آتا ہے وہ اذان دیتا ہے اور اقامت کہتا ہے لیکن ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' میں پہلے اللہ اکبر کی را پر کوئی فتحہ پڑھتا ہے کوئی ضمہ اور کوئی ساکن پڑھتا ہے۔ان میں سے کونسا صحیح اور سنت موافق ہے۔جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی:حضرت ملک بونیری

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت میں بعض لوگ تجوید کے قواعد جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وصل کرتے ہوئے کلمہ کے آخری حرف کی حرکت اصلی کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ خلاف سنت ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ ''اللہ اکبر'' کی ''را'' حی علی الصلوۃ میں ''ۃ'' اور حی علی الفلاح میں ''ح'' اسی طرح قدقامت الصلوۃ میں ''ۃ'' کو جزم کے ساتھ پڑھے،وصلا اور فصلا ہر دونوں صورتوں میں لیکن وصل کی صورت میں مجزوم کا وصل مشکل ہوجاتا ہے اسلئے اخف الحرکات یعنی فتحہ کے ساتھ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے اور تجوید کے قاعدہ کے مطابق وصل کی صورت میں کلمہ کے آخری حرف کو اپنی اصلی حرکت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیئے۔

لمافی الشامی (۳۸۶/۱،طبع سعید)

وحاصلها ان السنة ان یسکن الراء من الله أکبر الاول اویصلها بالله أکبر الثانیة فان سکنها کفی وان وصلها نوی السکون فحرك الراء بالفتحة ،فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف علی أکبر الاول صیره کالساکن اصالة فحرك بالفتح.

ولما فی البدائع (۳۲۲/۱ طبع دالکتب العلمیة)

ومنهاان یکون التکبیر جزما،وهوقوله:الله أکبر،لقوله علیه السلام''الاذان جزم''

ولمافی البحر (۲۵۸/۱،طبع سعید)

ویسکن کلمات الاذان والاقامة لکن فی الاذان ینوی حقیقة وفی الاقامةینوی الوقف

ذکرہ الشارح وفی المبتغی والتکبیر جزم۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۱۱صفر ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر ۳۹۴۱

﴿اچھی آواز سے اذان دینا پسندیدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں تلحین یعنی ایسی سریلی آواز سے اذان دینا کہ حرکات، سکنات وغیرہ میں کمی بیشی واقع ہو جائے، کچھ کلمات بلند آواز سے اور کچھ پست آواز سے کہنا، تو ایسی اذان کا کیا حکم ہے؟   مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ اذان بلند اور لمبی آواز سے دینا مطلوب و پسندیدہ ہے اس کے بغیر اذان سے جو مطلوب ہے وہ پورا حاصل نہیں ہوتا، اور خوبصورت لہجہ اپنانا اور سریلی آواز سے اذان دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اچھی اور سریلی آواز کا اثر نفوس پر مسلّم ہے بشرطیکہ ایسا تکلف و بناوٹ نہ ہو کہ آواز گانا گانے والوں کی طرح بنائے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اذان دینے میں تجوید کے قواعد کو ملحوظ رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے، بعض موقعوں پر اس کے خلاف کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ وصل کلمتین کی صورت میں اصلی حرکات کے خلاف پڑھنا سنت سے ثابت ہے، حدیث میں ہے "الاذان جزم والاقامة جزم" اسی طرح کلماتِ ممدودہ پر خلاف تجوید مد کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لئے کہ اس کے بغیر آواز بلند اور لمبی نہیں ہو سکتی جو کہ اذان کا حصہ ہے۔

لما فی البحر الرائق: ۲۵۶/۱، طبع: سعید)

قوله ولحن ای لیس فیه لحن ای تلحین وهو کما فی المغرب التطریب والترنم یقال لحن فی قرائته تلحینا طرب فیها وترنم ......وفی الصحاح اللحن الخطاء فی الاعراب والتلحین التخطئه ...... ولهذا فسره ابن الملک بالتغنی بحیث یؤدی الی تغییر کلماته وقد صرحوا بانه لایحل فیه وتحسین الصوت لاباس به من غیر تغن کذا فی الخلاصة وظاهره ان ترکه اولی لکن فی فتح القدیر وتحسین الصوت مطلوب ولا تلازم بینهما.

ولما فی الهندیة: ۵۶/۱، طبع: رشیدیة)

ویکره التلحین وهو التغنی بحیث یؤدی الی تغیر کلماته کذا فی شرح المجمع لابن الملک وتحسین الصوت للاذان حسن مالم یکن لحنا.

ولما فی الدر مع الرد: ۱/ ۳۸۷،طبع: سعید)

(ولا لحن فیه) ای تغنی بغیر کلماته فانه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن وبلا تغییر حسن وقیل لابأس به فی الحیعلتین (قوله یغیر کلماته) ای بزیادة حرکة او حرف او مد اوغیرها فی الاوائل والاواخر (قوله وبلا تغییر حسن)ای والتغنی بلا تغییر حسن فان تحسین الصوت مطلوب ولاتلازم بینهما (قوله وقیل) ای قال الحلوانی:لابأس بادخال المد فی الحیعلتین لانهما غیر زکر وتعبیره بلابأس یدل علی ان الاولی عدمه.

ولما فی السعایة:۲/ ۱۳،طبع:سهیل)

قال بلا لحن هو التطرب وقیل الخطاء فی الاعراب وکلاهما ممنوعان فلذلک اشار الشارح الی منعهما وقد صرح الفقهاء بانه لا یحل فیه وکذا صرحوا بانه لا یحل سماع الاذان الذی یلحن فیه قال فی البحر اذا کان هذا فی الاذان ففی القراءة بالطریق الاولی وفی المجتبی شد یکره التلحین عندنا لقول ابن عمرؓ لمؤذن والله انی لابغضک فی الله لانک تغنی فی الاذان.

ولما فی التتارخانیة:۱/ ۳۸۶،طبع: قدیمی)

ولا بأس بالتطریب فی الاذان وهو تحسین الصرت من غیر ان یتغنی فان تغنی بلحن او مد او ما اشبه ذلک یکره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۷۴

﴿مؤذن کا کلمات اذان غلط کہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک مؤذن ہے جو اذان کہتے وقت اللہ اکبر میں ''اللہ'' کے الف کو بہت کھینچنے کیساتھ ساتھ ''اکبر'' کی ''راء'' پر ضمہ پڑھتا ہے، جبکہ ایک بندۂ خدا کا کہنا ہے کہ یہ دونوں خلاف سنت ہے اور اصل طریقہ ''الف'' کو کھینچے بغیر ''راء'' پر فتحہ پڑھنا ہے، جسکی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ہمیشہ ایک بحث کا بازار گرم رہتا ہے، برائے مہربانی درست طریقہ کی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عبدالحفیظ

﴿جواب﴾ اذان کے کلمات میں ''اللہ اکبر'' پر مد پڑھنا سراسر غلط ہے، اگر ایسی غلطی کوئی تکبیر تحریمہ میں کرے تو اس کی نماز نہیں ہوئی، کیونکہ اس صورت میں یہ جملہ سوالیہ بن جاتا ہے، جس سے معنی بالکل بگڑ جاتا ہے، مسجد کے متولی وغیرہ کی ذمہ داری ہے کہ مؤذن کو اصلاح کی

مہلت دیدیں، اس کے باوجود بھی اگر وہ یہی غلطی کرے تو دوسرے مؤذن کا اہتمام کریں، اس طرح "اکبر" کی "راء" پر اصل جزم بغیر حرکت کے پڑھنا ہے اور فتحہ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، مگر ضمہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: ۳۸۵/۱ (ایچ ایم سعید)

وبفتح راء أكبر والعوام يضمو نهاروضة، لكن في الطلبة معنى قوله عليه الصلوة والسلام "الاذان جزم" أي مقطوع المد، فلا تقول آلله أكبر لانه استفها م وانه لحن شرعي او مقطوع حركة الآخر للوقف، فلايقف بالرفع لانه لحن لغوى.

لمافی البحر: ۲۵۸/۱، (طبع ایچ، ایم سعید)

ويسكن كلمات الاذان والاقامة لكن في الاذان ينوى حقيقة وفي الاقامة ينوى الوقف ذكره الشارح وفي المبتغى "والتكبير جزم".

ولمافی البدائع: ۱۴۲/۱ (طبع دار الكتب العلمية بيروت)

ومنهاان يكون التكبير جزماوهوقوله: الله أكبرلقوله عليه السلام "الاذان جزم"

ولمافی الرد: ۳۸۶/۱، (طبع ایچ، ایم سعید)

وحاصلهاان السنة ان يسكن الراء من الله أكبر الاول اويصلهابالله أكبرالثانية. فان سكنهاكفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف على اكبرالاول صيره كالساكن اصالة فحرك بالفتحه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۳۹۴۵

﴿اذان میں تجوید کی غلطی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے اپنے مسجد میں ایک شخص کو مؤذن مقرر کیا ہے وہ جب اذان دیتا ہے ہم تو تجوید کی غلطی نہیں سمجھتے لیکن یہاں بعض علماء حضرات آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس میں تجوید کی غلطی ہے اور لحن جلی کرتا ہے یعنی حی علی الصلوٰۃ کی جگہ ھی علی الصلوٰۃ (حاء کی جگہ ھا) پڑھتا ہے اور معنی بدل جاتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ غلطی ہے یا نہیں؟ اور اسطرح مؤذن رکھنا اور اذان دینا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ "حی" کو ھی پڑھنا بلاشبہ غلطی ہے لیکن معنی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اذان

ہو جائیگی، تاہم مسجد میں مستقل مقرر مؤذن کیلئے تو ضروری ہے کہ اذان کے کلمات کا تلفظ درست کرے، چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''حی علی الصلوۃ کو ھی علی الصلوۃ پڑھنے سے معنی نہیں بگڑتے، البتہ اس غلطی کی اصلاح کے بغیر موذن کا تقرر نہ کرنا چاہئے، لیکن اگر تقرر کر لیا گیا ہو تو اذان ہو جائیگی'' (فتاویٰ عثمانی ج:۱/ ۳۶۵)

لمافی الدر المختار: ۱/ ۳۸۷، باب الاذان سعید

(ولالحن فیه) ای تغنی بغیر کلماته فانه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن وبلاتغییر حسن وقیل لابأس به فی الحیعلتین...الخ

وایضاًفی الشامی: ج ۱/ ۳۹۳

ثم اعلم انه ذکر فی الحاوی القدسی من سنن المؤذن، کونه رجلا عاقلا صالحا عالما بالسنن والاوقات

لمافی الشامی: (۱/ ۶۳۱، مطلب مسائل زلة القاری، طبع: سعید)

وان کان الخطا بابدال حرف بحرف، فان امکن الفصل بینهما بلا کلفة کالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی انه مفسد، وان لم یکن الابمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فأکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی۔

ولمافی الهندیه: (۱/ ۵۳، فصل الاول فی صفته واحوال المؤذن، طبع: رشیدیه، کوئٹه)

وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عادلا صالحا تقیا عالما بالسنة کذافی النهایة وینبغی ان یکون مهیبا۔ وان یکون مواظبا علی الاذان هکذافی البدائع والتاتارخانیه۔

ایضا فی الهندیه: (۱/ ۷۹، فی زلة القاری، طبع: رشیدیه، کوئٹه)

(ومنها) ذکر حرف مکان حرف ان ذکر حرفا مکان حرف ولم یغیر المعنی بان القرأن المسلمون ان الظالمون وماشبه ذلک لم تفسد صلاته۔

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۳۰ صفر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۱۷

﴿ایک مسجد میں بیک وقت تین اذانیں دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں بیک وقت تین اذانیں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز پہنچانے کیلئے دینا کیسا ہے؟ خواہ تینوں مسجد کے اندر ہو یا باہر۔

﴿جواب﴾ کئی افراد کا مل کر ایک ساتھ اذان دینا بنو امیہ کی سلطنت میں رائج ہوا جس

کے بارے میں علماء کرام کی رائے مختلف رہی بعض اس کو بدعت حسنہ قرار دے رہے تھے اور بعض بدعت سیئہ کہہ رہے تھے اصحاب الترجیح نے ضرورت کی وجہ سے پسندیدہ عمل قرار دیا ہے لہذا جہاں ضرورت ہو تو کئی افراد مل کر اذان دیں تو اچھی بات ہے جیسا کہ رائیونڈ کے اجتماع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر اجتماعی اذان دی جاتی ہے جماعت کے بزرگوں کی کوشش رہتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے عبادات بالکل سادہ ترتیب سے سنت کے مطابق ہوں اگر چہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے کی بھی گنجائش ہے، لہذا جس آبادی میں لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینا رائج نہ ہو اور مسجد سے ایک آدمی کی اذان کی آواز آبادی تک نہیں پہنچتی تو کئی افراد مل کر بھی اذان دے سکتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں ہے البتہ جہاں اذان کی آواز لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے پوری طرح پہنچتی ہو تو ایک ہی شخص اذان دیا کرے یہی اصل ترتیب ہے اجتماعی اذان ضرورت کی خاطر پسندیدہ قرار دی گئی ہے بلا ضرورت نہیں۔

(لمافی ردالمحتار ج ۱/ ۲۳۰، طبع: سعید کراچی)

مطلب فی اذان الجوق (فائدة اخری) ذكر السيوطی ان اول من احدث اذان اثنين معا بنواميه، قال الرملی فی حاشية البحر: ولم ارنصاً صريحاً فی جماعة الاذان المسمی فی ديارنا باذان الجوق هل هو بدعة حسن اوسيئة وذكر الشافعية بين يدی الخطيب واختلفوا فی استحبابه وكراهته ـــــ واما الاذان الاول فقد صرح فی النهاية بانه المتوارث حيث قال فی شرح قوله: "واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترك الناس البيع" ذكر المؤذنين بلفظ الجمع اخراجا للكلام مخرج العادة، فان المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ اصواتهم الی اطراف المصر الجامع ففيه دليل علی انه غير مكروه، لان المتوارث لا يكون مكروها وكذلك نقول فی الاذان بين يدی الخطيب فيكون بدعة حسنة اذ ما رآه المؤمنون حسنا فهو حسن اقول: وقد ذكر سيدی عبدالغنی المسالة اخذا من كلام النهاية المذكور، ثم لم قال: ولا خصوصية للجمعة اذ الفروض الخمسة تحتاج للاعلام،

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۰۴۸

﴿ کئی لوگوں کا اجتماعی طور پر اذان دینے کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی اجتماع میں بہت

سارے لوگ مختلف جماعتوں کی شکل میں مثلاً دس دس آدمی ملکر اذان کہتے ہیں۔ البتہ سارے ایک ہی ساتھ اذان شروع کرتے ہیں تو کیا شرعاً اس طرح اذان کہنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کئی لوگوں کا ایک ساتھ اذان دینے میں اعلام مقصود ہوتا ہے اور یہ تبلیغی اجتماع کا انتظام کرنے والے بزرگوں کا رائج کردہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ فقہاء کرامؒ نے اس کو متوارث عمل قرار دیا ہے لہذا بلا کراہت جائز ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۳۹۰، طبع سعید)

واذا أذن المؤذنون الا ذان الاول ترك الناس البيع ، ذكر المؤذنين بلفظ الجمع اخراجاً للكلام مخرج العادة ، ف.ان المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ اصواتهم الى اطراف المصر الجامع.

ففيه دليل على أنه غير مكروه، لان المتوارث لايكون مكروهاً ، وكذلك نقول فى الاذان بين يدى الخطيب فيكون بدعة حسنه اذما رأه المؤمنون حسنا فهو حسن أقول وقد ذكر سيدى عبد الغنى المسالة كذلك اخذاً من كلام النهايه المذكور ثم قال ولا خصوصية للجمعة اذالفروض الخمسة تحتاج للاعلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۳۵

﴿منفرداً فرض نماز پڑھنے والے کیلئے اذان واقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی وقتی نماز گھر میں منفرداً ادا کرے تو کیا اس کو بھی اذان واقامت کہنی چاہیے اور اگر کہنی چاہیے تو اذان بلند آواز کیساتھ کہے یا آہستہ آواز کیساتھ؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ ہر فرض وقتی نماز کیلئے اذان واقامت دینا سنت ہے حضر میں ہو یا سفر میں، اکیلے نماز پڑھے یا جماعت کیساتھ اذان واقامت کے بغیر نماز مکروہ ہوتی ہے، اسلئے گھر میں بیوی بچوں کو نماز پڑھائے یا اکیلے خود کوئی مرد اگر فرض وقتی نماز پڑھے تو آذان اور اقامت دونوں دیکر نماز پڑھنی چاہیے، البتہ محلہ میں اذان اگر دی گئی ہے تو اس سے بھی کفایت ہوجائے گی۔

مسجد کی جماعت کیلئے بلند آواز سے اذان دینا اسلئے ضروری ہوتا ہے تا کہ لوگوں کو نماز کی دعوت

دی جائے۔ اکیلے گھر میں نماز پڑھنے کی صورت میں ہلکی درمیانی آواز سے اذان دینی چاہیے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد(۱/۳۸۴،طبع:سعید)

(وهو سنة)للرجال في مكان عال(مؤكدة)هي كالواجب في لحوق الاثم (للفرائض)الخمس(في وقتها ولو قضاء).والظاهر ان اهل كل محلة سمعوا الاذان ولو من محلة أخرى يسقط عنهم لأن لم يسمعوا اه.(قوله للفرائض الخمس الخ)دخلت الجمعة بحر،وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة........لكن لايكره تركه لمصلى فى بيته فى المصر، لأن اذان الحى يكفيه.

ولمافی التنویر مع الدر(۱/۳۸۸طبع سعید)

(والاقامة كالأذان)فيهما مر(لكن هي)أي الاقامة وكذا الامامة(أفضل منه).

ولمافی الهندیة(۱/ ۵۴،مکتبة:رشیدیة)

ولايكره تركهما لمن يصلي في المصر اذوجد في المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة هكذا في التبيين .والأفضل أن يصلي بالأذان والاقامة كذافي التمرتاشي.واذالم يؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لايكره كذافي المحيط.ولو ترك الاقامة يكره كذافي التمرتاشي ويكره للمسافر تركهما وان كان وحده هكذافي المبسوط.ولو ترك الاقامة أجزأه ولكنه يكره هكذافي شرح الطحاوى فان أذن وأقام فهو حسن وكذلك ان اقام ولم يؤذن هكذافي المبسوط.ولو صلى في بيته في قرية ان كان في القرية مسجد فيه أذان واقامة فحكمه حكم من صلى في بيته في المصر وان لم يكن فيها مسجد فحكمه حكم المسافر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۱۵ ر جب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۴۹

﴿اگر گھر میں میاں بیوی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو اذان واقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر کوئی آدمی کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہ جاسکے اور گھر ہی میں اپنی اہلیہ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے تو کیا اس صورت میں اقامت عورت کہے گی یا مرد کہے گا؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: سجاول خان

﴿جواب﴾ عورت اذان واقامت نہیں کہہ سکتی لہٰذا کسی مجبوری کی وجہ سے میاں بیوی گھر میں اگر باجماعت نماز پڑھیں تو اذان واقامت یا صرف اقامت مرد ہی کہے اور اگر مسجد کی اذان

واقامت پر ہی اکتفاء کر لیں تو بھی جائز ہے۔

لما فی سنن البیهقی: (۴۰۸/۱)

قال رسول الله ﷺ لیس علی النساء اذان واقامة

ولما فی التنویر والدر: (۳۸۳/۱ طبع: سعید)

(هو) لغة الاعلام ،وشرعاً (اعلام مخصوص) لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة (علی وجه مخصوص بالفاظ کذلک) ای مخصوصة (سببه ابتداء اذان جبرئیل (و) سببه (بقاء دخول الوقت ،وهو سنة للرجال فی مکان عال (مؤکدة).....(والاقامة کالاذان) فیما مر

ولما فی خلاصة الفتاوی: (۴۸/۱ طبع: رشیدیه)

ولیس علی النساء اذان ولا اقامة فان صلین بجماعة یصلین بغیر اذان واقامة وان صلین باذان واقامة جاز صلوتهن مع الکراهة وللرجال یکره اداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر اذان واقامة ولا یکره فی البیوت والکروم والضیاع فان ترکوا الاذان والاقامة جاز وان اذنوا کان اولیٰ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۶۵

﴿اذان مغرب اور نماز مغرب کے درمیان وقفہ کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان مغرب اور نماز مغرب کے درمیان وقفہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: آغا جان؛ قلعہ عبداللہ

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت میں کچھ وقفہ ہر نماز میں ہونا چاہئے ،لیکن مغرب میں وقت تنگ ہونے کیوجہ سے تھوڑا سا وقفہ دینا چاہئے یعنی دو منٹ۔

البتہ رمضان المبارک میں افطاری کیلئے اس سے کچھ زیادہ وقفہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، عام دنوں میں زیادہ وقفہ کرنا مکروہ ہے۔

لما فی جامع الترمذی: (۲۷/۱ طبع: فاروقی کتب خانه)

عن جابرؓ أن رسول الله ﷺ قال لبلالؓ: اجعل بین أذانک واقامتک قدر مایفرغ الآکل من أکله والشارب من شربه ،والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجته ولا تقوموا حتی ترونی۔

ولما فی الشامی:(۱/۴۹۰،طبع:ایچ ایم سعید)

(قولہ فیسکت قائما) ھذا عندہ، وعندھما یفصل بجلسة کجلسة الخطیب والخلاف فی الأفضلیة.

ولما فی الفقه الاسلامی وأدلته:(۱/۷۰۷،طبع:رشیدیه)

وفی الغرب بقدر قراءة ثلاث آیات قصار .

ولما فی الهندیة:(۱/۵۷،طبع:رشیدیه)

واما اذا کان فی المغرب فالمستحب أن یفصل بینهما بسکتة یسکت قائما مقدار مایتمکن من قراءة ثلاث آیات قصار هکذا فی النهایة

ولما فی القول الراجح:(۱/۶۵)

قال العلامة الحصکفیؒ الا فی المغرب فیسکت قائما قدر ثلاث آیات قصار ویکره الوصل اجماعا

ولما فی معارف السنن:(۲/۱۹۶ طبع:سعید)

وأما فی المغرب فلا یسن الجلوس بل السکوت مقدار ثلاث آیات قصار ،أو آیة طویلة،أو مقدار ثلاث خطوات عند ابی حنیفةؒ وقال أبویوسفؒ ومحمدؒ یفصل بجلسة خفیفة قدر جلوس الخطیب بین الخطبتین ....والاختلاف فی الا فضیلة لا غیر ویکره الوصل اجماعا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۲۷

﴿نومولود کے کان میں اذان دینا سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اسکا کیا فائدہ ہے؟ مستفتی: محمد عدنان

﴿جواب﴾ بچے کے کان میں اذان دینے کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر اس کے دائیں کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اذان واقامت دونوں میں حی الصلوٰۃ پر دائیں طرف اور حی الفلاح پر بائیں جانب گردن پھیریں، بچے کے کان میں اذان دینا سنت ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ام الصبیان بچوں کی ایک بیماری ہے، اس سے حفاظت ہوتی ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۳۸۵،سعید)

(قوله لایسن بغیرها)أی من الصلوات والافیندب للمولود.

ولما تحریرات الرافعی:(۱/۴۵،طبع سعید)

(قوله حتی قالوافی الذی یؤذن للمولودینبغی ان یحول) قال السندی فیرفع المولود عندالولادۃ علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی اذن الیمنی ویقیم فی الیسری ویلتفت فیهمابالصلوٰۃلجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدۃ الاذان فی اذنه أنه یدفع ام الصبیان عنه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد سجاد کشمیری

۱۷ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۰۴۵

﴿نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اسکاجواب دینا بھی باعث ثواب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اسکاجواب دینا بھی مسنون ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ جس طرح نمازوالی اذان کا جواب زبان سے دینامستحب اورباعث اجروثواب ہے اسی طرح نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اس کاجواب دینے میں بھی اجروثواب ہے۔

لما فی الشامی (۱/۳۹۷،طبع سعید)

بقی هل یجیب اذان غیرالصلوۃ کالاذان للمولود؟لم اره لأئمتنا،والظاهر نعم، ولذایلتفت فی حیعلته کمامر، وهوظاهرالحدیث، الاان یقال:ان أل فیه للعهد.

الجوب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :دوست محمد دیروی

۱۰ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر:۲۰۳۶

﴿اذان کے بعدنمازپڑھے بغیرمسجد سے بلاعذرنکلنامکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیااذان کے بعدمسجد سے نمازپڑھے بغیرنکلنا جائزہے؟بینواتوجروا۔

﴿جواب﴾ نمازکاوقت داخل ہونے کے بعدبغیرنمازپڑھے بلاعذرمسجد سے نکلنے کوعلماء کرام نے مکروہ تحریمی لکھا ہے چاہے اذان ہوئی ہویانہ ہوئی ہو،البتہ چندصورتوں میں نکلنے کی

اجازت ہے: (۱) آدمی کسی دوسری مسجد کا منتظم ہو جیسے امام ہو یا مؤذن ہو۔

(۲) کسی دوسری مسجد میں ہے اور نماز کا وقت داخل ہو گیا اب اپنے محلے میں جانا چاہتا ہے تو اجازت ہے البتہ اس صورت میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ اسکا نہ جانا زیادہ افضل ہے۔

(۳) کسی دوسری مسجد میں اسکا استاد ہے جو اسے سبق پڑھاتا ہے اگر یہ نہیں جائے گا تو اسکا سبق یا سبق کا کچھ حصہ فوت ہونے کا خطرہ ہو۔

(۴) کسی حاجت کیلئے باہر جا رہا ہے اور واپس نماز کیلئے آنے کا پختہ ارادہ ہے۔

(۵) اگر ظہر یا عشاء کی نماز جماعت سے پہلے پڑھ لی تو اقامت شروع ہونے سے پہلے نکل سکتا ہے اقامت شروع ہونے کے بعد نکلنا مکروہ ہے نفل کی نیت سے اقتداء کرے اور اگر فجر عصر یا مغرب کی نماز جماعت سے پہلے پڑھ لی تو اقامت شروع ہونے کے بعد بھی نکل سکتا ہے کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب میں تین رکعت نفل مشروع نہیں ہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹ طبع امدادیہ)

(وكره)تحريما للنهى (خروج من لم يصل من مسجدأذن فيه)جرى على الغالب، والمراددخول الوقت أذن فيه أولا(الالمن ينتظم به أمرجماعة أخرى)أوكان الخروج لمسجدحيه ولم يصلوافيه،أولاستاذه لدرسه،اولسماع الوعظ،اولحاجة،ومن عزمه ان يعودنهر(و)الا(لمن صلى الظهروالعشاء)وحده(مرة)فلايكره خروجه بل تركه.(الاعند) الشروع فى (الاقامة)لمخالفة الجماعة بلاعذر،بل يقتدى متنفلالمامر(و)الا(لمن صلى الفجروالعصروالمغرب مرة)فيخرج مطلقا(وان اقيمت)لكراهة النفل بعدالاولين وفى المغرب احدالمحظورين البتيراء اومخالفة الامام بالاتمام وفى النهر: ينبغى ان يجب خروجه،لان كراهة مكثه بلاصلاة أشد.قلت:أفادالقهستانى أن كراهة التنفل بالثلاث تنزيهية،وفى المضمرات:لواقتدى فيه لأساء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۵۰

﴿زلزلہ وغیرہ کے وقت اذان دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء عظام کہ ہمارے علاقے میں دستور ہے جب کوئی زلزلہ آتا

ہے تو بعض لوگ کانوں میں انگلی ٹھونس کر اذان دینا شروع کر دیتے ہیں یا جب کوئی تیز آندھی آتی ہے، تب بھی یہی صورت اختیار کرتے ہیں، کیا پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی اذان دینا مشروع ہے؟ کیا یہ ثواب کا کام ہے یا یہ کہ کسی اور غرض کے لئے کیا جاتا ہے؟ مستفتی: عبید

﴿جواب﴾ نماز کے علاوہ بھی چند مواقع ایسے ہیں جن میں اذان دینا منقول چلا آرہا ہے جیسے کسی غم یا مصیبت وغیرہ کے پیش آنے کے وقت اذان دینا لشکر کے مقابلے کے وقت یا کسی پر مرگی کا حملہ ہو جائے یا کسی کی بد خلقی ظاہر ہو جائے (وغیرہ) تو اذان دینا، اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ (زلزلے وغیرہ کے وقت) اذان دینا بھی کم از کم جائز ضرور ہے، اس کا مقصد عموماً غم اور پریشانی وغیرہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔

لمافي التنوير مع الدر:(۲/۵۰،طبع امداديه)

قوله :(لايسن لغيرها)اى من الصلوات والافيندب للمولودوفي حاشيه البحرللخير الرملي رأيت في كتب الشافعيه انه قديسن الأذان لغير الصلوٰة،كمافي أذن المولود، والمهموم،والمصروع،والغضبان،ومن ساء خلقه من انسان أوبهيمة،وعندمزدحم الجيش،وعندالحريق..... وعندتغول الغيلان..... اقول ولابعدفيه عندنا.....لمن ضل الطريق في أرض قفر:أى خالية من الناس وقال الملاعلى في شرح المشكوٰة: قالوا:يسن للمهموم أن يأمرغيره أن يؤذن في أذنه فانه يزيل الهم،كذاعن على رضى الله عنه،ونقل الاحاديث الواردة في ذلك فراجعه اه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف، حسین عفااللہ عنہ

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۵۱

﴿اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دار الافتاء کے طلباً کا دوران اذان یا بعد اذان مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا ناجائز؟ مستفتی: عبدالستار

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جو طلباً دوران اذان مسجد میں ہوں یا اذان ہونے کے بعد مسجد میں ہوں ان کیلئے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے ہوں تو گنجائش ہے لیکن اس میں بھی افضل یہ ہے کہ تہمت سے

بچنے کیلئے مسجد سے نہ نکلیں اسی مسجد میں نماز ادا کریں۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۸۹،طبع قدیمی)

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج وقداقيمت الصلوٰة وعدلت الصفوف حتى اذاقام فى مصلاه انتظرناان يكبرانصرف قال على مكانكم فمكثنا على هيأتناحتى خرج اليناينطف رأسه ماء وقداغتسل.

ولمافی جامع الترمذی:(۱/۲۸،طبع فاروقی ملتان)

عن ابى شعثاقال خرج من المسجدبعدماذن فيه بالعصرفقال ابوهريرةؓ اماهذافقد عصى اباالقاسم صلى الله عليه وسلم.

لما فی التنویرمع الدروالرد:(۲/۵۰۸،طبع امدادیه)

(وكره)تحريمالنهى (خروج من لم يصل من مسجداذن فيه الالمن ينتظم به امر جماعة اخرى)اوكان الخروج لمسجدحيه.(اوكان الخروج لمسجدحيه)اى وان لم يكن اماماولامؤذناكمافى النهاية......قلت لكن تتمه عبارة النهايةهكذاالان الواجب عليه ان يصلى فى مسجدحيه.ولوصلى فى هذا المسجدفلاباس ايضالانه صارمن اهله والافضل ان لايخرج لانه يتهم اھ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاء الدین

۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿اذان میں کچھ کلمات رہ جانے یا تقدیم وتاخیر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران اذان اگر کچھ کلمات رہ جائیں یا موذن کلمات سہواً آگے پیچھے پڑھ لے تو کیا اذان کا اعادہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر اسی وقت یاد آجائے تو کلمات متروکہ پڑھ کر اذان پوری کرے، اسی طرح اگر کلمات میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو بھی انہی کلمات کو اپنی اپنی جگہ پر پڑھے اور اذان ختم کرے مذکورہ بالا صورت میں از سرنو اذان کا کہنا ضروری نہیں اور اگر اذان دینے کے بعد یاد آگیا تو پھر از سرنو اذان کہے۔

لمافی بدائع الصنائع :(۱/۱۴۹،طبع سعید)

(ومنها)ان يرتب بين كلمات الاذان والاقامة حتى لوقدم البعض على البعض ترك

المقدم ثم يرتب ويولف ويعيدالمقدم لانه لم يصادف محله فلغا.

ولمافى العالمگيرية:(۱/۵۶،طبع رشيديه)

ويرتب بين كلمات الاذان والاقامة كماشرع.كذافى المحيط السرخسى .واذاقدم فى اذانه اوفى اقامته بعض الكلمات على بعض نحوان يقول اشهدان محمدارسول الله قبل قوله اشهدان لااله الاالله فان الافضل فى هذاان ماسبق على اوانه لايعتدبه حتى يعيده فى اوانه وموضعه وان مضى على ذلك جازت صلاته كذافى المحيط.

ولمافى الشامى:(۱/۳۸۹باب الاذان،طبع سعيد)

ولوقدم فيمامؤخرااعادماقدم فقط)كمالوقدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط اى ولايستانف الاذان من اوله.

ولمافى الشامى:(۱/۳۸۷،طبع سعيد)

ويترسل فيه)بسكتة بين كلمتين.ويكره تركه وتندب اعادته.

دوکلموں کے درمیان سکتہ چھوڑنے پر جب اعادہ مستحب ہے جوایک صفت ہے تواصل اذان یعنی کلمات کے چھوٹ جانے یاتقدیم وتاخیر کی صورت میں بطریق اولی اعادہ مستحب ہونا چاہیئے، واضح رہے کہ صریح کوئی جزئیہ نہیں مل سکا۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۲۹ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۷۱۳

﴿اذان میں چند کلمات رہ جائیں﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کی دوسری اذان میں مؤذن سے کچھ کلمات رہ جائیں اور خطیب منبر پر تشریف فرماہو،کیااس صورت میں مؤذن پر اذان کااعادہ واجب ہے یانہیں؟ ایک سائل

﴿جواب﴾ اذان کی کلمات میں سے کچھ کلمے رہ جائیں تو اعادہ ضروری ہے اور یہ حکم ہرمسنون اذان کیلئے ہے۔خطبہ جمعہ کیلئے اذان کاحکم اس سے مستثنیٰ ہے،ایساکوئی جزئیہ ہماری نظروں سے نہیں گذراہے۔

لمافى الشامى:۱/۳۹۳(طبع ایچ ایم سعید)

(يعاد اذان جنب)ندباوقيل وجوبالاقامته لمشروعيةتكراره فى الجمعة دون

تکرارها(وكذا)يعاد(أذان مرأة ومجنون ومعتوه وسكران و صبى لا يعقل)وزاد فى القهستانى :والفاجروالراكب والقاعد والماشى والمنحرف عن القبلة وعلل الوجوب فى الكل بأنه غير معتد به والندب بانه معتد به الاانه ناقص قال وهو الاصح كما فى التمرتاشى.

لمافى بدائع الصنائع :۱۹۷/۲(طبع دارالكتب العلميه بيروت)

وذكر فى اذان الجنب انه يعاد والفرق أن الاذان تحلى بحلية الصلوٰة وهى استقبال القبلة،بخلاف الخطبة ،وكان الخلل المتمكن فى الاذان اشد ،وكثيرالنقص مستحق الرفع دون قليله.

لمافى الفقه الاسلامى وادلتة:۷۰۱/۱(طبع رشيديه كوئٹه)

يبطل الاذان والاقامةبردةوسكرواغماء، ونوم طويل وجنون وترك كلمة منهما.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۹۱۳

﴿فتویٰ لکھنے اور مطالعہ دینی کتب کے دوران اذان کے جواب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ لکھنے اور دینی کتب کا مطالعہ کرنے کے وقت اگر اذان شروع ہو جائے تو کیا اس دوران مطالعہ کرنے والے کو اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔　　مستفتی: محمد معاذ مارکیٹ سواتی

﴿جواب﴾ زبان سے اذان کا جواب دینا فرض اور واجب اگر چہ نہیں ہے لیکن مستحب ضرور ہے اور اس کی فضیلت اس قدر ہے کہ فقہاء کرام نے تلاوتِ قرآن کو بھی اذان کے لئے روکنے کا فرمایا ہے، لہذا مطالعہ اور فتویٰ لکھنا ایسے موقع پر مؤخر کر کے اذان کا جواب اہتمام سے دینا چاہیئے۔

لمافى التنويرمع الدر:(۳۹۶/۱،كتاب الصلاة،طبع سعيد)

(ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانى:ندباً،والواجب ألاجابةبالقدم(من سمع الأذان)ولوجنباً.

وفى الشامية:(قوله وقال الحلوانى:ندباًالخ)اى قال الحلوانى:أن الاجابةباللسان مندوبةوالواجبةهى الاجابةبالقدم.

لمافى الهندية:(۵۷/۱،كتاب الصلاة،طبع رشيديه)

ويجب على السامعين عندالأذان ألاجابةوهى أن يقول مثل ماقال المؤذن......ولاينبغى أن يتكلم السامع فى خلال الأذان والاقامةولايشتغل بقرآء

ۃ القرآن ولا یشتغل من الأعمال سوی الاجابۃ ولو کان فی القرآءۃ ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابۃ. کذافی البدائع.

ولمافی البدائع:(۱/۱۵۵،کتاب الصلاۃ،طبع سعید)

وأمابیان مایجب علی السامعین عندالأذان فالواجب علیھم ألاجابۃ لماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال:أربع من الجفاء:من بال قائماًومن مسح جبھتہ قبل الفراغ من الصلاۃ ومن سمع الأذان ولم یجب ومن سمع ذکری ولم یجب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۳صفرالخیر۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۲۹۱۲

﴿اقامت اور نماز کے درمیان فصل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کے امام صاحب کسی ایمرجنسی کام سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ ''میں ابھی ابھی آرہا ہوں'' پھر تقریباً بیس (۲۰) منٹ کی تاخیر سے آکر سابقہ اقامت پر اکتفاء کرکے نماز پڑھائی، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اتنی تاخیر کے باوجود سابقہ اقامت پر اکتفاء کرنا درست ہے؟ اگر نہیں تو بغیر اعادۂ اقامت کے پڑھی ہوئی نماز کا کیا حکم ہے؟

مستفتی:عبدالرحیم ملیرکراچی

﴿جواب﴾ اگر واقعی امام صاحب نے اقامت کے بعد اتنی تاخیر کے باوجود سابقہ اقامت پر اکتفاء کرتے ہوئے نماز پڑھائی ہو تو ان کا یہ عمل طویل فصل ہے، اس کے بعد اقامت کا اعادہ کرنا چاہیے تھا، البتہ پڑھی ہوئی نماز ادا ہوگئی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور آئندہ کے لئے خیال رکھے۔

لمافی الدرالمختارمع الرد المحتار:(۱/۴۰۰،طبع سعید)

(فروع)صلی السنۃ بعدالاقامۃ أوحضر الامام بعدھا لایعیدھا(بزازیہ)،وینبغی ان طال الفصل أووجدمایعدقاطعاکاکل ان تعاد۔۔۔۔اقول:قال فی آخرشرح المنیہ:أقام المؤذن ولم یصل الامام رکعتی الفجر یصلیھما ولاتعادالاقامۃ لأن تکرارھاغیرمشروع اذالم یقطعھامن کلام کثیر اوعمل کثیر ممایقطع المجلس فی سجدۃ التلاوۃ.

ولمافی البحرالرائق:(۱/۲۶۳،طبع سعید)

اذاأقام فی الوقت ولم یصل علی فورہ ھل تبطل اقامتہ لم أرہ فی کلام أئمتنا،وینبغی

انه ان طال الفصل تبطل والافلا،ثم رأيت بعدذلک فی القنية:حضر الامام بعداقامة المؤذن بساعة أوصلیٰ سنة الفجر بعدها لايجب عليه اعادتهااه.

ولمافی النهر الفائق:(۱/۱۸۷-۱۶۹،طبع قدیمی)

ويعادالاذان فيه لعدم الاعتداد بالاول وكذاالاقامة.... اوصلی سنة الفجر بعدها لايعيد، الاأنه ينبغی الاعادة فيهااذاطال الفصل اووجدبينهماما يعدقاطعا كاكل ونحوه.

وفی المحيط البرهانی:(۲/۹۹-۱۰۱،طبع ادارة القرآن)وفی البدائع:(۱/۱۴۷،سعيد)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تاج الدین چترالی

یکم صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۳۸

﴿وقت سے پہلے دی جانے والی اذان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وقت سے پہلے دی جانے والی اذان واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ اگر اذان کا اعادہ کیے بغیر نماز پڑھ لی تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اذان کا وقت نماز کے وقت کے داخل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قبل از وقت دی جانے والی اذان واجب الاعادہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں وقت کے اندر اگر دوبارہ اذان نہ دی جائے تو پڑھی گئی نماز مکروہ ہے۔

لمافی مجموعة الفتاویٰ:(۱/۴۸،طبع رشيديه)

فان اذن قبل الوقت يكره ويعادفی الوقت.

ولمافی الولوالجية:(۱/۷۲،طبع فاروقية بشاور)

ولايؤذن لصلاة قبل الوقت لانه لاستحضار القوم فيختص بالوقت.

ولمافی مجموعة الفتاویٰ(۱/۴۸،طبع رشيديه)

وللرجال يكره أداء المكتوبة بالجماعة فی المسجد بغيراذان واقامة.

ولمافی الولوالجية:(۱/۷۲،طبع فاروقيه پشاور)

عن أبی حنيفة فی قوم صلوا فی منزل أومسجد بغيراذان واقامة انهم اساؤا بخلاف الواحد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد امیر ملک

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۰۸

﴿اذان کا جواب بالفعل واجب ہے یا بالقول؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب؟ اور جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب دینا چاہیے یا نہیں؟ نیز عورتوں پر بھی اذان کا جواب دینا لازمی ہے جس طرح مردوں پر لازمی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اذان کا جواب زبان سے دینا مستحب ہے اور بالفعل واجب ہے یعنی اذان کی آواز سن کر نماز کیلئے جانا واجب ہے۔ جمعہ کی اذان کا جواب زبان سے نہیں بلکہ صرف دل ہی دل میں دینا چاہیے، نیز زبانی جواب دینا جس طرح مردوں کیلئے باعث اجروثواب ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی اذان کا جواب باعثِ اجروثواب ہے۔

لمافی الشامی:(۳۹۶/۱،طبع سعید)

(يجيب)وجوبا،وقال الحلواني ندبا،والواجب الاجابةبالقدم،قال الحلواني ندبأى قال الحلواني ان الاجابةباللسان مندوبة،والواجبةهي الاجابةبالقدم قال في النهرقوله بوجوب الاجابةبالقدم مشكل،لانه يلزم عليه وجوب الأداء في اول الوقت وفي المسجد اذلامعنى لايجاب الذهاب دون الصلوةومافي شهادات المجتبى سمع الاذان وانتظر الاقامةفي بيته لاتقبل شهادته مخرج على قوله كمالايخفى وقدسئلت شيخنا ألأخ عن هذافلم يبدجوابا.

أقول وبالله التوفيق:ماقاله الامام الحلواني مبني على ماكان في زمن السلف من صلوةالجماعةمرةواحدةوعدم تكرارهاكماهوفي زمنه صلى الله عليه وسلم وزمن الخلفاء بعده،وقدعلمت ان تكرارهامكروه في ظاهرالرواية.....وسيأتي أن الراجع عن اهل المذهب وجوب الجماعةويأثم بتفويتهااتفاقاوحينئذيجب السعي بالقدم لالأجل أداء في اول الوقت أوفي المسجدبل لأجل اقامةالجماعةوالالزم فوتهااصلاأوتكرارها في مسجدان وحدجماعةاخرى وكل منهمامكروه فلذاقال بوجوب الاجابةبالقدم.

ولمافي الترغيب والترهيب:(۲۵۵/۱،طبع حقانيه)

وروى عن ميمونةرضى الله عنهاأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال والنساء فقال يامعشرالنساء اذاسمعتم أذان هذاالحبشي واقامته فقلن كما يقول فان بكل حرف ألف ألف درجة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ   فتویٰ نمبر: ۳۰۲۰

﴿جماعت ثانیہ کیلئے اقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مرتبہ ہم سے جماعت نکل جاتی ہے تو ہم چند آدمی اکٹھے ہوکر جماعت ثانیہ کراتے ہیں تو جماعت ثانی کیلئے ہمیں اقامت کہنی ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ محلہ کی مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں، ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ علی الاطلاق مکروہ ہے یعنی اذان واقامت کے بغیر ادا کی جائے تب بھی مکروہ ہے، راستے یا اڈے وغیرہ کی مسجد ہو تو جماعت ثانی اذان واقامت کیساتھ بھی مکروہ نہیں ہے، لہٰذا محلہ کی مسجد میں اگر کوئی جماعت ثانی ادا کرتا ہے تو اذان واقامت نہ کہے، امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق محراب سے ہٹ کر ادا کرے، محراب سے ہٹ کر مسجد کے کسی دوسری حصے میں جماعت ثانی ادا کرنا ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، تاہم مفتی بہ قول پہلا ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۱/۳۲۵،طبع سعید)

ومنها حكم تكرارها في مسجد واحد ففي المجمع ولا نكررها في مسجد محله باذان ثان، وفي المجتبى ويكره تكرارها في مسجد باذان واقامة..... وفي امالي قاضيخان مسجد ليس له امام ولا موذن يصلي الناس فيه فوجا فوجا فالافضل ان يصلي كل فريق باذان واقامة على حدة.

ولما فی الدر مع الرد:(۱/۳۹۵،طبع سعید)

(بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة الا في مسجد طريق)(قوله الا في مسجد على طريق) هو ماليس له امام وموذن راتب فلا يكره التكرار فيه باذان واقامة بل هو الافضل خانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۷۷۴

﴿اذان کے کلمات میں وقفہ کی مقدار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان دیتے وقت کلمات

اذان میں کتنا وقفہ کرنا چاہیئے؟ مستفتی: محمد عادل ڈیفنس فیز۲

﴿جواب﴾ اذان کے کلمات کے درمیان اتنا وقفہ دینا مستحب ہے کہ سننے والا ان کلمات کا بآسانی جواب دے سکے۔

لمافی السعایة:(۱۲/۲،طبع سهيل اكيڈمی)

ويترسل فيه اى فى الأذان بان يفصل بين كل من الكلمتين ولا يجمع بينهمافانه سنة.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۱۵۸،طبع قديمی)

يترسل فى الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين..... اى جملتين الافى التكبير الاول فان السكتة تكون بعد تكبيرتين.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۳ شعبان ۱۴۲۹ھ   فتوی نمبر: ۱۷۶۵

﴿تثویب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جماعت کھڑی ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ہمارے امام صاحب سڑک پر کھڑے لوگوں کو نماز کیلئے بلاتے ہیں شرعا اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ امام صاحب کے اس عمل کو تثویب کہا جاتا ہے شرعا یہ عمل درست ہے لیکن عادت بنانا صحیح نہیں ہے، اس سے اذان کی اہمیت متاثر ہو جاتی ہے لوگ اذان کے علاوہ دوبارہ بلانے کے انتظار میں رہتے ہیں یعنی اس کی عادت پڑ جاتی ہے کبھی کبھار تثویب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۵۶/۲،طبع امدادیه)

(ويثوب)بين الاذان والاقامةفى الكل للكل بماتعارفوه..... (الافى المغرب) قوله(ويثوب)التثويب العودالى الاعلام بعدالاعلام،درر،وقيدبتثويب المؤذن لمافى القنية عن الملتقط لاينبغى لأحدان يقول لمن فوقه فى العلم والجاه حان وقت الصلوة سوى المؤذن لانه استفعال لنفسه.....(فى الكل)لظهور التوانى فى الامور الدينية قال فى العناية أحدث المتأخرون التثويب بين الاذان والاقامةعلى حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب.....(بماتعارفوه)كتنحنح أوقامت قامت أوالصلاة الصلاة.....(الافى

المغرب)......لان التثويب لاعلام الجماعة وهم فی المغرب حاضرون.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۶۲۰

﴿قریب البلوغ لڑکے کی دی ہوئی اذان سے سنت پوری ہو جائیگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کیلئے بلوغت شرط ہے یا نہیں؟ اگر قریب البلوغ لڑکا اذان دے تو اسکی اذان درست ہے یا اعادہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ فرض نمازوں کیلئے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے چونکہ بڑی اہم عبادت ہے اسلئے بہتر ہے کہ مؤذن عاقل، بالغ صالح مخلص اور اوقات نماز سے باخبر ہو، بالغ ہونا اگرچہ اذان کیلئے شرط نہیں ہے تاہم اولی اور غیر اولی کا فرق ضرور ہے لہذا نابالغ لڑکا اگر اذان دیدے تو اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، بشرطیکہ سمجھدار ہو اور اوقات کا فرق جانتا ہو۔

لمافی التنویر مع الدر: ۱/۳۸۴ (طبع سعید)

وهو (ای الاذان) سنة للرجال فی مكان عال (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الاثم (للفرائض) الخمس (فی وقتها ولو قضاء) لانه سنة للصلاة حتى يبرد به.

ولمافی البحر: ج۱/۲۶۴ (طبع سعید)

واما العقل فينبغی ان يكون شرط صحة فلا يصح اذان الصبی الذی لا يعقل والمجنون والمعتوه اصلا، اما الصبی الذی يعقل فاذانه صحيح من غير كراهة فی ظاهر الرواية الا ان اذان البالغ افضل.

ولمافی الشامی: ج۱/۳۹۱ (طبع سعید)

(ويجوز) بلا كراهة (اذان صبی مراهق وعبد) قوله بلا كراهة ای تحريمية لان التنزيهية ثابتة ......قوله صبی مراهق المراد به العاقل وان لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره.

ولمافی الهندية: ج۱/۵۴ (طبع رشيدية)

اذان الصبی العاقل صحيح من غير كراهة فی ظاهر الرواية لكن اذان البالغ افضل، واذان الصبی الذی لا يعقل لا يجوز ويعاد وكذا المجنون.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　　فتویٰ نمبر: ۴۰۴۲

﴿حالت جنابت میں اذان دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت جنابت میں اذان دے تو اس سے علاقہ میں چوہے پیدا ہوتے ہیں ان لوگوں کا کہنا کہاں تک درست ہے؟

مستفتی: اسحاق احمد سوات

﴿جواب﴾ اذان دینا شعائر اسلام اور سنن ہدیٰ میں سے ہے۔ باوضوء اذان دینا مستحب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا یؤذن الا متوضی" یعنی باوضوء شخص ہی اذان دے۔ حالت جنابت میں اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی آدمی نے حالت جنابت میں اذان دی تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ باقی لوگوں کا یہ کہنا کہ حالت جنابت میں اذان دینے سے چوہے پیدا ہوتے ہیں یہ ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے البتہ ہر عمل کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک بار قراءت میں بھول گئے تو نماز کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم وضوء صحیح طریقہ سے نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے میں قراءت میں بھول جاتا ہوں

لما فی فتاوی قاضی خان:(۶۱/۱،طبع قدیمی)(وأنه(الاذان) من شعائر الاسلام

ولما فی التنویر مع الرد:(۳۹۲/۱،طبع سعید)

ویکره أذان جنب واقامته واقامة محدث لا أذانه وفی الشامی: وصرح فی الخانیة بانه تجب الطهارة فیه عن أغلظ الحدثین،وظاهر أن الکراهة تحریمیة.

ولما فی خلاصة الفتاوی :(۴۹/۱،طبع رشیدیه)

وفی الجامع الصغیر للصدر الشهید فی أذان الجنب روایتان والأشبه أن یعاد أذان الجنب،

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۷۵/۱،طبع قدیمی)

ویکره الأذان مع الجنابة.........خمسة یکره اذانهم اذاأذنوا یعاد. الصبی الذی لایعقل والمرأة والمجنون والسکران والجنب،

ولما فی سنن النسائی(۱۵۱/۱،قدیمی)

اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن حدثنا سفیان عن عبد الملک بن عمیر عن شبیب ابی روح عن رجل من اصحاب النبی ﷺ انه صلی صلوة الصبح فقرأ الروم فالتبس علیه فلما

صلی قال مابال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور فانما یلبس علینا القرآن اولئلک۔

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۷۳

﴿ناپاکی کی حالت میں اذان دینا درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ناپاکی کی حالت میں اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد ناصر کراچی

﴿جواب﴾ ناپاکی کی حالت میں اذان نہیں دینی چاہیئے اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اذان دے دی تو اس اذان کا اعادہ کیا جائے گا۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۳۷۵طبع سهیل اکیڈمی)

ویکره ان یؤذن جنبافی روایة واحدة ومحدثالایکره فی احدالروایتین ووجه الفرق علیٰ احدهماان للاذان شبه بالصلاة من حیث تعلق اجزاء هابالوقت فیشرط الطهارة عن اغلظ الحدثین دون اخفهما عملابالشبهین وفی الجامع الصغیراذااذن علیٰ غیر وضوء واقام لایعیدوالجنب احب الیّ ان یعیدوان لم یعداجزاه اماالاول فلخفة الحدث واماالثانی فلغلظ وقال فی الهدایة فی الاعادة بسبب الجنابةروایتان والاشبه ان یعاد الاذان لاالاقامة لان تکراره مشروع کمافی یوم الجمعة دون تکرارها وقوله اذالم یعد اجزاه یعنی الصلاة لانها جائزة بدون الاذان والاقامة وتکره الاقامة بلاوضوء للزوم الفصل بینها وبین الصلاة وفی روایة لاتکره والاول اشهر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۳ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۶۹

﴿خطبہ کی اذان کا جواب دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا چاہیئے یا خاموش رہنا چاہیئے اور اگر جواب دینا مناسب ہے تو زبان سے دیا جائے یا دل میں جواب دیا جائے؟ مستفتی محمد حسن سواتی

﴿جواب﴾ خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہیئے اگر دینا ہو تو صرف دل میں دیا کریں۔

لمافی الدر المختار:(۷۰/۲،طبع امدادیہ)

قال:وینبغی أن لایجیب بلسانہ اتفاقافی الأذان بین یدی الخطیب.

ولمافی النھر:(۱۷۶/۱،طبع قدیمی)

أقول:ینبغی ان لاتجب باللسان اتفاقاوعلیٰ قول الامام فی الاذان بین یدی الخطیب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۳۷۶

﴿خطبہ کی اذان کہاں دی جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینی چاہیئے یامسجد سے باہر؟ایک مولاناصاحب کودیکھاہے کہ وہ خطبہ کی اذان کیلئے مؤذن کومسجد سے باہر بھیجتے ہیں،کیاخطبہ کی اذان مسجد کے اندردرست نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان منبر کے سامنے مسجد کے اندر ہی دی جائے،اسی پرامت کاعمل بھی چلاآرہاہے،لہٰذاخطبہ کی اذان مسجد کے اندر بلاکراہت جائزہے،منبر کے سامنے ہی دی جائے،جومولاناصاحب خطبہ کی اذان کیلئے مؤذن کو مسجد سے باہر بھیجتے ہیں اسکی وجہ ان سے معلوم کریں۔

لمافی الھدایۃ:(۱۸۱/۱،طبع رحمانیہ)

واذاصعدالامام المنبروأذن المؤذنون بین یدی المنبربذالک جری التوارث.

ولمافی الدرالمختار:(۷۰/۲،طبع امدادیہ)

(ویؤذن)ثانیا(بین یدیہ)أی الخطیب.

ولمافی المراقی:(ص۲۸۲،طبع قدیمی)

(و)یجب بمعنیٰ یفترض(ترک البیع).....(بالاذان الاول)الواقع بعدالزوال(فی الاصح) لحصول الاعلام بہ لانہ لوانتظرالأذان الثانی الذی عندالمنبرتفوتہ السنۃ وربمالایدرک الجمعۃلبعدمحلہ وھواختیارشمس الأئمۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۱۶جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۵۹۷

﴿بعض کلمات اذان قبل از وقت ہو جائیں تو اعادہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر اذان کے کچھ کلمات قبل از وقت کہے جائیں اور کچھ کلمات وقت میں تو اذان کا اعادہ کیا جائے یا نہیں؟ مستفتی: رضوان اللہ حقانی

﴿جواب﴾ وقت سے پہلے اگر اذان دی گئی پوری ہو خواہ کچھ کلمات وقت سے پہلے مؤذن نے کہدئے ہوں تو وقت داخل ہونے کے بعد دوبارہ اذان دی جائے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۸۵،طبع ایچ ایم سعید)

فیماداذان وقع بعضہ قبلہ وقال الشامی تحت(قولہ وقع بعضہ)وکذاکلہ بالاولی ولو لم یذکرالبعض لتوہم خروجہ فتصدبذکرہ التعمیم لاالتخصیص.

ولمافی النہرالفائق:(۱/۱۷۸،طبع قدیمی)

ولایصح ان یؤذن قبل دخول وقت بل یکرہ کمافی فتح القدیرای کراھۃتحریم وینبغی ان لافرق بین ایقاع الکل قبلہ اوالبعض والباقی فی الوقت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۸۰

﴿مسجد میں اذان دینا بلا کراہت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان مسجد سے باہر دینی چاہیئے یا مسجد کے اندر بھی دی جا سکتی ہے؟ مسجد سے باہر دینے کی صورت میں مسجد سے کتنی دور اذان دینے کی گنجائش ہے؟

﴿جواب﴾ اذان مسجد سے باہر دینے کا کوئی مستقل حکم نہیں ہے بعض فقہی کتب میں مسجد سے باہر دینے کو بہتر بتایا ہے تا کہ محلے والوں کو اذان کی آواز اچھی طرح پہنچ سکے، لہٰذا مسجد کے اندر ہوتے ہوئے اگر اذان کی آواز اچھی طرح پہنچ سکتی ہے تو مسجد کے اندر دینے میں کوئی کراہت نہیں ہے اور باہر دینے کی صورت میں اتنے فاصلے پر اذان دینے کی گنجائش ہے، جس سے سننے والوں کو بآسانی اندازہ ہو سکے کہ مؤذن فلاں مسجد میں جماعت کی دعوت دے رہا ہے، زیادہ دور فاصلے پر اذان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جسکی گنجائش نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ:(۱/۵۵،طبع رشیدیہ)

وینبغی أن یؤذن علی المأذنۃ أوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد.

ولما فی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ:(۱/۸۷،طبع رشیدیہ)

وینبغی أن یؤذن علی المئذنۃ أوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد.

ولما فی اعلاء السنن:(۸/۸۷،طبع دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

واعلم أن الأذان لایکرہ فی المسجد،مطلقاً کما فھم بعضھم من بعض العبارات الفقھیۃ، وعمومہ ھذا الاذان،بل مقیدا بما اذا کان المقصود اعلام ناس غیر حاضرین،کما فی ردالمحتار،وفی "السراج"،وینبغی للمؤذن أن یؤذن فی موضع یکون أسمع للجیران ......قلت والظاھر أن ھذا فی مؤذن الحی اما من اذن لنفسہ أو لجماعۃ حاضرین فالظاھر أنہ لایسن لہ المکان العالی لعدم الحاجۃ،تأمل......لکن فی الجلابی أنہ یؤذن فی المسجد أو ما فی حکمہ،لافی البعید منہ،قال الشیخ،فقولہ،فی المسجد ،صریح فی عدم کراھۃ الأذان فی داخل المسجد وانما ھو خلاف الأولیٰ اذا مست الحاجۃ الی الاعلان البالغ،وھو المراد بالکراھۃ المنقولۃ فی بعض الکتب،فافھم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۲۵جمادی الثانی۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۹۴

﴿کیا حضرت بلالؓ شین کی جگہ سین پڑھتے تھے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے بعض حضرات کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت بلالؓ اذان میں اشھد کی جگہ اسھد یعنی شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، یہ بات کس حد تک درست اور ثابت ہے؟ مستفتی:حافظ ضیاء اللہ دیروی

﴿جواب﴾ یہ بات اگر چہ عوام میں مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت بلالؓ اذان میں اشھد کی جگہ اسھد پڑھتے تھے لیکن علماء محققین نے اسکی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ فصیح اللسان اور بہترین آواز والے صحابیؓ تھے اور یہ بات جو ان کے متعلق مشہور ہو چکی ہے، اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔

لما فی السعایۃ:(۲/۷،طبع سھیل اکیڈمی)

اشتھر علی ألسنۃ العوام ان بلالاً کان یبدل الشین المعجمۃ سینا مھملۃ ولیس کذالک

قال المزنی علیٰ ماتقله عنه البرهانی السفاقشی انه قداشتهر علی الالسنة ولم نره فی شیئ من الکتب وقال ابن کثیر لااصل له ولایصح قال الحافظ السخاوی فی المقاصد الحسنة قداورده الموفق بن قدامة فی المغنی بقوله روی ان بلالا کان یقول اسهدان لااله الاالله بالسین المهملة والمعتمد هوالاول ورجعه غیرواحد بان بلالا کان ندی الصوت حسنه فصیحه وقال النبی ﷺ لعبدالله بن زیدالقه علیٰ بلال فانه اندیٰ صوتامنک ولوکانت فیه لثغة لتوفرت الدواعی علی نقلها ولعابها اهل النقص والضلال المجتهدین فی التنقص لاهل الاسلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۵۹۶

﴿اذان کے دوران انگوٹھے چومنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے دوران جب مؤذن " اشهدأن محمدأرسول الله " پڑھے تو سننے والوں کے لئے اس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ بعض لوگ شامی کا حوالہ دیتے ہیں۔　　　مستفتی: احسان اللہ صاحب سواتی

﴿جواب﴾ علامہ شامیؒ اپنے فتاوی شامیہ میں فقہاء کرام کے اقوال نقل کرنے کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں پھر عموماً آخر میں قول راجح کیطرف اشارہ بھی فرمادیتے ہیں، اس مسئلہ میں بھی بعض فقہاء کرام کے کتب سے حوالہ دیتے ہوئے انگوٹھے چومنے کا ذکر فرمایا ہے اسکو بھی بیان فرمایا چونکہ محدثین حضرات جیسے علامہ سیوطیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ موضوع ہے، اسکے متعلق کوئی حدیث نہیں، اس لئے آخر میں علامہ شامیؒ نے اس کی بھی تصریح فرمادی۔

بہر حال احادیث کے علاوہ خیر القرون میں اپنے سلف سے بھی اس کا کوئی واضح ثبوت ہمارے علم میں نہیں ہے جبکہ پاک وہند میں جاری اس عمل کو بعض لوگ وجوب کا درجہ دیتے ہیں، بلاشبہ یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ کے مترادف ہے، مؤذن کی شہادت رسالت کے موقع پر سننے والے کو آپ ﷺ نے کلمات شہادت دہرانے کی تعلیم فرمائی ہے، لہذا انہی کلمات کو دہرانے پر اکتفاء کرنا ہی اصل سنت ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کا اسم مبارک سننے کے موقع پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں احادیث میں واضح حکم ہے، اس لئے درود شریف بھی کوئی

ساتھ ساتھ پڑھ لے تو بہتر ہے۔

لمافی سنن ابی داود:(۱/۸۸،طبع رحمانیه)

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن.قوله فقولوامثل مایقول المؤذن الافی الحیعلتین فانه یقول لاحول ولاقوۃ الا بالله ولا فی قوله الصلاۃ خیر من النوم فانه یقول صدقت وبررت وبالحق نطقت..... الخ.

ولمافی الشامی:(۱/۳۹۷-۳۹۸،،طبع سعید)

(قوله ان سمع المسنون منه)الظاهران المرادماكان مسنوناجميعه.....فلوكان بعض كلماته غیرعربی اوملحوناالاتجب علیه الاجابةفی الباقی لانه حینئذلیس اذانامسنونا.....الخ.یستحب أن یقال عندسماع الاولی من الشهادةصلی الله علیک یارسول الله وعند الثانیةمنهاقرت عینی بک یارسول الله ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصربعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائدا له الی الجنة کذافی کنزالعباداه قهستانی.....وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامه عندسماع أشهد ان محمدارسول الله فی الاذان أناقائده ومدخله فی صفوف الجنة .....وذکرذلک الجراحی وأطال ثم قال:ولم یصح فی المرفوع من کل هذاشیء.

ولمافی تسیرالمقام للسیوطی:

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلهاعلی العینین عندسماع اسمه ﷺ عن المؤذن فی کلمةالشهادةکلهاموضوعات الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:حبیب الوہاب سواتی عفااللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۱۸

﴿اذان مسجد سے کتنے فاصلے پر دینا درست ہے؟﴾

﴿سوال﴾ مسجد سے کتنے فاصلے پر اذان دینا درست ہے؟ مستفتی:محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ بعض فقہاء کرام نے مسجد سے باہر اذان دینے کو اولی بتایا ہے یعنی مسجد سے باہر یا اذان خانہ میں دی جائے مسجد سے باہر کتنا قریب یا دور اذان دینا مناسب ہے اس کے بارے میں کوئی صریح جزئیہ ہمیں نہیں ملا، البتہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی طرف بلانا ہے اور یہ مقصد تب حاصل ہوسکتا ہے کہ اذان سننے والوں کو کسی سے پوچھے بغیر اندازہ ہو سکے کہ مؤذن کس مسجد یا جگہ میں جماعت کی دعوت دے رہا ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الجمعة،آیت۹)

یاایها الذین آمنوا اذا نودی... الآیة.

ولمافی روح المعانی:(۲۰۷/۲۸،طبع رشیدیه)

حتی اذاکان عثمانؓ وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فأمر بالتاذین الأول علی داره التی تسمی زوراء فاذا الخ.

ولمافی بدائع الصنائع:(۱۵۲/۱،طبع سعید)

فلما کانت خلافة عثمانؓ وکثر الناس أمر عثمانؓ بالاذان الثانی علی الزوراء وهی المنارة وقیل اسم موضع بالمدینة.

ولمافی وفاء الوفاء:(۵۳۱/۲،طبع دار احیاء التراث العربی)

وحدذلک... مابین المسجد الی خاتم الزوراء عند دار العباسؓ ابن عبد المطلب بالسوق ..... الخ وکذافی الشامی:(۳۹۵/۱،طبع سعید)

ولمافی الهندیة:(۵۵/۱،طبع رشیدیه)

وینبغی أن یؤذن علی المأذنة أوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب:محمد احمد عفااللہ عنہ

۴صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۶۴

﴿مسجد میں کوئی نہ آئے تو تب بھی اذان اور اقامت کہہ نماز پڑھنی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام صاحب مسجد میں آجائیں اور نمازی کوئی بھی نہ ہو تو کیا اقامت کہکر اپنی نماز پڑھے گا یا اقامت کی ضرورت نہیں؟ یہاں ایک بندہ نے بتایا کہ اس صورت میں اقامت کہنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر مسجد میں کوئی حاضر نہ ہو تو سنت کے درجہ میں اذان اور اقامت کہنا ضروری ہے،لہٰذا امام کو چاہیے کہ اذان کے بعد انتظار کرلیں کوئی نہ آئے تو اقامت کہہ کر اپنی نماز پڑھ لے۔

لمافی مصنف ابن ابی شیبة:(۲۲۸/۱،طبع امدادیه)

عن عطاء ان رجلا قال له اذاکنت وحدی أؤذن وأقیم قال:نعم.

ولمافی الشامی:(۵۵۵/۱،طبع سعید)

قلت لکن فی الخانیه وان لم یکن لمسجد منزله موذن فانه یذهب الیه ویوذن فیه

ویصلی وان کان واحدالان لمسجدمنزله حقاعلیه فیودی حقه،موذن مسجدلایحضر مسجده احد قالواھویؤذن ویقیم ویصلی وحده وذالک احب من ان یصلی فی مسجدآخر.وکذافی الخانیۃ:(۱/۶۵،طبع قدیمی)

ولمافی البزازیۃ:(۱/۲۵،طبع قدیمی)

اذالم یکن فی المسجدالاالموذن فالافضل ان یصلی باذان واقامۃوحدہ فی مسجدہ وھذااحب من ان یصلی فی مسجدآخربالجماعۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب لقمانی عفااللہ عنہ

۷جمادی الثانی۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۱۳

﴿اقامت میں ''حیعلتین'' پر منہ دائیں بائیں پھیرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے کہ اقامت کے اندر"حی علی الصلوٰۃ اور"حی علی الفلاح"کہتے ہوئے دائیں بائیں منہ پھیرناضروری ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ اذان کی طرح اقامت میں بھی ''حیعلتین'' پر منہ دائیں بائیں پھیرنا چاہیئے لیکن اگرکوئی ایسانہ کرے تو بھی اقامت ہوجائے گی۔

لمافی الشامی:(۱/۳۸۷،طبع سعید)

(ویلتفت فیه)وکذافیہامطلقاً(یمیناًویساراً)(قوله وکذافیہامطلقاً)ای فی الاقامۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد کاشف عزیزغفرلہ

۲۶ذیقعدہ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۳۹۹

﴿وضوء کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکوئی شخص وضوء کررہاہواوراسی دوران اذان شروع ہوجائے توکیایہ شخص وضوء کے مسنون دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے؟

مستفتی:حافظ ابوبکرشیرین جناح

﴿جواب﴾ اذان کے جواب کیلئے مناسب یہ ہے کہ اسکا جواب دیتے ہوئے انسان کسی بھی عمل میں مشغول نہ ہو بلکہ تمام اعمال کومؤخرکرکے اجابت کی طرف متوجہ ہواورترتیب سے

اذان کا جواب دیتا رہے، تاہم وضوء کو جاری رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ اذان کا جواب بھی دیتا رہے تو بھی جواب دینے کا اجر ملیگا، البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ پورے اہتمام سے جواب دیتا رہے درمیان میں وضوء کے مسنون دعاء وغیرہ کیوجہ سے کلمات اذان میں فصل واقع نہ ہو۔

لمافی ردالمحتار:(۳۹۹/۱،طبع ایچ ایم سعید)

وینبغی للسامع ان لایتکلم ولا یشتغل بشئ فی حالة الاذان والاقامة ولا یرد السلام ایضا، لان الکل یخل بالنظم.

ولمافی بدائع الصنائع:(۱۵۵/۱،طبع ایچ ایم سعید)

ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی حال الاذان والاقامة ولا یشتغل بقراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوی الاجابة ولو کان فی القراء ة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة کذا قالوا فی الفتاوی. ومثله فی الفتاوی الهندیة:(۵۷/۱،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۹۸

﴿زبان سے اذان کا جواب دینا عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی عورت گھر میں تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو اور اس دوران اذان ہو جائے تو کیا وہ عورت تلاوت جاری رکھے یا اسے روک کر اذان کا جواب دے، کیا اذان کا جواب دینے کا حکم مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے؟

مستفتیہ: سائلہ بلال کالونی کورنگی

﴿جواب﴾ زبان سے اذان کا جواب دینا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے اور اذان کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب بھی اذان کی آواز سنے تو تمام اعمال چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو کر اسی کا جواب دیتا رہے، لہٰذا اس عورت کو چاہئے کہ دوران اذان تلاوت کلام پاک روک لیا کرے اور جواب اذان سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت دوبارہ شروع کرے۔

لمافی کنزالعمال:(۲۸۷/۷،رقم الحدیث:۲۱۰۰۵،طبع رحمانیه)

یامعشر النساء اذا سمعتن هذا الحبشی یؤذن ویقیم فقلن کما یقول فان الله یکتب لکن

بکل کلمة مائة الف حسنة ویرفع لکن الف درجة ویحط عنکن الف سیئة قلن: هذه للنساء فما للرجال؟ قال للرجال ضعفان (ابن عساکر وابن حضری فی امالیه عن معمر عن الجراح عن میسرة عن بعض اخوانه یرفع الحدیث.

ولما فی الشامی: (۳۹۲/۶ طبع امدادیه)

(ویجب) وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابة بالقدم (من سمع الاذان) ولو جنبا لاحائضا ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة......الخ.

ولما فی التنویر مع الدر: (۳۹۸/۶-۳۹۹ طبع امدادیه)

(قوله لا بلسانه) ای لان الاجابة به مندوبة علی هذا القول کما مر (قوله فیقطع قرأة القرآن) الظاهر ان المراد المسارعة للاجابة وعدم القعود لاجل القراءة لاخلال القعود بالسعی الواجب والا فلا مانع من القراءة ماشیا الا ان یراد یقطعها ندبا للاجابة باللسان ایضا......وبه تأیدما صرح به جماعة من اصحابنا من عدم وجوب الاجابة باللسان وانها مستحبة: وهذا ظاهر فی ترجیح قول الحلوانی وعلیه مشی فی الخانیة والفیض ویدل علیه قوله ﷺ "اذا سمعت النداء فاجب داعی الله" (قوله لا یرد السلام)......قال فی المعراج وفی التحفة: وینبغی للسامع ان لا یتکلم ولا یشتغل بشیء فی حالة الاذان والاقامة ولا یرد السلام ایضا لان الکل یخل بالنظم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۶۹

﴿ضرورت ہو تو امام بھی اقامت کہہ سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں مؤذن مقرر نہیں ہے اکثر اوقات امام صاحب خود اذان بھی دیتے ہیں اور امامت بھی کراتے ہیں تو اس صورت میں اقامت بھی خود کہے یا دوسرے کو اجازت دے تاکہ وہ اقامت کہے مؤذن کی اجازت کے بغیر کوئی اقامت کہے تو کراہت ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: خلیل الرحمٰن

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ جو آدمی آذان کہے وہی اقامت کہے لیکن اگر مؤذن مقرر نہ ہو یا موجود نہ ہو تو دوسرا آدمی بھی اجازت کے ساتھ اقامت کہہ سکتا ہے، امام اور مؤذن اگر کسی کی اقامت پر راضی نہ ہوں تو اسکا اقامت کہنا مکروہ ہوگا اگر امام صاحب نے اذان کہی ہو تو خود بھی

اقامت کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی اجازت دے سکتے ہیں، امام صاحب مصلّی پر جانے کے بعد خود اقامت شروع نہ کرے تو کوئی بھی اقامت کرے اسلئے کہ یہ دلالۃ اجازت ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۹۵/۱-۲۹۶،طبع سعید)

(اقامة غير من أذن بغيبته)اى المؤذن (لايكره مطلقا)وان بحضوره كره ان لحقه وحشة اى بان لم يرض به لكن فى الخلاصة ان لم يرض به يكره.

وفى الشامية:ولكن الافضل ان يكون المؤذن هو المقيم اى لحديث من أذن فهو يقيم.

ولما فى الهندية:(۵۴/۱،طبع رشيديه)

وان اذن رجل واقام آخر ان غاب الاول جاز من غير كراهة وان كان حاضرا ويلحقه الوحشة باقامة غيره يكره وان رضى به لايكره عندنا كذا فى المحيط......والاحسن ان يكون اماما فى الصلاة كذا فى معراج الدرايه.والافضل ان يكون المؤذن هو المقيم.

ولما فى حاشية الطحطاوى:(ص۲۰۰،طبع قديمى)

اذا كان المقيم غير الامام اتمها فى موضع البداءة وان كان اماما فعن ابى يوسف يتمها فى موضعه وخيره الفتيه مطلقا وجزم به فى الخلاصة وصحح ماروى عن ابى يوسف.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	فتویٰ نمبر:۲۵۵۲